کشتِ ویراں

سردار محمد چوہدری

3791

Marfat.com

صادق ہوں اپنے قول کا غالب خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

Marfat.com

فہرست مضامین

۱۔	عرض مولف		۹
۲۔	پیش لفظ		۱۵
۳۔	باب نمبر۱	آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی.....	۱۸
۴۔	باب نمبر۲	دل سے جو بات نکلتی ہے.....	۲۴
۵۔	باب نمبر۳	عید آزاداں شکوہ موماناں.....	۲۶
۶۔	باب نمبر۴	ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن.....	۳۲
۷۔	باب نمبر۵	چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا.....	۴۳
۸۔	باب نمبر۶	ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی......	۴۷
۹۔	باب نمبر۷	کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا.....	۵۷
۱۰۔	باب نمبر۸	میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم.....	۶۱
۱۱۔	باب نمبر۹	سروری در دین ماخدمت گری.....	۶۸
۱۲۔	باب نمبر۱۰	فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ.....	۷۲
۱۳۔	باب نمبر۱۱	آئین نو سے ڈرنا' طرز کہن پر.....	۷۸
۱۴۔	باب نمبر۱۲	آئے عشاق' گئے وعدہ فردا.....	۸۴
۱۵۔	باب نمبر۱۳	جعفر از بنگال و صادق از دکن.....	۸۸

Marfat.com

۱۶۔ باب نمبر ۱۴ چیست روباہی تلاشِ سازِ برگ..... ۹۴

۱۷۔ باب نمبر ۱۵ اہل کمال کو نہ ملا اک جست میں......... ۹۷

۱۸۔ باب نمبر ۱۶ ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی..... ۱۰۸

۱۹۔ باب نمبر ۱۷ محبت مجھے ان جوانوں سے ہے..... ۱۱۴

۲۰۔ باب نمبر ۱۸ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا..... ۱۲۱

۲۱۔ باب نمبر ۱۹ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن..... ۱۳۰

۲۲۔ باب نمبر ۲۰ افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر..... ۱۴۰

۲۳۔ باب نمبر ۲۱ خداوندا تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں..... ۱۵۴

۲۴۔ باب نمبر ۲۲ آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا..... ۱۸۱

۲۵۔ باب نمبر ۲۳ میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں..... ۱۹۲

۲۶۔ باب نمبر ۲۴ جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں..... ۱۹۸

۲۷۔ باب نمبر ۲۵ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے..... ۲۰۵

۲۸۔ باب نمبر ۲۶ نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز..... ۲۱۲

۲۹۔ باب نمبر ۲۷ اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں..... ۲۲۰

۳۰۔ باب نمبر ۲۸ ہو اگر قوت فرعوں در پردہ مرید..... ۲۲۶

۳۱۔ باب نمبر ۲۹ عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث..... ۲۳۳

۳۲۔ باب نمبر ۳۰ یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے..... ۲۴۰

۳۳۔ باب نمبر ۳۱ تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ..... ۲۴۸

۳۴۔ باب نمبر ۳۲ افراد کے ہاتھوں میں ہے..... ۲۵۶

۳۵۔ باب نمبر ۳۳ خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا انبار تو..... ۲۶۵

۳۶۔ باب نمبر ۳۴ یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے..... ۲۷۳

۳۷۔ باب نمبر ۳۵ پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں..... ۲۷۸

۳۸۔ باب نمبر ۳۶ میر سپاہ ناسزا لشکریاں..... ۲۸۷

۳۹۔ باب نمبر ۳۷ ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب..... ۲۹۴

Marfat.com

۴۰۔ باب نمبر۳۸ من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج..... ۳۰۳
۴۱۔ باب نمبر۳۹ عشق تھا فتنہ گر و سرکش چالاک..... ۳۲۰
۴۲۔ باب نمبر۴۰ وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں..... ۳۲۹
۴۳۔ باب نمبر۴۱ زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ..... ۳۳۵
۴۴۔ باب نمبر۴۲ فلک نے ان کو عطا کی ہے..... ۳۴۴

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مولف

لاس اینجلس امریکہ میں پاکستانیوں سے خطاب کرتے ہوئے وسط اپریل ۱۹۹۵ء میں وزیراعظم پاکستان نے فرمایا "ہم یہاں بھیک مانگنے نہیں آئے"۔۔۔۔۔

مگر حقیقت اس کے خلاف تھی۔ سال بھر پہلے سے اس امریکہ یاترا کا چرچا زوروں پر تھا۔ تمام سرکاری ذرائع ابلاغ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ وزیراعظم کی پرکشش اور من موہنی شخصیت امریکہ اور کلنٹن کو مکمل طور پر فتح کر لے گی۔ تمام معاشی اور فوجی امداد بحال ہو جائے گی اور پاکستان نہال ہو جائے گا۔ ثقافتی طائفے الگ بھیجے جا چکے تھے اور کروڑوں ڈالر اس ممکنہ بھیک کی آرزو میں خرچ ہو چکے تھے۔ پوری قوم کشکول بھرے جانے کی نوید سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھی اور خبر لگتی ہے۔

"ہم یہاں بھیک مانگنے نہیں آئے" میرے شعور کا ایک کونا پکار اٹھا انگور کھٹے ہیں۔ فقیروں کی امیدیں بر نہیں آ رہیں۔۔۔۔۔ اور پھر میرا تحت الشعور پکار اٹھا بلکہ بے قابو ہو کر چیخ اٹھا:

"کیا یہ دن دیکھنے کے لیے ہم لوگوں نے پاکستان بنایا تھا؟"۔

"کیا پاکستان سیاسی محتاجی اور معاشی ابتری کے لیے تخلیق ہوا تھا؟"

Marfat.com

"نہیں! نہیں! قطعاً نہیں"

میری پوری روح و جان نے یک جان ہو کر کہا۔ اس کی اساس اور تھی۔ اس کی سج دھج اور تھی۔ یہ تو ایک مرقع حسن و جمال اور مسلمانان ہند کی راہ نجات و فلاح تھی۔

اقبال نے تو شروع صدی ہی سے مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی نجات کی اسے راہ بتایا تھا۔ پھر اس نے دین اسلام کی روح میں ڈوب کر ہمیں خودی، خود داری اور خود شناسی کا سبق پڑھایا تھا۔

اقبال نے گہرے تاریخی شعور سے کام لے کر ہمیں بھٹکے راستے سے سیدھی راہ پر ڈالا تھا کہ یہی ہماری عظیم میراث ہے جسے ہمارے اسلاف نے بڑی قربانی اور قوت ایمانی سے حاصل کیا تھا۔ کہ آپ حضور ؐ کے عظیم انقلابی پیغام کی روشنی میں محمد بن قاسم مظلوموں اور بے کسوں کی مدد کے لیے آیا تھا۔ محمود غزنی سے آیا تھا' افغان اور مغل وہ روشن تہذیب جو مدینہ' دمشق اور بغداد سے وسط ایشیاء کی علمی و روحانی کٹھالیوں میں نکھری تھی اپنے جلو میں لے کر آئے تھے۔ یونانی اور چینی فلسفہ کو اسلامی کیمیاء سے جلا بخش کر لائے تھے اور ان سب سے آگے آگے وہ صاحبان کشف و کمال نور ہدایت کی شمع لے کر آئے تھے جنہیں ہم حضرت داتا گنج بخش' حضرت معین الدین چشتی' حضرت بہاؤالدین ذکریا' بابا گنج شکر' حضرت بختیار کاکی' حضرت نظام الدین اولیاء' حضرت مجدد الف ثانی اور دیگر عالی قدر القابات سے آج تک یاد کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں آنے والے جانشینوں نے اپنی کمال نالائقی اور بدعملی سے ان عظیم شخصیات کی کاوشوں پر پانی پھیر دیا اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ ایک دور دراز سات سمندر پار تہذیب نے اسی عظیم تہذیب کے انحطاطی دور میں اسے آدبوچا۔ سراج الدولہ نے بہت کوشش کی۔ سلطان ٹیپو بھی شیر کی طرح گرجا مگر جو جسم اندر سے کھوکھلا ہو جائے اسے گرنے سے کون بچا سکتا ہے۔

انگریز آ گیا۔ ہندو اس سے مل گیا اور مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ایک عظیم قوم ڈھیر ہو گئی۔ ایک عظیم تہذیب برباد ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ وہ لوگوں (اور تہذیبوں) کے دن بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں سید احمد خان' علامہ اقبال اور حضرت قائداعظم ایسے جلیل القدر راہنما مل گئے اور انہوں نے عیار دشمن کی تمام چالیں ہی الٹ دیں۔ ہزار چالاکی اور منافقت کے باوجود وہ شکست کھا گئے۔ اور ان زعماء کی محنت سے ہم ایک پسی اور بکھری ہوئی بھیڑ سے ایک دفعہ پھر ایک توانا اور

Marfat.com

خوددار قوم بن گئے۔ ۱۹۴۰ء میں راہ و منزل متعین ہوئی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہم ایک عظیم مقتدر اور باوقار مملکت بن کر روئے زمین پر ابھرے۔

اغیار زیر تھے۔ ہم ایک آزاد و غیور قوم تھے۔ پاکستان ہماری پہچان تھی۔ یہی ہماری شان تھی۔ منزل ملنے پر ہم مسافت کی تمام کدورتیں اور تکلیفیں بھول گئے تھے۔ پاکستان ہمارے بزرگوں کی مساعی کا اعلیٰ انعام تھا۔ کسی دنیاوی طاقت کا احسان نہ تھا۔

مگر کچھ دیر کے بعد ہمارے کچھ لوگ بھول گئے۔ وہ اپنا اپنا فریضہ ادا کر کے اپنی متاع عزیز کو مضبوط کرنے کی بجائے اس کے ٹکڑے نوچنے لگ گئے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جسے وہ منزل سمجھ بیٹھے ہیں وہ تو ایک موقع تھا۔ منزل تو ہماری متحرک تھی۔ ہمیں تو ابھی اور بہت سی منزلیں طے کرنا تھیں۔

کیا ہماری منزل صرف زمین تھی؟ نہیں، بالکل نہیں۔ یہ تو اس کا صرف پلیٹ فارم تھا۔ گاڑی تو ابھی چلنا تھی۔ جسم تھا جس کے اندر روح کو متحرک ہونا تھا۔ روح کے بغیر جسم کیا کہلاتا ہے؟ وہ چیز جسے گدھیں نوچتی ہیں۔

آہ میرے مولا! مگر میرے وطن کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ قائداعظم اللہ کو پیارے ہو گئے اور قائد ملت شہید۔ دشمن قوتوں نے شہ ملتے ہی سر اٹھا لیا۔ خواجہ ناظم الدین کی سیاسی بصیرت بغداد پیکٹ میں شامل ہونے کی انہیں اجازت نہیں دیتی تھی۔ آئزن ہاور دوسری جنگ عظیم کے سپریم کمانڈر اس وقت امریکہ کے صدر تھے۔ ان کی فوجی نگاہ روس اور چین کے خلاف گھیرا تنگ کرنے پر انہیں اکسا رہی تھی۔ فوجی ذہن کو فوجی سمجھتا ہے اس نے تمام دنیا کی فوجی کمانڈ کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا۔ پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل ایوب خان بھی اسی ساحر سامری کے اسیر ہو گئے۔ پھر انہوں نے اور ملک غلام محمد نے مل کر خواجہ صاحب کو چلتا کیا۔ امریکہ میں متعین ہمارے سفیر محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم پاکستان بنا ڈالا۔ وردی میں ملبوس کمانڈر انچیف وزیر دفاع بن گیا۔ پاکستان کو امریکی امداد ملی۔ فوجی امداد ملی۔ کوتاہ اندیشوں نے شادیانے بجائے اور کہا پاکستان بچ گیا۔

.....اور پھر امداد ادھار بنتی گئی۔ پاکستان مقروض و محتاج ہوتا گیا۔ ہر دور نے اس میں اضافہ کیا۔ سنہری زنجیریں غلامی کی سخت بیڑیاں بنتی گئیں اور ایک اسرافی و بداخلاق معیشت و معاشرت نے پاک سرزمین کو آ جکڑا۔

Marfat.com

ذلت و رسوائی ہماری منزل ہو گئی۔ چند گدھیں کھاتیں اور خوش ہوتیں اور ٹھکرائے جانے پر چیخ بھی دیتیں۔ "ہم یہاں بھیک مانگنے نہیں آئے"

حالانکہ یہاں پر "نہیں" کا لفظ بالکل اضافی اور غیر حقیقی تھا۔

اس سے پہلے بھی ہم کبھی کبھی صدائے فقیر اٹھاتے رہے تھے کہ

"ہمیں نہیں درکار غیروں کی امداد"

.....اور پھر جب ملی تو لے لی.....

اور پھر بے حساب لے لی

کہ سب کچھ ہی تیاگ دیا

پورا معاشرہ بگاڑ دیا

کلاشن کوف اور ہیروئن کلچر کا شکار کر دیا' جرم و زیادتی کا خوگر بنکر تہذیب سے گرا دیا۔

کیوں؟

کہ ۱۹۵۴ء کے بعد یہ مادر وطن... ہمارے اسلاف کی امانت' تحریک پاکستان اور اس سے پہلے ابھرنے والی تمام انقلابی تحریکوں کی آخری امانت خائنوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ انقلاب ضد انقلاب قوتوں کے ہاتھوں یرغمال بن گیا تھا۔

اسی لیے تو ان قوتوں کی نمائندہ بھیک مانگ رہی تھی ہمارا المیہ یہ رہا ہے کہ ہم نے یہ دیکھا ہی نہ کہ وہ تمام قوتیں جنھوں نے تحریک و تخلیق پاکستان کی ایڑی چوٹی سے مخالفت کی تھی ہم ان ہی کے ہتھے چڑھ گئے۔

اور جب تھوڑی دیر کے لیے جاتے تھے تو اپنے ہی تراشیدہ جعلی جمہوریت کے بتوں کو حکمران بنا دیتے۔

کیا ذوالفقار علی بھٹو جمہوری قوتوں کا نمائندہ تھا؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔

وہ تو جنرل ایوب کے مکتب کا فارغ التحصیل تھا

اور ہم نے جھوٹ کو سچ مان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے تو منع فرمایا ہے کہ سچ کو جھوٹ کا لباس مت پہناؤ۔ جرنیلوں کی کٹھالی میں پلا پوسا جمہوریت کا چیمپئن؟

واہ! کیا مذاق ہے۔

ضیاء الحق کے بعد آنے والے کیا جمہوری سوچوں کے امین ہیں؟

Marfat.com

قطعاً نہیں۔

لیکن سیاسی عمل کی اپنی مجبوری ہے۔ اپنی خوبصورتی ہے مگر تب جب یہ پک کر پھل دینا شروع کر دیتا ہے۔ ابھی تو شجر لگایا ہے۔ پودے کو ثمربار درخت بنتے بنتے وقت درکار ہے۔

سیاست کا شاہین قائداعظم محمد علی جناح تھا وہ شاہین جس کی نگاہ بلند ہوتی ہے۔ وہ کبھی مردار نہیں کھاتا۔ وہ پاکستان بناتا ہے.....

وہ پاکستان توڑتا نہیں

وہ بھیک نہیں مانگتا

وہ اپنا حق لیتا ہے

مگر کرگس بھیک مانگتا ہے

.....اور کہتا ہے

نہیں مانگتا۔

شاہین کا جہاں اور

کرگس کا جہاں اور

مگر شباہت ہے ایک سی

یہی ہمارا المیہ ہے

ہم دوست دشمن کو پہچان نہیں پا رہے

اگر ہمیں آزاد اور پروقار قوم بن کر رہنا ہے تو پھر ہمیں اپنے آپ سے آگاہ ہونا ہو گا۔

اسی خود آگاہی کی تلاش میں میں نے یہ کتاب لکھ ڈالی۔ 13 اپریل ۱۹۹۵ء کو شروع کی اور ۲۰ جون ۱۹۹۵ء کو اس نتیجہ پر پہنچ کر کہ عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آ چکے ہیں۔

میرا قلم آگے نہ چل سکا۔ اور میں نے تقریباً اتنے زیادہ صفحات ابیض سیاہ کر دیئے۔

سوچا اسے چھپوایا جائے مگر دوستوں نے کہا کہ آپ سرکاری ملازم ہیں ابھی نہ چھپوائیں.....

اور میں اپنی آہوں اور سسکیوں کو پی گیا.....

ہائے رے شکم پروری کی مجبوری۔

مگر میں نے یہ تحریر کوئی مایوسی پھیلانے کے لیے نہیں لکھی۔ میں نے صرف مرض کی حتی المقدور تشخیص کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحیح تشخیص آدھا علاج ہے۔ میں تو بے حد خوش فہم

Marfat.com

انسان ہوں اور کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ یہ ہماری صعوبتیں صرف عارضی ہیں۔ پاکستان کا مستقبل بہت روشن ہے اور انشاء اللہ میرا وطن بہت ترقی کرے گا۔ اغیار کی تمام تر کوشش کے باوجود یہ ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم اور روشن و تاباں رہے گا۔

.....اور ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو میرا خواب ایک خوبصورت حقیقت بن کر ابھرا۔ ہم ایٹمی طاقت بننے کا ثبوت پیش کر سکے۔ اغیار کی تمام تر عیاریوں کے باوجود پاکستان ایٹمی کلب کا ممبر بن کر تمام اسلامی دنیا کا سرخیل بن گیا۔ شائد یہی مشیت ایزدی تھی۔ یہی اقبال کا خواب تھا اور قائداعظم کی کاوش کہ نواز شریف نے بم کا دھماکہ کر دیا۔ مارشل لاء کی کوکھ سے ابھرنے والے نواز شریف کے ذریعہ.... شاید یہی سیاسی عمل کی خوبصورتی کی بہترین مثال ہے.... ضد انقلاب قوتیں پسپا ہو رہی ہیں اور تحریک پاکستان کے جوش و ہوش کے وارثین اور امین آگے بڑھ رہے ہیں۔

خدا کرے کہ میرا یہ سہانا سپنا کبھی نہ ٹوٹے۔

اس کتاب کی تیاری میں' میں اپنے دوست اور رفیق کار جناب ایس۔ ایم۔ شفیق صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے دن رات محنت کر کے اس کی نوک پلک درست فرمائی اور ادارت کے مشکل فرائض ادا فرمائے۔ اگر شفیق صاحب میری مدد نہ فرماتے تو شاید یہ کتاب کبھی بھی طباعت کے مراحل طے نہ کر سکتی۔ میں جناب ظہور احمد چوہدری اور ذوالقرنین جاوید کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اسے کمپوز کر کے اس قابل بنایا کہ آپ پڑھ سکیں۔ میں اس کتاب کے ہر قاری کا بے حد ممنون ہوں جو اسے پڑھ رہے ہیں۔ یہ تاریخ بھی ہے اور چند جذبوں کی موج بھی۔ خدا کرے قاری کے ہر اعلیٰ وارفع جذبہ پاکستانیت کو یہ میری ناقص تحریر ابھارتی ہی جائے کہ :-

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

میں اس تحریر کو شہدائے تحریک پاکستان (معروف و غیر معروف) کے عظیم کارناموں سے معنون و منسوب کرتا ہوں کہ شاید ان کی نگاہ کرم سے مرے بہت سے گناہ دھل جائیں۔

زہے اللہ قبول

لاہور — احقر

نومبر ۱۹۹۸ء — سردار محمد چوہدری

Marfat.com

پیش لفظ

زیر نظر کتاب "کشت ویراں" سابق انسپکٹر جنرل آف پولیس پنجاب محترم سردار محمد چوہدری کی ایسی کاوش ہے جسے تاریخ آزادی کے تناظر میں اگر تخلیقی ادب کا نام دیا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ چوہدری صاحب نے یہ کتاب اس انداز میں تحریر کی ہے کہ شائد ماضی میں اس نہج پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ یہ کتاب محض تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں ہر شخص کو خواہ وہ انگریز تھا ہندو یا مسلمان اس کی حیثیت کے مطابق مقام دیا گیا ہے۔ اگر ہندوؤں نے کوئی اچھا کام کیا تو اس کو سراہنے میں کنجوسی سے کام نہیں لیا گیا اور اگر کسی مسلمان نے گھٹیا حرکت کی یا اخلاق باختگی کا مظاہرہ کیا تو اسے تنقید کا نشانہ بنانے میں کسی رو رعائت سے کام نہیں لیا گیا۔ اس کتاب میں ادب کی چاشنی بھی ہے واقعات کا تسلسل بھی اور اپنے زعماء کو خراج تحسین بھی جنہوں نے آزادی کے لیے دامے' درمے' سخنے ہر حال میں قربانی دی۔

محترم چوہدری صاحب نے جب اس کتاب کی تدوین کا فریضہ مجھے سونپا تو میں تھوڑا سا گھبرایا کیونکہ میری دانست میں اتنے بڑے آدمی کی تحریر اور جذبات کو ترتیب دینا شائد میرے لیے ممکن نہ تھا۔ لیکن جب چوہدری صاحب نے مجھے پوری طرح بااختیار بنا دیا کہ جس لفظ' جس لائن کو ختم کرنا چاہوں تو میں آزاد ہوں۔ لیکن ان کے بنیادی نظریے کو بدلنے کا مجھے حق نہیں ہو گا' تو میں بخوشی اس کتاب کی تدوین کے لیے تیار ہو گیا۔ مسودہ کے ابتدائی اوراق پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرے اور چوہدری صاحب کے خیالات میں انیس بیس کا فرق ہے' اس سے زیادہ نہیں۔ یوں مجھے اس کتاب کی نوک پلک سنوارنے میں کوئی زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑی۔ جو واقعات اس کتاب میں

Marfat.com

درج ہیں اور جن شخصیات کا تذکرہ ہے' اُن کے بارے میں میں نے نہ صرف اپنے ذاتی علم سے تصدیق کی بلکہ متعلقہ کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ جب بھی مجھے ضرورت پڑی میں نے محترم چوہدری صاحب سے مشورہ کیا اور جب ہم کسی ایک نکتہ پر متفق ہو گئے' تو پھر اسے کتاب میں شامل کیا۔

مجھے یہ کہنے میں مسرت ہو رہی ہے کہ مصنف نے تحریک پاکستان اور اسلام کے پیغام کے جذبات میں ڈوب کر اور اس کی مکمل چاہت کا احاطہ کر کے یہ کتاب ضبط تحریر لائی ہے۔ جس میں عقل کے ساتھ ساتھ جذب و مستی کی کیفیت جو ایک مومن کی صحیح علامت ہے' اس تحریک کی پوری تصویر کشی کی ہے جس سے قاری کے دل اور دماغ دونوں پر ایسا اثر مرتب ہوتا ہے کہ تاریخ کے اس عظیم معجزے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس میں علم بھی ہے اور عقل بھی ہے' کیف و مستی بھی ہے اور دل گداز کیفیت بھی۔ بات دلوں میں اترتی جاتی ہے۔۔ میں خود بھی تاریخ کا طالب علم رہا ہوں اور میرا تعلق ایک دینی گھرانے سے ہے' اس طرح اس کتاب کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے کے لیے' یہ تمام عوامل بڑے مدد گار ثابت ہوئے۔ میرے لیے یہ اچنبھے کی بات تھی کہ چوہدری صاحب جو ساری عمر انگریزی میں خط و کتابت کرتے رہے اور انگریزی ادب کا مطالعہ کرتے رہے' وہ اس قدر اچھی اردو نہ صرف لکھ سکتے ہیں بلکہ اسے ایک تخلیقی رنگ بھی دے سکتے ہیں۔ دین اسلام کے بارے میں چوہدری صاحب کا علم عام افسران سے بہت اونچا ہے۔ اللہ' اس کے رسول اور اولیائے کرام سے ان کی محبت مثالی ہے۔ انہوں نے زیر نظر کتاب میں جس خوبصورتی اور جذباتی لگاؤ کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے' شائد معدودے چند ایسے لوگ ہوں گے جو اس طرح اظہار کرنے کا اسلوب رکھتے ہوں۔ بحیثیت ایڈیٹر میں نے اس کتاب کو ابتدا سے انتہا تک پڑھا ہے اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ جہاں بھی کسی لفظ کی تکرار ہو اس کا متبادل استعمال کیا جائے۔ املاء کی صحت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ واقعات کی صحت کو ہر معیار پر پرکھا گیا ہے۔ اگر میں اس کو ایک منفرد کتاب نہ کہوں تو یہ بخل ہو گا اور میں بخیلوں کو پسند نہیں کرتا۔ جیسا کہ فارسی کا ایک شعر ہے۔

بخیل گر بود زاہد بحروبر
بہشتی نہ باشد بحکم خبر

(بخیل جنت میں نہیں جا سکتا چاہے وہ کتنا ہی زاہد اور پارسا ہو)

Marfat.com

میں چوہدری انور ظہور اور چوہدری واجد علی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے گاہے بگاہے مجھے اخلاقی اور علمی مدد فراہم کی جس سے میرا کام قدرے آسان ہو گیا۔

انہی الفاظ کے ساتھ میں اپنی بات کو ختم کرتا ہوں اور اللہ کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں اتنا بڑا کام پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔

احقر العباد

ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ شفیق

ایم۔ اے۔' ایل ایل۔ بی۔' پی ایچ۔ ڈی

لاہور

نومبر ۱۹۹۸ء

Marfat.com

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امریکہ پچھلے کئی سالوں سے پاکستان کے ساتھ بہت ناراض ہے اور پریسلر نامی قانون کے تحت پاکستان کو ہر قسم کی امداد بند کی ہوئی ہے کیونکہ امریکہ کی نگاہ میں پاکستان اپنا ایٹم بم بنا رہا ہے۔ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کر رہا ہے۔ وسط ایشیاء کی نو آزاد مسلمان ریاستوں سے معاشی اور سفارتی تعلقات قائم کر رہا ہے۔ گوادر کی بندر گاہ ان کے لئے تیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور مسلمان ریاستوں سے رابطہ کے لیے موٹر وے جیسے منصوبے تیار کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔ اپنی اسلامی اور دینی شناخت کا دم بھرنے کی خفیف سی امنگ رکھتا ہے اور اسی طرح کی اور "احمقانہ" آرزوئیں رکھتا ہے۔

مگر یہ سب کچھ تو ہمارے محسن کو پسند نہیں ہے بلکہ اسے تو کانٹے کی مانند چبھ رہا ہے۔ وہاں کے دانشوروں نے تو بہت طویل اور عمیق تجزیوں کے بعد مسلم تہذیب کو اپنے لیے آئندہ کا سب سے بڑا خطرہ قرار دے دیا ہوا ہے۔ روسی کمیونزم کی شکست و ریخت کے بعد اسے تاریخ کی انتہا اور آخری منزل کہنے کے بعد ابھی سیاہی خشک بھی نہ ہوئی تھی کہ امریکہ اور مغربی طاقتوں کو یکایک یاد آگیا کہ ان کا اصلی دشمن تو اسلام ہی ہے کہ اس کی تہذیب صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ وہی تہذیب تھی جس کی کوکھ سے وہ علمی ضوفشانی ہوئی جس کی روشنی سے ان کی اپنی تہذیب نے پندرھویں اور سولھویں صدی میں پذیرائی حاصل کی اور اس کے بل بوتے پر اتنی طاقت پکڑی۔ وہ کمیونزم کے خطرہ سے فارغ

Marfat.com

ہوتے ہی اسلامی تہذیب سے خوفزدہ ہو گئے اور محسوس کرنے لگے کہ مغربی تہذیب کا جب بھی ٹکراؤ اسلام سے ہوا ان کی اپنی بے بنیاد اور کھوکھلی تہذیب دھڑام سے گر جائے گی۔

لہٰذا حفظ ماتقدم کے لیے انھوں نے اسلامی تہذیب کے اندر گڑھے ڈھونڈنے شروع کر دیئے ہیں تاکہ انھیں ایسے ناموں سے نوازا جائے جن سے نہ صرف مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا ہو سکے بلکہ مغرب کے لیے انہیں کمزور کر کے شکار کرنا آسان ہو جائے۔ ان کے اندیشوں اور اوہام کی فوری وجوہ میں شہنشاہ ایران کی مضبوط حکومت کا خس و خاشاک کی طرح اڑ جانا اور افغان مجاہدین کے بے مثل حوصلوں کے آگے سوویت یونین کا ڈھیر ہو جانا بھی تھا۔ وہ یہ سوچ کر خوفزدہ ہو گئے کہ مسلمانوں کے اندر جذبہ جہاد کی بے پناہ قوت ہے جس نے اتنی بڑی طاقتوں کو سرنگوں کر دیا۔ وہ ان کی اپنی بوسیدہ تہذیب کو اس سے بھی زیادہ آسانی کے ساتھ زیر کر سکتی ہے۔ یہی خوف ان کو کھائے جا رہا تھا کہ انھوں نے ملت اسلامیہ کو مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

پاکستان سے تو وہ بہت ہی خائف ہے کیونکہ اوپر بیان کردہ وجوہ کے علاوہ پاکستان کی تاریخ اور جغرافیہ اسے خائف کرتا ہے اس نے شاہ ولی اللہ' سید امیر علی' سرسید احمد خان' علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح ایسے عظیم فرزندان اسلام کے علاوہ عبدالقدیر خان اور عبدالسلام ایسے عدیم المثال سائنس دان بھی پیدا کیے ہیں پاکستان جنوبی ایشیا کی جان ہے۔ وسط ایشیا اور مشرق اوسط کا سنگم ہے۔ چین کا دوست اور ایران کا ساتھی ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ پاکستان تو اسلام کی تجربہ گاہ اور قلعہ بن کر بیسویں صدی کے وسط میں ابھرا تھا۔ پاکستان کی تو پیدائش ہی استعمار کی قوتیں برداشت نہ کر رہی تھیں۔ یہ ان کی منشاء کے خلاف تخلیق ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پر تخلیق ہونے والے اس خطہ ارض کو شروع ہی سے ان استعماری قوتوں نے کبھی پسند نہیں کیا اور کسی نہ کسی شکل میں مختلف سازشوں اور حیلوں سے اس کے وجود کے خلاف رہے ہیں یا اسے استعمال کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس میں ہماری بدقسمتی کا بھی دخل رہا ہے کہ ہماری صاحب نظر و فکر قیادت پاکستان بننے کے سات سالوں کے اندر اندر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ اور ہماری ناؤ ناخدا کے بغیر ڈگمگانے لگی اور اپنی سمت کھو بیٹھی۔

قیادت کے خلاء کو نوکر شاہی اور ان فوجی جرنیلوں نے پر کرنے کی کوشش کی جن کے ذہنوں کی پرداخت و ساخت انگریز حاکموں نے کی تھی۔ اسلام اور روح پاکستان سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا انھوں نے حیلے بہانے اور مختلف طریقوں سے اپنے پرانے آقاؤں کی تقلید کو اپنا ایمان سمجھا۔ آقا تو

Marfat.com

آقا ہوتا ہے اور غلام غلام ہی۔ ان میں آقاؤں کی خوبیاں ندارد اور خرابیاں ہی خرابیاں رہ گئی تھیں اور وہ خرابیاں درجہ بدرجہ خوب رنگ لائیں۔ جذبہ حریت اور اسلام کی لگن کو زیادہ شدت سے ذبح کرتے رہے اور آقاؤں کی خوشامد کو فن کے درجہ کمال تک پہنچانے کا بندوبست کیا۔ غیرت ملی اور جذبہ حریت کا سودا کرنے کی ٹھانی اور اپنے اقتدار اور موج میلہ کے لیے بھیک مانگنے کی فنکاری کرتے رہے۔ مسلم قومیت جس کی بنیاد پر ملک بنا اس کی جڑ کاٹتے رہے اور ان تمام نظریوں کی آبیاری کی جن کا اسلام اور مسلم قومیت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ اسلام کا نام تو لے لیا روح اسلام فنا کرتے رہے۔ پاکستان کا نام لے کر پاکستان کی تباہی کا بندوبست ہوتا رہا۔ دفاع پاکستان کے نام پر پاکستان توڑ ڈالا۔ دفاع پاکستان کے نام پر پاکستان اور پاکستانیوں کو یرغمال رکھنے کا بندوبست کیا گیا۔ پاکستانیوں کی آزادی چھینی اور حقوق غصب کر کے ان کے دفاع کی بے معنی باتیں کرتے رہے۔ چند غاصبوں اور عیاشوں کا ٹولہ مل کر پاکستانیوں کے دل سے پاکستان کی محبت کو مٹانے کی کوشش میں مصروف کار رہا۔ آزادی پاکستان اور نظریہ پاکستان کو غصب کر کے علاقائیت، صوبائیت، برادری، مسلکی اور نسلی عصبیت کے بت ابھارنے میں کوشاں رہے۔ شیعہ سنی، پنجابی پٹھان، سندھی مہاجر، پنجابی بنگالی کے قصے ابھارتے رہے تاکہ سواد اعظم اس میں پھنس جائے اور حکمران ٹولہ تقسیم کرو، حکومت کرو کے فارمولا پر عمل کر کے عیش و نشاط کی زندگی گزارتا رہے۔ اپنے ان مذموم ارادوں کی خاطر پاکستان کی ہی سر زمین پر ان درندوں نے بھائی کو بھائی سے لڑایا، شیعہ کو سنی سے لڑوایا، مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے جدا کروایا اور کرگس کی طرح پاکستان کی روح و جسم کو نوچ نوچ کر کھایا۔ قانون، دستور، اخلاق، اسلام، انسانیت سب کچھ تس نہس کر کے بدروحوں کا رقص شروع کیا۔ جبر و ستم، عناد و مفاد اور جور و ظلم کے بت بنا کر لاقانونیت اور بدمعاشی کی پرستش شروع کی۔ مقتدر ترین لوگوں نے بے دستوری اور لاقانونیت کو حیات پاکستان قرار دیا اور اخلاق باختگی کی روشیں سجائیں اور آہستہ آہستہ پاک پاکستان اور نیک پاکستانیوں کو بدی کی راہ پر ڈال دیا۔ جرم و ظلم کی پذیرائی حکومتوں اور حکمرانوں نے شروع کی آہستہ آہستہ عام لوگوں کی طرف بھی آگئی۔ دستور کشی کی۔ حرمت قانون جاتی رہی اور لاقانونیت عام ہو گئی۔ آدمیت اور احترام آدمی رخصت ہوئے۔ روایت و شرافت جن کی پرداخت صدیوں پر محیط تھی سالوں کی نذر ہو گئے۔ عزت، وقار، ملی غیرت، عزت نفس سب قربان ہونے لگے۔ حکمرانوں کو بھیک کی چاٹ لگے تو عام لوگ کیوں پیچھے رہتے۔ سب ہی عزت فروش عصمت لٹانے میں لگ گئے اور ورد کرتے گئے کہ ہم ملک کی ترقی میں جتے ہیں۔ عزت بیچ کر کون سی ترقی ہوتی ہے لیکن یہ سبق تو

Marfat.com

انہیں ان کے پرانے آقاؤں نے پڑھایا تھا اور اسے طوطے کی طرح رٹتے گئے اور قوم کی عزت سے کھیلتے رہے۔ حکمران پاکستان کو رہن رکھ کر ادھار مانگنے' بھیک مانگنے اور عوام جرم کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف کھسکتے گئے اس چالیس سالہ ذلت کے عمل نے ہمیں کہاں لا کھڑا کیا؟

یہودیوں کے معروف رسالہ ٹائم نے لکھا ہے کہ پاکستان میں امن عامہ فنا ہو چکا ہے اور پاکستان افراتفری کے ایسے گرداب میں پھنس چکا ہے کہ وہ اب ناقابل اصلاح بن چکا ہے۔ غیر ملکی دوروں کے رسیا حکمرانوں کے بجائے پاکستان کو شاید ایسی قیادت چاہیے جو بین الاقوامی سے زیادہ قومی نظر آئے۔ یہ بات بہت حد تک درست ہے اگر گھر درست نہ ہو گا تو باہر کوئی نہیں پوچھے گا؟ کیوں پوچھے۔ وہ تو پاکستان کے ازل کے دشمن ہیں۔ انہیں پریشان حال بکھرتا ہوا نحیف و نزار پاکستان چاہیے جو خود اندر سے کھوکھلا ہو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔ جرم و ظلم سے افراتفری کا شکار رہے اور اسی حالت میں ان قوتوں کا دست نگر رہ کر بار بار بھیک مانگتا رہے۔ ہاتھ پھیلائے رکھے اور اپنی عزت کو ملیامیٹ کرتا رہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ صورت حال راتوں رات تو پیدا نہیں ہوئی اور ایسی صورت صرف کراچی ہی میں نہیں بلکہ سارا ملک ہی جرم کا یرغمال بنا ہوا ہے۔ ہر طرف جرم ہے' ظلم ہے' ڈاکہ ہے' قتل ہے' چوری چکاری ہے اور ہر شہری عدم تحفظ کا شکار ہے۔ دن دہاڑے بنک لوٹے جا رہے ہیں بچے یتیم ہو رہے ہیں عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں جوان جدید ترین مسلک ہتھیاروں سے لیس ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں جب چاہا جہاں چاہا جس کو چاہا خوفزدہ کر کے لوٹ لیا۔ کراچی' اندرون سندھ' پنجاب' سرحد' بلوچستان ہر طرف ڈاکو راج ہے۔ عوام خوفزدہ ہیں پولیس اور عدلیہ بے بس نظر آ رہی ہے۔ حکمران راہ فرار اختیار کئے حقائق سے نظریں چرائے بیرون ملک دوروں میں مگن ہیں ہر شخص خوفزدہ ہے اور ہر قسم کے اندیشہ ہائے زیست کا شکار ہے۔ کیا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟ کوئی سمجھتا ہے کہ جرم سیاسی پشت پناہی میں پنپ رہا ہے اور کوئی سمجھتا ہے کہ مسلک کے جھگڑوں کی گود میں مجرم پل رہے ہیں۔

جرم اور مجرم منظم ہو چکا ہے درندگی کی حد تک تشدد آمیز ہے' کہیں بامقصد حرص و لالچ کی لے ہے تو کہیں بے مقصد بھی جرم وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ اور جبر کے خوگر معاشرے میں محض لذت گناہ کے لیے جرم سرزد ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

آخر کیا بات ہے کہ پاکستان ایسے مہذب اور پر امن معاشرہ میں چند ہی دہائیوں میں ایسی صورت حال طوفان کی طرح امڈ آئی ہے؟ اگر ہمیں زندہ رہنا ہے تو اس موت لیوا کیفیت کا بے لاگ اور عمیق نگاہ سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ محض موجودہ یا ماضی کی حکومتوں پہ الزام دھرنے سے کام نہیں بنے گا۔ صرف پولیس کی کوتاہی کا ذکر کر کے بات نہیں بنے گی۔ عدلیہ اور انتظامیہ کے تساہل اور بد نظمی ہی کو مورد الزام ٹھہرا کر ہمیں کوئی راہ نجات نہیں مل سکتی۔ آبادی کے دباؤ اور شہروں کے شیطان کی آنت کی طرح پھیلنے کا ذکر کرنے پر اکتفا کرنے سے بھی بات ادھوری رہ جائے گی۔ بھوک افلاس اور بے روز گاری کا عمل دخل لا قانونیت اور بدامنی کے پھیلاؤ میں ضرور ہوتا ہے لیکن محض جرم کی وجہ نہیں بنتا اچھا انسان مرجاتا ہے لیکن جرم و گناہ کے شیطانی چکر سے ہر ممکن بچنا چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح کے دوسرے جانے پہچانے عوامل کے ہی ذکر سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوگی جو صورت حال اس وقت سامنے آرہی ہے اس پر سب کو سرجوڑ کر بیٹھنا پڑے گا اور کوئی حل ضرور ڈھونڈنا پڑے گا۔ لیکن کیا صرف قانونی اور انتظامی اقدامات اور اداروں کی ہی بات کرنے سے ہم کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے؟

میں نہیں سمجھتا کہ کسی جزوی تشخیص سے ہمارے اس مرض کا علاج ممکن ہے ویسے بھی انتظامی اور قانونی شکنجے بنیادی طور پر جرم کی رکاوٹ کے لیے منفی حربے ہوتے ہیں۔ ان کی ضرورت اگرچہ اہم اور لازم ہے لیکن اس سے بھی زیادہ معاشرہ اور اس کے افراد کا طرز عمل اور فکری سمت کا درست ہونا بے حد ضروری ہے۔ جرم بنیادی طور پر ایک سماجی معاملہ ہے۔ یہ فعل صرف باشعور انسانی مخلوق ہی میں وقوع پذیر ہوتا ہے فرشتے اور حیوان جرم کے شرف سے استفادہ نہیں کر سکتے یہ اسی حیوان ناطق کے شعور کا فساد ہے وگرنہ چرند پرند اور وحشی اس سے مبرا ہیں۔ یہی وہ ذمہ داری تھی جو حضرت انسان نے اپنے ذمہ لے لی وگرنہ تو زمین آسمان سمندر پہاڑ اور یہ سب کائنات اس ذمہ داری کے بوجھ سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ علم و عرفان اور شعور کا یہی شجر ممنوعہ تھا جسے حضرت آدم اور حوا نے چکھ لیا۔ پردے اٹھ گئے، حکم عدولی ہوگئی، جبر و قدر کا بوجھ پڑ گیا پھر کیا تھا راندہ درگاہ ٹھہرے۔ گمراہ کنندہ ابلیس اور آدم کو اس جنت سے نکال دیا گیا جس میں نہ جرم تھا اور نہ ذمہ داری۔ ایک گونا سکون تھا۔ نروان تھا، سکوت تھا، نہ تقاضا نہ تفاوت، فساد نہ قباحت، فاصلہ نہ فیصلہ بہر صورت غلطی آدم سے سرزد ہوگئی، ابلیس نے بہکا دیا۔ جنت کے پر سکون ماحول سے نکالے تو گئے لیکن اس الرحیم الرحمن نے کمال شفقت فرماتے ہوئے ابن آدم کے لیے راہنمائی کا وعدہ فرما دیا کہ جو کوئی اس کے

87038 ~~69538~~

Marfat.com

رسولوں کے ذریعہ اس کا بتایا ہوا راستہ اختیار کرے گا وہ فلاح حاصل کرے گا اور اپنے اعمال کو اس نور کی روشنی سے درست رکھ سکے گا اور جو اس راستہ سے منہ پھیرے گا وہ ذلیل و خوار ٹھہرے گا۔ ابلیس ذلیل آدم کے بعد ابنائے آدم کی گمراہی پر مامور ہو گیا۔ اس طرح نور و ظلمت اور نیکی اور شر کی ایک مستقل جنگ شروع ہو گئی جو تا قیامت موجود رہے گی۔ اللہ کے نیک بندے اسی کی رحمت کے سہارے صحیح راستہ اختیار کر لیتے ہیں اور بدبرائی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں وہ معاشرہ جو نیکی کے جذبوں کی پذیرائی کرتا ہے وہ جرم اور گناہ کی تخریب سے محفوظ رہتا ہے اور جو شر کی قوتوں کے چنگل میں پھنس جائے وہ فتنہ و فساد کی نذر ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔

از حد ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کی ہیئت ترکیبی کو تلاش کرنے کی کوشش کریں اور سمجھنے کی سعی کریں کہ موجودہ فتنہ و فساد کی اصل وجوہ کیا ہیں۔ ہم کہاں راستہ کھو بیٹھے اور اس کا ممکنہ علاج کیا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی 'اپنے ملک' قومی اداروں اور تمام متعلقہ ضروری امور کی ثقافتی' سیاسی' سماجی' معاشی' اور تہذیبی روح و پیکر کی شناخت اپنے تاریخی تناظر میں ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے تمام ترش و تلخ حقائق کو سامنے رکھنا ہو گا۔ تاریخ کے اچھے برے ادوار کے اندر جھانکنا پڑے گا۔ اپنے اور غیروں' سبھی کو اچھی طرح جانچنا ہو گا اور تعصب کی تمام پٹیاں اتار کر صاف نظر سے دیکھنا ہو گا۔ تب شاید تاریک سرنگ کی دوسری انتہا پر نور کی لکیر نظر آ سکے۔

Marfat.com

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ہمیں دفاع سے لے کر داخلی سلامتی' لاقانونیت' سماجی سیاسی اور اخلاقی پستی' بے روزگاری کا مہنگائی' غربت اور پاکستانیت سے بے وفائی کا ایک نہایت ہی جامع اور واضع تجزیہ کر کے پاکستان کے بست و کشاد کے ذمہ داروں سے بہت ہی صاف صاف اور تلخ سوال کرنے ہوں گے۔ بلکہ یہ سوالات ہم سب کے لیے ہیں کہ ہم کس طرح آزادی کے عظیم لمحات کی عظمت سے گر کر اس پستی اور بدحالی تک پہنچے ہیں۔ نصف صدی پر محیط اپنے عظیم قائدین کی بصیرت بھری محنت شاقہ کو کس طرح برباد کیا جنہوں نے ہمیں پستی کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر ایسے مقام پر لاکھڑا کیا تھا کہ اس وقت کی سپرپاور اور ہندو مکاری کے گٹھ جوڑ کے باوجود کامرانی کے ارفع ترین مدارج پر پہنچایا۔ غفلت کی نیند سے بیدار کیا خودی اور خوداعتمادی کے اعلیٰ ترین سبق پڑھائے۔ عزت نفس اور شعور ذات کا احساس پیدا کیا۔ معرفت اسلام سے آشنا کیا قوت اسلام کا درس دیا صداقت و شجاعت سے پہلے امامت کے رموز سے بہرہ ور کیا۔ عزم صمیم اور جہد مسلسل کی گھٹی دی۔ سیرت سازی اور قوت ایمان کی حرارت کے اسرار سکھائے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں کی مایوسی کا علاج کیا۔ عزت' ایمان اور ولولہ تازہ دیا اور اسلام کی قوت عقیدہ کو راہ نجات بنا کر ہمیں نفاق و نزاع کے جھنجھٹوں سے نکال کر ہماری شیرازہ بندی کی۔ ماضی اور مستقبل کا ایک زندہ جاوید متحرک جامع' اور عملی نقشہ پیش کر کے معیاری فلاح کی واضع سمت مقرر کی۔

Marfat.com

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے وہ تمام سبق بھلا دیئے اور گمراہی کی روش اختیار کر لی اور اپنا کھویا ہوا مقام پانے کے بعد دوبارہ کھونے کیلئے رواں دواں ہو لئے کیوں؟ اور کیسے؟

ہمیں اس کا صاف صاف اور بے لاگ تجزیہ کرنا چاہیے تاکہ شاید کوئی بچت کی راہ مل سکے اور اس جان لیوا حبس سے چھٹکارہ مل سکے وگرنہ خطرہ ہے کہ دم گھٹ نہ جائے اور آزادی نہ چھن جائے۔ عزت و وقار کے جھوٹے دعوے بھی کھلے عام مسل دیئے جائیں اور گروی رکھنے والے آ دھمکیں۔ آزادی انعام میں ملتی ہے نہ گریہ زاری سے۔ مل جائے تو اس کی حفاظت کرنا ہوتی ہے۔ قربانیاں مانگتی ہے۔ اس کی حفاظت صرف مادی وسائل سے نہیں ہوتی بلکہ ان سچے حوصلوں اور ولولوں کا تقاضا کرتی ہے جن کی بنیاد حق اور سچ پر ہوتی ہے اپنے اور مانگے تانگے کے وسائل بے معنی ٹھہرتے ہیں جب تک کہ ہماری روح اور جسم کے قالب پر ایمان کا نقش نہ ہو۔ قلب و روح کی تازگی یا مردنی کی کوئی مخصوص جسمانی شکل نہیں ہوتی۔ زندگی کی اہم ترین متاع روح' دل' دماغ نظر نہیں آتے مگر کرتے سب کچھ وہی ہیں۔ ان کی قوت ہی سب کی قوت ہوتی ہے وہی منبع ہے وہی خزانہ۔ اگر وہ خالی ہو جائے تو سب کچھ خالی سمجھئے۔ منافقین کے متعلق قرآن حکیم نے نہایت ہی خوبصورت الفاظ میں واضح تصویر کشی کی ہے کہ ان کے جسم دیکھیں تو دل خوش ہو جائے مگر جہاد کا ذکر کریں تو ان کے رنگ اس طرح زرد پڑ جاتے ہیں کہ جیسے انھیں موت نے گھیر لیا ہو۔

اس کے مقابلہ میں سچے ایمان والوں سے جہاد کا ذکر کریں تو ان کے چہرے دمک اٹھتے ہیں جیسے انھیں دنیا کی سب سے بڑی نعمت مل گئی ہو۔ یہ ہیں وہ لوگ جو قوت کا باعث بنتے ہیں اور ملت اسلامیہ کی کامرانی کی اساس ہوتے ہیں۔ خوبصورت لحیم و شحیم جسموں والے نہیں۔ قوت انسان کے اندر سے ابھرتی ہے اور معمولی سے معمولی پیکر کو متحرک کر دیتی ہے یہی وہ طاقت تھی جسے علامہ اقبال اور قائداعظم نے مسلمانان ہند کے اندر متحرک کیا اور ہمیں مالا مال کر گئے۔ ہمیں پاکستان ایسی نعمت غیر مترقبہ سے نواز گئے لیکن پچھلی نصف صدی میں ہم اس حال پر کیوں پہنچ گئے جس کی طرف ہم لڑھکتے جا رہے ہیں اسے معلوم کرنے کے لیے ہمیں اپنی تاریخ کے اندر کھلے دل و دماغ سے جھانکنا ہو گا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا ظہور پاکستان کا معجزہ ہمارے کسی مادی وسائل کی بناء پر وقوع پذیر ہوا ہے' یا ہمارے ایمانی اور انسانی جذبوں کا نتیجہ ہے۔ یقیناً یہ جذبہ ایمانی کا ہی نتیجہ تھا۔

Marfat.com

عید آزاداں شکوہ موماں
عید محکوماں ہجوم مرداں

دنیا کے نقشہ پر پاکستان کا ظہور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو ہوتا ہے مہینہ رمضان المبارک لیلۃ القدر ستائیس تاریخ کی بابرکت ساعت ہے۔ مسلمانان برصغیر کی دعاؤں کا ایجاب اور خوابوں کی تعبیر کا مبارک لمحہ ہے۔

اقبال کی تمام کی تمام شاعری خوابیدہ امت مسلمہ کو بیدار کرنے کا ایک نہایت ہی ولولہ انگیز پیغام ہے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرے ہوئے مسلمان کے لئے حرارت ایمانی اور امید کا ایک زور دار پیغام اور غفلت زدہ گروہ اسلام کی روح کے لیے جھنجھوڑ دینے والا کلام۔ یہ اسی کلام اور سوچ کی قوت تھی جس نے آخر کار ہمیں اپنی گم گشتہ منزل کی نشاندہی کی تھی۔ سامری کے سحر سے نکالا تھا اور فرعون وقت کے رعب اور دبدبہ کو کافور کیا تھا۔ جدید و قدیم کے لاحاصل جھنجھٹوں سے نکال کر صحیح راہ عمل کی طرف راہنمائی کی تھی ہندو کی عیاری اور انگریز کی استعماری چالوں کے جال سے نکلنے کے راستے دکھائے تھے۔ استعمار کی مضبوط زنجیروں نے ہمیں جکڑ کر سرکس کے جانوروں کی طرح بے حوصلہ کر دیا تھا اسی طرح جس طرح شدت بھوک اور پیاس کی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر ان کو خوراک بہم پہنچانے والے رام کر لیتے ہیں اور اگر جنگل کی آزادی ذرا بھر کے لیے یاد آ جائے تو تازیانہ کا خوف یکدم سیدھا کر دیتا ہے۔

Marfat.com

یہی حالت مسلمانان ہند کی تھی کہ ان کی آزادی اور حکومت چھین کر ہندو اور انگریز نے پنجرے میں بند شیر کی طرح پست حوصلہ بنا دیا تھا اسے تو روٹی پانی چاہیے تھا ورنہ وہ مرجاتا۔ اسی خوف نے اسے شیر کی شجاعت سے بے بہرہ کر دیا تھا۔ روباہی دوبالا کر دی تھی۔ اور قابو میں رکھنے کے لیے چند ٹکڑے ادھر ادھر پھینک دیتا۔ تاکہ اسی ادھیڑ بن میں مصروف ہو جائے۔ خاص خاص طبقات کو رام کر کے اپنے حق میں استعمال کر رہا تھا تاکہ مسلمان ان عزیز ترین جذبات سے بھی بے خبر اور بے شعور ہوئے جن سے ذرا بھر بھی آزادی کی بو آسکے۔

مولوی کو سجدہ کی اجازت ایسے انداز میں پیش کی گئی کہ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی زمین آزاد ہے۔ آزادی کے معنے بدل دیئے تھے امامت چھین کر ملازمت کی زنجیریں ڈالی گئی تھیں زر خرید "علماء" کے سہارے رسمی عبادات کو اسلام کہلوایا جا رہا تھا۔ روح اسلام کہاں؟ روح بلال رخصت' مومن کی اذان ناپید' ملا کی اذان جاری تاکہ استعمار کی تابعداری کا سامان پیدا ہو۔ پستی' پست ہمتی' نا امیدی' مایوسی اور نوحہ خوانی زاری و خواری کی فضا میں امت مسلمہ کی بربادی کا مکمل اہتمام کر دیا ہوا تھا ایسے ماحول میں یہ حضرت علامہ ہی کا کمال تھا کہ امیدوں کے چراغ جلا کر ہماری روشوں کو روشن کر کے اور ایمانی حرارات کا ولولہ انگیز احیاء کرنے کی جہد مسلسل کی بنیاد رکھ کر ایک بے جان جمعیت کو قوت حیدری بخش دی۔

مگر ہم نے اپنے بزرگوں کی اس متاع عزیز کو کس طرح کھو دیا؟ وہ جذبے' ولولے اور خودی کے سبق کدھر گئے۔ کتنی جلدی بھول گئے اور اپنی ملی ہوئی منزل کو کس طرح کھو بیٹھے۔ کاسہ گدائی ہے کہ خدا پناہ حرص و ہوس ہے کہ اللہ اللہ۔ نفاق و نزاع ہے کہ ہر کسی کا ہاتھ دوسرے کے گریبان پر ہے کوئی پنجابی ہے تو کوئی پٹھان مہاجر ہے اور سندھی۔ کوئی شیعہ ہے اور کوئی سنی۔ دیوبندی اور بریلوی کی گردان ہے سب کچھ ہے کہیں بھی پاکستان یا پاکستانیت 'اسلام یا مسلمان کا ذکر نہیں ہے۔ وہ شناخت جس نے ہمیں اتنی تحریک اور قوت دی تھی کہاں گئی؟ کیا ہم وہ سب کچھ کھو بیٹھے ہیں جو ہمیں ہمارے قائدین نے واپس دلایا تھا وہ ہماری پرانی قدیمی میراث ہی تو تھی۔ میں یہ سوچ کر تڑپتا ہی رہا اور یہ المیہ فلم چلتی ہی رہی اور تھمنے کو نہ آ رہی تھی میں سوچتا رہا کہ حضرت علامہ اقبال اور قائداعظم کس طرح ہمارے ڈولتے ڈوبتے سفینہ کو ساحل تک لے آنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور ہم ہیں کہ ساحل پر لنگر انداز ڈوب رہے ہیں ان ہی بزرگوں کی بصیرت اور عقابی نگاہ کی برکت نے مغرب کی چالبازیوں سے نکال لیا تھا۔

Marfat.com

پہلی جنگ عظیم سے قبل، دوران اور بعد میں استعماری قوتیں کس طرح امت مسلمہ کی بنیادوں کو ہلا کر تقسیم کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں مسلمانوں کی شناخت کو اسلام کی بجائے نسل کی طرف لے گئے تھے مسلمانوں کو ترکوں اور عربوں میں تقسیم کروا دیا تھا ایرانی اور افغانی کا رنگ چڑھا دیا تھا عربوں کو سعودی ھاشمی مصری شامی اور اس طرح کی دوسری تقسیم کا شکار بنا لیا تھا۔ ساری ہی ملت اسلامیہ کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ ترکی تھے کہ اصل اسلام سے کاٹ دیئے گئے اور یورپ کی نقل پر لگا دیئے گئے نہ اصل رہی نہ نقل وارد ہو سکی۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ ہندوستان میں بھی ہندی قومیت کے سامری راگ الاپے جا رہے تھے تاکہ یہاں کے مسلمان ہندی قومیت میں ضم ہو کر اپنی اصلی شناخت کھو بیٹھیں اور اپنی اسلامی حمیت اور آزادی کو بھول جائیں سجدہ کی اجازت رہے مگر فرماں روائی اور حاکیت کے خواب نہ دیکھیں سجدہ کا کیا ہے کچھ دیر بعد ختم بھی ہو جائے گا تحریک خلافت کی آڑ میں بنیے کے شترہ میں گاندھی کی عیارانہ چالوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے تھے ہماری اسلامی شناخت اور وجود کو ختم کرنے کی اس سے زیادہ خطرناک اور کیا چال ہو سکتی تھی کہ ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں نے ہندووں کو اپنی مساجد میں آنیکی اجازت دے دی۔ گاندھی جی کا خود دلی کی شاہی مسجد میں استقبال کیا گیا یہ سب کچھ صرف اور صرف اس لئے تھا کہ ہندی مسلمان اپنی علیحدہ شناخت کو بھول کر ہندووں کے بھارت میں ضم اور جذب ہو جائے۔ گاندھی بہت ہوشیار آدمی تھا وہ بھانپ گیا تھا کہ جناح صاحب کی دور رس نگاہوں نے ان کی ہیرا پھیری کو اچھی طرح پہچان لیا تھا کہ ۱۹۱۶ء میں اس عالی نگاہ مرد مومن نے جداگانہ انتخابات کا اصول منوا کر مسلمانوں کے منفرد وجود کا اقرار کروا لیا تھا۔ یہ قافلہ امت رسول ھاشمی منزل کی طرف گامزن تھا کہ درمیان میں اس میں نقب لگانے کی کوشش کی گئی اور تحریک خلافت کی آڑ میں ایک دفعہ پھر نسلی اور جغرافیائی بنیاد پر قومیت کے تصور کو پختہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ انگریز تو یہ نسخہ نہایت کامیابی کے ساتھ شرق و غرب میں آزما چکا تھا ملت اسلامیہ کو ریزہ ریزہ کر چکا تھا ہندوستان کے مسلمانوں کا بھی وہ یہی بہترین علاج سمجھتا تھا کہ انھیں ہندو سے نتھی کر کے فنا کر دے۔ یہ اور بات ہے کہ قائداعظم ایسے بالغ نظر قائد اس جھانسے میں نہ آئے قائداعظم نے کبھی اس طرح کے ہندو مسلم جذباتی اکٹھ (اجتماع) میں حصہ نہیں لیا یہ ساری فلم میرے خیالات پر چھائی اور میں نہایت ہی مضطرب رہا کہ اب ہم کہاں پہنچ گئے ہیں اور ہم کیا کچھ کھو بیٹھے ہیں۔

انگریزوں کی چالبازی نے مسلمانوں کو نسلی بنیاد پر تقسیم کروا دیا سیکولرازم کی میٹھی بنسری بھی بجائی اسلام کی بنیاد کو ہلانے کیلئے ہر قسم کے جال بچھائے بھول بھلیاں ڈالیں اور بہت سے سادہ لوح

Marfat.com

مسلمان ان میں پھنس کر ہی رہ گئے لیکن کمال تھا علامہ اقبال اور حضرت قائد اعظم کی بلند نگاہی کا کہ چند سالوں کی محنت سے انگریز کے اس خطرناک جال کو چاک چاک کر کے رکھ دیا ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کیا ان کو اپنی اصل یاد کروائی اور شیرازہ بندی کے کٹھن مراحل طے کئے انھیں یاد دلایا کہ قومیت کی بنیاد و اساس اور ہیئت ترکیبی نظریاتی ہوتی ہے نسلی نہیں' نسلی بنیادوں کو تو 14 صدی قبل ہمارے آقا و مولاؐ نے نیست و نابود کر دیا تھا کہ نسلی اور قبائلی تعصبات ہی تو نسل انسان کی تباہی کی اصل جڑ ہوتے ہیں اور اس کائنات میں فساد و فتنہ کو جنم دیتے ہیں اور انسانیت کے امن و سکون کے دشمن ہیں تکمیل دین کے وقت اس ہادی اکبرؐ نے جمعۃ الوداع کے موقع پر تمام انسانیت پر رحمت فرماتے ہوئے فرما دیا تھا کہ اب کالے گورے عرب عجم آزاد غلام اور ہر قسم کے اختلافات نسلی اور اونچ نیچ کو ختم کر کے تقویٰ اور اسلام کو آپ کی قوت کی بنیاد بنا دیا ہے یہی وہ ہمیشہ زندہ جاوید رہنے والا توانا اور صحیح نظریہ تھا جس کی ہمارے بزرگوں نے دوبارہ ترویج کی اور ہمیں قوت بخش کر اس اہل بنایا کہ ہم دین کی بنیاد پر پاکستانی قومیت کی شکل میں ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آئے۔

اسلام کی بنیاد پر پاکستان کا وجود میں آنا انگریزوں کی ان تمام محنتوں پر پانی پھیرنے کے مترادف تھا جو انھوں نے مسلمانوں کے خلاف صدیوں سے جاری کر رکھی تھیں اور جس کے نتیجہ میں انھوں نے انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ ہمارے ان قائدین کی چند عشروں کی محنت نے ایسا کرشمہ دکھایا کہ انگریز اور ہندو ہکا بکا رہ گیا؟ مسلمانوں نے اپنا وجود اپنے پاکیزہ ولولوں کے زور پر منوا کر پاکستان کی شکل میں پیش کر دیا۔ آپ اگر اس تناظر میں تخلیق پاکستان پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہو گا کہ قائد اعظم' علامہ اقبال اور دوسرے قائدین نے کتنے کٹھن حالات میں اتنا مشکل کام کر دکھایا تھا۔ ہم ان کی عظمت کا احاطہ ہی نہیں کر سکتے کہ کس طرح انھوں نے تاریخ کا نہایت کامیابی کے ساتھ رخ موڑا اور اس وقت کی سب سے بڑی سپر پاور اور ہندو گٹھ جوڑ کو صرف اور صرف قوت ایمانی کے بل بوتے پر ناکام بنا دیا لیکن ہم نے اپنی اس میراث کا کیسے کیسے ستیاناس کر دیا اور موجودہ تشویش ناک ذلت آمیز مقام پر آپہنچے ہیں کہ خیرات مانگنے سے خیرات مل پا نہیں رہی اور اگر امریکی صدر چند خوبصورت الفاظ کہہ دے تو خوشی سے حکام پاگل ہو جاتے ہیں۔ لمحہ فکریہ ہے کہ رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ذلت ہے کہ سر جھک رہے ہیں اس لیے کہ ہم نے اپنی طاقت کے اصل منبع سے رشتہ توڑ لیا ہے۔ جذبوں اور ولولوں کی بجائے مادی وسائل کا سہارا ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی ذات کے بجائے فراعنہ وقت کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے نمرود کے پیرو کار بن گئے ہیں اسلام کے رشتوں کو برا سمجھنا شروع کر دیا ہے اور جہالت و کفر کی چمک دمک سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں۔ یہ اسلام ہی کی قوت تھی کہ اس نے حضرت قائد اعظم کو اتنا بلند حوصلہ عطا فرمایا کہ دوسری جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی انھوں نے وائسرائے ہند کو باقاعدہ ایک سخت خط لکھ کر خبردار کیا کہ وہ کسی طرح بھی اور کسی جگہ بھی جنگ میں مسلمان اور مسلمان ملکوں کو اپنا نشانہ نہیں بنائیں گے۔ اس وقت انگریز کا اقتدار نصف النہار پر تھا اور ہم غلام تھے۔ قائد اعظم کے پاس کوئی عہدہ نہ تھا لیکن انھیں اپنے مسلمان ہونے پر فخر تھا انہیں معلوم تھا کہ یہی اصل قوت ہے کیونکہ ہندوستانی فوج میں مسلمان کثرت میں تھے۔ انھوں نے وائسرائے کو للکارا اور مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کی۔ یہی ہے وہ قوت جو نظریہ عطا کرتی ہے۔ ایمان عنایت فرماتی ہے ایمان نہیں تو سلطنت بھی بے کار ہے اور عہدہ بھی کس کام کا؟ کیا پاکستان بننے کے بعد ہم سلطنت اور عہدوں کی چھینا جھپٹی میں پڑ کر وہ سب کچھ کھو بیٹھے ہیں جو ہمیں ہمارے بزرگوں نے بخشا تھا؟ پاکستان کی تخلیق کے لیے دین کی بنیاد فراہم کر کے قائد اعظم نے نہ صرف استعماری قوتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو شکست دی بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ذریعہ قوت و حوصلہ بھی بنایا۔ اسی لیے ۱۹۴۶ء میں قاہرہ میں وہاں کے صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے جہاں قائد اعظم نے پاکستان کے بے شمار فائدے گنوائے وہاں انھوں نے خاص طور پر اسے مسلمانوں کے لیے دنیا بھر میں طاقت اور حوصلہ کا ذریعہ گردانا کہ پاکستان اس لیے ضروری ہے کہ دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کا غمگسار اور ہمدرد ہو کر ان کی مدد کر سکے گا۔ یہ تھے وہ عظیم اسلامی اور ملی مقاصد جن کی خاطر ہمارے عظیم قائدین نے پاکستان بنانا ضروری قرار دیا اور بنا دکھایا۔ ہم ہیں کہ آج ہم مسلمانوں کے خلاف فرنٹ لائن کھلوا کر امریکہ اور یورپ کو خوش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیوں؟

اس لیے کہ ہم اپنے اصل راستہ سے ہٹ چکے ہیں اسلام کی ہمیں پروا نہیں ہے مسلمانوں کہلوانے میں ہمیں شرم آتی ہے کہ ہم اغیار کی خوشامد کر کے عیش کوشی میں غرق رہنا چاہتے ہیں۔ گو سب پاکستانی نہیں لیکن ہمارے حکمران اور ایک مخصوص مراعات یافتہ طبقہ ایسا ضرور ہے۔

امریکہ کے کہنے پر اسلامی پڑوسی ملک ایران کا ناطقہ ہمارے بینظیر حکمران بند کرنے کی ذلیل کوشش میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ایران نے کھل کر بھارت کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہمیں مسلمان برادر ملک سے زیادہ امریکہ کی خوشامند درکار تھی کہ ہم گوادر

Marfat.com

بالواسطہ اسرائیل کے حوالے کر کے ایران کے خلاف گھیرا تنگ کرنے میں مدد کر رہے ہیں۔ کہاں گئے ہماری خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول کہ ہم کبھی بھی اسلامی ملکوں اور مسلمانوں کے خلاف حصہ دار نہیں بنیں گے؟ قائد اعظم تو ابھی غلام ہندوستان کے شہری تھے کہ وائسرائے کو چیلنج کر دیا اس لئے کہ انھیں اسلام سے محبت تھی مسلمانوں کے مفادات عزیز تھے یہ وہ سوچیں تھیں جو انھیں قوت بخش رہی تھیں اور عظمت کے اونچے مقام پر بٹھا رہی تھیں ہم ہیں کہ ذلت میں دھنسے جا رہے ہیں اور ایران ہمارے ازلی دشمن کی طرف جھک جانے پر مجبور ہے اس لئے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی پیروی سے منہ موڑ لیا ہے یہی نہیں بلکہ فلپائن میں مظلوم مسلمان جو کہ اپنی زندگی اور موت کی لڑائی میں مصروف ہیں بجائے اس کے کہ پاکستان ان کی مدد کرے۔ ان کے خلاف فلپائن کی ظالم حکومت کی مدد کرنے کے لئے ہماری بینظیر حکومت نے معاہدہ کیا ہے۔ کہاں گئی قائد اعظم کی قاہرہ میں کہی ہوئی بات کہ پاکستان دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد کرے گا۔ مدد کی بجائے پاکستان کے جعفر اور صادق توان کے خلاف بر سرپیکار ہیں تاکہ شاید فراعنہ وقت کے مزید چند بچے کھچے ٹکڑے ان کی طرف پھینک دیئے جائیں چیچنیا کے بہادر اور غیور مسلمان بے رحم روس کے ہاتھوں ذبح ہو رہے ہیں مگر مجال ہے کہ ہمارے گمراہ حکمرانوں کے کانوں پر جوں بھی رینگ جائے۔ اور تو اور کشمیر کے مظلوم مسلمان جو فی الواقع پاکستان کا اصل حصہ ہیں وہ تڑپ تڑپ کر مر رہے ہیں مگر ہمارے بینظیر حکمران ہیں کہ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے بھارت کے زیر نگرانی ریفرنڈم کو بھی ماننے کے لیے تیار ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم کیوں اپنے اسلاف کے بتائے ہوئے راستوں سے ہٹ کر اس طرح ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس لیے کہ ہم کمزور ہیں بے وقعت اور بے وقار ہیں کہ ہم نے اپنے اساسی نظریہ اور عقیدہ کو خیرباد کہہ دیا ہوا ہے کیوں اور کیسے؟ آیئے اس تکلیف دہ پہلو کی طرف غور کریں کہ ہم سے کب کب غلطی ہوئی؟ کوئی علاج ڈھونڈیں۔ کوئی چارہ کریں اگر اس چارہ گر کو منظور ہو۔

Marfat.com

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

ابتلاء کے ایسے مواقع امت مسلمہ کے لئے کوئی پہلی دفعہ نہیں آئے۔ بہت دفعہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ غیب سے مدد فرمائی مشیت ایزدی کو اسلام کی بالادستی اور فوقیت مقصود ہے اور وہ خود اس مقصد کے لئے اسباب مہیا کرتا ہے ویسے بھی اسلام انسانیت کے لئے ایک برکت اور رحمت ہے اور اسے زندہ و جاوید رکھنے کے لئے خدا خود اسباب پیدا کرتا ہے اسلام ہی ہے کہ مسلمانوں کو نہ صرف صحیح راستہ پر رکھتا ہے بلکہ ان کی حفاظت و نگہداشت کرتا ہے خطرے میں مسلمان پڑتا ہے اسلام کو کبھی خطرہ نہیں ہوتا اس کا تو خود خدا محافظ ہے۔

اٹھارہویں صدی میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وہ وقت جب مغلیہ سلطنت رو بزوال تھی اور بکھر رہی تھی سب سے مشکل وقت تھا۔ نادر شاہ نے دلی تباہ کر کے مسلمان قوت کی کمر توڑ دی تھی۔ نام نہاد مغل بادشاہ اور شہزادے عیش و نشاط میں غرق تھے۔ عامتہ الناس بدحال تھے اور ہر طرف سے بدنصیبی کے طوفان اُمڈ رہے تھے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو بھی ترس آگیا اور شاہ ولی اللہ کی صورت میں امت کے لئے ایک حکیم و دانا مدبر عنایت فرمادیا انہوں نے امت کے لئے قرآن فہمی کو قوت کا زینہ قرار دیا قرآن حکیم کا فارسی ترجمہ کیا اور اصل رشد و صداقت کے سرچشمہ کو عام کیا پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے مغلیہ سلطنت اور عوام میں ایک نئی طاقت آئی اگرچہ جاہل علماء نے حضرت پر کفر کے فتوے لگانے سے بھی گریز نہ کیا اور ان کی جان کے درپے ہو گئے مگر قرآنی پیغام عامتہ المسلمین

Marfat.com

تک پہنچ چکا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹوں جاٹوں سکھوں اور دوسری غیر مسلم اقوام کا ابھرتا ہوا طوفان تھم گیا مسلمان جو بے جان ہوتے جارہے تھے ان میں ایک نئی زندگی اور قوت کی لہر اٹھی۔ حکیم الامت نے احمد شاہ ابدالی سے مدد بھی طلب کرلی اور اس طرح مسلمان حکومت مرہٹوں کی یلغار سے بچ گئی۔ مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی اور پھر دوبارہ سر نہ اٹھا سکے اللہ تعالیٰ نے اس طرح شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ قرآنی پیغام کا احیاء کروا کر مسلمانوں کو ذلت اور خواری سے نجات دلوائی وگرنہ اس سرزمین پر ہندوؤں کا تسلط اس وقت ہی قائم ہو جاتا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں سات سمندر پار سے آنے والے انگریز ہماری آپس کی لڑائیوں سے فائدہ اٹھا کر سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ مسلمانوں کی حکمرانی ختم کر دی اور سب کو غلام بنا لیا۔

حضرت علامہ اقبال اور قائداعظم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر غلامی کی زنجیریں کاٹنی ہیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ہے اسلام کی قوت جس نے ہمیشہ ہمیں طاقت بخشی ہے اور دنیا میں غلبہ دلوایا ہے دنیائے عرب ہو مغرب و مشرق ہو افریقہ ہو سپین ہو، چین ہو یا ترکستان دنیا کا کوئی بھی کونہ ہو مسلمانوں کی سرخروئی اسلام ہی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جہاں کہیں دین سے روگردانی ہوئی ذلت نے آ دبوچا۔ تاریخ کا یہ مستقل اور اٹل فیصلہ ہے اور ہمارے عظیم قائد اس سے اچھی طرح آگاہ تھے لہٰذا شاہ ولی اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بیسویں صدی میں انھوں نے ہمارے اندر ایک نئی روح پھونکی اور بتایا کہ اسلام ہی ہماری راہ نجات ہے اور اس راستہ پر چلتے چلتے ہمیں وہ منزل ملی جس کی ہمیں تلاش تھی۔ کاش ہم تاریخ کا یہ سبق یاد رکھتے لیکن ہم ہیں کہ بھولنے میں وقت نہیں لیا اور بنی اسرائیل کی طرح عزت و وقار کی بجائے مادی وسائل کا تقاضا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ عزت و آزادی کا رنگ ڈھنگ و آہنگ ہی اور ہوتا ہے۔ اس میں انسانیت کی عظمت ہوتی ہے احترام ہوتا ہے وقار ہوتا ہے ولولہ اور جذبہ ہوتا ہے مگر ہم ہیں کہ انواع و اقسام کے طعام پسند کرتے ہیں اور جب من و سلویٰ کی عنایت سے اکتا جاتے ہیں تو من پسند رنگارنگ سبزیوں کا تقاضا کرتے ہیں۔ پھر کیا ہے کہ حکم ہوتا ہے کہ واپس مصر چلے جاؤ غلامی اور ذلت قبول کرلو ہمیشہ کی ذلت اور رسوائی مقدر ٹھہرے گا پیٹ بھر کر کھاؤ مزہ لو بیٹے قتل ہوں گے بیٹیاں زندہ رہیں گی۔ عیش کے عوض ذلت لے لو اور جاؤ چلے جاؤ واپس مصر سب کچھ لے لو لیکن عزت و وقار نہیں ملے گا موسیٰ عزت دیتا ہے خدا آزادی دیتا ہے اور بنی اسرائیل والے سبزیاں مانگتے ہیں مالی وسائل کی حرص و ہوس میں غلطاں کے لئے ہمیشہ سے یہی سزا ہے کہ وہ عزت کبھی بھی نہیں پا سکے۔

Marfat.com

کیا ہم نے عزت پانے کے بعد کھو دی ہے؟ آزادی کے بعد غلامی کا جوا اٹھا لیا ہے کہ امریکی گندم مل سکے۔ انواع و اقسام کی اشیاء صرف دستیاب ہو سکیں؟ کیا ہم نے اپنی آزادی، دھرتی، عزت و وقار کا سودا کر کے قائد اعظم کی روح کو تڑپانے کا بندوبست کر رکھا ہے کہ انھوں نے ہمیں محکومی اور ذلت میں سے نکال کر ایک بلند مقام دیا شناخت دی اور پاکستان کی شکل میں جائے پناہ دے دی تھی؟ کیا غیروں کے سیم و زر کی چمک نے ہماری نگاہیں چکا چوند کر دی ہیں کہ ہم اپنے اصل جذبوں ولولوں اور اصل ایمانی قوتوں کی بجائے مادی وسائل کے سہارے ڈھونڈنے کی خاطر گم گشتہ گلیوں کی طرف چل نکلے ہیں۔ مگر یاد رہنا چاہئے کہ یہی تو تاریخ کی بند گلی ہے کہ جس سے آگے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ راہ نجات نہیں۔ ذلت ہی ذلت ہے۔ اگر مسلمانوں کو ایک قوم کے طور پر باوقار طریقہ سے زندہ رہنا ہے تو اسے یہ سبق اچھی طرح سے ذہن نشین کرنا ہی ہو گا کہ اس کا ایمان ہی اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ لا الہ کہنے کے بعد کسی اور کی عبادت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور جب بھی ایسا سوال آیا امت زوال میں چلی گئی۔ غیر اللہ کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود خس و خاشاک سے بھی کمزور ہیں۔ انسان کے خود پیدا کردہ ہیں دھوکہ ہیں۔ سراب ہیں۔ انسان نے پہلے بھی خدائی دعوے کئے ہیں۔ وہ سب غرق ہو گئے۔ جو ان کے آگے جھکے وہ بھی فنا ہو گئے۔ فرعون غرق ہوا موسیٰ علیہ السلام پار لگ گیا۔ آتش نمرود سرد پڑ گئی۔ ابراہیم سرخرو ہوئے پھر مچھر ایسی حقیر چیز نے نمرود کو آ لیا۔ تاریخ ہمیں ہمیشہ سے راہ نمائی دیتی ہے۔ ہم ہیں کہ آنکھیں نہیں کھولتے۔ قارون کے خزانے کدھر گئے؟ شداد کی بادشاہی کا کیا بنا؟ نام رہے اللہ کا۔ مسلمانوں اور اسلام کی تباہی کے منصوبے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں۔ اکبر بہت بڑا بادشاہ تھا ہر طرف اس کا دبدبہ تھا۔ سلطنت، جاہ و حشمت اور طاقت کہ اندازہ نہ تھا۔ حکمت و فراست کی کمی نہ تھی۔ کار خسرواں میں آخری حد کو چھوا تھا۔ ساری سلطنت میں امن و سکون کا خواہاں تھا۔ غیر ضروری فتنوں سے کنارہ کش اپنے باپ کے ساتھ ایران سے آنے والے علماء کے نقطہ نگاہ کی ترویج شروع کی۔ اپنوں نے بھی تاویلیں شروع کیں۔ اس فقہ واری بحث و تمحیص میں نکتہ دانی کے ساتھ تلخی بھی آتی تھی۔

اکبر امن چاہتا تھا۔ اس کی اس خواہش کا ہندوؤں نے فائدہ اٹھایا۔ اس کی بیویوں میں ہندو رانیاں بھی تھیں اور آہستہ آہستہ زمین پر مختار کل بادشاہ کو سبق سکھائے کہ ایسا فارمولا پیش کیا جائے کہ یہ دین فطرت فرقوں میں تقسیم ہو کر ختم ہو جائے اور سب دنیا ایک دین کی پیرو کار ہو کر آپس کے الجھاؤ سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ تاریخی تضادات ختم ہو جائیں اور سب ایک ہو کر بادشاہ کے ہمرکاب

Marfat.com

ہو جائیں۔ یوں بادشاہ کو دین الٰہی کی ڈگر پر لگا کر ہندو ذہن کی عیاری نے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ بادشاہ کی مدد سے وہ مسلمانوں اور اسلام کی علیحدہ شناخت کو ختم کر سکیں گے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سرزمین میں اسلام کی وہی حیثیت رہ جائے گی جو اس سے قبل وہ بدھ مت اور جین مت کی کر چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور نہ تھا اسے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے اسلام کو زندہ رکھنا تھا لہٰذا احمد سرہندی کی شکل میں ایک عظیم بطل اسلام سامنے آئے اور انھوں نے علمی کرامات اور قوت ایمانی کے ساتھ اسلام کو اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس شاطرانہ چال سے بچالیا اور اس جبروتی بادشاہ کی ایک نہ چلنے دی۔ تکلیفیں جھیلیں مگر سر نہ جھکایا اور اسلام کا علم بلند رکھا۔ مسلمانوں کی راہ نمائی کی اور ہندوؤں کے چالباز ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا۔ ہندو اس وقت بھی مسلمانوں کا علیحدہ وجود برداشت نہیں کرتا تھا اور محبت کے راگ سے رام کرنا چاہتا تھا بعد میں مرہٹوں کے ذریعہ سرنگوں کر دینا چاہتا تھا۔ مگر اللہ کے بندے سامنے آئے تو مسلمانوں کو بچالیا کبھی حضرت مجدد الف ثانی سینہ سپر ہوئے تو کبھی حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ کی عالی نگاہ نے کام دکھایا۔

انگریز کا استعمار جس وقت سمجھتا تھا کہ اس نے نہایت کامیابی سے امت مسلمہ کے اندر نسلی نفاق کے جراثیم چھوڑ کر اسے ریزہ ریزہ کر دیا ہے تو جمال الدین افغانی، علامہ اقبال اور قائداعظم ایسے عظیم مدبر ابھرے اور انھوں نے مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی میراث یاد دلائی کہ اقرار الٰہی نے انھیں عظمت بخشی تھی اور ہمیشہ یہی ان کی حفاظت کرتا ہے دنیا کی تمام طاقتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ ادھر ادھر مت بھاگیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہی اس کا اصلی راز ہے اسے چھوڑو گے تو سب کچھ کھو دو گے جب بھی ہم اس کی طرف لوٹے سب کچھ مل گیا۔ اس طلسم کی طرف ہمارا لوٹنا تھا کہ قوم کے ذرہ ذرہ کے اندر ایک عظیم حرارت ابھری اور چند دہائیوں کے اندر اندر انگریز کے نقطہ نگاہ کو شکست دے دی۔ نسلی اور زمینی بنیاد کی بجائے حقانیت کی بنیاد پر ایک قوم دنیا کے نقشہ پر پاکستان کے نام سے ابھر آئی۔ انگریز کی یہ مہربانی نہیں تھی۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ ہماری قوت ایمانی کے تازہ ولولوں نے اتنی بڑی طاقت کو پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن انھیں تکلیف بہت ہوئی تھی۔ وہ پاکستان بنانے کی آخری وقت تک مخالفت کرتے رہے انھیں معلوم تھا کہ اس طرح ان کا تقسیم کرو اور حکومت کرو والا فارمولا ناکام ہو جائے گا۔ پاکستان کو دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بسنے والے مسلمان بھی اس طرح اور اس بنا پر اکٹھا ہونا شروع ہو جائیں۔ اس صورت میں ان کے استعمار کو مسلمانوں کی طرف سے کھلا چیلنج ہوتا۔ مسلمانوں میں نسلی اور علاقائی تقسیم کا فتنہ ڈال دینا ان کی سب

Marfat.com

سے بڑی کامیابی تھی اور اب قائداعظم اور ان کے ساتھیوں نے انہیں چاروں شانے چت کر دیا تھا اور وہ اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ بہر صورت مسلمانوں کے ولولہ ایمانی نے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی کہ اسلامی تہذیب کے منفرد وجود کو ماننے کے علاوہ ان کے ہاں کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ہندوؤں نے ہمارے بہت سے دینی راہنماؤں کو مختلف ہتھکنڈوں سے گمراہ کیا۔ کبھی مفادات کی جھلکیاں دکھائیں اور کبھی جمہوری راج کی غلط تفسیریں کیں۔ جمہوریت کا یہ تصور کہ اکثریت ہی سب کچھ ہے صریحاً غلط ہے۔ نہیں اس میں تو اقلیت کا قیام اس سے کہیں زیادہ محترم ہے لیکن اگر اسے برداشت کرنا مقصود ہو! یہاں تو قصہ ہی اور تھا ہندو ایک مستقل اکثریت تھی اور دنیا کا کوئی بھی فارمولا اس ٹھوس حقیقت کو تبدیل کرنے سے قاصر تھا۔ مگر ہندو تھا کہ ہمارے تاریخ کے شعور سے نابلد علماء کو رام کہانیاں سنا سنا کر الو بنا رہا تھا اور وہ اس کے دام میں پھنس رہے تھے۔ انگریز ہندو کا ساتھ دے رہا تھا مگر اتنے زبردست گٹھ جوڑ کے باوجود ہمارے قائدین نے مسلمانان ہند کے خلاف اتنی خوفناک سازش کو ناکام بنا دیا۔ زمین جغرافیہ اور نسل کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور اسلام کے ابدی اور آفاقی نظریہ کو بنیاد بنا کر بکھرے ہوئے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر دی۔ اور جمہوریت کے معروف اسلامی روحانی عمل کو متحرک کر کے مسلمانوں کو ایک قوم بنا کر نہایت اعتماد اور مضبوطی کے ساتھ دو قومی نظریہ پیش کیا اور ساری دنیا کو بتا دیا کہ مسلمان ہر لحاظ سے علیحدہ قوم ہیں اور سیاسی کاروبار میں وہ کبھی بھی ہندو کے ساتھ ضم نہیں ہو سکتے۔ ان کی امامت' عدالت کے علیحدہ اصول ہیں۔ علیحدہ ضابطے ہیں علیحدہ رہن سہن اور ایک منفرد ضابطہ حیات ہے کہ جس کے وہ پابند ہیں۔ وہ کس طرح غیر اللہ والوں سے گزران کر سکتے ہیں ؟اور خاص طور پر جب ان کی ظالم اکثریت ہمیشہ ہمارے سروں پر بیٹھی رہے گی۔

جمہوریت قوم کے اندر رواں ہوتی ہے۔ جمہوریت ہی کا یہ اصول ہے کہ آگ پانی الگ الگ خواص رکھتے ہیں اپنے علیحدہ وجود میں اپنی شناخت اور خصائل کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے بلند نگاہ قائدین نے اپنے دینی ثقافتی اور سماجی تناظر میں راہ نجات کا تعین کیا اور اسلامی جمہوری روح کے ساتھ بھرپور جدوجہد کی اور سمت کا تعین کیا۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کا خطاب الہ آباد اس سوچ کا مظہر تھا جس کا مرکزی نکتہ مسلمانوں کا علیحدہ منفرد تشخص تھا اس میں ہند کے تمام مسلمانوں کے لیے سیاسی حل کی نشاندہی کی گئی تھی۔ یہ کسی خاص علاقہ کے مسلمانوں کی ترجمانی نہ تھی۔ ساری ملت اسلامیہ ہند کے مسئلہ کے حل کے لیے فارمولا پیش کیا گیا تھا۔ عملی جمہوری تقاضوں کو مد نظر رکھ کر ان علاقوں کی نشاندہی کی گئی تھی کہ جن میں مسلمانوں کی اکثریت آباد تھی۔ اسلام اپنے مزاج

Marfat.com

میں سب سے اول انصاف پسند ہے۔ اسی درس عدل کا نتیجہ تھا کہ مسلمانان ہند دوسرں کا حق بھی نہیں مارنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام کے بتائے ہوئے حقانیت کے راستے پر چلتے ہوئے اپنا جائز حق لینا چاہتے تھے۔ اور کسی طرح بھی حق وانصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ اس وقت مسلمان یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ ہندوستان بھی ان کا ہے۔ ان ہی سے انگریزوں نے یہ سلطنت چھینی تھی اور اب جبکہ انگریز واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ امانت وہ ان ہی کو واپس کرے جن سے لی تھی۔ ان مسلمانوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہ کیا کیونکہ وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے تھے وہ کسی کا حق مارنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ بادشاہت کے حق میں نہ تھے کہ وہی پرانے دن لوٹا دیئے جائیں۔ نہیں وہ تو جمہوری اصولوں کی بنا پر صرف اتنا حق حکومت چاہتے تھے جو ان کا بنتا تھا۔

لہٰذا علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں اسی اصول کی بناپر علیحدہ مسلمان ریاست کا تصور پیش کیا جہاں مسلمان اپنے ضابطہ حیات کے مطابق مل جل کر جمہوری انداز میں زندگی گزار سکیں۔ علیحدہ آزاد قوم کی حیثیت میں اپنے معاملات کی دیکھ بھال کر سکیں۔ ہندووں کا جتنا حق بنتا وہ ان کو ملتا اور جو ہمارا حق ہے وہ ہمیں ملے۔ حضرت مجددالف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ نے ہماری سمت کا واضح تعین کر دیا۔

اب اس کے عملی حصول کے لیے ایک عظیم جدوجہد کی ضرورت تھی جو حضرت قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں آگے بڑھنا شروع ہوئی۔ سمت متعین ہو جانے کے باوجود اس کا حصول آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے بہت قربانیاں درکار تھیں۔ بصیرت کی اعلیٰ خصوصیات درکار تھیں۔ عزم صمیم کی ضرورت تھی اور سب سے بڑھ کر حسین سالار کا تقاضا رکھتی تھی جو اسلامی عقیدہ اور اقدار کی اعلیٰ ترین مثال ہو اسی لیے تو قیادت کے لیے علامہ کی نظر انتخاب حضرت قائداعظم پر جا لگی۔ وہی شخص ہے کہ جس میں میر کارواں کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ وہی ساری ملت اسلامیہ کو متحرک کر سکتے ہیں اور قیادت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور ہندو کی مستقل اکثریت کی پستی اور غلامی سے مسلمانان ہند کو بچا سکتے ہیں۔

قائداعظم موتی لال نہرو کی دستوری سکیم جس میں مسلمانوں کے حقوق کا قطعاً خیال نہ رکھا گیا تھا اور ان کے ۱۴ نکات کو ماننے کے لیے ہندو ذہن تیار نہ تھا کے احتجاج کے طور پر انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ سوچ رہے تھے کہ ہندو کا ذہن کتنا تنگ ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے ان کی کوئی بات بھی ماننے کو تیار نہ ہیں۔ حالانکہ قائداعظم کے ۱۴ نکات کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت

Marfat.com

ممکن تھی بلکہ ہندوستان متحد بھی رہ سکتا تھا۔ قائداعظم سخت مایوس تھے کہ ہندو اپنے تعصب کے خول سے کسی طرح بھی باہر نکلنے کو تیار نہ تھے۔ اور مسلمانوں کو شودر سے بھی کم درجہ دینے کا ارادہ رکھتے تھے اس پس منظر میں حضرت علامہ نے علیحدہ وطن کا تصور پیش کیا تھا۔ قائداعظم لندن میں تڑپ رہے تھے اور علامہ لاہور میں۔ لیاقت علی خان علامہ اقبال کا پیغام لے کر خاص طور پر محمد علی جناح صاحب کے پاس لندن گئے اور مسلمانوں کی زبوں حالی کا مزید حال بیان کر کے ان کو واپسی پر راضی کیا۔ ان ہی دنوں میں خواجہ عبدالرحیم اور چوہدری رحمت علی جو اس وقت وہاں حصول علم کے لیے گئے ہوئے تھے، نے علامہ اقبال کے تصور کو مزید ٹھوس خاکہ کی صورت میں پیش کیا اور نئی ابھرنے والی مسلم مملکت کا نام پاکستان تجویز کیا کیونکہ اس کا تخیل پاک اور سچے خیالات اور جذبات پر مبنی تھا اور وہ اسلام کے تمام تر پاکیزہ تصورات اور جذبات کا امین ٹھہرنا تھا اس کے علاوہ پنجاب (پ) آسام (ا) کشمیر (ک) سندھ (س) بلوچستان (تان) کے علاقے کے ابتدائی حروف کا مجموعہ بھی پاکستان ہی بنتا تھا۔ اس کے علاوہ بنگسام کے نام سے انھوں نے مشرقی حصہ کی مملکت کا نام بھی تجویز کیا۔ بہر کیف برصغیر کے مسلمان جہاں کہیں بھی تھے وہ یہی سوچ رہے تھے کہ کس طرح ان کی علیحدہ شناخت اور وجود کا اہتمام ہو۔ علامہ اقبال نے ہر سو شمع روشن کر دی تھی اور ہر کوئی حتی المقدور اس ظلمت کدہ میں روشنی کے قمقمے جلانے کی کوشش میں تھا۔

قائد اعظم اور مسلم لیگ کی انتھک کوششوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو علیحدہ مملکت کے نظریہ سے روشناس کروایا اور اس کی افادیت کا احساس دلوایا۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں کے اندر بہت سے طبقات ایسے تھے جو انگریزوں کی چاپلوسی ہی میں اپنی فلاح ڈھونڈ رہے تھے۔ اس میں خاص طور پر تو نوابین اور جاگیرداروں کا طبقہ خاص ان کا حلیف تھا کہ ان ہی کی وجہ سے ان کی مراعات اور عیش و طرب کی زندگی وابستہ تھی۔ فوجی اور سرکاری ملازمین کی اچھی خاصی تعداد بھی موجود تھی جو تاریخ کے عمل سے نابلد اپنے موج میلہ میں مصروف تھی علمائے کرام خاص طور پر دیوبند مکتبہء فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات کو ہندوؤں نے اپنے دام فریب میں جکڑ رکھا تھا۔ لہٰذا حضرت قائداعظم اور ان کے ساتھیوں کے لیے پیغام پاکستان سب تک پہنچانا نہایت کٹھن کام تھا مگر وہ مردان مومن اپنا ایسا حوصلہ رکھتے تھے کہ ہندوستان کے کونہ کونہ گلی گلی کوچہ کوچہ پہنچے اور قوم کو بیدار کیا۔

Marfat.com

جب قوم کا شعور اچھی طرح بیدار ہو گیا تو باقاعدہ ایک قرار داد کی شکل میں ۱۹۴۰ میں مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا مطالبہ پیش کر دیا۔ مسلم لیگ کے اس اجلاس میں یہ قرار داد متفقہ طور پر ہندوستان کے تمام صوبوں سے آئے ہوئے وفود نے منظور کی اور مسلمانان ہند کی قسمت کی ایک واضع سمت متعین کر دی۔ اس قرار داد کے پاس ہونے کے سات سال کے اندر اندر پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک زبردست حقیقت بن کر ابھرا۔ انگریز اور ہندو کی تمام تر چالاکیاں اور طاقت خاک میں مل گئیں۔ لیکن یہ کمال صرف اور صرف مسلمانوں کے پاکیزہ جذبہ ایمانی کا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی اس کا سودا کرنے کو تیار نہ تھے اور اپنے نظریہ اور ایمان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار تھے۔ اور انہوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر ہر قسم کی قربانی دی۔ گردنیں کٹوائیں۔ جانیں گنوائیں۔ عزتیں لٹوائیں۔ جائیدادیں قربان کر دیں مگر مجال ہے ایک قدم پیچھے ہٹے ہوں۔ قوم تھی کہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ناقابل شکست قوت کا روپ دھار گئی۔ وہ مسلمان جو اپنے اپنے صوبوں میں اقلیت میں تھے اس کار خیر میں سب سے آگے اور نمایاں تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ ان کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہو سکیں گے لیکن اسلامی اخوت کے مضبوط رشتے اور ناقابل تسخیر جذبے انھیں پاکستان کے لیے سب کچھ کر گزرنے کے لیے اکسا رہے تھے۔ یہ ان ہی پاک جذبوں کا نتیجہ تھا کہ تخلیق پاکستان ممکن ہوئی اور یہی اس کی قوت کا سرچشمہ تھا۔

پاکستان کی پہلی اینٹ تو اس وقت ہی رکھی جا چکی تھی جب محمد بن قاسم نے لٹی ہوئی مسلمان خواتین کی آہ وزاری سن کر سرزمین سندھ پر قدم رکھا تھا اور راجہ داہر کے جور و ستم کا حساب چکانے پہنچ گیا تھا۔ اس طرح آٹھویں صدی میں مسلمانوں کی برصغیر آمد ہی سے اسلام کی نشو ونما شروع ہو گئی تھی۔ مفتوح قوم ان کے اعلیٰ اخلاق اور عدل کے اعلیٰ معیار سے اس قدر متاثر ہوئی کہ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام داخل ہونا شروع کر دیا۔ محمد بن قاسم کو اگرچہ بہت جلد واپس بلا لیا گیا لیکن اسلام کا پیغام وادی سندھ کے گوشہ گوشہ میں نہایت ہی سرعت سے پھیل گیا۔ مسلمان ملتان تک پہنچ گئے بزرگان دین نے اپنی شفقت اور محبت سے دین کو پھیلانا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مقامی لوگ بت پرستی کو چھوڑ کر راہ حق کی طرف امڈ پڑے بلکہ ملتان اوچ شریف، منصورہ، ٹھٹھہ اور اس طرح دیگر مقامات پر مسلمانوں نے اپنی علیحدہ حکومتیں بھی بنا لیں۔ اشاعت اسلام اور اس ضوفشانی کی بنا پر پاکستان کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی۔ اگست ۱۹۴۷ تو اس داستان کے عروج و زوال کی ایک کڑی تھی بلکہ میں اس سے بھی پیچھے جانا چاہوں گا کہ پاکستان کی اساس تو اس لمحہ بابرکت ہی میں رکھی جا چکی تھی جب

Marfat.com

اشرف الانسانیت رحمتہ اللعالمین ؐ پر نبوت آشکارہ ہوئی اور وہ غار حرا سے سوئے حرم چلے تھے کہ یہی اول تھا اور یہی آخر۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی عظیم ترین رحمت فرمائی اور اس ظلمت کدہ کو اپنے نور سے روشن و منور کر دیا۔ اس منبع رشد و ہدایت سے روشنی چار سو پھیلی اور ہم بد نصیبوں کو خوش نصیب بنا گئی۔ لہٰذا پاکستان کا مظہر تو اس دن سے مقدر بن چکا تھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ نوشتہ تقدیر تو ازل سے موجود تھا کہ ہمارے ہادی اکبر فخر موجودات ؐ کی بعثت تو دین ابراہیمی کی تکمیل کا نام ہے اسلام ہمیشہ سے موجود تھا۔ جس نور نے ہمیں منور کیا وہ تو ازل ہی سے تھا وہ امام انبیاء کہ جن کی آمد نے ہر طرف روشنی پھیلا دی ہی کی برکت تھی کہ ہم تک وہ نور پہنچا۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کا سنگ بنیاد اس وقت سے جڑا ہوا ہے۔ ۱۹۴۷ میں تو صرف رسم ادا ہوئی۔ اصل بنیاد تو اس وقت رکھی گئی جب مشرکان مکہ کے بھیانک مظالم کے باوجود راہ حق کے پیامبر کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ طعنے سنے، پتھر کھائے، اذیتیں سہیں، شعب ابی طالب میں بند رہے ہنس کر غلاظتوں کا استقبال کیا۔ طائف کی سنگلاخ فضاؤں میں خون بہایا۔ قتل کی سازشیں ہوئیں۔ ہجرت فرمائی۔ غلاموں کی سزائیں اور عقوبتیں سہیں مگر حق کا علم بلند رکھا کہ وہ ہم تک پہنچ سکے یہ ان کا کرم تھا کہ ہم مستفیض ہوئے۔ مسلمانوں کی راہ نمائی کے لیے مدینہ میں اسلامی حکومت قائم کی کہ آئندہ کے لیے مثال بن سکے۔ میثاق مدینہ کی شکل میں دنیوی حکومت کے لیے دستوری خاکہ پیش کیا۔ یہودیوں کو بھی ساتھ ملایا مگر وہ دغا دے گئے سزا کے جو مستحق تھے انھیں سزا ملی اور جو معافی کے قابل تھے انھیں معافی ملی۔ نظام عدل قائم ہوا اور جزا سزا کا بلا تخصیص رتبہ و مرتبہ نظام دیا۔ اللہ تعالےٰ کے ودیعت کردہ احکام کا نفاذ ہوا۔ سیرت سازی ہوئی اور انسانیت گری کی بھٹیاں جلائی گئیں۔ تعلیم و تدریس اور تربیت کا اہتمام ہوتے ہی یہیں سے سارے عالم میں روشنی پہنچی تھی۔ پھر کیا تھا اس پیغام نے وہ طاقت بخشی کہ سارا عرب سرنگوں تھا۔ نفاق زدہ بدو ایک ہو گئے۔ ان کے دل روشن ہوتے ہی وہ طلسمی قوت کے مالک بن گئے۔ مکہ کے کفار ہار گئے۔ روشنی ظلمت پر غالب آگئی اور چشم فلک نے دیکھا کہ عظمت انسانیت کس کو کہتے ہیں۔ وہ سب لوگ جو آنحضور کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں سب سے آگے آگے تھے انھیں رحمت العالمین پکار پکار کر کہہ رہے تھے لا تثریب علیکم الیوم۔ آپ لوگوں پر آج کے دن کوئی پکڑ نہ ہے۔ کمال عفو اور کمال کرم۔ ابو سفیان ہی نہیں اس کے گھر میں پناہ لینے والے کو بھی معافی تھی۔ ہندہ جس نے آپ کے چہیتے چچا حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا وہ بھی بچ گئی۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کی راہ نمائی کے لیے مثال قائم کرنے کے لیے تھا اور اس سے بڑی اور اچھی مثال انسانیت کی

Marfat.com

پوری تاریخ میں کسی نے قائم نہیں کی اور نہ کوئی کر سکتا ہے کیونکہ ان سے بڑی ذات کوئی ہو نہیں سکتی۔

اس سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی فہم وفراست اور تدبر کی عظیم ترین مثال قائم ہو چکی تھی۔ کوئی بھی صحابی سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ کس طرح فتح مبین ہو سکتی ہے۔ لیکن مشیت ایزدی تھی کہ نبیؐ کی نگاہ دیکھ رہی تھی اور ایسا ہی ہوا اور پھر عفو عام۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اتنی سرعت سے پھیلا کہ قیصرو کسریٰ کی عظیم سلطنتیں دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہوگئیں اور اسلام کا سبز پرچم لہرانے لگا۔ روشنی کی یہی کرنیں تھیں جو ہم تک پہنچیں اور وہی پاکستان کی بنا ہے۔

اس عظمت کو مٹانے کے لیے طاغوت نے بہت کوششیں کیں۔ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا کہ انگریز اور ہندو ملکر ہمارا راستہ روک رہے تھے کفر کی طاقتیں ہمیشہ سے اسلام کی درپے رہی ہیں۔ آنحضورؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق کو مسیلمہ کذاب اور زکوۃ سے انکاری لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانی پڑی۔ حضرت عمر بھی بر سرپیکار رہے۔ حضرت عثمان تو اپنی ہی ملت کے اندر فتنہ وفساد کے شکار ہوگئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو تو سکون لینا نصیب ہی نہ ہوا۔ بلکہ سب سے پہلے خارجیوں نے امامت کی ثالثی ماننے پر ان پر تکفیر کر دی۔ کتنی زیادتی اور بے انصافی تھی کہ اتنے جلیل القدر پختہ ایمان والے نبی کے عزیز ترین اور آزمائے ہوئے بچپن ہی میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حیدر کرار کو کافر کہا گیا۔ اس لیے کہ شیطانی قوتیں اسلام کو ضعف پہنچانا چاہتی تھیں لیکن اس کی حفاظت تو خود خدا کرتا ہے اور اس کو قوت پہنچانے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہ شیر خدا کو بھیج دیتا ہے۔ تاکہ اسلام پھلے پھولے اور ہم ایسے خوش نصیبوں تک پہنچ سکے۔ ایسی ابتلاؤں سے گزر کر یہ پیغام حق ہم تک پہنچا تھا اور وہی پاکستان کی اساس بن رہا تھا یہی نہیں امام حسین اور ان کے قلیل ساتھیوں نے کربلا میں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اتنے بڑے یزیدی لشکر کے سامنے نتیجہ کیا ہوگا' سر قلم کروانا قبول کر لیا مگر حقانیت کو شکست سے بچا لیا۔ یزید جیت کر بھی ہار گیا اور حسین سر کٹا کر بھی جیت گیا کہ آج تک اسی وجہ سے اسلام زندہ ہے۔ سید الشہداء حضرت امام حسین نے سارے خاندان کی قربانی دے دی۔ اکبر بھی گئے اصغر بھی گئے لیکن اسلام کو زندہ رکھ لیا یہ اسی قربانی اور شہادت کی برکت تھی کہ ہمیں اگست ۱۹۴۷ میں سرخرو کر گئی۔

اسلام کئی دفعہ امتحانوں سے گزرا۔ شروع ہی میں فرقہ واریت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خارجی۔ باطنیہ۔ شیعہ اور کیا کیا فرقے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہر کوئی ایک دوسرے کا خون بہا رہا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ مسلم امہ ایک دوسرے کو کافر قرار دے دے کر قتل کرتی جائے گی اور مسلمان

Marfat.com

صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔ علامہ الاشعری اور امام غزالی ایسے بطل اسلام سامنے آئے اور انھوں نے اپنی حکمت اور فراست سے مسلمان قوم کو مکمل بربادی سے بچالیا اور فیصلہ کیا کہ جو بھی سنت کا پیرو کار ہے اور جماعت یعنی اکثریت کے معروف راستے پر چلتا ہے اس پر تکفیر درست نہیں۔ اس طرح سنت اور جماعت کا جامع فارمولا دیکر ملت کو تباہی سے بچالیا مگر کمال ہے انتشاری قوتوں کا کہ اس فارمولا ہی کو بنیاد بنا کر ایک اور فرقہ بنالیا اور اس کا نام بھی اہل سنت والجماعت رکھ لیا۔ بہر صورت ان بزرگوں کی وجہ سے ہی کچھ بچت ہوگئی اور بات ہم تک پہنچ سکی۔

یہ اسی کا کرم ہے ورنہ اندرونی خلفشار بہت تباہ کن ہوتا۔ مگر چونکہ اسلام ایک ابدی پیغام ہے اور انسانیت کی نجات کا راستہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہر موڑ پر ہماری مدد کرتا رہا ہے۔ کہنے کو تو صنم خانے سے بھی محافظ مل جاتے ہیں۔ ہم شیعہ سنی کی بحث میں مبتلا رہتے ہیں اور ہلاکو خان بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادیتا ہے اور پھر اسی کی اولاد اسلام کی ایک بہت بڑی قوت بن جاتی ہے یہ اللہ کے معجزے ہیں سینکڑوں سال کی حکومت کے بعد مسلمان سپین سے بھاگ رہے ہیں لیکن اسی وقت خلافت عثمانیہ کے سپاہی ہنگری اور جرمنی کے دروازوں پر دستک دے رہے ہوتے ہیں۔ پورا یورپ ملکر مسلمانوں کی تباہی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اعلان جہاد کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے ہے کہ صلاح الدین ایوبی ایسے عظیم جرنیل کو اسلام کی حفاظت پر مامور کر دیتا ہے۔ سارے جتن کرتے ہیں مگر آخر کار سب مخالف قوتوں کو لشکر اسلام کے سامنے دم دبا کر بھاگنا پڑتا ہے اللہ تعالے ہمیں ابتلا اور امتحان میں ضرور ڈالتا ہے لیکن پھر کمال کریمی سے نکال بھی لیتا ہے اور ہر مرحلہ پر حفاظت فرماتا ہے۔ یہی صورت تخلیق پاکستان میں نظر آتی ہے کہ اس نے بڑھ کر بھٹکے اور بکھرے مسلمانوں کا ہاتھ تھام لیا۔

Marfat.com

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

آٹھویں صدی عیسوی جب محمد بن قاسم نے اس سرزمین پر پہلا قدم رکھا تھا' کے بعد گیارھویں صدی میں شمال کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کی بھرپور آمد شروع ہوئی۔ اس وقت تک وسط ایشیا کے اکثر علاقوں میں اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی اور وہاں مسلمان حکومتیں موجود تھیں۔ سبکتگین بادشاہ نے اپنی سلطنت پشاور تک پھیلائی اور اس کے بہادر اور جنگجو بیٹے محمود نے اسے مزید بڑھایا۔ اس طرح غزنوی مسلمانوں کی سلطنت موجودہ پاکستان بلکہ امرتسر اور جالندھر تک جا پہنچی۔ اس کے بیٹے مسعود نے تو غزنی چھوڑ کر لاہور کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا۔

مسلمان فوجوں کی کامیابی اپنی جگہ مگر اس سے زیادہ کمال ان کے ساتھ' پہلے یا بعد میں آنے والے روحانی بزرگان اور دانشوروں کی نگاہ بلند اور حسین کردار کا تھا کہ مقامی لوگوں نے ان کے عمل سے متاثر ہو کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری مسعود کے لشکر سے پہلے آئے تھے اور لاہور میں ٹھہر گئے۔ بادشاہ کا اپنا کام تھا اس کا اپنا جاہ و جلال تھا وہ اپنی جگہ میں اپنے مخالفوں سے برسرپیکار تھا مگر حضرت علی ہجویری تھے کہ روح اسلام کے مکمل پیکر نہ جاہ و جلال نہ جنگ و جدل۔ فقر و استغناء تھا اسلام کی چلتی پھرتی تصویر اسلام کی مساوات و اخوت کا بہترین نمونہ۔ شفقت و محبت کے سرچشمہ۔ نہ اونچ نہ نیچ سب برابر تھے۔ تھی تو انسانیت ہی عظیم

Marfat.com

تھی اور احترام آدمی کا شب و روز عمل۔ ذات پات میں بٹے اور تحقیر کے شکار انسانوں نے جب دیکھا کہ وحدانیت کے رنگ میں رنگے انسان تو ایسے ہوتے ہیں اور اسلام تمام انسانوں کی توقیر کا کتنا خیال رکھتا ہے تو پھر کیا تھا سب ہی اسلام کے مقناطیسی کمال کی طرف کشاکش کھنچے آنے لگے۔ اور اسلام کی روشنی پھیلتی گئی۔ یہ ان بزرگان دین کے عمل و فکر ہی کا کرشمہ تھا کہ برصغیر میں اسلام کی طرف اتنی کشش پیدا ہوئی۔ علی ہجویری ان کے شاگردوں اور دوسرے روشن دماغ درویشوں کی تحریروں، تقریروں اور عمل کے نتیجے میں غیر مسلم اسلام کے قریب آتے گئے اور حقانیت کی شمع سے شمع جلتی رہی۔

حضرت معین الدین چشتی۔ بابا فرید گنج شکر۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی۔ حضرت نظام الدین اولیا ایسی برگزیدہ ہستیاں اپنی محبت، شفقت تدبر اور تقریر و تحریر کے ذریعہ اسلام کا پیغام پھیلانے میں مصروف رہیں۔ الفت اور رواداری کے سبق دیتی رہیں۔ یہ آفاقی لوگ علم و عرفان سے ظلمت کدوں کو روشن کرتے رہے اور لوگوں کو اپنے پیارے پیارے پاکیزہ عمل سے اسلام کا گرویدہ بناتے گئے بادشاہ راجے مہاراجے ملنا چاہیں تو بیزاری کا شکار ہو جاتے تھے۔ اپنے فقر میں مست رہتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی صاحب جاہ و جلال آپہنچے تو عقبی دروازہ سے نکل جاتے کہ عبادت و خلوت میں خلل پڑتا تھا۔ تاکہ کسی دنیاوی تفاخر و نخوت کا شکار نہ ہو جائیں۔ اللہ کی یاد میں مست رہنا، فقر کی زندگی گزارنا اور اللہ کے بتائے ہوئے راستے اور طریقے ان کے معمول تھے۔ مسلمان بادشاہ اپنے کاروبار سلطنت میں مصروف رہتے مگر یہ ان ہی بزرگوں کا فیضان تھا کہ اسلام پھیلتا گیا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔

۱۱۹۱ء میں شہاب الدین غوری پرتھوی راج سے شکست کھا گیا مگر اگلے ہی سال تیاری کے بعد دلی پہنچ گیا اور پرتھوی راج کو بھگا دیا۔ اجمیر اور راجستھان تک جا پہنچا اس کے بعد قطب الدین ایبک۔ التتمش، علاؤالدین خلجی اور دیگر افغانوں اور پٹھانوں نے برصغیر کے مختلف علاقوں کے راجوں مہاراجوں کو یکے بعد دیگرے زیر تسلط کر لیا۔ بنگال اور دکن تک پہنچ گئے اور جہاں کہیں بھی گئے انتظام و انصرام کے اعلیٰ نمونے قائم کر دیئے۔ فاتح اور مفتوح کے ساتھ روح اسلام کے مطابق برابری کا سلوک کیا اور ہر کسی کے ساتھ انصاف کیا۔ یہ وہ سلوک تھا جس سے مقامی لوگ حیران رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے کہ جہاں کھوپڑیوں کے مینار کھڑے کرنے کی روایات ہوں وہاں پر یہ کون لوگ تھے کہ فاتح ہونے کے باوجود ایسی رحم دلی اور عفو کا سلوک کریں۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ ایک ایسے دین کے پیرو کار ہیں کہ جس کے اندر رحم ہی رحم ہے رواداری ہی رواداری ہے شفقت اور

Marfat.com

محبت ہی محبت ہے۔ اخوت اور مساوات ہے یہ اس ہادی اکبر کو ماننے والے ہیں کہ جس نے اپنے سخت سے سخت دشمنوں کو اس طرح معاف کر دیا تھا کہ جیسے ہوا ہی کچھ نہ تھا تو ان کی حیرت احترام میں تبدیل ہوتی گئی اور بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ کوئی جبر نہ تھا صرف محبت کا پیغام تھا کہ عام ہوتا گیا۔ عدل کے ایسے معیار قائم کئے کہ بڑے سے بڑا شخص اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔ غریب امیر سب کے ساتھ ایک جیسا سلوک روا رکھتے ہوئے دیکھا تو دور دور کے لوگوں نے اپنے حاکموں کی نا انصافیوں اور ظلم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مسلمان حاکموں کو بلایا جنھوں نے انھیں اپنے گوشۂ عافیت میں لیا۔ انتظام و انصرام ایسا کہ مجال ہے کہ بدامنی اور لاقانونیت سر اٹھا سکے اور اگر ہو جائے تو فوراً اس کا تدارک ہونے لگا۔ امن و سلامتی کا ایسا نظام قائم کر کے دکھایا کہ دوسرے علاقوں کے لوگوں نے فساد کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے انھیں دعوتیں بھیجیں۔ یہ وہ رویئے اور ادائیں تھیں کہ جنھوں نے بت پرستوں کے بھی دل موہ لیے۔

باد نسیم کا ایک تازہ جھونکا تھا کہ خوشبوئیں پھیلاتا گیا۔ بزرگان ذکر و فکر سے اجالا کرتے گئے۔ امیر خسرو ایسے مغنی پتھر دلوں کو بھی موم کرتے رہے کہ ان کے کلام میں شیرینی تھی چاشنی تھی وجدان تھا اور ازلی پیغام تھا۔ اس طرح برصغیر میں نہ صرف اسلام پھیل رہا تھا بلکہ اس کا ایک خاص نقشہ بن رہا تھا۔ طرح طرح کے اثرات تھے اور طرح طرح کے کرشمے۔ آنے والے اپنے ساتھ علم کے خزینے لا رہے تھے۔ ہادی اکبر تو خود منبع رشد و ہدایت اور علم کا خزانہ تھے۔ کہ قرآن حکیم سے بڑھ کر کوئی جامع ہدایت نامہ دنیا و آخرت ہو نہیں سکتا۔ اسے سمجھنے کے لیے سنت رسولؐ اور ان کے اقوال و عمل کی تدوین و ترتیب ہمارے لیے نہایت اہتمام سے کر دی تھی اور رسول اکرم کی زندگی کی ایک ایک بات کھول کر بیان کر دی تھی تاکہ ہر کسی کے لیے اس اسوہ حسنہ سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو سکے۔ اسلامی قوانین اور فقہ کو اموی اور عباسی دور حکومت میں مرتب کیا جا چکا تھا اور عدل و انصاف اور قضا و جزا کے مربوط طور طریقے مرتب ہو چکے تھے شریعت اسلام نے سلاطین اور بادشاہوں کو بھی پابند کر دیا تھا تاکہ وہ اپنی دنیوی قوت سے بے اعتدالی نہ کرنے پائیں۔ علماء اور فضلا شریعت کی جماعتیں تھیں جو بادشاہوں کی راہنمائی کے لیے ہر وقت موجود رہتی تھیں اور اگر کوئی بادشاہ وہ حدیں عبور کرتا یا عبور کرنے کی کوشش کرتا تو اس کی روک ٹوک کا بندوبست بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان فاتح ایک خاص ضابطہ اخلاق و قانون کے پابند رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ظلم و جبر سے پرہیز کرتے تھے۔ اور جو غلطی کرتا اس کی پرسش بھی ہوتی تھی۔ اگر علماء کوتاہی کر بھی جاتے تو بزرگان دین اور اولیاء اللہ ان

Marfat.com

کی گوشمالی کرنے کو موجود رہتے تھے۔ علم و عرفان کا بھی فیضان تھا کہ اس وقت کے تمام علوم مسلمانوں کی دسترس میں آچکے تھے۔ عباسی دور میں یونان کے تمام علوم خاص طور پر فلسفہ اور منطق کے تراجم عربی میں کئے گئے اور وہاں سے دوسری زبانوں میں منتقل ہوئے۔ کیمیا اور طبیعیات پر حکماء نے کام کیا اور وہ وہ کام کئے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ تاریخ اور فرمانروائی کے اصول مرتب کئے اور دلوں کو روشن کرتے گئے۔ یہ سب علوم ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ساتھ آئے اور انسانیت کو جلاء بخشتے گئے۔ یوں مسلمان تعظیم و تہذیب کی پرواز سے بڑھا نہ کہ تلوار کی تیزی سے۔ جہاں گیا دلوں میں گھر کر گیا اور پاکستان کی بننے والی بنیادیں پختہ کرتا گیا۔

Marfat.com

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

علماء دین نے شریعت محمدی کے ذریعہ عدل وانصاف اور رواداری کو فروغ دیا۔ اولیاء اللہ نے فلسفہ، تصوف اور روحانی تجلیوں سے ذہنوں کو اجالا بخشا۔ حکمرانوں نے اپنے حسن انتظام وانصرام سے امن وسکون کا موثر اہتمام کیا۔ اور سرزمین ہند اور اس کے باسیوں کی زندگیوں میں ایک منفرد اور خوشگوار تبدیلی لائے۔ اس خطہ ارضی کو جو مختلف خطوں اور علاقوں میں منقسم تھا یکجا کر کے ایک ملک بنایا۔ ہند کا نام بھی عربوں اور ایرانیوں نے رکھا کہ دریائے سندھ کے اس پار کی زمین کو وہ سندھ، ہند اور یہاں کے باسیوں کو ہندو کے نام سے پہچانتے تھے۔ بعد میں ہندوؤں اور انگریزوں کو ہندوستان کے ایک ہونے پر اتنا فخر تھا انھیں معلوم نہیں کہ اصل میں ہندوستان کو اکٹھا کر کے ایک ملک بنانے کا سہرا مسلمانوں ہی کے سر ہے کہ بدخشاں سے بنگال تک سب کو اکٹھا کر گئے اور اس کی ایک شناخت دے دی مگر اس سے قبل تو یہ بہت سے خود مختار اور آزاد حصوں پر ہی مشتمل تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر کو یکجا کرنا مسلمانوں کا ایک بہت بڑا کمال تھا۔

بہرصورت یہ دو مختلف تہذیبوں کا ایک عجیب و غریب ٹکراو تھا جس کے ایک دوسرے پر اچھے اور برے دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں میں ہندوؤں کے ذات پات میں بٹے ہوئے معاشرے کے بہت سے خراب اثرات داخل ہو گئے۔ جہاں جہاں اسلام کا روحانی اثر قبول

Marfat.com

کر کے مقامی لوگ مسلمان ہوئے وہاں وہ اپنی ذات پات کی شناخت اور تقسیم ساتھ لے آئے حالانکہ اسلام میں یہ تصور بالکل مفقود ہے۔ اگر عربوں میں قبائل کی شناخت تھی بھی تو وہ آنحضرتؐ کی تعلیمات کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی آقا' غلام 'گورے 'کالے' عرب عجم کا امتیاز مٹ چکا تھا اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے تھے یہی وحدانیت کا سبق تھا اور یہی نماز کا عمل تھا۔ مگر ہندوستان کی یہ بد روایت مسلمانوں پر اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکی۔ لڑکیوں اور خواتین کے ساتھ ہندوؤں کا سلوک غیر منصفانہ اور ظالمانہ تھا انہیں کسی قسم کی معاشی آزادی نہ تھی وہ وراثت میں جائیداد کی حصے دار نہیں بن سکتی تھیں۔ اسلام نے خواتین کو جائیداد میں حصہ داری تاریخ عالم میں پہلی دفعہ دی تھی مگر ہندوستان کی تہذیب یہاں کے مسلمانوں پر اثر انداز ہو گئی اور خواتین کو ان کے حق سے مختلف حیلوں بہانوں اور تاویلوں سے محروم کر دیا۔ اسی طرح جہیز کی نہایت ہی قبیح ہندوانہ رسم کو مسلمانان ہند نے بھی اپنا لیا۔ جہیز کا تعلق حق وراثت کے نکتہ سے جڑا ہے ہندوؤں نے بجائے اس کے کہ دختران کو حق وراثت دیتے جہیز کی رسم ڈال دی تھی ایک طرف ان کا قانونی حق مارتے تھے تو دوسری طرف احساس گناہ کا شکار ہو کر اس بد روایت کو بڑھوتی دیتے تھے۔ بدقسمتی سے مسلمان بھی اس کا شکار ہو گئے۔ اسی طرح چھوت چھات کے ہندووانہ اور انسانیت سے توہین آمیز رسم و رواج مسلمانوں میں بھی گھس آئے۔ ہندو ذہنیت بے انتہا متعصب اور عدم رواداری کی حامل تھی اور وہ کسی بھی غیر ہندو کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اگر کرتے تھے تو اسے ملیچھ کا درجہ دے کر گند کا پلندہ سمجھتے تھے۔ وہ آگ' پانی جو قدرت کا عطیہ ہے کو بھی چھو نہیں سکتا تھا اس کا پانی الگ ' آگ الگ۔ البیرونی جو سلطان محمود کے ساتھ آئے تھے اپنے سفرنامہ کی روداد میں ایک جگہ پر بہت ہی حیرانی سے لکھتے ہیں کہ ہندو اتنے متعصب تھے کہ آگ جو غلاظت کو ختم کرنے والی چیز ہے اس میں سے اگر کوئی غیر ہندو کچھ حصہ کو ہاتھ بھی لگا دے تو وہ سمجھتا تھا کہ آگ بھرشٹ ہو جاتی ہے۔ مگر شومئی قسمت کہ یہ بد روایت مسلمانوں پر بھی اثر انداز ہو گئی۔ ہندوؤں کے اس رویہ کے خلاف رد عمل شاید ایک فطری امر تھا مگر خود مسلمانوں میں ذات پات کے امتیاز کے ساتھ ہی اس قسم کے غیر اسلامی رسم و رواج بھی فروغ پانا شروع ہو گئے۔

مسلمان حکمرانوں کی بیوروکریسی ملا' مفتی اور قاضی جو کہ اسلامی قوانین اور فقہ کی تشریح کے ذمہ دار تھے وہ بھی اس تنگ نظری کا شکار ہونے سے نہ بچ سکے۔ بیوروکریسی جہاں کہیں کی بھی ہو اپنی فطرت میں ویسے ہی تنگ نظر ہوتی ہے لہٰذا ان کی طرف سے بھی اتنا ہی سخت رد عمل آتا تھا اور بہت سی

Marfat.com

صالح سوچ رد عمل کی خود شکار ہو کر شکل بگاڑ بیٹھی۔ اس طرح جہاں دونوں تہذیبوں کا اتصال ہوتا تھا وہاں تصادم کی صورت بھی بنتی رہتی تھی لیکن بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے مسکن وہ مقام تھے جہاں کسی اونچ نیچ اور ہندو مسلم کی تخصیص کے بغیر سب حاضری دے سکتے تھے اور ان کے روحانی اور فکر انگیز خیالات سے مستفیض ہو سکتے تھے یہی وہ مراکز تھے جہاں سے اسلام کے لیے محبت کی مدھر پھوار نکلتی تھی اور سب کو مست کر جاتی تھی ہندو بھجن کی طرز پر قوالی کی پر تاثیر اور دلربا طرح پڑی جس کے اثر سے بہت سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے۔ بزرگوں نے سمع کو ذریعہ تعلیم بنایا اور اسلامی بنیادی سوچ کو نہایت ہی خوبصورت آہنگ و آواز میں سب تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ تالیف قلوب کا بندوبست کیا اور اسلام کا پیغام دل نشین کرتے گئے اس طرح دونوں تہذیبوں نے ایک دوسرے پر بہت زیادہ جہتوں میں اچھے اور برے دونوں ہی طرح کے اثرات مرتب کئے۔

زبان' شعرو شاعری' رنگ راگ' موسیقی اور زندگی کے سب رنگ ڈھنگ متاثر ہو رہے تھے عربی فارسی اور ہندی کی آمیزش سے ایک نئی زبان تشکیل پا رہی تھی۔ موسیقی اور شاعری کی نئی طرحیں ایجاد ہو رہی تھی امیر خسرو ایسی عظیم ہستیاں ہر دو تہذیبوں کی نمائندہ بن کر ابھر رہی تھیں۔ کبھی زبان ہندی' کبھی لشکری' کبھی پوربی' کبھی فارسی کبھی عربی' کیا خوبصورت امتزاج تھا کہ ہر کوئی کیف و مستی کی حالت میں پہنچ جاتا۔ خیالات پاکیزہ' اسلامی' انسانی' نہ کوئی بیر نہ نفرت۔ آفاقی پیغام ہر سو پھیل رہا تھا اسلامی وحدانیت کے اثرات ہر طرف مرتب ہو رہے تھے اور ہندی بت کدہ کے اندر خیالات کی ستھرائی شروع ہو گئی تھی بہت سے مفکرین نے وحدانیت کے تصور سے متاثر ہو کر ہندو ازم کے اندر اصلاح کی تحریکیں شروع کیں اور مختلف صورتوں میں وحدانیت کا پرچار شروع کیا۔ بابا گورونانک کی تحریک بھی ان میں سے ایک تھی جنہوں نے نہایت ہی خوبصورت شاعری میں وحدانیت کا نہایت ہی پر تاثیر پرچار کیا۔ یہ تحریک اسلام کے بہت ہی قریب تھی۔ اس لیے تو ان کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کی ابتداء حضرت بابا فرید کے اشعار ہی سے شروع ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ بعد میں امرتسر میں دربار صاحب جو سکھوں کے لیے سب سے متبرک عبادت گاہ ہے کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر صاحب نے رکھا۔ خیالات اور تصورات کی یہ ہم آہنگی اسلامی تعلیمات' حسن کردار اور خاص طور پر نظریہ توحید کی اٹل سچائی کا نتیجہ تھی کہ بت کدہ ہند ظلمات سے نکل کر نور کی طرف رواں دواں تھا۔

Marfat.com

یہ الگ بات ہے کہ ہمارے کچھ حکمرانوں کی کوتاہ اندیشی اور خود غرضیوں کی وجہ سے سیاسی طور پر سکھ مسلمانوں سے دور ہوتے گئے وگرنہ خیالات اور تصورات میں سکھ ازم ہندوؤں کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہے بھگت کبیر اور دوسرے بزرگان نے بھی توحید کی راگنیاں گائیں۔

اسی طرح دونوں تہذیبوں کے بے شمار اثرات ایک دوسرے پر مرتب ہوتے گئے مگر اسلام چونکہ بنیادی طور پر ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر پہلو کے لیے اللہ تعالے کی طرف سے قرآن حکیم اور سنت نبی کی شکل میں ایک جامع ہدایت نامہ رکھتا ہے اس لیے وہ اپنا ہی منفرد رنگ روپ رکھتا ہے کلچر، رنگ راگ اور ذات پات تک تو مقامی رسم و رواج اپنا اثر دکھا گئے مگر اس سے زیادہ ہندو ازم کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی اپنا اثر چھوڑ سکتا۔ عقیدہ اور خیالات میں تو وہ تہی دامن ہے وہ اور کسی کو کیا دے سکتا تھا؟ دوسروں سے تعصب اور تحقیر و نفرت اس کا بنیادی وصف ہے مزاجاً نسلی ہے پیدائش ہی سے ہر سمت کا تعین ہوتا ہے۔ ذات پات کے ناقابل تبدیل نظریوں میں بند ہے انسان صرف موت کی صورت میں خلاصی پا سکتے ہیں اور اگر اواگون دھرم کرم کے الجھے ہوئے گورکھ دھندوں ہی سے چھٹکارا نہیں تو وہ دوسروں کو کیا متاثر کریں گے۔ اگرچہ کرم اور عمل کی اہمیت ان کے ہاں بھی ہے کہ وہی ان کو اعلیٰ جون کی طرف لے جا سکتے ہیں کرشن جی ارجن کو کوروپانڈو کے یدھ میں یہی سبق تو دیتے ہیں لیکن عمل سے پہلے صحیح سوچ اور عقیدہ کی بھی تو ضرورت ہے۔ یہ پہلو ہندوازم میں کافی تشنہ ہے۔ اگرچہ بھگوت گیتا میں اس پر کافی زور دیا گیا ہے لیکن اسلام کی طرح اس میں کوئی واضح سمت موجود نہ ہے۔ ہماری مشکلات فکر و فنا کو تو نظریہ توحید نے نہایت صراحت اور وضاحت سے حل کر دیا ہوا ہے اور ایک واضح مستقل راہ موجود ہے لیکن ہندوازم اس معاملہ میں بالکل بانجھ ہے۔ لہٰذا یہ ایک فطری بات تھی کہ مسلمانوں کے اندر اس قوت بخش نظریہ نے ایک بھرپور توانائی عطا کرنی تھی اور ابہام کے سب در بند کر ہی دینے تھے اور اس پر اعتماد عقیدہ کے بعد کسی اور کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مسلمان جب لا الہ کہہ دیتا ہے تو وہ تمام جھوٹے خداؤں کی محتاجی سے آزاد ہو جاتا ہے اور یہ آزاد منش بندے ایسی طلسمی قوت کے مالک بن جاتے ہیں کہ کذب کی سب صورتیں ڈھیر ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانان ہند عقیدہ کی آلائش سے بچے رہے۔

بہرصورت دو تہذیبوں کے اتصال اور تصادم کے بے شمار اثرات مرتب ہوئے۔ ہندوؤں میں بیوہ عورتوں کو خاوند کی موت پر چتا پر زندہ جل جانا ہوتا تھا جسے وہ ستی کی رسم کہتے تھے اگرچہ ان کے مذہب میں تو اس کا کہیں حکم نہ تھا۔ مگر رسم و رواج کی جھوٹی انا پرست سوچوں نے اسے عام

Marfat.com

کر رکھا تھا بیوگی کے بعد شادی نہیں ہوتی تھی۔ بیوہ ایک معاشی بوجھ بن جاتی تھی غیرت کی جھوٹی تشریح نے ہندوؤں کو اس طرح کی ظالمانہ روایت اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مسلمانوں میں نکاح ثانی بالکل عار نہ تھا بلکہ خود اسلام کے ہادی اکبرؐ کا اپنا پہلا نکاح ایک عظیم پارسا بیوہ ہی سے ہوا تھا۔ یہ ان ہی کا کرم تھا کہ بیوگان کے علاوہ ان بیٹیوں کو جنہیں عرب پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے' تمام حقوق دیئے اور دلوائے۔ اس طرح کی قبیح رسوم کا خاتمہ کیا۔ ان ہی تعلیمات کا اثر تھا۔ کہ ہندوستان پہنچ کر مسلمانوں نے ستی جیسی ظالمانہ رسوم کی حوصلہ شکنی کی اور جہاں کہیں ممکن ہوا قانونی نفاذ سے اس کی ممانعت کی۔ ہندو چونکہ اسے مذہب کا حصہ قرار دیتے تھے اس لیے مذہبی رواداری کے مد نظر اسے زیادہ تر ترغیب' تدریس اور تعلیم کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی۔ ایسی ظالم اور قبیح رسوم کو ختم کرنے میں بھی مسلمانوں نے بے انتہا حد تک رواداری برتی۔ آہستہ آہستہ ستی کی رسم نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ اسی طرح سماج کے اور بھی بہت سے پہلو تھے جن پر اسلام اور مسلمانوں نے بہت اچھے اثرات ڈالے۔

اسلام میں پیشوائیت اور کل وقتی رہبانیت کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ اس کی صریحاً ممانعت ہے ہر مسلمان مجاہد اور امام ہے لیکن برہمنمت کے زیر اثر ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر پیشوائیت گھر کر آئی بت پرستی کے اثرات قبر پرستی کی طرف لے گئے سیدوں اور مشائخ کی آؤ بھگت برہمنوں کی طرح ہونے لگی۔ دسہرہ' گنیش اور دیگر دیوی دیوتاؤں کے جلوسوں نے یوم عاشور کو منانے کے طریقوں کو متاثر کر کے اپنے رنگ بھرے۔ کھانے پینے' رہن سہن اور لباس کے ایک دوسرے کے طور طریقوں کو متاثر کیا۔ دیوالی' دسہرہ' بسنت اور بیساکھی ایسے تہواروں کی اگرچہ اسلام میں گنجائش نہ تھی مگر دونوں تہذیبوں کے اتصال نے اپنا اثر دکھایا۔ مسلمانوں نے بزرگان دین کے مزاروں پر عرس اور میلے اس طرح منعقد کرنا شروع کر دیئے کہ ان کے اندر ہندوؤں کے طریقوں کو اپنی طرز کی ترامیم کے ساتھ اپنا لیا۔ ذات پات کی سخت تقسیم۔ چھوت چھات کے شدید رواج اور بت پرستی کی واضح اشکال کے باوجود ہندو تہذیب نے مسلمانوں پر بے حد اثرات مرتب کیئے۔ اگر اسلام ایک مکمل اور جامع ضابطہ حیات نہ ہوتا تو بعید نہ تھا کہ ہندو ازم بدھ مت کی طرح اسے بھی اپنے اندر جذب کر لیتا۔

مگر اسلام تھا کہ اپنا ایک منفرد اور مختلف رنگ ڈھنگ رکھتا تھا اس کا اپنا کلچر اور طرز زندگی تھا جسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہ تھی۔ کھانے پینے' لباس۔ رہنے سہنے۔ بود و باش۔ عبادات۔ اٹھنے بیٹھنے۔ ملنے جلنے۔ بچپن جوانی بڑھاپا۔ موت و حیات۔ بیاہ شادی۔ بعد

Marfat.com

از موت حتی کہ چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لے کر بڑے بڑے موضوعات تک کے احکام، آداب اور افکار موجود تھے۔ اس کی راہ نمائی تو خود اللہ تعالےٰ نے فرمائی تھی اور رسول اکرم کی زندگی میں اس کا مکمل مثالی اسوہ حسنہ موجود تھا۔ عبادت سے لے کر امامت تک کی ترویج و تربیت کا اہتمام تھا۔ اسلام کی ہر صورت اور شکل میں ایک جامع تہذیب تھی اور اپنا خاص کلچر تھا۔ اس لیے اس کا ہندو ازم یا کسی بھی تہذیب میں ضم ہونا ناممکن تھا لیکن اتنے بڑے انسانوں کے اژدھام کے میل ملاپ سے کچھ نہ کچھ اثرات ایسے تھے جنہیں ضرور ظہور پذیر ہونا تھا۔ یہ تہذیبوں کا اتصال اور ٹکراو ہی تو ہے جو نئی توانائی کے شگوفے بکھیرتا ہے اور انسانیت کا قافلہ ترقی کے زینے طے کرتا چلا جاتا ہے اور آخر کار مختلف مراحل طے کرتے کرتے اسلام اور مسلمانوں نے اپنی منفرد منزل پانا ہی تھی جو کہ اپنی ہیئت ترکیبی میں مختلف تھی۔ ملت ہاشمی کا خمیر سب سے مختلف اور نمایاں تھا اور اسے پاکستان کی صورت میں ابھرنا ہی ابھرنا تھا۔ یہ تاریخ کی مجبوری تھی اور فطرت کا فیصلہ تھا مگر اس منزل تک پہنچنے سے قبل تہذیب و ثقافت کی بے انتہا نیرنگیوں کا نظارہ چشم فلک نے کرنا تھا۔

اس نوع کے بہت سے تغیرو تبدل تھے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی زندگیوں میں داخل ہوتے گئے۔ مسلمانوں کی سادگی رخصت ہوتی گئی۔ دولت اور حکومت کی بہت سی آزمائشیں بھی شامل ہوتی گئیں۔ راجوں مہاراجوں کی طرز پر شان و شوکت کی زندگی در آئی۔ ہندوانہ رسم و رواج کے مطابق بیاہ شادی کی رسومات مساجد کی بجائے نہایت دھوم دھام سے ہونے لگیں۔ لباس فاخرہ عام ہونا شروع ہو گیا جرائم کی تعداد بڑھنا شروع ہو گئی امراء کی مجالس میں رقص و سرور اور مے خوری عام ہونا شروع ہو گئی۔ لیکن اس طرح کی خرابیاں صرف ہندوؤں کی وجہ سے نہ تھیں۔ خود مسلمانوں کے اندر ملوکیت اور مطلق العنانی کی وجہ سے بہت سی قباحتیں شامل ہو گئی تھیں۔ جس وقت محمد بن قاسم آیا اس وقت تک اسلام کی دی ہوئی سادگی اور عمل کی نیکی کافی حد تک قائم دائم تھی مگر جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اور مسلمانوں کا دوسری تہذیبوں سے رابطہ بڑھتا گیا حکومتیں پھیلتی گئیں۔ دولت اور آرام و آسائش کی بہتات ہوتی گئی اس کے ساتھ ساتھ سماجی برائیاں بھی بڑھتی گئیں۔ فقیرانہ انداز اور عادلانہ مزاج کا نظریہ خلافت جو اسلام نے دیا اور خود رسول اکرم ؐ نے اپنی حیات پاکیزہ سے عملی نمونہ کے طور پر پیش کیا تھا خلافت راشدہ کے بعد ختم ہو گیا۔

خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی اور بادشاہت کی تمام تر برائیاں مسلمانوں کے اندر بھی آنا شروع ہو گئی۔ قوانین شریعت اور تعلیم اسلام کے زور پر نیک علماء نے بادشاہوں کو لگام دینے کی اکثر

Marfat.com

اور ہر زمانے میں سعی جاری رکھی لیکن بادشاہوں کی سازشوں نے اسے فرقہ واریت کی نذر کرنے کی انتہائی مذموم حرکتیں کیں۔ اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ علماء کرام کے اندر اختلافات بڑھواتے رہے اور تکفیر کی جان لیوا روایت کی حوصلہ افزائی کرتے رہے تاکہ علماء ان ہی بکھیڑوں میں پھنسے رہیں اور بادشاہ' امراء' وزراء اور دوسرے مراعات یافتہ طبقات اپنی عیش کوشی قائم اور جاری و ساری رکھ سکیں۔ ان سازشوں کے نتیجہ میں فرقہ واریت نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی تھی کہ ایک وقت ایسے معلوم ہوتا تھا کہ شائد سارے مسلمان ایک دوسرے کو کافر قرار دے دے کر قتل کر دیں گے۔ وہ تو بھلا ہو اشعری اور غزالی ایسے دانشوروں کا کہ کثرت تکفیر میں رکاوٹ ڈال دی۔ اجماع امت نے کثرت رائے سے سنت اور جماعت کے فارمولا پر لاکر غیر ضروری بحث کا راستہ بند کر دیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مصلحت نے اجتہاد کے دروازے ہی بند کر دیئے اور معروف ائمہ جعفر صادق۔ ابو حنیفہ' شافعی' مالک اور حنبل علیھم الرحمہ کی تشریحات اور فقہوں سے آگے بڑھنے سے گریز کا راستہ اپنا لیا اور یوں تمام کی تمام دینی' فقہی اور روحانی سوچ منجمد ہو کر رہ گئی۔ اس کا فائدہ بھی مطلق العنان بادشاہوں ہی نے اٹھانا شروع کر دیا اور سرکاری درباری ملاؤں فقیہوں اور قاضیوں سے اپنی غرض کے فتوے لینا شروع کر دیئے۔ ملازمت پیشہ علما اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے تھے کیونکہ بیوروکریسی کا ہر زمانے میں یہی وطیرہ رہا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان بادشاہوں نے اکثر و بیشتر اس بیوروکریسی کے ذریعہ اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دیا اور اسی وجہ سے عمل و کردار کا انحطاط شروع ہوا۔

جب اسلام اور مسلمان شمال کی طرف سے ہندوستان میں داخل ہو رہے تھے تو وہ مطلق العنانی کی بہت سی قباحتیں بھی ساتھ لائے لیکن بزرگان دین کی بھی کمی نہ تھی جو ان کو اسلام کے اصل منبع رشد و ہدایت کی یاد بھی دلاتے رہتے تھے اور اگر وہ حد سے گزریں تو اس کا تدارک طاقت اور قوت سے کرنے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ عامتہ الناس میں اسی لیے ان بزرگان با وصف کا بے حد احترام رہا ہے اور بڑے بڑے بادشاہ بھی ان سے خم کھاتے تھے۔ بادشاہوں کو راہ راست پر رکھنا اور عوام کو ان کے ظلم و تشدد سے بچانا ان کا جزو ایمان تھا اور اس کے لیے وہ بلا خوف و خطر اپنی قوت ایمانی اور روحانی تعلیم کی وجہ سے عوام کے حقوق کے لیے حکمرانوں سے لڑ جاتے تھے۔ گردنیں بھی کٹوا لیتے۔ اس کے لیے انہوں نے کبھی مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز نہیں کیا تھا۔ ان کے ہاں اسلام کی روح کے مطابق عدل و انصاف سب کا برابر حق تھا اور ان کے ان حقوق کی حفاظت کے لیے وہ ہر وقت ہر طرح سے کمربستہ

Marfat.com

رہتے تھے۔ اسی لیے تو ان کے درباروں اور تکیوں پر سب ہی لوگ بلاتخصیص مذہب وملت کھنچے چلے آتے تھے۔ بزرگان دین 'صوفیاء' روحانی پیشوا اور دانشور مسلمانوں میں باقاعدہ ایک ادارہ بن کر ابھرے تھے۔ تمام کے تمام سلسلے دور دور تک پھیل چکے تھے اور آپس میں گہرے تعلقات رکھتے تھے۔

جدید دور میں بہت سے لوگ حیران ہوتے ہیں کہ سہروردیہ 'نقشبندیہ' قادریہ یا دوسرے سلسلے کس طرح تمام اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور رابطہ رکھتے تھے جبکہ اس وقت کے ذرائع آمدورفت بھی اتنے اچھے نہ تھے۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام میں خانہ کعبہ ایک ایسا مرکز ہے جو ہر مسلمان کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے وہی سب مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ مسلمانوں کے عقائدوافکار کا مرکز بھی ایک ہی ہے وہ اللہ تعالے کی طرف سے مرحمت کردہ مکمل ضابطہ حیات کا حامل قرآن حکیم ہے ایک ایسا رسول جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ احادیث کی صورت میں محفوظ ہے اور وہی سب کے لیے مکمل نمونہ حیات ہے لہٰذا مسلمانوں کے علوم کا مرکز ایک ہی ہے اور وہیں سے تمام کی تمام روشنی پھیلتی ہے۔ لہٰذا ایک فطری بات ہے کہ تمام کے تمام پروانے اسی شمع پر اکٹھے ہوتے رہیں گے لہٰذا اسلام میں اس مرکزیت اور وحدانیت نے پورے کے پورے معاشرہ کو ایک خوبصورت نظم میں باندھ دیا تھا۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ مسافروں کی خدمت ان کا جزو ایمان ہے اور ہر طرف نقش کعبہ پر پھیلی ہوئی مساجد ان کا مسافر خانہ ہے۔ جائے پناہ ہے۔ علم و عرفان کا مرکز ہے۔ لہٰذا ہمارے ان طالبان علوم و عرفان کے لیے کہیں بھی کوئی بھی مشکل نہ تھی۔ نہ کسی ہوٹل کی ضرورت نہ بکنگ کے بکھیڑے نہ بل ادا کرنے کی زحمت۔ لہٰذا بزرگان دین کے یہ سلسلے نہ صرف تمام اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے بلکہ لگاتار مسلسل سفراور سیروسیاحت کے ذریعے زبردست اور بھرپور رابطہ رکھتے تھے مساجد اور تکیوں کے ساتھ حجرے موجود ہوتے اور ہر قسم کی بود و باش کا نظام تھا اور اس طرح ان روحانی بزرگوں نے مشیت ایزدی کے مطابق ایسا یونیورسل نظام قائم کر رکھا تھا کہ کوئی بادشاہ ان کی پرسش سے نہیں بچ سکتا تھا اور انھیں راہ راست پر رکھنے کا اہتمام کرتے تھے ان کی خانقاہوں پر ہر خاص وعام کو رسائی تھی اور یہ خانقاہیں مختلف تہذیبوں کے اتصال کے سب سے بڑے مراکز تھے ہندوستان میں بھی یہی ہو رہا تھا اور دونوں تہذیبیں ایک دوسرے کا اثر قبول کر رہی تھیں اور مختلف رنگ نکھر رہے تھے۔

موسیقی کے میدان میں تو بہت زیادہ امتزاج ہوا اور نہایت ہی خوبصورت میوزک تخلیق ہوا۔ نئے نئے آہنگ و انداز پیدا ہوئے۔ بھگتی بھجن اور قوالی کے علاوہ تصوف سے سرشار پریم راگ مقامی طرزاور لے پر سامنے آتے جن پر خاص وعام بھی جھوم جھوم جاتے اور محبت و پیار کی پھوار

Marfat.com

بکھیرتے جاتے۔ اس محبت پریم اور بزرگان کی محنت کے باوجود جہاں حکمران آپے میں رہتے تھے وہاں پر ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اقتدار کے نشہ میں ظلم و تعدی کی حدود سے بھی گزر جاتے اور اس کا شکار ہندو مسلم سب ہی ہوتے تھے اس لیے تو پھر شمشیروسناں کی ضرورت پڑتی تھی کیونکہ فطرت کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جب کچھ لوگ اور گروہ ظلم میں حد سے گزر جائیں تو اللہ تعالے ان کی جگہ اور لوگوں کو بھیج دیتا ہے اسی لیے تو قرآن نے فرمایا ہے کہ وگرنہ یہ دنیا تباہ ہو جائے اور اس کا نظام نیست و نابود ہو جائے یہ تاریخ کا ایک ناقابل تنسیخ اور اٹل فیصلہ ہے لہٰذا بادشاہوں نے جب اللہ کے احکام سے منہ پھیرا اور ظلم کی انتہا کر دی تو ان کی جگہ اور حکمران آگئے۔

پٹھانوں نے ظلم کی جب انتہا کر دی تھی تو اللہ کے نیک بندے گورونانک کو واضح بشارت ہو گئی تھی کہ لودھی اب لد جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اپنے رشتہ داروں کا ستایا ہوا ظہیرالدین بابر اپنے توپ خانہ اور سپاہ کے ساتھ فرغانہ سے ہندوستان کا رخ کرتا ہے اور ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدان میں لودھیوں کو شکست فاش دیتا ہے۔ اس کی سپاہ مٹھی بھر تھی اور پٹھانوں کا لشکر عظیم۔ ہاتھیوں کا جلوس قطار اندر قطار جلوہ گر تھا کہ بڑے بڑوں کے دل دہل جاتے۔ لیکن بابر کے پاس نیا حوصلہ اور جدید ترین بارودی توپ خانہ تھا چند گولے ہاتھیوں پر برسے تھے کہ وہ خوف زدہ ہو کر پیچھے کی طرف بھاگ اٹھے اور اپنی ہی فوج کو روند ڈالا۔ پھر کیا تھا شکست لودھیوں کا مقدر بن گئی تیز رفتار گھڑ سوار ان پر چڑھ دوڑے بابر کی کامیابی کا راز جہاں جدید ترین اسلحہ میں پنہاں تھا کہ یہی ہمیشہ فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے وہاں پر قانون فطرت کے مطابق ظالم حکمران کی شکست بھی ناگزیر تھی۔ پانی پت کے اس معرکہ میں تاریخ کے دونوں اصول بابر کا ساتھ دے رہے تھے۔ لودھی ظالم تھا اس کی شکست لازم تھی حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قول کے مطابق عدل سے عاری ظالم حکومت کبھی بھی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح تاریخ کا ایک اور اٹل فیصلہ بھی ہے کہ جس کے اپنے زمانہ کے مطابق بہتر اسلحہ اور حکمت عملی ہو گی وہی لشکر جیتے گا۔ یہاں بھی بابر ہی کا پلہ بھاری تھا کہ اس کے پاس اپنے زمانے کے مطابق جدید ترین بارود سے چلنے والی توپیں تھیں۔

تہذیب کی ترقی اور تصادم میں یہی اصول کارفرما رہا ہے۔ سکندر اعظم کے پاس حوصلہ اور جرات کے علاوہ اپنے زمانے کی جدید ترین فلانکس تھی جس کو کسی اور کا ابھی ہاتھ نہ لگا تھا وہ جہاں بھی گیا کامیاب رہا۔ مسلمانوں نے بھی منجنیق اور اسی طرح کے نئے نئے ہتھیار اور طریقے استعمال کر کے مخالفین پر سبقت حاصل کر لی تھی اس لیے کہ اسلام نے ان کے دماغ روشن کر دیئے تھے اور اس

Marfat.com

علمی جلا کی وجہ سے دوسروں سے آگے بڑھ گئے تھے چنگیز خان نے بھی اپنی فوج کو چھے والی سواریوں پر لگاتار سوار رکھ کر تیز رفتاری کا سہارا لیا۔ مخالفین کو حیران کر دینے کی حکمت عملی کے سہارے سب کو فنا کر دیا تھا دشمن ابھی سوچ ہی رہا ہوتا تھا کہ چنگیز خان برق رفتاری کی حکمت عملی کے بل بوتے پر آن دھمکتا اور تہ تیغ کر دیتا تھا۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ حقانیت نہ تھی اس کا کوئی فلسفہ نہ تھا۔ انسانی فلاح کا کوئی عقیدہ یا پروگرام ہی نہ تھا۔ محض ہتھیاروں اور حکمت عملی کی بالادستی تھی اس لیے اس کی فتوحات آخر کار بے معنی ہو کر رہ گئیں۔ سفاکی کی صرف بری یادیں باقی رہ گئیں انسانیت کی بہتری کے لیے ان کے پاس کچھ نہ تھا اور تاریخ نے اس کے اور اس کے جانشینوں کے نشان اس طرح مٹائے کہ سوائے حقارت کے ان کے پاس کچھ نہ رہا۔ آخر کار ان کو اسلام کی روحانی آغوش میں ہی پناہ ملی۔

بابر کا حسب نسب بھی چنگیز خان سے ملتا تھا دوسری طرف اس کی رگوں میں تیموری خون بھی بہہ رہا تھا اس کے آباؤ اجداد اسلام کی برکات سے کافی عرصہ قبل بہرہ ور ہو چکے تھے اس کے ہاں چنگیزی حکمت عملی اپنے وقت کے مطابق جدیدیت اور لودھیوں کے مقابل حقانیت بہتر طور پر موجود تھی اور وہ ہندوستان اور یہاں کے لوگوں کی قسمت کا مالک بن گیا۔ بابر ایک شخص' فاتح یا بادشاہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک بھرپور اور جامع تہذیب اور کلچر کا نمائندہ تھا کہ اس کے جلو میں ایک رنگارنگ ہمہ جہتی تہذیب سفر کر رہی تھی۔

Marfat.com

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

مسلمانوں کے اس کلچر اور تہذیب کی پختہ و پرکئی صدیوں پر محیط تھی جس میں ساری معروف تہذیبوں کی فکر اور دانش یک جا ہوگئی تھی۔ وسط ایشیا دسویں صدی عیسوی کے بعد فکر انگیز انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہا تھا جو اگلے پانچ سو سال تک بلکہ بعد میں بھی دنیا کے ذہنی اور روحانی شعور کا مرکز رہا۔ یہ بیداری اسلام کی آمد کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی اور روح انسان کو روشن کر گئی۔ یہ وہ وقت ہے جب یورپ ابھی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اسی لیے تو وہ زمانہ تاریک دور کہلاتا ہے لیکن یہ بات ایشیا کی حد تک درست نہیں ہے خاص طور پر وسط ایشیا۔ اسلامی علوم کے سرخیل اور ائمہ اسی سرزمین سے پیدا ہوئے۔ بلخ، بخارا، تاشقند، سمرقند اور دوسرے بہت سے شہر اس وقت کے سب سے بڑے علمی مراکز تھے۔ امام الحدیث محمد اسماعیل بخارا کی نسبت سے امام بخاری مشہور ہوئے۔ مولانا روم بھی ادھر ہی سے جا کر قونیہ نشین ہو کر انسانیت کی روح و قلب کو منور کرنے لگے تھے۔ تمام دنیا کے افکار اور علماء ادھر ہی کا رخ کر رہے تھے۔ یونان کا فلسفہ اور منطق شام اور بغداد کے راستے یہاں پہنچ کر نئے نئے انداز میں ظاہر ہو رہے تھے اور فکر و دانش کو چار چاند لگا رہے تھے۔ ایران کی پرانی اور نئی تہذیب مل کر سعدی کی دلکش و دلربا زبان میں عقل و دانش کے موتی بکھیر رہی تھی۔ اور خواص و عوام سب ہی مستفیض ہو کر دلوں کو روشن کر رہے تھے۔ عمر خیام کا

Marfat.com

کلام کیا کیا خوبصورتیاں انہیں دے چکا تھا اور کتنے ہی ذہنی دریچوں کے وا ہونے کا سامان کر گیا تھا حافظ ' شیراز اور ایران ہی نہیں ساری مسلمان دنیا کو معرفت اور شعور خودی میں غوطہ زن کر گیا تھا کہ ہر طرف تصوف کی گتھیاں کھل کھل جاتیں۔ اسرار و رموز کائنات بیدار مغز مومنوں پر منکشف ہو رہے تھے۔ دانش کے موتی ہندوستان کی سرزمین سے وسط ایشیا اور عرب دنیا کی طرف پہنچ رہے تھے وہاں کے جوگیوں کے خیالات ترکی فارسی اور عربی کے ذریعہ سب طرف پہنچ رہے تھے کلیلہ اور دمنہ کی سرگزشت ہر کسی کی زبان پر تھی۔ الف لیلہ کی سبق آموز داستانیں بغداد سے چل کر کاشغر اور دلی کی راہ اختیار کر رہی تھیں عرب کا الجبرا۔ ہندوستان کا حساب اور یونان کی جیومیٹری وسط ایشیا کی درس گاہوں ہی میں جا کر ایک جگہ مجتمع ہو رہی تھی اور انسانوں کے دماغ روشن کر رہی تھی اور نئے نئے راستے دکھا رہی تھی یہ وہی سرزمین تھی جس کی پر شکوہ اور وسیع یونیورسٹیوں میں علم کی شمعیں جل رہی تھیں اور علم و عرفان کے پروانے ہر طرف سے جھپٹ رہے تھے۔

علم و دانش کے سرپرست مسلمان حکمرانوں نے بھی اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور ایک ایک درسگاہ کے ساتھ ہزاروں طلباء کی بود و باش کا انتظام تھا۔ حکمرانوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ علم ہی سب سے بڑا سرمایہ ہے اور اسی سے ہر طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ان کے ہادی اکبرؐ نے ان کو بتا رکھا تھا کہ علم حاصل کرو چاہے آپ کو چین ہی جانا پڑے۔ اس لیے انھوں نے ایسے بندوبست کئے کہ چین' یونان' ایران' عرب ترکستان سب کو یکجا کر کے علم و عرفان کی ایک ایسی بھٹی گرم کر دی کہ جو اس میں ڈھلتا وہی کندن بنتا جاتا اور اپنی چمک سے سب کو خیرہ کرتا جاتا۔ چنگیز خان ' ہلاکو خان' قبلائی خاں اور دوسرے مغلوں کے زمانے ہی سے چین کے علوم و فنون۔ کنفیوشس اور تاؤ کی دانش کے گوہر نایاب یہاں پہنچ رہے تھے۔ اور اسلام کی اصولی فکر وحدانیت ' صلہ رحمی اور رواداری کے زیر اثر ایک عجیب ندرت پیدا کر رہے تھے چین کی ثقافت اور نفاست ان کی بود و باش کو حسین رنگوں میں ڈھال رہی تھی۔ یونانی ضاعی اور نقش و نگار نے ایک اور ہی رنگ بھر دیا تھا۔ عربوں کی سادگی 'بدووانہ رہن سہن 'خیموں کے ستون اور شکلیں بھی فن تعمیر میں اپنی رنگینیاں شامل کر رہے تھے۔ عربوں اور ایرانیوں کی خطاطی کو نئے نئے رنگ اور آہنگ دیئے جا رہے تھے فنون لطیفہ کی خوبصورت آبیاری ہو رہی تھی۔ تعمیر و ترقی انسانی روح کی ولولہ انگیز جلا سے ہر کسی کی زندگی کو بامقصد اور دلکش بنا رہی تھی۔ سخن و شاعری تصوف اور فلسفہ کی محمل بردار بن رہی تھی۔ طاوس و

Marfat.com

رباب کے ساتھ ساتھ شمشیروسنان بھی عروج پر تھی تہذیب و تمدن کے تمام اسباب تھے کہ یہیں پر آکر جمع ہو گئے تھے اور ایک عظیم قوت کا روپ ڈھال لیا تھا۔

ایمان اور عقیدہ سے مخمور، علم سے بھرپور فکر و دانش کے عروج پر تمام دنیا کی رعنائیوں اور دلربائیوں کو یکجا کیے بیٹھے تھے۔ آپس میں برسرپیکار بھی تھے لیکن علم و عرفان نے انھیں مضبوط بنادیا تھا کہ سب دنیا ان کے آگے سرنگوں تھی۔ ہر طرح کی اور ہر طرف سے فکر انگیزیاں تھیں کہ طوفان بن بن کر آرہی تھیں۔ ابن عربی شیخ اعظم کا نظریہ وحدت الوجود بھی سپین کی وادیوں سے نکل کر عرب کے نخلستانوں کی ہوا کھاتا ہوا یہاں پہنچ گیا اور ان سبھی سوچوں نے ملکر اسلام کے شیدائیوں میں جذب و مستی اور عشق کی وہ وہ وارداتیں کیں اور عمل صالح اور پختہ سیرت کی وہ وہ مثالیں پیدا کیں کہ دنیا میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ اسی زرخیز فضا اور زمین نے صوفیانہ اور فلسفیانہ دانشوروں کی وہ عظیم کھیپ پیدا کی جو بعد میں اولیا اللہ کے نام سے پہچانے گئے کہ ان کے فکر و عمل نے انھیں مکمل طور پر اس ذات باری تعالیٰ اور اس کے رسول رحمت للعالمین کے پیغام کی مکمل تصویر بنا دیا۔

دنیا کے طلبگار حکمرانوں نے جہاں کہیں اس راستے سے منہ پھیرنے کی کوشش کی وہ فقر و غنا کی مضبوط دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور سب کو راہ راست پر رکھتے گئے۔ یہ ان ہی برگزیدہ ہستیوں کا کرم تھا کہ اسلام کے ازلی اور آفاقی پیغام کو اس کی سادگی اور تازگی کی صورت میں قائم رکھا وگرنہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں جو مسلمان حکمرانوں کو مل گئی تھیں انھیں بہا کر لے جاتیں۔ شریعت بردار علماء حق اور صوفی پیشواؤں اور اولیا اللہ نے اسلام کی یہ عظیم خدمت اس زمانے میں فرمائی جب اقتدار اور کثرت دولت مسلمانوں کی حشر سامانیوں کے لیے آموجود ہوئی تھی۔

صوفی سلسلوں کی زیادہ تر پذیرائی بھی اسی سرزمین میں اسی زمانہ میں ہوئی اور یہیں سے ہندوستان کی طرف آئی۔ وحدت الوجود کے نظریہ نے تو ہندوستان پہنچ کر بہت ہی زیادہ مقبولیت حاصل کی کہ ہندوؤں میں پہلے ہی اس طرح کی سوچ موجود تھی اور وہ ساری کائنات کو آپس میں جڑی ہوئی حقیقت مانتے تھے اور اس کے باہر کسی علیحدہ خالق مالک کل کا ان کے ہاں تصور نہیں تھا۔ شیخ اعظم کا ایک وجودی اور انسان اعظم بشکل رسول پاک فلسفہ ان کے لیے ایک خاص کشش رکھتا تھا ہندوستان پہنچ کر اس سوچ نے بہت سی شکلیں اختیار کیں اور ہر کسی نے اسے اپنی اپنی سوچ میں ڈھال لیا پنڈت، پروہت نے کرشن اور رام کو مرکز بنا کر اسے پراسرار بنا دیا۔ مسلمانوں میں سے بہت سوں نے شیخ، پیر اور مرشد کو رموز و اسرار کی دلفریب وادیوں میں لا کھڑا کیا۔ وقت وقت کے مطابق وحدت

Marfat.com

الوجود اور وحدت الشہود خالق و مخلوق اور جبر' قدر کی بحثوں اور فلسفوں نے اپنے اپنے رنگ دکھائے۔ وسط ایشیا ہی میں یہ سوچیں پروان چڑھی اور سب طرف سے آکر وہاں جمع ہوئی تھیں اور پھر وہاں سے ایک نیا رنگ لے کر دوبارہ ساری دنیا میں پھیل گئیں۔

یہ وہ ۵۰۰ سالہ دور تھا کہ ہر پہلو اپنے بام عروج پر تھا۔ علم و عرفان فنون لطیفہ 'فلسفہ و علم الکلام' منطق اور حساب' صناعی' ثقافتی حسن تعمیر' خطاطی' فن حرب' انداز خسروانہ اور کیا کچھ نہیں تھا جو ظہیرالدین بابر اور ان کے ساتھیوں کی گھٹی میں انھیں ملا تھا۔ ان کی مختلف نسلوں نے اسے جذب کیا تھا اور اسے مزید ترقی اور عروج بخشا تھا کہ اب وہ اس ساری انمول تہذیب و تمدن کی وراثت کو لے کر ہندوستان کی طرف رواں دواں تھا جہاں پر اسلام پہلے ہی جڑ پکڑ چکا تھا اور دونوں تہذیبوں کے امتزاج نے اپنی ایک خاص ندرت پیدا کر لی تھی۔ بابر اسے مزید رنگین بنانے جا رہا تھا۔ یہ تاریخ کا ایک عظیم سفر تھا۔ وہ تاریخ کے دوش پر سوار ایک جہان نو پیدا کرنے جا رہا تھا جو بعد میں ایسے ایسے نقش مرتب کرنے والا تھا کہ شاید اسے بھی معلوم نہ تھا۔ وہ صرف خاندان مغلیہ کی حکومت کا سنگ بنیاد ہی رکھنے نہیں جا رہا تھا۔ وہ تفسیر تاریخ کو عروج پر پہنچا کر ایک نئے کلچر اور تہذیب کو جنم دینے جا رہا تھا۔ اس کی خوبیاں بھی سامنے آنا تھیں اور خرابیاں بھی۔ فطرت اور تاریخ کے اٹل اصولوں کے مطابق آخر کار اسے تھک کر گرنا بھی تھا اور بکھرنا بھی اور ایک نئی تہذیب نے بہت ہی دور سے آکر اپنا رنگ جمانا تھا۔ بہرصورت تاریخ کا دھارا رواں دواں تھا اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگیوں میں اور بہت سی رعنائیاں اور جہتیں لانے والا تھا جن سب کا اثر آخر کار مسلمانان ہند کی تاریخ کی انتہا و عروج ظہور پاکستان کی شکل میں مرتب ہونا تھا۔

Marfat.com

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول' طاؤس و رباب آخر

بابر نے جہاں جدید توپوں اور بارود کے استعمال سے پانی پت میں فتح حاصل کی تھی وہاں اس کا وہ حلف جس میں اس نے مے خوری سے توبہ کی تھی اس کی فتح میں ایک بہت ہی اہم سبب تھا۔ اس طرح اس نے اپنی کوتاہیوں اور گمراہیوں کی معافی مانگ کر اللہ سے مکمل لو لگالی تھی اور اپنا ایمان تازہ کر لیا تھا۔ یہی وہ ولولہ نو تھا جو تمام سپاہ کے لیے نئی قوت اور توانائی کا پر جوش منبع بن گیا تھا اور پھر کیا تھا کہ ایک کے بعد دوسری کامرانی اس کا مقدر بن گئی تھی۔ بابر کی اصل قوت یہی جذبہ ایمانی تھا کہ جس کی بنا پر آگے چل کر مغلیہ سلطنت نے نہ صرف ایک پر شکوہ بلکہ عادل سلطنت بننا تھا۔ بابر کی توبہ اسے ایک عام شکست خوردہ' مایوس اور رشتہ داروں کے ستائے ہوئے اور بگڑے ہوئے شہزادہ کے اسفل مقام سے اٹھا کر عزو شرف اور اعلی عقائد واخلاق کے بلند ترین درجہ پر لے گئی اور اس کے اندر کا نیک مسلمان اس حد تک بیدار ہو گیا کہ اس کی دعائیں اور آہیں شرف قبولیت حاصل کر گئیں یہی وجہ تھی کہ جب اس کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار ہو کر زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے بابر کی شفقت پدری میں رچی بسی ہوئی دعا قبول کر لی کہ اس کے بیٹے کی بجائے اجل کا فرشتہ اس کی طرف بھیج دیا تاکہ اس کا بیٹا زندہ رہ سکے اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کس طرح ایک مومن کی دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئی۔ ہمایوں کو نئی زندگی مل گئی اور بابر اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ یہ معجزہ شاہی شان و شوکت کا

Marfat.com

نہیں تھا بلکہ اس توبہ کے بعد اس فقرو مستی اور حسن عمل کا تھا جو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عطا کرتا ہے۔ ایمان ہو تو قبولیت بھی ہوتی ہے۔ قوت بھی ملتی ہے۔ شان و شوکت اور دبدبہ بھی سایہ کی طرح غلام بن کر پیچھے پیچھے چلا آتا ہے۔

ہمایوں بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا۔ لیکن اس کے عظیم باپ کو تو ہندوستان میں صرف چار سال ہی مل سکے تھے کہ بیٹے پر قربان ہو گیا۔ اس طرح سلطنت کے استحکام کے لیے جس کام کی ضرورت تھی وہ نہ کر سکا تھا ایسی صورت حال میں یورشوں کا سر اٹھانا ایک فطری عمل تھا پٹھان بنگال سے اٹھے اور شیر شاہ سوری کی دلیرانہ قیادت میں ہمایوں کو دلی سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا فرار کی حالت میں طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں مگر حوصلہ نہ ہارا۔ وفا بھی دیکھی اور بے وفائیوں کے داغ بھی سہے۔ خدا نے نظام سقہ کی صورت میں ایک معمولی ماشکی کو بادشاہ ہند کا سہارا بنایا اور پھر بادشاہ نے بھی موقع ملنے پر اپنا عہد نبھایا کہ یہی صفات رخت میر کا سب سے حسین سرمایہ ہوتی ہیں۔ یہی تو اسلام کا اصلی سبق ہے کہ مومن کے دل کو روشن کر کے اخلاق و آداب کے اعلیٰ و ارفع مقام پر لا کھڑا کرتی ہیں۔ دولت' اقتدار' عزت' وقار' شان و شوکت سب اخلاقی اقدار ہی کی رہین منت ہیں اور یہ وہ دولت ہے جو صورت ایمان ملتی ہے۔ ہمایوں کی سب سے بڑی وراثت سلطنت ہند نہیں تھی بلکہ وہ اقدار جو اس نے اپنے عظیم باپ سے حاصل کی تھیں۔ سلطنت چھن گئی لیکن جذبہ ایمانی' حوصلہ اور عزم کا دامن بچا لیا اور ان ہی کے سہارے چھنی ہوئی سلطنت دوبارہ مل گئی۔ عزم و ایمان کھویا ہوا اقتدار تو واپس لا سکتا ہے لیکن اگر دولت ایمان لٹ جائے تو اسے کوئی واپس نہیں لا سکتا اور اقتدار بھی تحلیل ہو جاتا ہے۔ فرار کی حالت میں ہمایوں کو اللہ تعالیٰ نے امرکوٹ کے مقام پر ایک ایسا بیٹا عطا کیا کہ اس نے آگے چل کر مغلیہ سلطنت کو مکمل طور پر مستحکم کرنا تھا۔

بھاگ کر ہمایوں ایران پہنچ گیا۔ اپنے آباء واجداد کی سرزمین میں تو جا نہیں سکتا تھا کہ وہاں سب حریف تھے اور ان کے ستانے پر ہی تو اس کا باپ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ بادشاہ طہماسپ نے ہمایوں کی خوب آؤ بھگت کی۔ رہنے سہنے کی سہولت دی۔ لاؤ لشکر اکٹھا کرنے کے لیے مدد کی۔ ایران اس وقت علم و دانش کا ایک عظیم مرکز تھا۔ چونکہ ہمایوں کو ایران میں کئی سال رہنا پڑا لہٰذا وہ وہاں کی علمی مجالس سے بھی متمتع ہوتا رہا۔

ایران میں چونکہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت تھی اس لیے وہاں کے اہل علم و دانش بھی زیادہ تر شیعہ خیالات ہی رکھتے تھے۔ ان سے ہمایوں کا متاثر ہونا ایک قدرتی امر تھا۔

Marfat.com

اس کے ساتھ آنے والے دوسرے امراء وزرا اور حکماء نے بھی وہ اثر قبول کیا۔ اور جب دوبارہ ہمایوں فاتح ہند کی شکل میں وارد ہوا تو اس کے لاؤ لشکر میں بہت سے شیعہ علماء بھی شامل تھے۔ جنہوں نے آگے چل کر ہندوستان کی سیاست' سوچ اور کلچر پر بہت زیادہ دور رس اثرات مرتب کئے۔ اس سے قبل ہندوستان میں زیادہ تر سنی عقیدہ سے تعلق رکھنے والے لوگ وسط ایشیا کے اثرات قبول کرتے ہوئے آتے رہے تھے۔ بہت سے شیعہ علماء اس راستہ سے پہلے بھی پہنچ رہے تھے لیکن کثرت کے ساتھ ہمایوں کی ایران سے واپسی کے ساتھ ہی آئے۔ شیخ مبارک ان میں سب سے مشہور بزرگ گزرے ہیں جن کے بیٹوں فیضی اور ابوالفضل نے اکبر کے زمانہ میں اپنی بے مثل عقل و دانش کی خوب دھاک بٹھائی اور اس زمانے کے علم و عرفان میں زبردست اضافہ بھی کیا۔

اکبر لکھ پڑھ نہیں سکتا تھا لیکن نہایت ہی ذہین و فطین ہونے کے حوالے سے کاروبار حکومت میں بھی یکتا تھا تو علم و دانش کے مباحث میں بھی خوب حصہ لیتا تھا۔ یہی مباحث تھے جنہوں نے آگے چل کر فرقہ واریت کی شکل اختیار کر لی۔ ہندوؤں نے انہیں اپنی مقصد بر آری کے لیے استعمال کرنا چاہا تھا کیونکہ اکبر نے اپنی حکومتی اور ریاستی مصلحتوں کے تحت ہندوؤں کو بھی اپنے بہت قریب کر لیا تھا۔ ہندو شہزادیوں سے شادیاں کر کے ان کے بڑے بڑے خاندانوں سے راہ و رسم قائم کر لیے تھے اور اس طرح شاہی دربار میں ہندوؤں کا بھی کافی دخل ہو چکا تھا۔ وہ بھی ان علمی مباحث میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور آہستہ آہستہ بادشاہ کو اس طرح قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ کیوں نہ ہندوستان کا ایک ہی مذہب بن جائے اور آپس کے غیر ضروری فرقہ واری بکھیڑے اور تنازعے ختم ہو جائیں شیعہ سنی۔ صوفی سنت۔ ہندو مسلم سب ایک ہو کر اس کی سلطنت کی طاقت کا باعث بنیں اور بعد میں ساری دنیا اس سلطنت کی زیردست ہو جائے۔ اکبر کے لیے اس سے بڑی کشش اور کیا ہو سکتی تھی اس کا دنیاوی جاہ و جلال اسے مزید بڑھتا نظر آ رہا تھا۔ ہندو تو بہت دیر سے چاہ رہا تھا کہ مسلم تشخص ختم ہو جائے۔ ان کا اپنا کوئی متعین تشخص تھا ہی نہیں۔ کوئی پختہ متعین سمت اور سوچ ہی نہ تھی۔ زمانے اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالتے رہتے تھے اور ہر نئے آنے والے کا بت تراش لیتے۔ قوت کے فطری حیوانی اور انسانی مظاہر کی پوجا کے لیے علیحدہ علیحدہ بت تراش لیے' سورج چاند کی بھی پوجا ہوتی اور ہاتھی بندر کو بھی خدا بنا لیتے۔ بادشاہ کا بھی بت بنا لیتے۔ جس سے خوف آتا اس کی پوجا شروع ہو جاتی۔ ناگ کو سجدہ کرتے تو بدی کی کالی دیوی کے سامنے بھی جھک جاتے۔ ان کے عقائد میں سوچ' فکر' محبت' اخوت اور حقانیت سے زیادہ خوف کو دخل تھا۔ درخت' دریا' دیو' جنگل'

Marfat.com

پہاڑ اور فطرت کا جو بھی مظہر نظر آتا اسے ہی خدا بنا لیتے انھیں اکبر کی پوجا کرنے میں کیا عذر تھا۔ اکبر کی انا اور نخوت کو تسکین پہنچا کر اگر وہ اسلام کا اپنا ایک متعین تشخص ختم کر سکتے تو ان کے لیے گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ لہٰذا انھوں نے اکبر کو قائل کر لیا اور اس نے دین الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ دی۔ بادشاہ نے یہ نام بھی اس طرح رکھا کہ مسلمان دھوکہ کھا جائیں اور وہ بھی ساتھ شامل ہو جائیں۔ لیکن جن کے اندر حرارت ایمان تھی اور وحدانیت سے جن کے دل روشن تھے وہ کہاں اس فریب میں آنے والے تھے لہٰذا سوائے چند ایک خوشامدی درباریوں کے کسی مسلمان نے اس طرف دھیان نہ دیا اور ہندوستان کا سب سے طاقتور بادشاہ دینی خرافات کی مذموم حرکت میں بری طرح ناکام رہا اور ہندوؤں کی چالبازی کسی کام نہ آئی۔ اس وقت کے علماء حق اور اولیاء اللہ نے اس حرکت کی سخت مخالفت کی اور اس کی مزاحمت میں مضبوط دلائل پیش کیے۔ بادشاہ کا رعب و دبدبہ اور خوف کسی کام نہ آیا۔

اسلام کے خلاف اس مذموم سازش کو ناکام بنانے میں شیخ احمد سرہندی کا نام نامی ہمیشہ تا قیامت زندہ رہے گا کہ انھوں نے ملت اسلامیہ کی راہ نمائی فرما کر اسے گمراہی اور گمنامی سے بچا لیا۔ اسی لیے تو ملت انھیں نہایت محبت اور احترام سے مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ اکبر دنیاوی فہم و فراست رکھنے کے باوجود ایک جاہل مطلق شخص تھا۔ باپ کی وطن بدری کے دوران پیدا ہوا۔ لڑکپن علم و عرفان سے عاری جسمانی کسرت اور فن حرب کی تربیت کا شکار ہو گیا اور ابھی صرف چودہ سال ہی کا تھا کہ سلطنت کا بوجھ سر پر آن پڑا۔ اکثر وقت حریفوں کے خلاف برسرپیکار رہنے میں گزرا۔ حصول علم کا تو وقت ہی نہ ملا حالانکہ اس کا والد علم کا اتنا دلدادہ تھا کہ اس کی موت بھی لائبریری کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے پاؤں میں لباس انکنے سے ہوئی تھی۔ دادا کے علم و عرفان کا چرچا دور دور تک تھا یہ علم ہی کی بدولت تھا کہ اس نے ایمانی قوت کو پہچان کر اللہ کی طرف دھیان لگایا اور فتح و کامرانی حاصل کی۔ ہمایوں کا بھی یہی سرمایہ تھا۔ باپ دادا ہی کی طرف سے احسان نافراموش خان خانان عبدالرحیم ایسے ہمت و شجاعت کے پیکروں نے اس کی مدد کی اور وہ کامیاب ہوا۔ اکبر کا تو اپنا کوئی اتنا کمال نہ تھا ہاں اس بے علم اور احسان فراموش بادشاہ نے ان ہی محسنوں کو بعد میں تہ تیغ کروا دیا۔ دین کے دلدادوں اور دنیاداروں میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ صاحب ایمان علم دوست ہمایوں نظام سقہ کا احسان یاد رکھتا ہے اور اس کی خواہش کو باریابی دیتا ہے لیکن جاہل مطلق، دنیا کی فرمانروائی کے خواب دیکھنے والا کم نگاہ و نظر اکبر' خان خانان کو جس نے ساری سلطنت مشکل جنگوں کے

Marfat.com

بعد اسے طشتری میں لا کر دی کہ اس بدسلوکی کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اسے اخلاق و اقدار کی پروا نہیں تھی صرف اپنی حکومت اور حکمرانی کا لالچ تھا۔ اتنا حریص اور لالچی انسان دین کی عظمتوں اور اسرار و رموز کی قوتوں کو کہاں سمجھ سکتا تھا۔ اس نے بہت قلعے تعمیر کروائے فوجیں تیار کیں۔ سلطنت کو جنوب کی آخری حدود تک وسعت دی۔ مالی وسائل کے پہاڑ کھڑے کئے۔ ہندوؤں کے ساتھ حیلہ سازی اور سفارت کاری کی لیکن طاقت کے اصلی سرچشمہ سے محروم ہو گیا۔ ظاہری شان و شوکت کے باوجود مسلمانوں کی ہند پر حکومت اکبر ہی کے زمانے سے کھوکھلی ہونا شروع ہو گئی تھی اور لوگوں کے دل سے خاص طور پر نیک مسلمانوں کے دل سے اس کی عزت گھٹنا شروع ہو گئی تھی۔ ایمانی صداقت اور جرات کی بجائے کاروبار حکومت میں منافقت ظلم اور تعدی کو عمل دخل ہو گیا تھا اسی لیے یہ پہلی دفعہ سامنے آیا کہ نہ صرف علماء حق بلکہ بے لوث دانشور درویش بھی حکومت سے مایوس اور ناامید ہونا شروع ہو گئے اور یوں ان کے کلام میں محبت سے زیادہ بغاوت اور مزاحمت کا رنگ نظر آتا ہے۔ مجذوبی رنگ میں اس وقت کی ریاکاری' منافقت اور حقانیت سے دوری کی نوحہ خوانی نظر آتی ہے۔ دلا بھٹی ایسے جنگجو باغی ہی پیدا نہیں ہوتے بلکہ شاہ حسین اور مادھو لال حسین ایسے منافقت اور ریاکاری پر دل ہلا دینے والے دوھڑے کہنے والے بھی نظر آتے ہیں۔ وحدت الوجود کے سہارے بے نیازی و بغاوت کے رویے یہیں سے جنم لینا شروع کرتے ہیں۔

ہندو مسلم جو نہایت ہی رواداری اور الفت کی فضا میں رہتے آ رہے تھے پہلی دفعہ ایک دوسرے سے دور ہونا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ بادشاہ اس کے درباریوں اور ہندوؤں نے نہایت عیاری' مکاری اور چالاکی سے پس پردہ سازشوں اور قبیح چالوں کے ساتھ مسلمانوں کے عقیدہ کو مسخ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے قبل جنگ ہوتی تھی تو کھل کر اور اگر امن ہوتا تھا تو عزت و آبرو کے مسلمہ اصولوں کی بنیاد پر۔ اولیا اللہ کے تکیوں پر رابطہ ہوتا تھا تو محبت اور الفت کی پھواروں اور شگوفوں میں لیکن اب تو سارے کا سارا زاویہ ہی بدل گیا تھا بے علم بادشاہ اسلامی تعلیمات اور روحانی اقدار سے بے بہرہ' صرف منافقت اور مصلحت کی پر شکوہ تصویر بن گیا تھا۔ اور مردہ روح کے ساتھ دنیاوی جاہ و جلال کی فریب کاری میں مصروف خسروانہ چالبازیوں اور ڈرامہ بازیوں میں مصروف تھا دین سے جدا چنگیزیت کی دلربائی کے سامان پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا کاش وہ اپنے باپ کے دشمن شیر شاہ ہی سے سبق حاصل کر لیتا کہ اتنی انتظامی صلاحیت سے عدل و امن قائم کرنے اور شاہراہوں کی تعمیر اور صناعی کے نمونے چھوڑنے کے باوجود نالائق جانشینوں کے ہاتھوں سب کچھ کھو بیٹھا۔ اس لیے کہ نظر

Marfat.com

دور بین نہ تھی۔ نظر فاروق نہ تھی۔ عفو علی نہ تھا' سخاوت و فیاضی عثمان نہ تھی اور صدق صدیق نہ تھا' سختی اور کرختگی کے بہروپ اور شاہی کروفر کچھ نہیں کر سکتے جب تک کہ انسانی فلاح کا جذبہ نہ ہو اور وہ صرف اور صرف قوت ایمانی کی حرارت اور عشق و جذب ہی میں ڈوب کر حاصل ہوتا ہے اور وہ کسی کسی خوش نصیب کو ہی ملتا ہے وگرنہ خرد تو لب بام ہی تماشا میں محو رہتی ہے۔

اکبر کا دین الٰہی مکر و فریب اور سیاست کاری کا ایک بد نما دھبہ تھا جو مسلمانوں کے روح و قلب کو ہلا کر رکھ گیا۔ اس کے بعد کی تاریخ ہند میں اسلام کی مدافعت اور اغیار کی فریب کاریوں سے بچنے کی ہے۔ شروع کا اعتماد ہل کر رہ گیا تھا محبت کی جگہ نفرت لینے لگی دونوں تہذیبوں نے اتصال کی بجائے تصادم کی راہ لی۔ اتنے چھوٹے قلب و روح والے یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ دلیلوں سے دل دور ہو جاتے ہیں قریب نہیں آتے۔ مکر و فریب اور جاہ و جلال محبت نہیں نفرت کو جنم دیتا ہے اکبر کو کیا معلوم کہ سلطان الہند وہ نہیں نظام الدین اولیا کی محبت و شفقت اور حسن نگاہ ہی ہے کہ کایا پلٹ دیتی ہے اور تاریک سے تاریک دلوں کو منور کر دیتی ہے حضرت بختیار کاکی کی دلگداز آواز سنگ دل سے سنگ دل کافر کو مومن بنا جاتی ہے۔ بابا فرید کے دلربا فقر و غنا کے گیت دل میں اتر جاتے ہیں اور معین الدین چشتی کی ایک نگاہ دنیا کو روشن کر جاتی ہے کہ ایسے بزرگان کا منبع رشد و ہدایت ان کی فکر و دانش سے بھی بڑھ کر ان کا محبت بھرا قلندرانہ عشق و جذب کامل تھا کہ جدھر نگاہ اٹھی جلوہ ہی جلوہ ہو گیا۔ یہی وہ جذبے تھے جنہوں نے زندہ رہنا تھا مکاریوں نے ختم ہو جانا تھا اور پاکستان کی صورت میں کٹھن مراحل طے کر کے ظاہر ہونا تھا مطلق العنان بادشاہ جلال الدین اکبر بھول ہی گیا تھا کہ روح و قلب کے کرشمے تو صرف ان پر کھلتے ہیں جن کی لو اس ذات باری تعالے سے لگی ہو اور وہ فخر موجودات ؐ اور معراج انسانیت کی غلامی پر ناز بجا لاتے ہوں اس کی اپنی مراد بھی تو ایک آستانہ فقیر پر نہایت ہی عجز و انکساری کے ساتھ حاضری سے پوری ہوئی تھی اس کے بعد بادشاہ کی جبیں فتح پور سیکری کے دربار فقر میں جھکتی ہی رہی اور اللہ تعالیٰ نے نور الدین جہانگیر کی شکل میں ایک نہایت ہی پیارا بیٹا عطا کیا اس لیے تو اسے شیخو بابا پکارتا تھا نا معلوم وہ پھر بھی دین الٰہی کی گمراہیوں میں کیسے کھو گیا۔

جہانگیر بھی بلانوش نکلا صاحب ذوق تھا حسن پرست تھا فطرت کا دلدادہ۔ کشمیر کی دلکش اور پر فریب وادی پر فریفتہ شہزادگی میں دل پھینک کر انار کلی کنیز کا رسیا ہوا۔ تخت نشین ہوتے ہی شیر افگن سے پری پیکر نور جہاں کو ہتھیانے میں مصروف ہو گیا۔ عجیب منش مے خور عیش و طرب کا دلدادہ نکلا۔ کیوں نہ ہوتا کہ اتنی بڑی سلطنت وراثت میں مل گئی اور مطلق العنانی کی خوئے بد رنگ لا

Marfat.com

رہی تھی۔ تعمیرو ترقی بھی جاری تھی دولت اور فراوانی بے حد و حساب تھی۔ جد امجد کی نہ سادگی اور نہ کردار۔ قوت ایمانی مدہم مدہم۔ علم موسی کم کم حربی فن کبھی کبھار۔ عیش و عشرت کے سبھی سامان۔ مدھر دھنیں' لے تال اور سنگیت کی بھرمار۔ ایسی پر فضا اور مخمور ہواؤں کے غول میں کہیں دور سے لدے ہوئے جہازوں میں سوار اجنبی عجیب و غریب تحفے لے کر حاضر ہوئے۔ دو کاندار تھے کار خانے لگانے کی حقیر سی درخواست کر رہے تھے۔ اتنی عظیم بادشاہی اور ایسی بے وقعت درخواست کیا فرق پڑتا تھا فورا منظور ہوئی۔

اسے کیا معلوم تھا کہ یہی دو کاندار اس کی اولاد کی فرمانروائی نہایت آرام سے چھین لیں گے۔ وہ ایک نئی دنیا سے آرہے تھے جہاں علم و دانش کے نئے نئے باب وا ہو رہے تھے اور انسانی اذہان غلامی کی تمام زنجیریں توڑ کر ایک جہان نو پیدا کر رہے تھے کہ جس کے آگے مشرق کی بوڑھی تہذیب دم توڑ جائے گی اس بے نوش عیاش جہانگیر کے لیے اتنی دور دیکھنا محال ہی نہیں ناممکن تھا۔ بادشاہی ٹھاٹھ باٹھ میں کوئی فرق نہ آیا۔ یورشیں بھی ہوئیں بغاوتوں نے سر اٹھایا مگر بادشاہ کامیاب رہا کہ اس کا ایک وصف نیک بھی تھا۔ عدل میں بے مثل تھا ہر وقت مظلوم رسائی پا سکتا تھا امراء وزراء بادشاہ کی اس عادت سے اچھی طرح واقف تھے اس کی حکمرانی میں ظلم نہیں ہو سکتا تھا۔ امیر غریب ہندو مسلم سب کے ساتھ انصاف ہوتا تھا یہی وہ صفت تھی جس نے اس کی بادشاہی کی حفاظت کی اور خرابیوں کی پردہ پوشی کی ورنہ کردار کا زوال ہر سو روز افزوں تھا۔

Marfat.com

سروری در دین ما خدمت گری است
عدل فاروقی و فقر حیدری است

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہجہان تخت نشین ہوا۔ اپنی ذات میں ایک بہتر کردار کا بادشاہ تھا۔ روایتی اسلامی اخلاق و آداب کا پابند تھا لیکن جو خرابی عیش پسند امرا اور روسا میں در آئی تھی اس سے ظاہری شان و شوکت کے باوجود سلطنت اور معاشرہ واضح طور پر انحطاط پذیری کی راہ پر گامزن ہو چکا تھا اکبر کی مصلحت آمیزی اور جہانگیر کی عیش کوش زندگی کے علاوہ سلطنت مغلیہ کی وسعت اور کامیابی جو دولت و ثروت حکمرانوں میں لائی تھی یہ اس کا نتیجہ تھا کہ معاشرہ کی برائیاں اور تضادات اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہے تھے۔ عقائد اور خیالات میں پہلے سی تازگی اور سادگی مفقود تھی۔ کشمکش حیات سے جو توانائی پیدا ہوتی ہے وہ عنقاء ہو چکی تھی۔ محنت کی جگہ تساہل نے لے لی تھی شمشیروسنان کی جگہ طاوس و رباب نے غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ دینی جذبہ کی جگہ ظاہری رسومات نے لے لی تھی۔ علماء سوء کی بھرمار تھی اور علماء حق تڑپ رہے تھے۔ تصوف میں بھی ملمع کاری آگئی تھی اور اس کی آڑ میں فرقہ واریت کے شگوفے کھل رہے تھے۔ وحدت الوجود اور اختلاف مسلک کے پردے میں روح پرور اور جان سوز تصوف کی جگہ پر فریب جڑی بوٹی اور خمر کار سیا رومان پرور اسلام گریز، مدہوش دھمالی، جہل پرور فکر و علم پروان چڑھ رہا تھا۔ اگر علماء نے روح اسلام سے ہٹ کر مصلحت اور منافقت کی ظاہرداری اپنائی تو تصوف کی بگڑی ہوئی شکلوں کی بھی کمی نہ تھی۔

Marfat.com

دولت و ثروت اپنے رنگ ہر طبقہ خیال میں دکھا رہی تھی کیونکہ تہذیبوں کی انتہا اور موت اسی سے ہوتی ہے۔ تہذیب کا آغاز ہمیشہ اعلیٰ سوچ اور روح کو جلا ملنے سے ہوتا ہے۔ یہی لامحدود قوت اسے مالی وسائل کی تسخیر عطا کرتی ہے اور آخر کار یہی فراوانی اس کی بیخ کنی کرتی ہے اور پھر بکھر جاتی ہے۔ موت کے ان مراحل تک سفر کرنے کے اس دورانیے کو اہل ثروت و اقتدار ذوق سلیم کہتے ہیں۔ یہ کہیں لباس میں ظاہر ہوتا ہے تو کبھی دلکش سواریوں کے روپ میں حسن پرستی اور بے خواری کا رنگ اختیار کرتا پیشوا کا تفاخر، قاضی کا بے اعتدال، نظم میں ڈھیل اور حرب میں عدم توجہی بادشاہ تخت طاؤس اور شیش محل سجائے یا محبت کا عجوبہ زمان تاج محل کھڑا کر دے جنت کے تخت ا-ستادہ کرے یا عقیدت بھرے مقبرے۔ انسان عمل سازی چھوڑ کر حسن و جمال کے جتنے چاہے مجسمے گھڑ لے مگر بکھرنے کا سفر نہیں رک سکتا پھر اس معاشرہ اور تہذیب کو بکھر ہی جانا ہوتا ہے کیونکہ وہ اس فراوانی کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہوتی ہے۔ روح مردہ ہو چکی ہوتی ہے۔ توانائی ختم ہو رہی ہوتی ہے۔ اس طرح جس طرح بڑھتی ڈھلتی عمر میں حسینہ زیادہ سے زیادہ حسن و سنگھار کا سہارا لیتی ہے اس طرح تہذیبیں بھی اپنی دلکشی دکھانے کی کوشش میں شاہ جہاں پیدا کرتی ہیں کہ گہنائے ہوئے حسن کو دوبالا کرے۔ مغلیہ دور کی وہ پرشکوہ خوبصورت عمارتیں ان کے عروج کی داستان نہیں ہے بلکہ وہ ان کے انحطاط و تنزل کا نوحہ تھا کہ اندر کا انسان مر رہا تھا۔ عقیدہ، جذبہ اور فکر صالح دب کر رہ گیا تھا اور بت سے تضادات کا شکار ہو چکا تھا ایک طبقہ تھا جو خلط ملط گنجلک بے ربط ہمہ اوست اور انا الحق کی بھول بھلیوں میں بھٹکی ہوئی روحوں کے لیے تسکین کا متلاشی تھا اور دوسرا طبقہ تھا جو انتہائی متشدد صورتوں میں سرگرداں عمل خیر کے گوہر نایاب کی تلاش میں تھا۔ ان دو طبقوں کی جان لیوا کشمکش اور چپقلش نے اس تھکی ہوئی بوڑھی تہذیب کو آخر کار دفن کر ہی دینا تھا۔ اسی لیے تو شاہ جہاں نے یہ خوبصورت یادگاریں کھڑی کر دیں کہ ہمارے بعد کوئی تو ہمیں یاد کر کے شاید فاتحہ خوانی ہی کر دے۔ مرنے سے پہلے مقبرے بنائے ہی جاتے ہیں۔

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا گماں ہے
کہتے ہیں یہ آرام گاہ نور جہاں ہے

Marfat.com

نور جہاں کی قبر پر کندہ شعر

بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

ہندو کی چالبازیوں' مکاریوں اور اکبر کی جہالت نے دین الہی کے جس فساد میں امت مسلمہ کو ڈال دیا تھا اسے اکبر کے جانشینوں کی عیش کوشی اور مال و دولت کی فراوانی نے ایک عذاب کی شکل میں ڈھال دیا تھا متوازن فکر مفقود ہو گئی اور زندگی سخت تشدد کی شکار ہو گئی۔ عظیم روحانی قائدین بھی امت کی راہنمائی کے لئے کم ہی رہ گئے تھے خیرالامور اوسطھم کی بات کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ کچھ لوگ مسرت کی وادیوں میں سرگرداں تاریخ کو اپنا راستہ اپنانے کا سوچ کر Drift کی پالیسی کے حامی تھے اور تصوف اور طربیہ شاعری میں حقائق کی تلخی سے چھپ جانا چاہتے تھے تو کچھ اور لوگ تھے جو تلخیوں کی انتہا چاہتے تھے۔ تہذیبوں نے اپنی موت کے خود اسباب پیدا کرنے ہوتے ہیں کہ ان کے اپنے اندر ہی سے تضادات کے حامل افراد ابھرتے ہیں۔ مغلیہ دور کے آخر میں بھی یہی ہوا۔ Drift والوں کو شہزادوں میں سے دارا شکوہ مل گیا جو ان کی سوچ کا قائد تھا اور سخت گیر مضبوط گرفت کے علمبردار جو تاریخ کا دھارا ایک دفعہ پھر اسلامی سادگی اور ستھرائی کی طرف موڑنا چاہتے تھے انھیں شہزادہ اورنگ زیب میں چمک دکھائی دی۔ دونوں شہزادے ان دونوں سوچوں کے صحیح نمائندہ تھے۔ چپقلش شروع ہوئی دارا ہار گیا مارا گیا اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو معزول کر کے قلعہ بند کر دیا اور وہاں سے بیٹھ کر اپنی چہیتی بیگم ممتاز محل کے خوبصورت مزار کا آٹھ سال تک نظارہ کرتا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اسے حسرت بھری نگاہوں سے یہ نظارہ اپنی اولاد کے ہاتھوں ہی کرنا ہو گا۔ زندہ رہنا تھا اور دکھ سہنا تھا۔ زندوں نے مزاروں کے نظارے کرنے تھے اور آہیں بھرنی تھیں۔ یہی کہانی تمام تہذیبوں کی ہوتی ہے۔ اور مرنے سے پہلے وہ بہت بڑے بڑے محل' باغات اور یادگاریں بناتی ہیں کہ بعد میں آئندہ نسلوں کے ہاتھوں حسرتوں کا منظر ہی بن سکے۔

اورنگ زیب نے اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی ٹھکانے لگایا اور پھر اپنے نصب العین پر نہایت یکسوئی سے کمربستہ ہو کر مشغول ہو گیا لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ ضرب المثل ہے کہ ٹیڑھے راستے پر آپ کتنی بھی کوشش کر لیں سیدھا نہیں چل سکتے۔ راستے تو بہت دیر سے ٹیڑھے ہو چکے تھے۔ دین الہی ہی ایک واحد کج روی نہ تھی کتنے غلط فلسفے تھے جنھوں نے تشکیک کو جنم دیا تھا۔ کتنی

Marfat.com

مکاریاں تھیں جنہوں نے مصلحت اور منافقت کو جنم دے رکھا تھا۔ کتنے علماء تھے کہ حرص و ہوس کے شکار ہو کر ظاہر اور باطن کی دوری پیدا کر چکے تھے۔ کئی انا الحق واقعی حق تھے تو بہت سے دور از حق بھی تھے۔ دولت اور فراوانی کے فتنے اور اقتدار کے پیچیدہ قضیئے کہ الجھی ہوئی ڈور کا سرا ہی نہیں ملتا تھا۔ غنیم تھے کہ قیامت کی چال چل چکے تھے اور ہر طرف سازشوں کا جال تھا۔ حکومت تو خود ای قضیہ تھا کہ جس نے اسلام کی ہیئت کذائی کر رکھی تھی اور اس ملوکیت کی بیوروکریسی قاضی مفتی ملانے تو چار قدم آگے جاکر روح اسلام کو اپنی تنگ نظری کا شکار کر کے کوزہ بند کر لیا تھا۔ اورنگ زیب خود بھی ملوکیت کا علمبردار اور نمائندہ تھا وہ خود بھی اپنی بیوروکریسی سے آزاد نہ تھا۔ تو ایسی صورت حال میں وہ کیا کر سکتا تھا۔ اتنے سالوں کی الائشیں اور مدتوں کے بگاڑ نہ تو فوراً درست ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی ایک شخص کوئی خاص فرق ڈال سکتا ہے اور وہ بھی ایسا شخص جو حکمران ہو۔ حکمرانوں کی اپنی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ وقت کے دھارے پر بہتے ہوئے وہ ایسے تنکے ہوتے ہیں کہ بوجھل ہوں تو ڈوب جاتے ہیں اور ذرا ہلکے ہوں تو اڑ جاتے ہیں۔ اس کے لیے تو کسی انقلابی اور انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے اور انقلابی کبھی بادشاہ نہیں ہوا کرتے مغلیہ دور کے آخر میں ثروت و کثرت سے بگڑا ہوا تضادات کا شکار معاشرہ بربادی اور تباہی کے اتھاہ گڑھے میں گرنے کے لیے بگٹٹ دوڑا جا رہا تھا اسے اورنگ زیب نہیں روک سکتا تھا۔

Marfat.com

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اٹھارویں صدی کے ہندوستان کا پورے کا پورا معاشرہ ایک دوسرے سے لڑ رہا تھا۔ ہندو مسلمان کا بیری تھا تو خود مسلمان فرقوں میں بٹا نظر آ رہا تھا۔ بادشاہ دکن میں شیعہ ریاستوں، بھمنی اور وجے نگر سے برسرپیکار اپنے دور کا آدھے سے زیادہ وقت ضائع کر دیتا ہے۔ مرہٹے بغاوت پر آمادہ تھے تو جاٹ اور سکھ علیحدہ سر اٹھا رہے تھے۔ ظاہری دبدبہ بہت زیادہ تھا مگر اندر سے بادشاہت ہل رہی تھی۔ پہلے ایسا سیدھا سادھا اسلام جب ملاوٹ اور کھوٹ نہیں تھا تو غیر مسلم اور ہندو اسلام کی طرف کشاں کشاں کھنچے آتے تھے۔ علماء کو کوئی حجاب تھا نہ اولیا اللہ کو کوئی عار تھی۔ دونوں تہذیبیں بیچ کی بنیاد پر اتصال اور تصادم کے عمل سے گزر رہی تھیں۔ مگر جب سے اکبر نے دین کو بھی اپنی ریاستی ریاکاری کا حصہ بنا لیا تھا دل پھٹنا شروع ہو گئے تھے۔ کثرت مال اور شان سلطنت نے اور تڑکا لگا دیا تھا۔ دلوں کی کھوٹ، ملا کی سختی اور ہر وقت کی نفرت نے قبیح روپ دھار لیا تھا۔ اورنگ زیب بادشاہ نے لاکھ جتن کیے، قانون کو بہتر بنانے کے لیے کمیشن بٹھایا۔ فتویٰ عالمگیری مرتب ہوا محلوں کی بجائے عالی شان مساجد تعمیر کروائیں جن میں خوبصورت لال پتھر جڑوایا، نقش و نگار کے دلفریب رنگ چڑھائے مگر کھجور کے پتوں کی چھت اور سیدھے سادے ستون والی مسجد نبوی کی تاثیر پیدا نہ ہو سکی۔ علی ہجویری، معین الدین چشتی اور نظام الدین اولیا ایسے درویشوں کے فقر کی دلکشی اور موہ لینے والی

Marfat.com

موفیت پیدا نہ ہو سکی۔ کہ جھوٹ اور ریاستی کروفر نے سب کچھ چٹ کر لیا تھا دل اور روحیں خالی تھیں۔

پھر کیا تھا اورنگ زیب کی زندگی میں تو کچھ بھرم قائم رہا لیکن اس کے اٹھتے ہی اندر سے بوسیدہ سلطنت مغلیہ لڑھکتی ہوئی نظر آتی ہے اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوتی ہیں اور سلطنت ٹوٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ نواب راجے مہاراجے اپنے اپنے علاقوں میں منہ زور ہو جاتے ہیں اور عملی طور پر آزاد سلطنتیں بنا لیتے ہیں ٹوٹ پھوٹ مکر و فریب اور منافقت کا دور دورہ ہے فرد ٹوٹ رہا ہے تو معاشرہ بکھر رہا ہے سلطان جابر ہے تبھی تو اس وقت کا ادیب و شاعر انسان کے اندر کی ہوک نہایت دلگداز انداز میں نکالتا ہے۔ فرد کی روح کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اجتماعی نہ سہی انفرادی نجات ہی سہی کہ من میں ڈوب جانے کا سبق دیتا ہے۔ بلھے شاہ منافقت اور مکروفریب کے خلاف باغی ہے اور محبت کا متلاشی ہے مرشد کے اندر ڈوب کر ذاتی وانفراد کا سکون چاہتا ہے۔ روٹھے ہوئے خدا کو ناچ کر منانا چاہتا ہے لیکن صد حیف کہ مسلمان بحیثیت قوم کچھ بہت ہی دور نکل چکا ہے۔

اورنگ زیب کی موت کے پچاس سال کے اندر اندر وہ بدیسی دو کاندار جنہیں اس کا دادا سورت میں کاروبار کا ایک چھوٹا سا پٹہ دیتا ہے سارے جنوبی اور مشرقی ہندوستان میں اپنا کاروبار پھیلا کر ایک اچھی بھلی قوت بن جاتے ہیں کالی گھٹا گاؤں میں قلعہ بھی بنا لیتے ہیں اور یہی گاؤں آگے بڑھ کر ہندوستان کا سب سے بڑا شہر کلکتہ کہلانے کا شرف بھی حاصل کرتا ہے۔ بمبئی اور مدراس کی بھی کہانی کچھ اسی طرح کی ہے کلکتہ سے اٹھکر لارڈ کلائیو صرف ۷۰۰ انگریز سپاہیوں کے ساتھ نواب سراج الدولہ کو سرنگوں کر لیتا ہے اس لیے کہ اس کا اپنا سب سے بڑا فوجی کمانڈر جعفر انگریز کے ساتھ مل جاتا ہے۔ جعفر کو لالچ ہے کہ انگریز اسے بنگال کا گدی نشین کروائے گا اس کے بعد سارے ہندوستان کی یہی کہانی ہے۔ انگریز ایک کے بعد دوسرے کو گدی کی چمک دکھاتا ہے اور ایک کے بعد دوسری ریاست اس کا شکار بنتی ہے۔ پہلا غدار دوسرے غدار کا بدل ہو جاتا ہے اور انگریز کا کھلونا بنتا جاتا ہے۔ ہر غدار اپنے ملک کی دولت انگریز کے پاس گروی رکھتا ہے اور جب ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے تو تخت و تاج بھی اس کے حوالے کر دیتا ہے۔ عیاری اور مکاری کا یہ کھیل دکن میں بھی کھیلا جاتا ہے تو میسور بھی اس سے محفوظ نہیں رہتا۔ مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑایا جاتا ہے تو مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف صف آراء کر دیا جاتا ہے اور تقسیم کر کے 'لڑا لڑا کے انہیں خوب کمزور کیا جاتا ہے۔ ادھر دلی کے والی بادشاہ گروں کے رحم و کرم پر ہیں محلاتی سازشیں زوروں پر ہیں اور ظل الٰہی اس طرح بدلے جاتے ہیں

Marfat.com

جیسے تاش کے پتے۔ گھوڑا ہاتھی کو مار رہا ہے اور شہ بازی کوئی اور چل رہا ہے۔ طرب و نشاط کا دور دورہ ہے میخواری اور رقص و سرود کی محافل ہیں کہ تہذیبیں شرما جائیں۔ شعر و شاعری اور قصہ گوئی ہے کہ دن کو رات اور رات کو دن دکھا رہی ہیں۔ حقیقت ہے کہ ڈھونڈنے سے نہ ملے۔ ایک خوبصورت عیش کوش جعلی حیات بردوش لمحاتی دور دورہ ہے کہ عالم دوبارہ نیست۔ بات بھی درست ہے کہ ان کی دنیا واقعی ختم ہونے والی ہے اور ایک نئی بالکل ہی نئی دنیا ابھرنے کو ہے محمد شاہ رنگیلا رنگ مے سے تبھی اٹھتا ہے جب نادر شاہ انسانی خون کے رنگ سے دلی کو غسل دے دے۔ کوہ نور لے کر بخش دے یہ اور بات ہے۔ کمزور ایمان والے کمزور ہاتھوں میں دولت مصیبت کے لیے صلائے عام ہے ایسے لوگ خود بھی مرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مرواتے ہیں اپنی ہی فوجیں وبال جان بنتی ہیں گردن اڑاتی ہیں اور اپنی گردنیں دوسروں سے اڑواتی ہیں۔ بادشاہ تہذیبوں کی آبیاری خون ناحق سے کرتے آتے اور سب کے حق مار کر دولت اکٹھی کرتے آتے ہیں اسی دولت سے تہذیبیں جوان ہوتی ہیں بڑھتی ہیں اور پھلتی پھولتی ہیں۔ پروان چڑھتی ہیں اور پھر اپنی ہی ہوس سے دم گھٹ کر مر جاتی ہیں یہی کہانی دلی والوں کی ہے کہ جس حرارت ایمان نے انہیں یہ سب کچھ بخشا تھا اسے گم کر دیا محبت، روا داری اور عدل کو بے کار سمجھ کر چھوڑ بیٹھے اور آباؤ اجداد کی اکٹھی کی ہوئی دولت میں ڈوبنا شروع کر دیا کہ آخر کار اس میں غرق ہو گئے طاؤس و رباب کے رسیا سب کا نشانہ اور تختہ مشق بن گئے۔

نادر شاہ آیا اور دلی کو لوٹ کر چلا گیا راستے میں خود بھی مارا گیا مگر دلی کو نڈھال کر گیا۔

مرہٹے شیر ہو گئے اور دلی کو تر نوالہ بنانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے انھیں محمود اور غوری کا بدلہ لینا تھا۔ غلاموں کے خاندان، پٹھانوں اور افغانوں کے ہندوستان پر راج کا حساب چکانا تھا اور پھر مغلیہ دست درازیوں کا حساب پورا کرنیکا انہیں نہایت ہی موزوں موقع نظر آ رہا تھا۔ تخت دلی ہانپ کانپ رہا تھا مسلمانوں کی حالت غیر تھی بادشاہ فوجوں کی تنخواہ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ ساہو کاروں کو سب کچھ لکھ کر دیا جا رہا تھا مسلمانوں کی عزتیں محفوظ نہ تھیں کہ ایک حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے یہی مناسب سمجھا کہ نادر شاہ کے ایک پرانے جرنیل احمد شاہ کو جس نے نادر شاہ کی موت کے بعد افغانستان پر قبضہ کر لیا تھا دعوت دے کہ دلی کے مسلمانوں کی مدد کرے۔ ان کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کی طرف مراجعت کی اور اس کی مڈ بھیڑ ایک دفعہ پھر پانی پت ہی کے میدان میں مرہٹوں سے ہوئی۔ اس میدان میں بابر اور ابراہیم لودھی کی فوجیں آپس میں لڑی تھیں اور پھر اکبر اور اس کے حریفوں کا آمنا سامنا ہوا تھا اور اسی میدان میں ایک بار پھر مرہٹوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔

Marfat.com

احمد شاہ کی لاکھ منتیں کیں کہ وہ دلی ہی کو اپنا دارالسلطنت بنائے لیکن وہ ایک بار پھر ہندوستان کی قسمت مغلیہ خاندان کے نالائقوں کے ہاتھوں سونپ کر واپس افغانستان چلا آیا اگر ٹھہر جاتا تو شاید تاریخ کوئی اور ہی رخ اختیار کر لیتی لیکن جو تہذیبیں اندر سے ٹوٹ جائیں انہیں مسیحا بھی نہیں بچا پاتے۔

شاہ ولی اللہ نے بھولے بھٹکے مسلمانوں کی راہ نجات فہم قرآن میں ڈھونڈنے کی کوشش کی اور قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تاکہ وہ اس ابدی حکمت کو سمجھ کر ہو سکتا ہے کہ عظمت رفتہ کی طرف لوٹنے کا بھولا ہوا راستہ تلاش کر سکیں۔ مگر کچھ درباری قاضیوں' مفتیوں' ملاؤں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا کہ قرآن حکیم کا ترجمہ ہی کیوں کیا۔ اور ان کی بیوروکریٹک اجارہ داری توڑنے کی کوشش کیوں کی۔ شاہ صاحب کو تو مرض کا پورا پورا ادراک تھا انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ مسلمانوں کی تذلیل کی اصل وجہ اسلام کے اصل پیغام سے دوری تھی جب تک روح اسلام موجود تھی مسلمان سرخرو تھا اس کی عزت تھی وقار تھا بلکہ سلطنت بھی تھی اور سلطنت بھی ایسی کہ خود ہندو خوش تھا کہ عادل مسلمان بادشاہ ہی اس کے لئے بہتر ہے۔ وہ بھی خوشحال تھا اور اس کا مذہب بھی محفوظ تھا اسلام کی طرف کشش بھی تھی اور ملاپ بھی' نیک اور محبت سے بھرپور اولیا اللہ نور کے مینار تھے اور ان کے حسن عمل سے متاثر ہو کر ہندو مسلمان بھی ہو رہے تھے لیکن جیسے جیسے اسلام مسلمانوں کی زندگیوں سے عملی طور پر دور ہوتا گیا اور محض ظاہرداری رہ گئی سب کچھ ملیامیٹ ہونا شروع ہو گیا تاثیر ختم ہوتی گئی حالانکہ سلطنت کی بساط پھیلتی گئی۔ شاہ صاحب کو معلوم تھا کہ قوت کا سرچشمہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ نہیں تھا مالی وسائل نہیں تھے۔ شمشیر و سنان اور فنون حرب نہیں تھے بلکہ مسلمان کی اصل قوت تو انکا روح پرور صحیح اور سلامت عقیدہ تھا اور اس کی بنیاد صرف اور صرف قرآن الحکیم ہی تھا جس کا فہم عام ہو تو امید کی جا سکتی تھی کہ ایک دفعہ پھر کھوئی ہوئی قوت واپس آ سکے۔ مگر دنیاوی مال و دولت کی فراوانی بادشاہت سلطنت اور اقتدار کی خرابیوں' تہذیب کے بڑھتے ہوئے زنگ خوردہ پھیلاؤ' مراعات یافتہ طبقات کی عیاشیوں اور انسانیت گریز اخلاق باختہ رسم و رواج نے اس وقت کے مسلمان معاشرہ کو اتنا خراب اور انحطاط پذیر کر رکھا تھا کہ ان کی کوشش کے باوجود وہ تباہی کے گڑھے کی طرف لڑھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔

احمد شاہ ٹھہر جاتا تو شاید نیا خون اور جذبہ ڈال دیتا مگر وہ بھی مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔ شاید اسے بھی دلی اپنی برائیوں کی دلدل میں ہی دھانس لیتی۔ واپس جاتے جاتے احمد شاہ پنجاب کو ضرور

Marfat.com

کمزور کر گیا۔ گکھڑوں کو لہولہان کر دیا اور سکھوں کی راہ ہموار کر گیا۔ مرہٹوں کو ہرا کر مسلمانوں کو دوبارہ زندہ اور طاقتور نہ کر سکا مگر انگریزوں کے خلاف ایک ابھرتے ہوئے حریف کو کمزور ضرور کر گیا۔ مرہٹے نحیف و نزار ہو گئے مغل بادشاہت ویسے ہی ڈانواں ڈول ہو رہی تھی۔ تاریخ انگریز کی بڑھتی اور امڈتی ہوئی قوت کے لئے راستے صاف کر رہی تھی مرہٹے انگریز کے خلاف لڑ جھگڑ کر شکست کھا گئے بنگال، دکن، میسور پہلے ہی ان کے زیر نگیں تھے واجد علی شاہ لکھنؤ میں فرماں روا تھے۔

شاہ ولی اللہ کے پیروکار احمد شاہ بریلوی اور اسمٰعیل شہید وسط ہندوستان سے نکل کر سندھ سے ہوتے ہوئے شمالی ہندوستان میں پشاور کے اردگرد مصروف جہاد تھے اور یہاں پر اسلامی حکومت کی تشکیل کی کوشش کر رہے تھے۔ انگریز کی قوت روز افزوں تھی سب کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنی گرفت مضبوط کر رہے تھے اور پھر کیا تھا۔ انیسویں صدی کے بالکل شروع میں انگریز دلی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ سب راستے صاف تھے پہلے بھی مختلف ادوار میں پروانے اور دیوانیاں لے لیں تھیں کبھی منت سے کبھی چالاکی سے اور کبھی دھونس دھاندلی سے لیکن اب تو سارا ہندوستان ہی ان کے رحم و کرم پر تھا اور وہ قوت بازو سے دلی تک پہنچ گیا۔ بادشاہ تھا کہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو بھلا ہو کمپنی بہادر (ایسٹ انڈیا کمپنی) کا کہ بادشاہ کو اپنا پنشن گزار بنا لیا اور انتظام خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ مغلیہ سلطنت کی کمزوری اور بدنظمی کی انتہا ہی نے انگریز کو اتنا طاقتور بنا دیا تھا۔

بادشاہ کے اردگرد طفیلیوں نے بادشاہ کو پنشن ملنے پر شادیانے بجائے کہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست ہوا۔ انھیں کیا کہ سطوت سلطنت مغلیہ کے وقار کا جنازہ اٹھ رہا تھا انہیں تو اپنے عیش و عشرت سے مطلب تھا چاہے وہ عزت بیچ کر ملے، چاہے انگریز کی خوشامد سے ملے۔ اسے وہ کامیابی قرار دے رہے تھے۔ اسی طرح سے جیسے آجکل بیرون ملک سے قرضہ ملنے پر جسے عرف عام میں امداد کہا جاتا ہے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ چاہے معاشی اور سیاسی غلامی کی زنجیریں کتنی زیادہ ہی کسی جا رہی ہوں اور ہر آن آزادی اور عزت نفس کا سودا ہو رہا ہو کہ غلاموں کی لغت میں اسے کامیابی کہا جاتا ہے یہی حال ۱۸۰۴ میں دلی کا تھا کہ بادشاہ کے چمچے اسے خدا کی دین کہہ رہے تھے۔ ویسے بھی قصیدہ گوئی کا فن ان دنوں میں عروج پر تھا۔ ایک سے بڑھ کر ایک قصیدہ گو تھا کہ ثانی نہ ملتا تھا۔ رنج و غم کی انتہائی کیفیت میں ویسے بھی بہترین ادب اور شاعری تخلیق ہوتی ہے یہی حال دلی اور لکھنؤ کا تھا اور ہمارے سب سے زیادہ معروف اور جانے پہچانے شاعر اسی زمانے کے ہیں کہ فرد کی روح کے نہایت ہی کربناک دکھ کو منظوم کر رہے ہیں۔ آہ و بکا سے سرشار سوز کی تصویر شاعری روح و قلب سے ایسے ایسے انگارے

Marfat.com

پھینکتی ہے کہ خون جگر میں کلیجہ بھوننے کے لئے کافی ہے مگر کسی اجتماعی حل اور سمت متعین کرنے میں قاصر ہے لیکن یہ تاریخ کا فیصلہ تھا اور ایسے وقتوں میں ایسے ہی ہوتا ہے کہ بانجھ دانشوری ادب ہی نہیں دین و دنیا میں بھی آ دھمکتی ہے کیونکہ جو گروہ اللہ کی نعمتوں کو ٹھکراتا ہے اس کے لیے عذاب بھی لازم ہوتا ہے بادشاہ پنشن خوار بنا اور کمپنی بہادر نے بادشاہ کی قانونی آشیرباد لے کر اپنی گرفت ہندوستان کے پہلے ہی سے مفتوحہ اور مقبوضہ علاقوں پر خوب مضبوط کرنا شروع کر دی ذوق' سوختہ' غالب' سوز خوب روتے رہے اور عظیم المیہ ادب تخلیق کرتے رہے بادشاہ کو فطری امر ہے کہ سب سے زیادہ پر سوز شاعر ابھرنا تھا کہ وہ سب سے زیادہ کھو رہا تھا اپنا اور اپنے آباؤ اجداد کا دکھ درد چھپا کر خون کے آنسو بہائے جا رہا تھا اس کا دکھ واقعی دوچند تھا۔ بابر کی اولاد کو پھر اس کے مفتوعہ کوئے یار میں دفن کے لئے بھی دو گز جگہ نہ مل سکی۔ انحطاط کی پگڈنڈیوں پر پڑے مسافروں کی آخری منزل یہی ہوتی ہے۔

کتنا ہے بد نصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

Marfat.com

آئین نو سے ڈرنا' طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

انیسویں صدی کی آمد پر ہندوستان بھر کے مسلمان اور ہندو سب ہی بکھر چکے تھے۔ مایوسی دکھ کرب اور رنج والم کے گھٹاٹوپ تاریک سائے ہر سو پھیل گئے تھے ہر کوئی اپنی ذات کے گرد گھوم رہا تھا اور صرف اپنے غم کا ادراک رکھتا تھا۔ اجتماعی آگہی مفقود تھی اور سمتیں بکھر چکی تھیں۔ صوفی سنت بھی اپنی نجات اور گیان دھیان تک محدود ہو کر رہ گئے تھے معاشرہ کے آپس کے رشتے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئے تھے اور کسی کے پاس اجتماعی فلاح کی فکر کا وقت تھا اور نہ صلاحیت۔ ہر کوئی اپنے مقام اور پس منظر کا غلام نظر آ رہا تھا کہ روحیں مردہ ہو کر بلند پروازوں کے قابل نہیں رہی تھیں۔ امراء مدتوں کی جمع شدہ دولت کے سہارے عیش و عشرت میں پناہ ڈھونڈ رہے تھے اور عارضی طرب و نشاط کا سہارا لے کر آنے والی قیامت سے صرف کچھ ہی دور تھے۔ ادباء اور شعراء نے حقائق سے نظریں بند کر لی تھیں۔ کیوں نہ کرتے کہ معروضی حالات بہت ہی تلخ تھے۔ ان کے لامحدود تخیل نے ایک اپنا نیا جہاں ہی الگ بنا لیا تھا غزل سرائی کی خوبصورت ترین معراج میں اپنے کرب اور رنج والم کو چھپا کر اپنی الگ دنیا بسالی تھی۔

لیکن تاریخ ہے کہ رواں دواں رہتی ہے وہ الفاظ کی محتاج نہیں وہ تو عمل چاہتی ہے عقیدہ اور جذبہ طلب کرتی ہے اور وہ بھی سچا اور موثر جس کے آگے قیصر و کسریٰ خس و خاشاک کی طرح بہہ

Marfat.com

جاتے ہیں۔ منافقت اور جبر کی سب شکلیں عارضی ہوتی ہیں۔ تدبر اور عقیدہ ہمیشہ کامران ہوتا ہے ابدی ہوتا ہے۔ جبر اور ظاہری قوتیں خود اپنے ہی بوجھ تلے دب کر مرجاتی ہیں سپارٹا کی آمرانہ فوجی سوچ اور قوت بہت جلد فنا ہو جاتی ہے لیکن ایتھنز کی لچکدار اور دلربا فکر ہمیشہ زندہ رہتی ہے اور بہت دیر تک بہت سوں کی زندگی کو جلا بخشتی رہتی ہے۔ فرعون کی فوجیں غرق ہو جاتی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام صدیوں سرخرو رہتا ہے اور آنکھوں کا نور بنتا ہے۔ نمرود حقیر مچھر کے آگے عاجز ہے اس کے مالی وسائل اور فوجیں صرف وقتی دھوکا تھے۔ ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور وحدانیت کی جوت جلتی رہتی ہے اور کروڑوں روحوں کو منور کرتی ہے نمرود کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور اسکے غرور اور طاقت کو بھسم کر جاتی ہے رومن ایمپائر کی شان و شوکت اور بے پناہ قوت نظریہ کی قوت کے آگے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ جسے فنا نہیں۔ اسے تو اللہ اپنی آغوش عافیت میں لے لیتا ہے کہ اسے ہمیشہ زندہ رہنا ہے اور محمد مصطفیٰ ؐ کے آخری اور ابدی پیغام نے آکر سب کو سرنگوں کر دینا ہوتا ہے۔ مکہ کے مشرک کیا قیصر و کسریٰ کی عالیشان سلطنتوں کا نام و نشان مٹتا ہے۔ حق کے آگے سب کچھ ہیچ ہے عاد و ثمود کی یہی کہانی تھی۔ شداد کا بھی یہی انجام تھا یہ تاریخ کا انمٹ ازلی اور ابدی سبق ہے اس سے مغلیہ سلطنت کس طرح مستثنیٰ ہو سکتی تھی اکبر نے حق کی بجائے جب مصلحت اور کذب کی راہ اختیار کی تو کچھ دیر تو جھوٹ خوب چمکا مگر آخر کار اسے تاریکی میں ڈوبنا ہی تھا۔ ہندو مسلم تہذیب کی سچائی کی بنیاد پر جو توانائیاں تخلیق کی گئی تھیں ان سب کو بہا کر لے گیا۔ ظاہری شان و شوکت تو کچھ وقت کے لئے ٹھہری مگر انسانی روح تھی کہ پراگندہ ہوگئی اور اس کی بدبو اور سڑاند سے نہ ہندو بچ سکا اور نہ مسلمان۔ مسلمان علماء بھی اپنی ہی ذات کے غلام بن کر مصلحت اور منافقت کی راہ پر چل پڑے۔ وہ تو خدا بھلا کرے حضرت مجدد الف ثانی اور اس قبیل کے دوسرے علماء حق کا کچھ نہ کچھ بچ گیا ورنہ سب کچھ ہی جا رہا تھا۔ مگر علماء کی سوچ میں بھی اس زمانے کے آخر تک جبر اور تشدد نے جنم لے لیا۔ رواداری اور محبت ختم ہوگئی منافقت عود کر آئی اور محض اپنی ذات ہی سامنے رہی۔

شاہ ولی اللہ ایسے چند ہی بزرگ نظر آتے ہیں جن کو ساری امت اور اجتماعی نفع و نقصان کا احساس تھا ورنہ بقاء ذات کی حد تک ہر کسی کی فکر محبوس تھی۔ ایسی صورت میں لالچ حرص اور خود غرضی کے علاوہ کیا تخلیق ہو سکتا تھا وہی کچھ ہوا اور ہر شخص اور ہر طبقہ اپنے اپنے مقام سے اور اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے صرف اور صرف اپنی ہی بقا کی تمنا رکھتا تھا اور یہی ان کا عمل تھا ایسی صورت میں ایک نئی اور توانا تہذیب کے نمائندے ایک نئی دنیا پیدا کرنے کے لیے پہنچ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں ہر کوئی

Marfat.com

کھلونا تھا اور ہر کوئی بک رہا تھا کوئی شعوری طور پر اور کوئی غیر شعوری طور پر کوئی خود غرضی سے اور کوئی خوف سے۔ نفسانفسی تھی کہ خدا پناہ اور سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سپہ سالار ہی بکے جن کے حوالے دفاع اور حفاظت تھی جب باڑ ہی گر جائے تو فصل کو اجڑنے سے کون بچا سکتا ہے بنگال دکن میسور اور ہر جگہ یہی ہوا۔ ویسے یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ تاریخ ہمیشہ یہی نظارہ دکھاتی آئی ہے اور تمام ایمپائر کی یہی کہانی ہے۔ سپین کا اجاڑا اسی طرح ہوا۔ بغداد تباہ ہوا۔ نادر شاہ نے بھی یہی کیا اور اس کے اپنے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ روم و عثمانیہ سلطنتوں کی بھی یہی روداد ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی اس آخری حکومت کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا فوجی کمانڈر بغاوت کرتے رہے وقتی فائدے اٹھاتے رہے بکتے رہے اور انگریز کے لیے راستہ صاف کرتے رہے۔ تاریخ کا یہی اٹل سبق ہے کہ حد سے بڑھے تفاخر اور قوت کی حفاظت کے لیے جہالت کی جو دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں وہی دم گھٹنے کا باعث بنتی ہیں۔ تازہ فکر' عقیدہ' ایمان اور سچائی کے برگ خشک ہوتے ہی ظاہری شان و شوکت کی گردن مروڑنے والے یہی طالع آزما محافظ بڑھتے ہیں اور پھر دم توڑتے ہوئے شگوفوں کو مسل دیتے ہیں۔ آخر کار کسی کو تو آخری اذیت ناک لمحات کو موت کی دعوت دیکر ختم کرنا ہوتا ہے ورنہ دکھ ہے کہ سہا ہی نہ جاسکے۔ اور پھر ایک دوسری اعلیٰ غالب تہذیب ہوتی ہے جو اجل کا فرشتہ بن کر آدھمکتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔ انگریز ہندوستان پر چھا گیا اور پنجاب میں سکھوں کی مختلف مثلوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا۔ وہ ایک دوسرے سے ضرور برسرپیکار رہتے مگر بیچ میں مسلمان پس رہے تھے۔ وحدانیت سے متاثر ہو کر اسلام سے قریب مذہب کے پیرو کار سیاسی اور حکومتی جھمیلوں اور قضیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے عذاب بن گئے تھے۔ گرنتھ صاحب کی شروعات بابا فرید کے اشعار سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت میاں میر صاحب دربار صاحب امرتسر کا سنگ بنیاد رکھتے ہیں مگر سیاسی غلبہ کی آرزو انھیں مسلمان دشمن بنا دیتی ہے۔ پنجاب کا مسلمان پس رہا ہے جان نہ مال محفوظ ہے اور نہ ہی عقیدہ' عبادت گاہیں تباہ کی جارہی ہیں بادشاہی مسجد لاہور کو جو اورنگزیب نے اتنے شوق سے تعمیر کی تھی طویلہ بنا دیا جاتا ہے آپس میں ہی لڑتے ہوئے سکھ مسجد کے میناروں کو توپیں داغنے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

اس وقت پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں پنجاب کا مسلمان سب سے زیادہ عذاب میں ہے۔ دوسرے حصوں میں تو کہیں خود قابض ہے اور کہیں انگریز سے لڑ رہا ہے کہیں انگریز کا مددگار ہے لیکن پنجاب ہے کہ یہاں کا مسلمان تہ تیغ ہو رہا ہے اسکی اپنی تنظیم نہیں ہے مغل صوبیدار بھاگ گئے

Marfat.com

ہیں احمد شاہ انہیں مزید کمزور کر گیا ہے۔ پنجاب کے مسلمان کا نہ دلی پرسان حال ہے اور نہ کابل اور درمیان میں سکھوں کی مختلف مثلوں اور مقامی سرداریوں کے مسلسل فساد اور عذاب میں پھنس چکا ہے انیسویں صدی کے شروع میں رنجیت سنگھ دوسرے سکھ سرداروں پر غالب آکر پنجاب کا بلا شرکت غیر حکمران بن جاتا ہے اور نسبتاً پہلے سے بہتر حالات ہو جاتے ہیں۔ امن وامان کی صورت بہتر ہوتی ہے اور کچھ استحکام کی شکل پیدا ہوتی ہے مگر یہاں مسلمان اکثریت میں ہے ظاہری طور پر دلی پر مسلمان بادشاہ ہے لیکن پنجاب کا مسلمان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور سکھوں کے ہاتھوں خوب ذلیل ہو رہا ہے جائیدایں ضبط ہو رہی ہیں عزتیں غیر محفوظ ہیں اور دین پر حملے جاری ہیں۔ فتح خان ٹوانہ جیسے بہادر مسلمانوں کی مزاحمت دم توڑ جاتی ہے سید احمد شہید ہو جاتے ہیں ہری سنگھ نلوہ ہزارہ اور پشاور کو تاراج کر دیتا ہے منکیرہ اور بنوں سرنگوں ہو جاتے ہیں سکھ فوج کو رنجیت سنگھ اپنے یورپین جرنیلوں کی مدد سے بہترین تربیت دیکر اس علاقے کی ایک اعلیٰ پیشہ ورانہ فوج بنالیتا ہے ستلج پار انگریز ہے اور ادھر سکھ۔ پورا شمالی علاقہ بھی سکھوں کی دسترس میں ہے کشمیر بھی ان کے ہاتھ لگ جاتا ہے پنجاب کے مسلمانوں کے لیے نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کی مصداق ایک جانکنی کی کیفیت سے گزران ہے۔

یہی نہیں رنجیت سنگھ اور انگریزوں کا افغانستان کے خلاف گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے۔

انگریز سکھوں کی مدد سے روس کی افغانستان کی طرف پیش قدمی روکنے کے لیے افغانستان پر چڑھ اٹھتا ہے۔ روس کا استعمار پہلے ہی وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں پر پچھلی ایک صدی سے زائد عرصہ میں قبضہ کر چکا ہے وہ تمام خطے جہاں اسلامی تہذیب پروان چڑھ کر جوان ہوئی تھی اور ہندوستان کا رخ کیا تھا روس کے قبضہ قدرت میں آچکے تھے سمرقند' بخارا' بلخ اور تاشقند کی اسلامی یونیورسٹیاں تباہ ہو چکی تھیں۔ ادھر سے انگریز اور سکھ مل کر بچے کھچے افغانستان کا کچومر نکالنے کے لیے بڑھ رہے تھے انگریز اور سکھوں نے کابل پر قبضہ جمالیا۔ اور ایک زبردست جشن فتح منایا۔ افسوس صد افسوس کہ اس جشن میں حصہ لینے والی سکھ فوج کا سالار ایک مسلمان تھا یہ دکھاوا تھا سکھوں اور انگریزوں نے مسلمان افغانستان پر قبضہ آسان بنانے کے لیے خریدے ہوئے فوجی کمانڈر کی نمائش کی مگر آزاد منش افغان مسلمان وقتی طور پر تو دب گئے لیکن مناسب وقت ملتے ہی چار سال کے اندر اندر انھوں نے غاصبوں کو تہ تیغ کر دیا اور اپنی کھوئی ہوئی آزادی واپس چھین لی گئی ان میں ابھی تک ایمان کی حرارت اور آزادی کی رمق موجود تھی ان کا جغرافیہ اور پہاڑی علاقہ بھی ان کا مددگار تھا لیکن اصل

Marfat.com

قوت ان کا پختہ عقیدہ ہی تھا جو ہندوستان کے کثرت دولت کی وجہ سے بگڑے ہوئے عیاش مسلمان حکمرانوں نے کھو دیا تھا اور اس وجہ سے اپنی حکومت بھی کھو دی تھی۔

لیکن اس وقت پنجاب کا مسلمان تاریخ کی سب سے بڑی ستم ظریفی کا شکار تھا پنجاب اسلام کی شاہراہ اول تھا سندھ میں محمد بن قاسم سب سے پہلے آیا مگر اصل مضبوط بنیاد تو پنجاب ہی تھا حضرت علی ہجویری جو تمام اولیا اللہ اور ہندوستان کے مبلغین اسلام کے امام ہیں انھوں نے سب سے پہلے پنجاب ہی کو اپنا مرکز بنا کر یہیں سے اسلام کی روشنی ہر سو پھیلائی۔ محمود کی طاقت کا سرچشمہ بھی پنجاب ہی تھا محمود غزنوی شہاب الدین غوری اور بعد میں آنے والے تمام مسلمان فاتح اور حکمران یہیں سے گزرے اور یہی مسلمانوں کی طاقت کی بنیاد بنا۔ علماء فضلا اور اولیاء اللہ بھی اسی راستے پورے ہندوستان کی طرف تشریف لے گئے مگر تاریخ کا جبر بھی عجب ہے کہ جب اس کا پہیہ الٹے رخ چلا تو سب سے بڑا عذاب بھی پنجاب کے مسلمانوں پر ہی نازل ہوا اور اسی راستہ سے افغانستان کے مسلمانوں کی غلامی کی بھی کوششیں شروع ہوئیں۔ روس اور انگریز کے اپنے اپنے علیحدہ مقاصد اور طور طریقوں کے باوجود مسلمانوں کی غلامی اور مغلوبیت کی داستان ان ہی راستوں سے الٹے راستے چل کر مکمل ہو رہی تھی۔ اس کی اصل وجہ مسلمانوں اور عام مسلمانوں سے بڑھ کر ان کے عیش کوش حکمرانوں کی دنیاوی جاہ و جلال اور عیش و طرب میں ڈوب کر اسلام کے اصل جذبہ ایمان سے دوری تھی۔

پنجاب کا عام مسلمان نہایت بے بسی اور کسمپرسی کی حالت میں اپنی متاع عزیز لٹتے دیکھ رہا تھا اور کر کچھ نہیں سکتا تھا۔ دکھ تھا کہ سوا ہوا جاتا تھا ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور سکھا شاہی کے شکنجے میں کسا جا رہا تھا۔ کہاں دیکھتا؟ کس کی طرف دیکھتا؟ کہیں سے امید نظر نہیں آ رہی تھی۔ دلی سے امید عبث تھی کابل سے لاحاصل۔ سکھ ظلم کا تدارک کیسے ہو؟ خود کمزور تھے باہر سے مدد ناممکن تھی سب ہی راستے بند ہو گئے تھے وہ کس کی طرف دیکھتے؟ انتخاب صرف سکھوں اور انگریزوں میں تھا اور وقت آنے پر ہمارے بزرگوں نے سکھوں کے مقابلہ میں انگریزوں کو بہتر سمجھا شاید اس وقت کے حالات کا یہی تقاضا تھا۔ کانگرس کے پراپیگنڈہ اور آزادی کی تحریک کی گرماگرمی کی نگاہ سے پنجاب کے اس وقت کے مسلمانوں کے مسائل حالات اور جذبات کو پرکھنا ویسے بھی قرین انصاف نہ ہے۔ اس وقت کے حالات کے مطابق سکھوں سے انگریز واقعی بہتر تھے کہ کم از کم دینی رسومات کی تو آزادی تھی۔ سکھ تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ آپ اذان نہیں دے سکتے باجماعت نماز ادا کرنا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ مساجد تباہ کر دی تھیں۔ مسلمان اپنی جائیداد سے ہاتھ دھو رہے تھے اور سکھ زبردستی ان کی

Marfat.com

جائیدادوں پر قبضہ جما رہے تھے۔ عزت محفوظ نہ تھی عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔ کشمیری مسلمانوں کو تو تھوک کے حساب سے تہ تیغ کیا جاتا تھا۔ ایسے حالات میں سکھ کے مقابلے میں انگریز واضح طور پر ایک بہتر انتخاب تھا کہ دوسرا کوئی بھی چوائس آپ کے ہاں تھا ہی نہیں۔ رنجیت سنگھ کی موت پر اس کی سلطنت چند سالوں میں ہی بکھر گئی مضبوط خالصہ فوج کو رنجیت سنگھ کے کمزور جانشین قابو میں نہ رکھ سکے۔ ضرورت سے زیادہ طاقتور خالصہ فوج آپس میں الجھ پڑی۔ رنجیت سنگھ کی بیوہ مائی جنداں نے خود بھی اپنے آپ کو خالصہ سے خطرہ میں محسوس کیا تو نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ خالصہ کو انگریز فوج کے خلاف لاکھڑا کیا۔ بارود بھی ناقص دیا۔ عوام میں آج تک مشہور ہے کہ رانی جنداں نے بارود کی جگہ سرسوں بوریوں میں بھروا کر خالصہ کی توپوں کے لیے بھجوائی تھی۔ پھر کیا تھا انگریزی فوجیں نہایت آسانی سے خالصہ کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئیں۔ پنجاب کے تمام مسلمانوں کے دل سکھوں کے خلاف نفرت سے بھرے پڑے تھے انگریزوں سے انھیں کوئی محبت نہ تھی لیکن سکھوں کا وہ ساتھ بھی نہیں دے سکتے تھے کہ سکھ فتح کی صورت میں وہ خود اپنی موت کا انتظار کرتے۔ یوں انگریزوں نے خالصہ کو شکست دیکر پنجاب کے انتظام و انصرام کو سنبھال لیا۔

Marfat.com

آئے عشاق' گئے وعدہ فردا لیکر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لیکر

سکھوں کی پہلی شکست کے بعد سر ہنری لارنس پنجاب کی انتظامیہ کی نگرانی کے لیے ریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ اس وقت رنجیت سنگھ کا نابالغ بیٹا دلیپ سنگھ برائے نام گدی نشین تھا۔ اب اصل انتظام انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ خالصہ فوج بھی ان ہی کے زیر نگرانی کام کر رہی تھی۔ دیوانی' مالیہ اور عدلیہ کی نگرانی اور راہنمائی بھی ان ہی کو سونپی گئی تھی۔ ماضی کی طرح انگریز کی غالب قوت ایسے ہی راستوں سے آگے بڑھ رہی تھی اور اپنی گرفت مضبوط کر رہی تھی۔ ظاہرا مالی آسودگی اور بہتر نظم و ضبط کے اقدامات لاہور دربار ہی کے لیے تھے۔ میجر ایبٹ نکلسن اور ایڈوڈز ایسے باصلاحیت انگریز افسر ہزارہ پشاور اور بنوں کی اطراف میں نہ صرف یہ کام کر رہے تھے بلکہ مستقل سیٹلمنٹ کے ذریعہ اراضی کی پیمائش اور ملکیت کی بھی بہتر صورت گری کر رہے تھے۔ آبپاشی کا نظام اس لیے بہتر کر رہے تھے کہ کاشتکاری اور زرخیزی بڑھنے سے مالیہ بھی زیادہ ہو جائے گا مالگزاری وصول کرنے کے لیے بہتر انتظامات ترتیب دے رہے تھے مالیہ کی شرح کم کر رہے تھے کہ کاشتکار اس کی ادائیگی بخوشی کرنا شروع کر دے۔ اس قسم کے اقدامات سکھ سرداروں کو ایک نظر نہیں بھاتے تھے۔ ان کے ذاتی اختیارات اور ان سے وابستہ مفادات تو اس صورت میں پورے ہو سکتے تھے کہ مملکت میں بدنظمی اور انتشار موجود رہے اور اس کی آڑ میں مالیہ اکٹھا کرنے سے لے کر بغاوت فرو کرنے تک خالصہ فوج کی ہر

Marfat.com

دم ضرورت رہے۔ اگر امن و امان قائم ہو گیا تو انہیں کون پوچھے گا اور پھر ان کی ضخیم رشوتوں کا کیا بنے گا وہ مسلمانوں کو کس طرح توڑ مروڑ سکیں گے۔ کمزور کاشتکاروں کا استحصال کیسے کر سکیں گے۔ انگریزوں کی بہتر اور منصفانہ انتظامی بہتری محروم طبقوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے لیے چاہے کتنی ہی بہتر اور خوش آئند ہوتی طاقتور سکھ سرداروں کو اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ انہیں اپنی بدمستیاں محدود ہوتی نظر آ رہی تھیں کیونکہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے دنوں کی طرح یہاں بھی زیادہ مفاداتی اختیارات سکھ فوج نے ہی حاصل کر لیے تھے اور اس کے جو مزے تھے ان کو دیکھ کر ان کا دل خون کے آنسو بہا رہا تھا۔ گرتے مرے ہوئے معاشروں کا آخر کار یہی حشر ہوتا ہے وہ اپنے ہی بگڑے ہوئے محافظوں کے ہاتھوں تباہ ہوتے ہیں اور محافظ ہی موت بنتے ہیں۔ سکھ بھی مغلیہ سلطنت' بغداد' ایران' روم اور دوسری تہذیبوں اور حکومتوں کی راہ اختیار کرتے ہوئے اپنے آخری ایام میں اپنی ہی فوج کے یرغمال تھے۔ سکھ دربار کی سازشوں نے سبھی کے سبھی اختیارات خالصہ فوج ہی کو دے رکھے تھے اور وہ اپنے ظلم و جبر کے ذریعے لوٹ لوٹ کر خود اپنے پیٹ بھر رہے تھے اور اس سکھا شاہی سے عوام کراہ رہے تھے لہٰذا اس پس منظر میں پنجاب کے عام لوگوں خاص طور پر مسلمانوں کو ان معدودے چند انگریز منتظمین کی آمد ایک ابر رحمت نظر آ رہی تھی۔

کشمیر ڈوگرہ راجپوتوں کے ہاتھوں سکھ دربار نے انگریز دلالی کے ذریعے بیچ ہی دیا تھا اور ڈوگرہ بھی وہاں مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ڈھا رہے تھے اس وقت پشاور تک کا تمام علاقہ پنجاب ہی کہلواتا تھا پشاور ہزارہ وہ علاقے تھے جہاں پر ویسے بھی سید احمد شہید کی اسلامی تحریک بہت گرم رہی تھی اور اس نے ایمان کی حرارت پیدا کر دی تھی لہٰذا ان علاقوں میں خاص طور پر سکھوں کے خلاف جذبات شدید ترین تھے ملتان میں مول چند کی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی تو دلیپ گڑھ سے جسے ایڈورڈز آباد بھی کہا جاتا تھا اور آجکل بنوں کے نام سے موسوم ہے ایڈورڈز اپنی فوج لے کر ملتان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اپنی غیر حاضری میں اس نے بنوں چھاؤنی کا چارج ملک فتح خان ٹوانہ جو کہ ٹوانہ راجپوتوں کا جدامجد تھا اور رنجیت سنگھ کا حریف تھا کو مکمل اختیارات کے ساتھ حوالے کر دیا۔ ایڈورڈز کی غیر حاضری میں خالصہ فوج نے بغاوت کر دی اور ملک فتح خان اور اس کے معدودے چند مسلمان ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا جب راشن اور پانی بالکل ختم ہو گیا تو ملک فتح خان کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ سکھوں کے سامنے ہتھیار ڈال دے حالانکہ سکھوں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو مکمل سلامتی اور احترام کا یقین دلانے کی انتہائی کوشش کی۔ اپنے آخری بیس ساتھیوں کے ساتھ آخری دم تک لڑتا رہا لیکن ظالم

Marfat.com

سکھوں کے ساتھ صلح پر آمادہ نہ ہوا اس طرح ہزارہ اور کشمیر کے مسلمانوں نے ایبٹ صاحب کا ساتھ اس وقت دیا جب سکھوں کی فوج نے اٹک چھاونی میں بغاوت کر دی بہاولپور کے نواب اور مظفرگڑھ کے مسلمانوں نے بھی سکھوں کے خلاف ایڈورڈز کا ساتھ دیا اس طرح عیسیٰ خیل کے نوابوں اور دوسرے مسلمانوں جو سکھوں سے سخت نالاں تھے نے بھی رضا کار فورس قائم کر کے انگریز کی مدد کی گوجر، گکھڑ، پٹھان، جاٹ، راجپوت، کھراور دیگر مسلمان قبائل جو سکھوں کے ستائے ہوئے تھے والنٹیئر فورس میں شامل ہوتے گئے اور خالصہ فوج کو ہر جگہ شکست فاش دی اور اپنے خلاف روا رکھے گئے مظالم کا بدلہ لے لیا۔ خاص طور پر پختون بہت بے جگری کے ساتھ لڑے کیونکہ سکھوں نے اپنے دور میں پٹھانوں پر بہت ظلم ڈھائے تھےاور پٹھانوں کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس کا بیٹا سکھوں نے نہ مارا ہو لہٰذا انہوں نے بھی خوب بدلہ لیا۔ سکھوں کی مکمل شکست اور انگریز کی پنجاب میں عملداری (۱۸۴۹ء) کے بعد ان مسلمان رضا کاروں کو باقاعدہ انگریز فوج میں بہت عزت اور احترام سے شامل کر لیا گیا اور ان کا نام PIFFER یعنی Punjab Irregular Frontier Force رکھا گیا۔ یہ رجمنٹ اسی نام سے اب بھی موجود ہے اور اس کا ہیڈ کوارٹر ایبٹ آباد میں ہے۔ بہرصورت یہ خالصہ فوج کے بے محابا ظلم ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے انگریز کا ساتھ دینا زیادہ مناسب سمجھا۔ خالصہ فوج چونکہ ملکی انتظام و انصرام میں مشغول ہو کر بدعنوان ہو گئی تھی۔ اور اس کا ڈسپلن اور کردار بھی بہت ہی خراب ہو گیا تھا تو انھیں انگریز ریذیڈنٹ اور اس کے افسروں کا سول انتظامات سنبھال لینا بہت چبھ رہا تھا اس لیے انہوں نے موقع دیکھ کر سکھ قومیت کا لبادہ اوڑھ کر لاہور دربار کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔ انگریزوں اور مسلمانوں نے ملکر انہیں ناکام بنا دیا اور اس طرح پنجاب میں انگریزی راج باقاعدہ ۱۹۴۹ میں قائم ہو گیا۔

سرہنری لارنس کے چھوٹے بھائی جون لارنس کو پنجاب کا پہلا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کیا گیا اس کا ایک ہاتھ جنگ میں ناکارہ ہو چکا تھا اس لیے اسے پنجاب کے لوگوں نے ٹنڈا لاٹ کا نام دے دیا۔ چونکہ وہ بہت سخت گیر اور عادل منتظم تھا اور پنجاب کو بہت دیر کے بعد بے انتہا افراتفری کے بعد امن نصیب ہوا تھا لہٰذا جون لارنس کا خوب دبدبہ بیٹھ گیا اس لیے جس کسی نے اپنے شاونزم کا اظہار کرنا ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ پروا نہیں ٹنڈے لاٹ کی۔ پنجاب کی شمولیت کے ساتھ ہی پورے ہندوستان پر انگریزی راج مکمل طور پر چھا گیا سندھ کا علاقہ اور بلوچستان تو پہلے ہی پہلی افغان جنگ کے زمانہ میں انگریزی راج میں شامل ہو چکے تھے پشاور سے چٹاگانگ اور ہمالہ سے راس کماری تک جہانگیر کے زمانے

Marfat.com

میں نہایت چپکے سے وارد ہونے والے دوکانداروں نے نہایت چالاکی' عیاری' فراست اور شجاعت کے بل بوتے پر مغلیہ خاندان کی اتنی بڑی سلطنت کو اپنے قبضہ قدرت میں لے لیا اور کمپنی بہادر بلا شرکت غیرے پورے ہندوستان کی حکمران بن گئی۔

Marfat.com

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

لارڈ کلائیو جس نے پلاسی کے میدان میں نواب سراج الدولہ کو غدار میر جعفر کی مدد سے پچھاڑا تھا سے لیکر لارڈ ڈلہوزی تک انگریز نے ہندوستان کے منتشر اور بکھرے ہوئے مقامی حکمرانوں کو ایک دوسرے سے لڑایا اور اس لڑائی کا خود فائدہ اٹھاکر پورے ہندوستان کے مالک بن بیٹھے۔ پنجاب آخری مورچہ تھا اسے سر کرنے کے بعد انگریز اپنی حکومت مستحکم کرنے میں مصروف ہو گیا۔ پنجاب پر قبضہ کے بعد مسلمانوں کے خلاف سکھ زیادتیوں کا ازالہ بھی کیا ٹوانوں کی تمام جائیداد جو سکھوں نے چھین لی تھی انہیں واپس ہوئی۔ عیسی خیل کے نوابین کی ہتھیائی ہوئی جاگیریں بھی انھیں واپس کیں۔ ملتان کے خاکوانی تو سکھ ظلم کے سب سے بڑے نشانہ بنے تھے اور ان کی وہ تمام جائیدایں جو شاہ جہان اور شہزادہ اورنگ زیب کے زمانے میں انہیں قندھار میں اورنگ زیب کی شکست کے بعد بھاگ کر ملتان آنے پر ملی تھیں سکھوں نے چھین کر اپنے سرداروں میں تقسیم کر دی تھیں۔ چونکہ سکھ قبضہ مخاصمانہ کو اس وقت کے قانون میں دی گئی مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تھا تو خاکوانیوں کے لیے تو لارڈ ڈلہوزی کو معاملہ کونسل میں لے جانا پڑا اور باقاعدہ عدالتی کارروائی کے بعد ان کی جائدادیں بحال ہوئیں دوسرے مسلمان جاگیرداروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا تھا کہ ان کی جائیدادوں کی زیادہ تر بحالی باقاعدہ عدالتی کارروائی کے بعد ہوئی جس میں انھوں نے اپنی اپنی حقیت کے ثبوت پیش کیے۔ ہاں چند ایک

Marfat.com

لوگوں کو انگریز کا ساتھ دینے کا انعام بھی ملا۔ مگر اکثریت ایسے مسلمانوں کی تھی جن کی اپنی جائدادیں ہی ان کو واپس ملی تھیں۔

ہاں سکھوں کو ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دینے پر خوب جاگیروں سے نوازا گیا کیونکہ چند ہی سالوں کے اندر ہی اندر انگریز اور سکھ ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف کھی شکر بن گئے تھے۔ رسمی طور پر دلی کے تخت پر بہادر شاہ ظفر ہی براجمان تھا اور وہ مسلمان تھا۔ سکھوں کو مسلمانوں کی جعلی اور رسمی فوقیت بھی چھیننی تھی۔ انگریز بھی اس غیر ضروری تکلف سے جان چھڑانا چاہتے تھے لہٰذا جلد ہی انگریز اور سکھوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا۔ سکھوں نے ۱۸۵۷ کی چپقلش میں انگریزوں کے شانہ بشانہ لڑ کر مسلمانوں کی ہندوستان پر حکومت کو آخری دھکا لگایا۔ اس انعام میں انگریز نے سکھ جاگیردار پیدا کیے۔ پنجاب کے مسلمان جاگیرداروں کو صرف ان کی چھینی ہوئی جائیدادیں سکھ شکست کے بعد دلائی تھیں۔ مسلمانوں کو اس وقت انصاف فراہم کیا اور سکھوں کو بعد میں باقاعدہ نوازا اور انعامات دیئے۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں کانگریس کے پروپیگنڈا مشین نے مسلمان جاگیرداروں کو خاص طور پر بدنام کرنے کی کوشش کی اور انہیں انگریز کا پٹھو اور ٹوڈی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ حالانکہ پنجاب کی حد تک مسلمانوں نے صرف سکھوں کے ظلم سے تنگ آ کر انگریز کا ساتھ دیا اور ان کی سکھاشاہی اور اندھیر نگری کو ختم کرنے کی کوشش کی اس کے بعد ان کے خلاف رکھے گئے ظلم اور بے انصافی کا ازالہ ہوا اور وہ بھی باقاعدہ عدالتی اور جوڈیشل کارروائی کے نتیجہ میں۔ مسلمان زمینداروں نے صرف اپنا حق واپس لیا تھا۔

مسلمانوں نے انگریز کے حق حکومت کو کبھی نہیں مانا تھا اور اس کا بھرپور اظہار باقاعدہ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں ہوا۔ مسلمان اور انگریز نفسیاتی طور پر کبھی بھی ایک دوسرے کے قریب نہیں آئے۔ وہ صلیبی جنگوں کے زمانے ہی سے ایک دوسرے کے سخت اور واضح دشمن رہے ہیں۔

ہندوستان میں بھی انہوں نے حکومت مسلمانوں سے چھینی بنگال' بہار' لکھنؤ' مدراس' دکن' سندھ' بمبئی' دلی ہر جگہ صدیوں سے مسلمان حکمران تھے اور ان ہی سے انگریزوں نے سلطنت ہتھیائی تھی۔
ہندوؤں نے تو ہر لحاظ سے اور ہر جگہ انگریز ہی کا ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں سے بدلہ لینے کا طریقہ نکالا تھا۔ ہندوؤں میں کاشتکاری کا رجحان کم ہی تھا لیکن بنگال' مدراس' بمبئی اور دوسرے صوبوں میں انگریز نے مستقل سیٹلمنٹ کے ذریعہ زیادہ تر جاگیریں تو ہندوؤں کو ہی دیں اور ان کو بلاجواز مسلمان کاشتکاروں کے سر پر لا بٹھایا تاکہ انہیں مقامی طور پر تباہ کیا جا سکے۔ ان جاگیروں پر ہندوؤں کا قطعاً حق

Marfat.com

نہیں تھا لیکن ظلم کی انتہا دیکھیے کہ انگریزوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ مسلمانوں کی معاشی تباہی اور غلامی کا بندوبست کر دیا کیونکہ مسلمان ان کی نگاہ میں ان کے اصل دشمن تھے بعد کے کانگریس پراپیگنڈے نے ہندوؤں کے گناہوں میں پنجاب کے مسلمانوں کو خواہ مخواہ گھسیٹنے کی کوشش کی۔ مسلمانوں کو بدنام کرنے کی یہ ہندوؤں کی سب سے مذموم اور قبیح کوشش تھی کہ مسلمانوں نے بھی انگریزوں سے جاگیریں حاصل کیں۔

فیوڈل ازم اور جاگیرداری ایک برا نظام ہے۔ اس سے انسانی تذلیل اور غلامی کا بندوبست ہوتا ہے یہ بات بالکل درست ہے کہ ہندو مسلم تناظر میں انگریز نے مسلمانوں کی تذلیل اور غلامی کے لیے اس نظام کا سہارا لے کر ہندوؤں کو فیوڈل لارڈز بنایا۔ میں اس سسٹم کے بالکل خلاف ہوں اور اسے استحصال کی بدترین شکل سمجھتا ہوں لیکن اسے خاص طور پر مسلمان زمینداروں پر چپکا دینا بہت بڑی ناانصافی ہے اور یہ سب کچھ ہندو کی عیارانہ چالوں سے ہوا۔ بہرصورت پنجاب کی حد تک انگریز نے صرف مسلمانوں کا حق واپس دلوایا تھا وہ حق ان کا اپنا تھا انگریز کی اصل نوازشیں تو ہندوؤں اور بعد میں سکھوں پر ہوئیں کیونکہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف وہ ان کے فطری حلیف تھے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں اور انگریزوں کا آپس میں بغض ہی رہا اور نفسیاتی طور پر وہ کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آئے۔ مسلمان علماء نے تو ان کی زبان پڑھنا بھی پسند نہ کی ان کی فوجی ایجاد کو حرام قرار دینا شروع کر دیا۔ ان کے نئے کارتوس بھی مسلمان فوجیوں کے حلق کو حرام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی گاڑی پر سواری سے بھی مسلمانوں کو حقارت تھی مسلمانوں کی انگریز کی طرف سے نفرت ایک فطری عمل تھا۔ لارڈ کلائیو اور ہیسٹنگز کے مظالم اور لوٹ مار سے کون متاثر ہوئے؟ بنگال کے مسلمانوں کو کنگال کر دیا۔ ان کی انڈسٹری خاص طور پر ٹیکسٹائل کو تباہ کر دیا۔ بیگمات اودھ کو لوٹا سلطان ٹیپو اور دکن کے خزانے ہڑپ کر لیے۔ اسی طرح ہر جگہ مسلمانوں ہی کو نشانہ بنایا اور انھیں خوب لوٹا۔ ہندو بنیا تو اس لوٹ مار میں انگریز کا ہر جگہ ساتھی تھا۔ اور وہی انگریزوں کو مسلمانوں کے لوٹنے کے خوب سے خوب تر حربے بتاتا رہا۔ لہٰذا انگریز کی دشمنی اور نفرت کا ردعمل مسلمانوں میں بالکل فطری تھا صرف پنجاب کی حد تک اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے انگریز اور مسلمانوں میں سکھوں کے ظلم کے خلاف ایک سٹریٹجک قرب ہوا۔ مگر چند ہی سالوں میں مسلمان دشمنی نے انگریزوں کے اصلی رنگ دکھانا شروع کر دیئے اور پھر ۱۸۵۷ کے بعد تو انگریزوں اور مسلمانوں میں بہت ہی زیادہ بعد آگیا بلکہ نفرت کی ایک دیوار کھڑی ہوگئی۔ مسلمان کا قلب و روح زخم زخم تھی۔ مایوسی

Marfat.com

تھی انتشار اور نفاق عروج پر تھا اور پھر ملت اسلامیہ انتہائی مایوس اور قنوطیت کا شکار ہو کر بے سمت ہو گئی۔ بے وقار ہو کر اپنی ہی نظروں میں گر گئی۔ اپنی اصلی راہ بھول چکی تھی۔ طاقت اور اقتدار کے خواب دیکھنا دور کی بات ہے اسے تو اپنی بقا بھی مشکل نظر آ رہی تھی۔ انگریز کی تہذیب ان کے لیے بالکل نئی تھی۔ خود اپنا مقام اور مقدر کھو بیٹھے تھے۔ جائیں تو کہاں جائیں ہندوؤں کی طرح تو نہیں کہ ان کی تہذیب اور مذہب کے کوئی واضح اور متعین خطوط موجود نہ ہوں اور وہ ہر نئے آنے والے کے ساتھ آسانی سے خلط ملط ہو کر اپنی راہیں تلاش کر لیتے۔ مسلمانوں کے پاس تو اپنا ایک واضح اور جامع ضابطہ حیات تھا۔ اس کے واضح خدوخال تھے۔ خورد و نوش کے انداز تھے۔ حق حلال اور حرام کی تخصیص تھی۔ آداب تھے' اخلاق کے درس تھے یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے تک کے واضح طور طریقے کہ صبح اور شام تک کی زندگی کس طرح گزارنی ہے مسلمان کی حیات تو سب دنیا کے لیے ایک ماڈل تھا اور اس نے دنیا میں اپنی روشنی پھیلائی بھی تھی۔ اسلام نے انسانیت کو جہالت اور تاریکیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر روشنی دکھائی تھی اس روشنی نے مسلمانوں کے دن پھیر دیئے تھے خالص جذبہ ایمانی نے انھیں حکمران بنا دیا تھا۔ لیکن حکمرانی اور کثرت مال ، دولت ہے کہ انھیں ذلت و خواری اور غلامی میں لے گئی تھی۔ مسلمان کی اپنی سوچ تھی' اپنا ماضی تھا لیکن کیا کیجئے کہ خوئے حکمرانی کی غلط کاریوں اور گمراہیوں نے انھیں تاریخ کی تاریک راہوں پر لا ڈالا تھا۔ ماضی کو بھول بھی نہیں سکتے تھے۔ راہ حق کی روشنی قرآن و سنت میں اپنی اصل شکل میں موجود تھی اگرچہ عمل اور بد عملی نے مسلمانوں کے اندر بہت سی بدعتیں اور قباحتیں بھی داخل کر دی تھیں لیکن پھر بھی ان کے ہاں اپنا ایک مکمل ضابطہ حیات موجود تھا۔ مایوسی اور غلامی میں بھی ان کے پاس وہ روشنی موجود تھی جس کی وجہ سے وہ آنے والی نئی تہذیب سے سمجھوتہ نہیں کر پا رہے تھے۔

اس لئے مسلمان ایک نہایت ہی روحانی اور قلبی کشمکش کا شکار ہو گیا اور اپنے اندر ہی اندر جل بھن رہا تھا کچھ کر سکتا نہیں تھا بے کس تھا طاقت کھو بیٹھا تھا حیران تھا پریشان تھا کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تھی فکر و تدبر بکھر رہا تھا اور بکھر گیا تھا نئی تہذیب سے مرعوب ہو رہا تھا اور نفرت بھی کر رہا تھا الفت و نفرت کا اک الاؤ تھا کہ اندر سے بھسم کر رہا تھا۔ اسے بلند اعلیٰ و ارفع فکر کی راہ نمائی اور راہ نماؤں کی ضرورت تھی جو آخر کار اسے مل ہی گئے لیکن اس سے پہلے اسے بہت سے امتحانوں اور مصیبتوں سے گزرنا تھا کہ آنے والی تہذیب بھی خالی جھولی نہیں رکھتی تھی۔ وہ مضبوط ہی نہیں بلکہ اپنا ایک ولولہ انگیز اور توانا فکر رکھتی تھی۔ کیونکہ وہ بہت سے تاریخ ساز تغیر کے عمل سے گزر کر آئی تھی۔ کئی

Marfat.com

بھٹیوں کی سخت آنچ سے گزر کر آئی تھی فکر و دانش کے بہت سے انقلاب آئے تھے جن سے اس کی تازگی اور توانائی کا سامان پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنے نئے جہان بسانے کے منصوبے بنائے تھے۔ دل و جان کے قالب بدلنے کی ٹھان رکھی تھی۔ تاریخ اور جغرافیہ کی ہیئت اور حیثیت بدلنے کے ارادے باندھ رکھے تھے۔ اس لئے اس تہذیب اور سوچ سے نبرد آزما ہونا کوئی معمولی کام نہیں تھا اس کے لئے بڑے ذہنوں اور اعلیٰ فکر کی ضرورت تھی جو ہماری بنیاد اور اصل کو بھی بچالے اور آمد نو کی خوبیوں سے بھی گریز نہ ہونے دے۔ مشکل وقت میں مشکل ترین کام تھا لیکن بڑے لوگ اس لئے بڑے کہلواتے ہیں کہ وہ ایسے موقعوں پر افراد اور ملت کا صحیح فکری سہارا بنتے ہیں۔ ملت اسلامیہ نے بہت بڑے بڑے مفکر پیدا کئے لیکن شاید ھی جدید دور میں حضرت علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کی عظمت اور فہم و فراست کا کوئی ثانی ہو جو تلاطم خیز موجوں میں ڈوبتی ہوئی کشتی کی طرح ہندوستان کے مایوس و منتشر مسلمانوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا کر کے ان کو کامرانی کے ساحل پر لگا دیں۔ ان زعماء تک پہنچنے سے قبل ہزاروں سینکڑوں صاحب ایمان علماء حق، اولیاء اللہ اور دانشوروں نے مشکل ترین وقت میں ملت کے لئے فکری سہارا مہیا کیا اور ان عظیم راہنماؤں کی فکر و فراست کی راہیں ہموار کیں۔ شاہ ولی اللہ سے لے کر سید احمد شہید، سید امیر علی، سرسید احمد خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی، شبلی نعمانی، مولانا اشرف علی تھانوی اور دیگر محسنان ملت نے ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے پسے ہوئے مسلمانوں کو مشکل ترین دور میں حرارت ایمان اور دینی فکر سے نہ صرف زندہ رکھا بلکہ بیدار رکھا اور امید دی کہ مسلمانوں کے غلبے کا وقت آنے والا ہے ہوش اور جوش کا دامن نہ چھوڑو اور اپنی عقل و دانش اور خزینہ علم کو کام میں لاتے ہوئے نئی تہذیب کے حسن و قبح کا تجزیہ اور مطالعہ بھی کیا اور امتزاج کی راہیں بھی نکالیں۔ مشکل کام احسن طریقے سے کئے نفرت اور الفت دونوں پر ہی قابو رکھا اور ایک عظیم فکر کی تخلیق کی اور اجتہاد جو مدتوں سے جمود کا شکار تھا کو دوبارہ زندہ کیا۔ اجماع امت سے ایک نئی قوت پیدا کی اور قوم کو مایوسیوں کے اتھاہ سمندروں سے صرف باہر ہی نہ نکال لیا بلکہ اپنی صحیح منزل مراد مملکت پاکستان بھی حاصل کی۔

Marfat.com

چیست روباہی تلاش ساز و برگ
شیر مولا جوئد آزادی و مرگ

لمحہ آزادی میں مسلمانوں کے زندہ و جاوید جذبوں کی حقیقتوں اور سچائیوں میں جھانکنے سے پہلے کچھ ان مشکلات اور کٹھن مراحل کا بھی احاطہ کرنا ہوگا جن سے گزر کر مسلمانان ہند اس منزل مراد تک پہنچے تھے کہ ایک ہزار سال سے بھی زیادہ کا سفر تھا۔ کتنے بزرگوں کے جذبہ ایمانی اور آدرشوں نے اس کی آبیاری کی تھی۔ تخم ریزی کی تھی اور کتنی ہی سنگلاخ گھاٹیاں تھیں کہ عبور کرنا پڑی تھیں۔ کس طرح اس کشتی کو طوفانی تھپیڑوں سے بچا کر لائے تھے لیکن سب سے خطرناک حملہ مغربی تہذیب نے اپنی قوت سے کیا تھا اس سے نکل کر کامیاب ہوتے جانا کسی معجزہ سے کم نہ تھا کہ اس تہذیب میں بے پناہ صلاحیت اور کشش تھی۔ اس کے اندر جھانک کر اسے سمجھنا ضروری تھا اور یہی ہمارے بزرگوں نے کیا اور اس کے اسرار و رموز کی شناسائی کے بعد اس کا علاج اور اپنی فلاح کا راستہ بھی تلاش کیا۔

آپ نے دیکھا کہ جنگ پلاسی کے بعد پورے ہندوستان پر قبضہ جمانے تک انگریز نے تقریباً ایک صدی کا عرصہ لیا اور ملک کے ایک حصہ کے بعد دوسرے حصہ پر قبضہ جماتا گیا جس حصہ پر قابض ہوتا وہاں اپنے انتظامی ادارے قائم کرتا مابعد لگان اکٹھا کرنے کے بندوبست کرتا اور نظام عدل کے ادارے قائم کرتا۔ اپنی منفرد فکر و دانش کے پس منظر میں مغلیہ سلطنت کے اداروں کو ہی مقامی حالات کے مطابق مناسب ترامیم کے ساتھ نئی ساخت یا قالب میں ڈھالتا گیا۔ مالگزاری کا تو تمام تر نظام ٹوڈر مل ہی کا تھا جو اس نے اکبر کے زمانہ میں ترتیب دیا تھا جو تھوڑی بہت تبدیلیوں کے بعد نافذ

Marfat.com

کر دیا۔ صرف نئی پیمائش کی اور حقوق ملکیت کا درست تعین کر کے جامع ریکارڈ تیار کیا۔ لگان کی شرح کم کر دی اور مستقل حقوق ملکیت مالکان اراضی کو دیئے تاکہ وہ دل لگا کر کاشتکاری کریں زرخیزی بڑھائیں اور آخر کار خود سرکار کا حصہ فزوں تر ہو جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کوئی بنیادی تبدیلی نہ کی اور پہلے سے موجود سسٹم کو بہتر کر دیا۔

اسی طرح انتظامی ڈھانچہ بھی مغلوں کی انتظامیہ اور سروسز کے طریقہ کار پر تشکیل دیا۔ شروع شروع میں تو کمپنی نے اسے اپنے کاروباری مفاد کو مدنظر رکھ کر ہی منظم کیا لیکن جیسے جیسے انتظام و انصرام کی ذمہ داریاں بڑھتی گئیں اسے کاروبار سلطنت کے پیرائے میں ڈھالنا پڑا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے بھی قانون سازی کر کے راہنمائی کی۔ ۱۷۷۳ء میں ریگولیٹنگ ایکٹ پاس کیا مختلف علاقوں بمبئی مدراس یا بنگال کی حکومتوں کے گورنروں کو ایک گورنر جنرل کے ماتحت کیا اور اس گورنر جنرل کی ایک کونسل بھی تشکیل دی جس کے ممبر بذات خود با اختیار بنائے گئے خاص طور پر جوڈیشل ممبر تاکہ گورنر جنرل بہت زیادہ خود سر نہ ہو جائے۔ لیکن بنیادی انتظامی ڈھانچہ مغلوں کی انتظامیہ کی طرز پر ہی رہا صوبیدار، فوجدار، کوتوال پٹیل چوہدری، نمبردار، چوکیدار سبھی علاقائی ذمہ داریوں اور فرائض کی نوعیت کے مطابق ویسے ہی انتظامی ڈھانچہ میں رکھے گئے۔ صرف کہیں کہیں نام بدل دیئے گئے یا انگریزی نام اور لیبل دے دیئے گئے ورنہ انتظامی ڈھانچہ کی بنیادیں وہی رہیں۔ مغلیہ سلطنت کا انتظامی ڈھانچہ خود انگریزوں کے اپنے ملک کے انتظامی ڈھانچہ سے بہتر تھا ان کے ہاں اور طرح کی انتظامی شکل و صورت موجود تھی۔ خود مغل یہ انتظامی طریق کار اور سروسز کا ڈھانچہ چین کے مینڈرین سسٹم سے مستعار لے کر آئے تھے انگریزوں نے اس سسٹم کو اپنی فکر و دانش اور نظریوں کے مدنظر صرف ارتکاز اختیارات کم کر کے مختلف محکموں اور افسروں پر تقسیم کر دیا۔ انتظامی اور عدالتی اختیارات کا اوپر کی سطح پر خاتمہ کر کے مرکزی اور صوبائی سربراہوں کو عدالتی اختیارات سے محروم کر دیا صرف ضلع کی سطح پر انتظامی فعالیت کی خاطر ہندوستان کے مخصوص حالات اور لوگوں کے خیالات کے مطابق بہتر اور موثر انتظام و انصرام کی خاطر ان اختیارات کو یکجا رکھا اور وہ بھی جہاں چوروں ڈاکوؤں اور ٹھگوں کو اچھی طرح قابو رکھنے کے لئے ضروری تھا۔ زندگی موت کے معاملات کو عدلیہ ہی کے ذمہ لگایا۔ انگریز کی آمد سے قبل فوجداری اور دیوانی مقدمے کے اختیارات بھی اکٹھے تھے وہ علیحدہ علیحدہ کر دیئے گئے۔

انگریز حکومت کرنے آئے تھے انقلاب لانے نہیں آئے تھے لہٰذا انہوں نے اپنے مفادات کو بھی مدنظر رکھا اور عوامی فکر اور اعتقادات کا بھی احاطہ کیا اور ان حالات کے مطابق جہاں تک ہو سکا

Marfat.com

انتظامی امور اور اس کی تنظیم میں خاص حد تک بہتر تقسیم کار سے کام لے کر ارتکاز اختیارات میں مغلیہ دور کی نسبت کمی کر دی لیکن انتظامی ڈھانچہ کے خدو خال بنیادی طور پر وہی رہے جو مغلیہ سلطنت نے چین سے متاثر ہو کر اپنے ہاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

ہاں عدلیہ کا انتظام اور اس کی شکل و صورت میں بہت حد تک انگریز نے اپنی سوچ کو عملی جامہ ہندوستان میں بھی پہنایا لیکن ہندو اور مسلمان کے ذاتی اور خاندانی معاملات از قسم نکاح شادی اور دیگر مذہبی امور کے لئے انہوں نے ان ہی کے قانون کو لاگو کیا اور ان کے پرسنل لاء کی تشریح کے لئے مسلمان مولوی قاضی اور ہندوؤں کے پنڈتوں سے مدد حاصل کی اور زیادہ تر فیصلے ان ہی کی تشریح کی روشنی میں کرتے رہے۔ ۱۸۳۴ء کی انتظامی اصلاحات جس میں انتظامی کمشنروں کا سسٹم متعارف ہوا سے پہلے سے کمپنی ہی کے تجارتی طریق کار تھے۔ ضلع کا مہتمم بھی کلکٹریا سپروائزر ہی کہلاتا تھا مالیہ وصول کرنے والے مغلیہ دور کے نام سے ان کے ماتحت تحصیلدار ہی کہلاتے تھے اور فوجداری معاملات سے نپٹنے والے کوتوال کے نام سے موسوم تھے ۱۸۳۴ء کے بعد وہی افسران کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کہلائے اور ۱۸۶۴ء کے بعد پولیس کی تشکیل نو کے بعد پولیس کپتان اور ایس ایچ او ایسے نام بھی سامنے آئے مگر بنیادی ڈھانچہ پھر بھی وہی رہا۔

ان انتظامی ترامیم کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز جس علاقہ کا انتظام سنبھالتا وہاں امن عامہ اور عدل کا معیار بہتر ہو جاتا تھا۔ انتظام سنبھالنے سے قبل اور بعد میں بھی انگریز پہلے سے موجود انتظامیہ کے شکار اور محروم لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتا اور عملداری کے بعد ان کے چھینے ہوئے حقوق ان کو واپس دلوا دیتا۔ یوں انگریز کی ان طبقوں میں خوب واہ واہ ہوتی۔ مغلیہ سلطنت کے انحطاط میں چونکہ مختلف علاقوں میں اکثر و بیشتر مغلوں کے بگڑے ہوئے نائبین نوابین ہی نے انتظام و انصرام سنبھال رکھا تھا لہٰذا ان کا انتظام اتنا قابل رشک نہیں تھا۔ لوٹ مار اور ظلم و تعدی کا دور دورہ تھا اور ہر طرف طوائف الملوکی اور لاقانونیت نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ لہٰذا جن علاقوں میں انگریز انتظام سنبھالتا وہ بلاشک ان کو امن کا گہوارہ بنا دیتا تھا اور انسانوں کے درمیان انصاف کا اعلیٰ معیار قائم کر دیتا تھا۔ محروم طبقے سکھ کا سانس لیتے اور دوسرے علاقوں کے محروم طبقوں کے لئے باعث رشک بن جاتے اس لئے یہ بات بھی انگریز کے حق میں جاتی اور جب وہ دوسرا علاقہ ہتھیانے کی سوچتا تو وہاں کے محروم طبقے پہلے ہی سے ذہنی طور پر اس کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتے۔ یہ اس کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تھی جیسے پنجاب کے مسلمانوں کی مصیبت اور زبوں حالی اوپر بیان ہو چکی ہے کہ وہ کس طرح انگریز کے

Marfat.com

فطری حریف بن گئے تھے۔ اس کے علاوہ انگریز کی شاطرانہ چالیں اپنی جگہ پر تھیں۔ اپنے مفادات کی خاطر وہ سب کچھ کر گزرتا تھا اور ہر طرح کی اخلاقی حدود نہایت آسانی سے پھلانگ جاتا تھا لیکن انگریز سے زیادہ ظالم مقامی حکمران بن چکے تھے اس لئے انگریز کو یہ امتیاز تو حاصل تھا کہ جہاں کہیں اس کا انتظام ہوتا وہ بہر صورت مقامی راجوں مہاراجوں اور نوابوں سے بدرجہا بہتر ہوتا اس لئے لوگ انگریز کے حق میں ہوتے چلے گئے اور وہ آسانی سے ایک کے بعد دوسرے صوبے کو اپنی مملکت میں شامل کرتا گیا۔ کہیں چالاکی اور حکمت عملی سے اور کہیں زور بازو سے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ہندوستان کا مالک بن گیا۔

لارڈ کلائیو ہیسٹنگز اور ان کے ماتحتوں نے شروع شروع میں بہت زیادہ لوٹ مار سے کام لیا اور کمپنی بہادر کے فائدے کے علاوہ اپنے ذاتی منافعوں سے دولت کے انبار لگالئے۔ جو بھی ہندوستان سے ہو کر پلٹتا بے حد امیر بن جاتا اور دوسرے کے حسد کا نشانہ بنتا اور یوں طنزیہ طور پر تمام ہندوستان پلٹ انگریزوں کو نواب کہہ کر پکارتے تھے لیکن لارڈ کارنیوالس نے گورنر جنرل بنتے ہی معاملات کی اصلاح شروع کر دی تھی وہ امریکی نو آبادی کھو کر آیا تھا اور اسے اس شکست کا تازہ تازہ غم تھا اس لیے ہندوستان کی نو آبادی کے انتظامی ڈھانچہ کی اصلاح فوری چاہتا تھا اس نے کمیشن سسٹم ختم کیا ملازمین کی تنخواہیں خاطر خواہ بڑھا دیں اور جس کسی کے خلاف بدعنوانی کی شکایت مناسب طور پر ثابت ہو جاتی اسے فورا فارغ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد کمپنی بہادر کے ملازمین کو کان ہو گئے اور وہ سدھرنا شروع ہو گئے۔ بعد میں اور بھی بہت سی اصلاحات ہوئیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ انڈین سول سروس میں کسی قسم کی آلائش اور بدعنوانیاں تو کجا اس کی سوچ سے بھی بالا تر ہو گئیں اور ایک نہایت ہی ایماندار مثالی دیانت کی مالک سروس بن گئی اور تمام دنیا میں انگریز کا فخر ٹھہری۔ پنجاب پہنچنے تک انگریز کی انڈین سول اور پولیٹیکل سروس واقعی ایک بہت ہی اعلیٰ اخلاق اور صلاحیتوں کے مالک افراد کا گروہ تھا جو جہاں پہنچا وہیں اپنی اعلیٰ کارکردگی انتظامی' صلاحیت' شجاعت' انصاف پسندی اور روشن دماغی کی مثال بن کر ابھرا اور انگریزی راج کی انصاف پسندی سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتا۔ اپنے قومی مفادات کا کسی قیمت پر سودا نہ کرتا اور اس کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار رہتا۔ جان دے دیتا اور ضرورت پڑنے پر ظلم کی حدیں پار کر جاتا مگر مجال ہے کہ انسانوں کے درمیان آپس کے معاملات میں ذرہ برابر بھی شعوری طور پر بے انصافی کرے۔

Marfat.com

[library stamp]

اہل کمال کو نہ ملا اک جست میں
وہ اوج جس پہ پہنچے، پہنچ کر جمے رہے

یوں انگریز کا انصاف ضرب المثل بن گیا اور انصاف کی بنیاد پر اس نے ہندوستان بھر میں اور خاص طور پر اپنے آخری فتح کئے ہوئے صوبے پنجاب میں مثالی امن قائم کر دیا۔ اپنے ماہرانہ انتظامات اور بے پناہ صلاحیتوں سے ایسا رعب اور دبدبہ بٹھایا کہ بڑے بڑے سورماوں کے دل دہل جائیں۔ یہ سب کچھ ظلم سے نہیں انصاف کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ کر کیا۔ چھوٹے بڑے کے ساتھ برابری کی سطح پر انصاف کیا مشہور تھا کہ شیر اور بکری کو انگریز نے ایک ہی گھاٹ سے گزار دیا۔

شروع میں ہندوستانیوں کو جمہوریت کا تو حقدار نہیں سمجھا گیا ویسے سمجھتے بھی کیسے کہ ابھی تو ان کے خلاف بر سرپیکار تھے لیکن جونہی ان کا تسلط مستحکم ہوا انہوں نے ہندوستانیوں کی بھی جمہوری تربیت مرحلہ وار شروع کر دی اور اپنی پارلیمنٹ کے اندر اس مسئلہ کو تفصیل سے زیر بحث لاتے رہے اور آخر کار فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی مناسب جمہوری تربیت کر کے وہاں کی حکومت ان ہی کو واپس کر دی جائے گی۔ یہ اور بات ہے کہ یہ تربیت زیادہ دیر تک چلتی رہی شکائتیں بھی ہوئیں گلے شکوے بھی اور پھر لڑائیاں بھی۔ ظلم و تعدی نے بھی اپنا رنگ دکھایا لیکن بنیادی طور پر ہندوستان پہنچنے والا انگریز جمہوری ذہنیت رکھتا تھا اور اس سے اسے مفر نہ تھا۔ ظلم اور زیادتی بھی کرتا تھا لیکن پارلیمنٹ کے احتساب سے گزرتا بھی تھا۔ پشاور کے مشہور ڈپٹی کمشنر نکلسن نے بنوں کے دور دراز علاقے کے ایک

Marfat.com

شخص کو پھانسی پر لٹکا دیا اور اس کی گورنر جنرل سے منظوری کیلئے بعد از واقعہ لکھ بھیجا۔ فوری عمل کی وجوہ بھی لکھ بھجوائیں قانون کے مطابق ضروری تھا کہ پھانسی کی سزا کی منظوری صرف گورنر جنرل ہی دے سکتا تھا اس کے بغیر سزا پر عمل خلاف قانون تھا۔ یہ واقعہ ۱۸۵۷ء سے قبل کا ہے۔ بنوں کا دور دراز علاقہ تھا ابھی ہندوستان میں ریل کا انتظام نہ تھا ہوائی جہاز تو ایجاد ہی نہ ہوئے تھے لندن سے تار کا انتظام نہ تھا آپ سوچ لیں کہ پارلیمنٹ تک اس خبر کا پہنچنا تقریباً ناممکن ہی تھا۔ گورنر جنرل نے منظوری تو دے دی لیکن ساتھ نکلسن کو تنبیہہ بھی کر دی کہ یاد رکھیے ہمیں پارلیمنٹ کو جوابدہی بھی کرنا ہوگی۔ ایسے حالات میں وہ پارلیمنٹ کے احتساب سے بہت زیادہ ڈرتے تھے حالانکہ ان کی پرس کا گمان کم ہی تھا۔ اس لئے کہ وہ اپنی پارلیمنٹ کا دل و جان سے احترام کرتے تھے اور ان کی پرورش جمہوری فضا میں ہوتی تھی۔

ہندوستان پہنچنے والا انگریز پورے یورپ کا نمائندہ تھا اور یورپین تہذیب کا علمبردار اور امین تھا۔ مشرق اور مغرب کا ملاپ ہندوستان کی سرزمین پر ہو رہا تھا۔ ان دنوں میں اور جگہوں پر بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ یہاں کی تہذیب بہت پرانی قدیم اور جامع تھی۔ مسلمان تہذیب نے اسے مزید چار چاند لگا دیئے تھے یورپ نے پچھلی تین چار صدیوں میں بہت زیادہ اور بھرپور تغیر و تبدل دیکھے تھے اور ازمنہ قدیم کی تاریکیوں سے نکلنے کا بندوبست کیا تھا۔ اسلامی تہذیب، فکر و دانش اور علوم و فنون جب اوج ثریا پر تھے تو یورپ ظلمتوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا بادشاہ اور مذہبی پیشوائیت کے بغیر کسی کو سوچنے تک کی اجازت نہ تھی لیکن پندرھویں صدی کے وسط میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور وہاں سے فکر و علم کے ایسے شرارے پھوٹے کہ یورپ روشن ہونا شروع ہو گیا۔ یونان کا فلسفہ منطق اور دیگر علوم مسلمانوں کے ذریعہ بہتر بن کر یورپ واپس پہنچ گئے اور اس کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد بن گئے۔ سوچوں کی نئی نئی راہیں اور روشیں ابھر کر سامنے آنے لگیں اور عامیوں نے خواص کی سوچوں کی اجارہ داریاں ختم کرنا شروع کر دیں۔ روح و قلب کو نیا جلا ملا اور روم ایک دفعہ پھر عقل و دانش اور نئی فکر کا مرکز بن گیا۔ زمین، آسمان، کائنات، انسان اور ہر چیز کی حقانیت اور اصلیت پر سوال اٹھنے شروع ہوئے یونانی جیومیٹری، عرب کے الجبرا اور ہندوستان کی ریاضی نے سوچوں کے نئے نئے شگوفے نکالنے شروع کر دیئے۔ پاپائیت اور کلیسا کی بدعنوانیاں بھی زیر بحث آگئیں۔ پاپائے روم کی زرپرستی اور ہوس اقتدار بھی سوالیہ نشان بن گئے کہ اب انسانوں کے ذہن آزاد ہو رہے تھے۔ پوپ جنت میں داخلہ کے ٹکٹ پیسے لے کر بیچ رہا تھا بشپ اور دوسرے پادری راہباؤں کے

Marfat.com

ساتھ عیاشی کرتے تھے اور ان سب حرکتوں کو مذہب کے نام پر روا رکھتے تھے۔ مذہب کی آڑ میں برائیوں اور گناہوں کی پرورش ہو رہی تھی اس لئے کہ بادشاہوں اور مذہبی راہنماؤں نے مل کر انسانوں کو سوچنے سے منع کر دیا تھا اور حکمران اور مذہبی پیشوا نہایت سختی سے انسانیت کو جکڑے ہوئے تھے۔

اس کے برعکس اسلامی تعلیم آزادی فکر کی علمبردار ہے۔ قرآن تو بار بار سوچنے پر زور دیتا ہے۔ برباد ہونے والی تہذیبوں اور بستیوں کی مثالیں دے دے کر سوچنے پر مجبور کرتا ہے سوچوں کو جلا بخشنے کے لئے نہ صرف خوبصورت تاریخی واقعات پیش کرتا ہے بلکہ ہر بات منطق اور دلیل سے ساتھ کرتا ہے۔ عقیدہ اور عمل کیلئے بھی دلیل سے کام لیتا ہے حقانیت اور تقوی کے لئے ہمت کے ساتھ ڈٹ جانے کو کہتا ہے اور سچائی کی خاطر باپ سے سرکشی کرنے کی اجازت دے دیتا ہے وگرنہ تو ابراہیم علیہ السلام اپنے والد آذر کی بت گری ہی میں پھنسے رہتے۔ اصل میں اسلام ظلم اور جھوٹ کے خلاف ڈٹ جانے ہی کا نام ہے۔ اسلام جھوٹ کے خلاف بغاوت کرنے کو کہتا ہے اور حق کی خاطر لڑنے مرنے کا درس دیتا ہے۔ نمرود اور فرعون کی طاقتوں کے سامنے ڈٹ جانے کا نام ہی اسلام ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام میں ملوکیت آ جانے کے بعد بادشاہوں نے حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی اور ان کی بیوروکریسی مفتی ملانے بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر صحیح سوچ کی پذیرائی نہ ہونے دی لیکن مسلمان کلچر میں اولیاء اللہ نے آزاد فکر بالکل ختم نہ ہونے دیا۔ معتزلہ نے تو اس پر بہت زیادہ سختی سے کام کیا۔ یونانی فلسفہ اور سائنس کے عربی فارسی تراجم نے بھی تازہ فکر کو مسلمانوں میں زندہ رکھا بادشاہوں اور ملاؤں نے اس کی زیادہ ترقی تو نہ ہونے دی لیکن اولیاء اللہ کی برکت سے یہ زندہ ضرور رہ گیا تھا۔ مسلمانوں کی آمد کے بعد یورپ کی نشاۃ ثانیہ اسی کا نتیجہ تھی اور وہاں پر نشاۃ ثانیہ اور توانا فکر کی واپسی کے ساتھ پوپ اور مذہبی پیشواؤں کی زیادتیاں ظلم اور تاویلیں زیر بحث آ گئیں خاص طور پر پادری مارٹن لوتھر نے پاپائے روم کی اتھارٹی کو مختلف سوال اٹھا کر لوگوں کی نگاہ میں بے وقعت کر کے رکھ دیا اور اس کے طلسم کو پاش پاش کر دیا۔ پوپ نے مارٹن لوتھر کو عیسائیت سے خارج کر دیا اور پھر کیا تھا کہ بہت سے عیسائی علماء اور لوگ مارٹن لوتھر کے ساتھ ہو گئے۔ عیسائیت رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں میں تقسیم ہو گئی اور مذہب کے اندر اصلاح کی ایک زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اس تحریک کو وہ Reformation کا نام دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں تو پہلے ہی خارجی باطنیہ اور معتزلی تنازعات اٹھ چکے تھے فتنہ فساد کے بعد امام غزالی ایسے مفکرین نے اس نیرنگی خیال کا علاج بھی نکال لیا تھا لیکن عیسائیوں میں اس تقسیم نے بہت سی خوفناک جنگوں کی شکل اختیار کر لی۔ دونوں طرف سے جبر، ظلم انتہا پسندی

Marfat.com

اور دہشت گردی کی انتہا ہوگئی۔ یورپ کے مختلف بادشاہوں نے بھی ان فرقہ وارانہ جنگوں میں حصہ لیا اور مخالفین کو زندہ جلایا' سولیوں پر لٹکایا اور آہستہ آہستہ موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے نہایت ہی عبرت ناک طریقے ایجاد کئے۔ زبردستی مذہب تبدیل کروائے اور ایک نہایت ہی ہولناک صورت حال پیدا کر دی۔ مذہبی عقوبتوں سے ڈر کر لوگ بھاگنا شروع ہو گئے اور اپنی نئی دنیا بسالی۔ امریکہ کنیڈا اور بہت سے دوسرے جزیروں کی طرف بھاگ گئے اس طرح مذہب ہر شکل میں ایک مصیبت اور انسانیت کش شے نظر آنے لگی۔ آزاد فکر نے جہاں فلسفہ سائنس جغرافیہ اور دوسرے علوم کے نئے نئے باب کھولے وہاں پر مذہب کی اجارہ داریوں اور بدعنوانیوں کے پردے بھی چاک کئے اور آخر کار فرقہ وارانہ قتل و غارت کو جنم دیا انسان جب سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ تو پھر گائے بھینس کی طرح ظلم کو خاموشی سے نہیں سہہ سکتا۔ پیشوائیت کے مظالم کے سامنے جب تک انسان خاموش رہا معاملات آرام سے چلتے رہے لیکن ذرا حق کے لئے اور حق کے ساتھ زبان کھولی نہیں تو ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے گئے مگر حضرت انسان ہے کہ اپنے ہی شعور سے مجبور ہے اس نے مقابلہ خوب کیا اور پورے یورپ کی سوچوں اور رویوں کو بدل کر رکھ دیا دل دماغ روشن ہوتے گئے اور ظلم و تعدی کے خلاف سینہ سپر ہوتے گئے۔

یہ بہت لمبی کہانی ہے یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ ہندوستان پہنچنے والا انگریز ان تجربات میں سے گزر چکا تھا اور مذہبی انتہا پسندی اور عدم رواداری کے عذاب سے خوب واقف تھا۔ جمہوریت' آزاد خیالی اور اصلاحی جذبوں کے اثرات کو سمجھتا تھا کیونکہ اس کے اپنے معاشرہ کی یہ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ یہ سب کچھ اس کی سوچوں اور شخصیت کا محور تھا۔ اپنے مذہبی پیشواوؤں کے سخت انتہا پسند سنگدلانہ رویوں سے متنفر ہو چکا تھا۔ مذہب اور ملوکیت کے امتزاج کا سخت مخالف بن چکا تھا۔ اپنے مذہب کے انتہا پسندوں سے دلبرداشتہ ہو کر دوسرے مذاہب کو بھی اسی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسلام کے متعلق خاص طور پر اس کا ذہن بہت متعصب تھا اور صلیبی جنگوں کی یادیں اور نفرتیں اس کے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوتی تھیں حالانکہ صلاح الدین ایوبی کی اعلیٰ ظرفی اور عفو و درگزر ان کے اپنے ہاں بھی ضرب المثل بن چکی تھی لیکن اس کے باوجود اپنے ہاں کے مذہبی تعصبات اور ظلم کی وجہ سے بدظن ہو کر تمام مذاہب ہی کو وہ اپنے ایسا ہی سمجھنے لگے تھے کہ اس میں اور اس طرح کے تعصبات کے اضافے میں اگرچہ ملوکیت کے زیر اثر تنگ نظر ملاؤں اور ملاؤں کے عمل نے بھی کمی نہیں چھوڑی تھی لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے ہاں یورپ ایسی مذہبی تنگ نظری اور تشدد جیسی کبھی صورت اختیار

Marfat.com

نہیں کی گئی۔ مسلمانوں میں بادشاہت کے باوجود عفو و درگزر اور رواداری ہی کی روایت رہی ہے کیونکہ مسلمانوں کیلئے خود حضور اکرم ؐ نے اس کا مکمل مثالی نمونہ اپنی حیات پاکیزہ سے مہیا کیا ہے فتح مکہ کا عفو عام ہمیشہ مسلمانوں کے عمل کو بھرپور انداز میں متاثر کرتا رہا ہے آپ کی ذات کو خود خدا نے رحمت للعالمین کے لقب سے پکارا ہے اور خود آپ کی ذات اقدس عملی اسوہ حسنہ ہے قرآن مجید میں نہایت ہی وضاحت سے اور بار بار جبر سے منع کیا گیا ہے۔ لااکراہ فی الدین جب کبھی خود آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور کافروں کے رویہ سے دل برداشتہ ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی حکم پہنچ جاتا کہ آپ کوئی جوابدہ نہیں ہیں آپ کیوں غم کرتے ہیں آپ کا کام تو صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے اصلاح کامیابی یا ناکامی صرف اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے اور وہ بھی اس کا خاص کرم ہے کہ جس کو وہ ظلمت میں سے نکال کر نور کی طرف لے آئے۔ تبلیغ اسلام کے لئے جبر سے ممانعت کے واضح احکام کے علاوہ تبلیغ کے لئے نہایت ہی واضح احکام موجود ہیں جن میں سب سے زیادہ زور تالیف قلوب اور فکری طور پر قائل کرنے پر ہے۔ اسلام کا ہر مبلغ خطیب اور مفتی ملا اسی لئے تو اپنا ہر خطبہ ان ہی الفاظ پر ختم کرتا ہے کہ وما علینا الا البلاغ کہ ہمارے ذمہ صرف اور صرف بات کو پہنچا دینا ہے۔ اس طرح اسلام اور مسلمانوں نے عملی طور پر جبر اور تشدد کی نفی کر کے اسے اپنی زندگی اور سوچ کا محور بنا دیا تھا۔ بادشاہوں اور ان کی بیوروکریسی کے باوجود مسلمان کی زندگی تشدد گریز رہی تھی ہر طرف رواداری ہی رواداری تھی جبر و اکراہ کو نزدیک نہیں پھٹکنے دیتے خاص طور پر اولیاء اللہ تو محبت و شفقت کے بحر بیکراں تھے۔ ان کی محبت و الفت سے سرشار زندگیوں اور تبلیغ ہی کی وجہ سے اسلام کی اشاعت ہوئی تھیں۔ اگر اسلام کی وسعت تلوار اور سختی سے ہی ہونا ہوتی تو پھر ہندوستان میں تو کوئی بھی ہندو نہ بچتا۔ مسلمانوں نے صدیوں یہاں حکومت کی تھی مگر مجال ہے کہ اسلام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ایسی کوئی سختی کی ہو۔

لیکن تعصب اور تجربہ عجیب عجیب رنگ لے آتا ہے۔ یورپ کی خونی مذہبی جنگوں نے وہاں کے باسیوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ یہ سمجھنے تک سے قاصر تھے کہ کوئی مذہب ایسا بھی ہو سکتا ہے جو رواداری دکھا سکے۔ لہٰذا ہندوستان پہنچنے والے انگریز کا ذہن سیکولر تھا روایتی مذہب سے گریزاں تھا فکر کی آزادی کا بوجوہ حمایتی تھا کچھ لوگ اس سے مختلف بھی ضرور تھے لیکن اوسط سوچ یورپی انقلاب کی وجہ سے اسی نہج پر تھی۔ نشاۃ ثانیہ کی آزادی فکر و اظہار کی تحریک نے ان کے ذہنوں کے زنگ کو اتارنا شروع کر دیا تھا پندرھویں اور سولھویں صدیوں کے مفکرین اور علماء نے زمین و آسمان کی حقیقتوں کو

Marfat.com

تلاش کرنا شروع کر دیا تھا۔ سائنس دانوں نے مادی ذرات کے دل چیرنا شروع کر دیئے تھے گلیلیو نے ثابت کر دیا کہ زمین کی شکل گول ہے تو اسے سولی کی سزا کا حکم بھی ہو گیا بیچارے نے معافی مانگ کر جان بچائی مگر حقیقت کو منکشف کر گیا۔ ریاضی اور سائنس نے مادہ کی تہ تک پہنچنا شروع کر دیا سترہویں اور اٹھارویں صدی تک تو طبیعیات' ارضیات' جغرافیہ' حیوانیات' کیمیا اور اسی طرح کے تمام علمی میدانوں میں ایک زبردست انقلاب برپا ہوا اور انسانی ذہن تھے کہ علم و سائنس کے نور سے منور ہو رہے تھے اہل یورپ کو خود اپنی جہالت اور لاعلمی کی فضا میں رہنے پر حیرت ہو رہی تھی۔

یہ اسلامی تہذیب سے ملاپ ہی کا نتیجہ تھا کہ یورپ کے اندھیرے روشنیوں میں تبدیل ہو رہے تھے۔ مگر خود اسلامی دنیا جمود کا شکار ہو کر وہیں کھڑی ہو گئی تھی جہاں سے یورپ لمبی نیند کے بعد بیدار ہو رہا تھا سائنسی علوم نے ذہنوں کو روشن کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں عملی زندگی میں بہت زیادہ مدد بہم پہنچانا شروع کر دی۔ کائنات' ہوا' پانی اور دوسرے اجزاء کو اپنے علم سے مسخر کرتے گئے۔ فنون حرب اور جنگی سازوسامان کی تیاری میں بھی سب سے آگے نکل گئے اور ایسے ایسے ہتھیار بنانے شروع کر دیئے کہ دوسری قوتیں ان کے سامنے ہیچ نظر آنے لگیں۔ بڑے بڑے بحری جہاز بنانے اور چلانے کے ہنر ایجاد ہوئے کہ ان کے سامنے دنیا ہی سکڑ کر رہ گئی کولمبس نے سوچا کہ اگر زمین گول ہے تو مشرق میں واقع ہندوستان مغرب کے راستہ سفر کرتے ہوئے نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ پہنچا جا سکتا ہے یہ اس وقت کے تازہ تازہ سائنسی نظریہ پر یقین کا سفر تھا کولمبس کو کیا معلوم کہ ہندوستان پہنچتے پہنچتے وہ امریکہ کی ایک کئی گنا وسیع اور دولت سے مالا مال نئی دنیا ڈھونڈ نکالے گا۔ یہ دریافت بھی اس لئے ممکن ہوئی کہ انسان نے اپنی ذہنی اور فکری قوتوں کو پہچان کر اسے بروئے کار لانا شروع کر دیا تھا فرانسس بیکن ایسے دانشوروں نے جس مشاہداتی علم پر زور دینا شروع کیا تھا اس نے سائنس کی دنیا میں پہنچ کر ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا اٹھارہویں انیسویں صدی تک تو یورپ کا کوئی ہمسر ہی نہ رہ گیا تھا۔ ساری دنیا ہی ان کے علوم کی وجہ سے ان کی پہنچ اور گرفت میں تھی۔ فکر و دانش کی آزادی نے انہیں مذہبی تنگ نظری سے آزاد کیا مذہبی جنون کے نتیجہ میں خون ریزی نے انہیں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کیلئے انسانی بنیادوں پر اخلاقی اور سائنسی علوم کی تلاش پر لگا دیا اس فکر کے نتیجہ میں بادشاہتیں ہل کر رہ گئیں۔ ملوکیت اور پیشوائیت کے در و بام ہلانے کے بندوبست ہوئے اور انسان کے لئے انسانی بنیادوں پر روشن خیالی کی تحریک نے جنم لیا سائنس تو مادی دنیا میں اپنے عجوبے دکھا رہی تھی مگر عمرانی اور معاشرتی میدان میں بھی نئے اور جاندار فلسفے اور سوچیں جنم لے رہی تھیں۔ ہوب (Hobbs)

Marfat.com

نے کاروبار حکومت کو عمرانی معاہدہ کا نظریہ دے کر بادشاہوں کے خدائی حق پر ضرب کاری لگائی۔ روسو ایسے روشن دماغ مفکروں نے انسانوں کے بنیادی حقوق کی بات اس زور اور قوت سے کی کہ اہل یورپ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ بادشاہوں اور پادریوں نے مل کر انسانوں کو غلام رکھنے کے لئے جو افسانے گھڑ رکھے تھے ان کی ایسی بنیادیں ہلائیں کہ صدیوں پر محیط غلامی کی پرشکوہ عمارتیں چشم زدن میں زمین بوس ہو گئیں۔ آزاد منش مفکروں نے اخلاقی' سیاسی' انسانی اور عمرانی سوچوں کو نئی نئی جہتیں دے کر توانائی بخشی جس نے بوسیدہ نظام کی کایا پلٹ دی۔ انسان اپنے غصب شدہ حقوق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے جیلوں کی اونچی اونچی دیواریں گرا دیں اور انسانیت کے پاوں سے غلامی کی زنجیریں کاٹ کر رکھ دیں اور مشہور زمانہ انقلاب فرانس بپا ہو گیا۔ ۱۷۸۹ء کے اس انقلاب نے انسان کی انسان کے سامنے غلامی کا بت پاش پاش کر دیا اور ظالم بادشاہ کو سب دنیا کے سامنے طرفہ تماشا بنا دیا۔ انقلاب اور تغیرات دکھ درد اور رنج والم بھی ساتھ لاتے ہیں کہ ہر نیا جنم تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ماں کو کراہنا ہی پڑتا ہے کہ اس سے ایک نئی زندگی آتی ہے۔ پہلی زندگی بکھر گئی بہت سوں کو تکلیف بھی ہوئی اور بہت سوں کو مسرت بھی کہ تاریخ عالم کا ایک نیا باب کھل رہا تھا۔ شروع شروع کی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے بعد اسی انقلاب کی گود سے نپولین ایسے حکمران ابھرے جس کی جرمن آمد پر ہیگلز ایسا فلسفی پکار اٹھتا ہے کہ وہ لمحہ تاریخ کی انتہا اور معراج تھی کہ انسانی کشمکش ختم ہو گئی۔ غلامی اور ظلم کی زنجیریں ٹوٹ گئیں اور انسانیت جیت گئی مگر یہ اس عظیم فلسفی کی بھول تھی تاریخ کا پہیہ چلتا رہتا ہے نیکی اور بدی ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں اور پھر آپ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا یورپ میں ہوا اور ساری دنیا میں ہوا یہ تو تبھی ممکن ہے کہ سب لوگ اللہ کے بتائے ہوئے اخوت و مساوات کے ابدی راستے پر چل پڑیں یہ سبق تو باری تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا تک بہت عرصہ پہلے پہنچا دیا تھا لیکن انسان ہے کہ خلافت الٰہیہ کا بوجھ اٹھا نہیں سکتا وہ اپنی ہی ذات اور انا میں کھو کر اپنی ہی پوجا کے بندوبست کرنا چاہتا ہے ملوکیت لے آتا ہے حسین کو شہید کر دیتا ہے حسین خون دے کر حقانیت کی یاد تازہ کر جاتا ہے انقلاب فرانس نے بھی مساوات اور اخوت ہی کی مراجعت کی تھی اور ہیگلز ان کو معراج اور تاریخ کی انتہا کہتا ہے مگر یہ معراج صدیوں پہلے انسانوں تک پہنچ چکی تھی اس کے باوجود ابن آدم ہے کہ بھٹکتا ہی رہتا ہے کہ اس کا آغاز ہی بھٹکنے سے تھا۔ شجر ممنوعہ کی طرف جا کر نافرمانی کا مرتکب ہوا۔

ممکن تھا کہ ختم ہو جاتا لیکن یہ تو مشیت ایزدی تھی کہ تاریخ نے رواں دواں رہنا تھا اور پھر اس کا کمال کرم تھا کہ اس نے کہہ دیا کہ ہمارے بھٹکنے والے آدم اور اس کی اولاد تمہارا پروردگار رحیم و کریم ہے تجھے

Marfat.com

تیرے شعور کے فتنہ سے بچانے کے لئے تیری راہنمائی کا بندوبست ضرور کرے گا فائدہ اٹھائے گا تو فلاح پائے گا وگرنہ بھٹکتا رہے گا۔ یہی تاریخ کا وطیرہ ہے ۱۸۱۵ء میں تاریخ کی معراج اور انتہا نہیں ہوئی تھی یہ تو بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور اس دن ہوئی جب فرما دیا کہ اب تمہارا دین اللہ نے تمہارے لئے مکمل کر دیا کہ یہی وہ ابدی اصول ہے جو ہماری فلاح کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ آج کل بھی یوکوہاما ایسے دانشور سوویت یونین کی شکست پر اسے تاریخ کی انتہا کہتے ہیں لیکن یہ ان کی بھول ہے۔

ایک امریکی دانشور Hutington نے تاریخی انتہا کے نظریے کی فوری نفی بھی کر دی ہے اور اسلام کو مستقبل کا خطرہ گردان کر کہتا ہے کہ اب تہذیبوں کی کشمکش اور چپقلش ہوگی اور تاریخ کا پہیہ چلتا رہے گا۔ تہذیبوں کا ملاپ اور تصادم ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اور ایسی تہذیب جس کے اندر تازگی فکر اور لچک موجود ہو وہ جیت جاتی ہے اور بوسیدہ اور جمود کا شکار تہذیب زیر ہو جاتی ہے۔ بہت سی تہذیبیں اپنے ظلم و جور اور اخلاقی انحطاط کی وجہ سے مکمل طور پر تباہ ہو جاتی ہیں ان کی یادیں ہی رہ جاتی ہیں کہ انسان سبق حاصل کر سکیں۔ قرآن مجید کتنی تباہ شدہ بستیوں اور تہذیبوں کی مثالیں دے دے کر ہمیں صحیح سوچ عقیدہ انصاف اور عمل صالح کی طرف بلاتا ہے کہ ہم تاریخ سے سبق سیکھ سکیں۔

بات ذرا دور نکل گئی میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ ہندوستان آنے والا انگریز عمرانی معاہدہ کی سوچ 'روسو کی بانگ آزادی اور انقلاب فرانس کے اثرات کا ادراک لے کر آ رہا تھا جس نے اس کی زندگی اور سوچ پر گہرا اثر ڈال رکھا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ امریکہ میں بسنے والے آباد کاروں نے انگریز بادشاہوں کے مظالم اور بے انصافیوں کے خلاف کامیاب بغاوت کی تھی۔ فرانس کے بادشاہ مخالف انقلابیوں نے ان آزادی کے متوالوں کی مدد بھی کی تھی اور انہیں آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا تھا۔ انگریز ذہن کو معلوم تھا کہ حد سے بڑھا ہوا ظلم' بے اعتدالی اور بے انصافی بغاوت کو جنم دیتے ہیں اور آخر کار نقصان ہوتا ہے۔ اور باتوں کے علاوہ اس کا سب سے زیادہ اثر لارڈ کارنیوالس جو امریکہ میں انگریز بادشاہ کی طرف سے برسرپیکار رہ کر شکست کھا کر آیا نے قبول کیا اور ہندوستان میں گورنر جنرل بنتے ہی کمپنی بہادر کے اہلکاروں کو درست کرنے پر لگ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ کرپشن میں غلطاں طبقہ زیادہ دیر تک حکومت کرنے کے خواب نہیں دیکھ سکتا۔ عدل و امن ہی وہ واحد راستہ ہے جو کسی حکومت کو استحکام بخش سکتا ہے۔ محض مالی وسائل جتنے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں وہ قوت کا قطعا ذریعہ نہیں بنتے۔ ہاں معاشی عدم مساوات اور ناانصافی تباہی لانے کی رفتار کو تیز ضرور کر سکتی ہے۔

Marfat.com

کوئی چیز' کوئی فوج 'کوئی ہتھیار 'کوئی حربہ صرف اور صرف اسی وقت کار آمد ہے جس وقت تک انسانوں میں عدل کے ذریعہ توازن رکھا جا سکے۔ جس وقت وہ توازن ڈولتا ہے تو سب کچھ ہی ڈول جاتا ہے۔

لہٰذا ہندوستان آنے والے انگریز کے شعور کے کسی کونے کھدرے میں انقلاب فرانس اور امریکی آزادی اور اس کی وجوہات ضرور موجود تھیں۔ آزادی فکر و دانش نے جو مسلمانوں ہی نے یورپ تک پہنچائی تھی نے کتنے ہی بند دروازے تھے جو کھول دیئے اور اس وقت کا یورپین اور انگریز ان تمام اثرات اور مشاہدات کا ایک ملغوبہ بن چکا تھا۔ علوم و فنون کی حیران کر دینے والی ترقی نے بہت سے میدان مارے تھے لیکن ادویات کی نئی نئی ایجادات نے تو کمال کر دیا۔ انگریزوں کی فتوحات میں ان کی میڈیکل سائنس نے بھی ان کی بہت مدد کی۔ ہندوستان پہنچنے پر یہاں کے راجوں' مہاراجوں' نوابوں اور امراء اور ان کے بچوں کا تیر بہدف علاج انگریز ڈاکٹروں نے کر کے ایسے لوگوں کو بہت متاثر کیا اور وہ ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور سوچوں کے گرویدہ ہو گئے۔ ان کی زود اثر دوائیوں سے مرعوب ہو کر ذہنی طور پر ان کے مطیع و مرید ہونا شروع ہو گئے۔ بعد میں جب انگریز فوجیں حملہ آور ہوتیں تو وہاں کی مقامی آبادی میں انہیں بہت سے اپنے ہمدرد اور ہم خیال مل جاتے۔ اس طرح کا زیادہ تر کام ڈاکٹروں اور مشنریوں نے کیا اور اس سے ان کے لئے اپنی فتوحات میں آسانی ہو گئی۔ ہتھیاروں سے جسموں کو نڈھال کرنے سے زیادہ ذہنوں کو اپنی طرف مائل کر لینا زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ یہ بھی علم اور سائنس ہی کا کرشمہ تھا جس سے مقامی آبادی اور حکمرانوں پر انگریزوں کی خوب دھاک بیٹھ گئی تھی۔

منتشر' بدمست اور اخلاق باختہ' ایک دوسرے سے دست و گریبان اور مسلسل برسرپیکار حکمران ٹولہ جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے ہندوستان میں کھیل کھیل رہا تھا وہ ذہنی طور پر انگریز کے مقابلہ میں پہلے ہی تہذیبی کشمکش کی جنگ ہارا ہوا تھا۔ فوج کشی تو ایک رسمی کارروائی تھی۔ سیاسی 'عمرانی 'اخلاقی 'معاشرتی بدحالی نے انہیں پہلے ہی کمزور کر رکھا تھا۔ انگریزوں کے پاس اپنے علوم و فنون کی وجہ سے بہتر ہتھیار ہی نہ تھے بلکہ کمال کا ذہن بھی تھا اور ان کے اقتدار کے پروان چڑھنے میں بھی لگاتار ایک کے بعد دوسرے انقلابات کا اثر موجود تھا۔ بہتر اسلحہ' بہتر نظم و ضبط' بہتر علم' بہتر نظام' بہتر ذرائع آمد و رفت' بہتر مالیات اور بے انتہا قومی تفاخر کہ ہر شخص اپنی قوم کے اندر اس کے نظام کا اپنے آپ کو حصہ دار سمجھتا تھا۔ ان سب امور کی موجودگی میں ان کی فتح کوئی زیادہ عجوبہ بھی نہ تھی بہرصورت اس کے پیچھے ایک پوری تہذیب اور تازہ انقلاب کی توانائیاں موجود تھیں۔ بھاپ کے

Marfat.com

انجن اور دوسری سائنسی ایجادات نے ان کی زندگیوں کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ ان کی پیداواری صلاحیت سائنسی مشینوں کی وجہ سے محیرالعقول حد تک بڑھ گئی تھی۔ اس کی لاگت بھی بہت کم ہوتی دستکار اور مزدور اس کا مقابلہ کیسے کر سکتے تھے۔ ہندوستان کی صنعت و حرفت تو اس کا مقابلہ کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ صنعتی انقلاب کی وجہ سے یورپین کے مقابلہ میں ایشیاء کے لوگ اور حکمران ٹھہرہی نہیں سکتے تھے۔ ریل گاڑی اور دخانی بحری جہازوں نے ذرائع آمد و رفت میں بھی ایک معجزہ کر دکھایا تھا۔ تجارتی سامان اور وہ بھی بے حد و حساب مقدار میں فورا ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا۔ مشینی پیداوار سستی بھی تھی اور دلکش بھی۔ جہازوں کی وجہ سے ساری دنیا ہی انگریزوں کی منڈی بن گئی۔ دخانی جہازوں کے ذریعہ اپنی فوجیں بھی محیرالعقول رفتار کے ساتھ جس ساحل پر چاہتے لا کر کھڑا کر دیتے۔ سائنس دانوں نے ان کی توپیں بھی سب سے بہتر اور دور مار بنا دی تھیں۔ اب کیا تھا کہ کون ان کے سامنے دم مار سکتا تھا۔ فوجی غلبہ بھی ان کا' معاشی غلبہ بھی ان کا فکر و دانش کا میدان بھی ان ہی کا کہ اتنے انقلابات کی سوچوں کے اثرات کے امین وہ تھے۔ دانائی اور دانش سب کچھ دوسروں کو مرعوب کرنے کیلئے کافی تھا پھر بھی کوئی نہ مانے تو توپ سوار جہاز حریف کے ساحل سمندر پر پہنچ جاتے' پہنچ جانا ہی کافی تھا کہ غنیم ڈر کر سرنگوں ہو جاتا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریز کی گن بوٹ ڈپلومیسی ہر جگہ کامیاب تھی۔ لیکن اس فوجی اور مالی طاقت کے غلبہ کی سٹیج تک پہنچنے میں سب سے زیادہ کلیدی کردار اس عقل و دانش کا تھا جسے آزادی فکر و اظہار نے مہمیز لگائی تھی۔ انگریز کو قوت اس کے مالی وسائل نے نہیں دی تھی بلکہ تمام مالی وسائل اور قوت اس فکر و دانش کی وجہ سے آئی تھی جو یورپ کے ساتھ اسلامی تہذیب کے اتصال کی وجہ سے علمی برتری کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ مالی وسائل اور کثرت دولت انحطاط کا تو باعث بن سکتے ہیں لیکن اگر سوچ صحیح نہ ہو تو کبھی بھی طاقت کا سرچشمہ نہیں بن سکتے۔

مغلیہ سلطنت کی تباہی کثرت وسائل اور ان کی وجہ سے عیش و عشرت کی زندگی سے ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ بھی تو ان کی حرارت ایمان اور توانا سوچ ہی تھی کہ پوری دنیا ان کے آگے جھک گئی۔ دنیا مسخر ہوئی تو وسائل بھی آ گئے اور پھر وسائل اخلاق کو بہا کر لے گئے۔ اخلاق کی دولت چھنتے ہی ہر قسم کا ضعف آ وارد ہوا۔ تاریخ کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں تاریخ کے دھارے انسان موڑتے ہیں وسائل نہیں۔ انسان مختار ہے' آقا ہے اور وسائل اس کے غلام "ابن آدم جب انسان بنتا ہے تو تمام مادی عناصر اس کے غلام ہو کر اس کے ارد گرد رقصاں ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے انحطاط

Marfat.com

دور کا آغاز ان کے صاف ستھرے سیدھے سادھے دل پذیر حقیقی اور سچے عقیدہ میں ملاوٹ سے ہوا۔ مصلحتوں اور ریاکاریوں نے طاقت نہیں 'ضعف پیدا کیا اور پھر ایسے گرے کہ نشان نہیں ملتا تھا۔ ذہن جکڑے ہوئے تھے ظلم کی چکی میں پس رہے تھے ملوکیت اور پیشوائیت بوجھ تھی۔

علم و دانش کی روشنی نے یورپ آنا تھا کہ ہر طرف نئی سے نئی توانائی تخلیق ہونا شروع ہو گئی۔ علم و عرفان اور عقل و دانش نے مردہ یورپ کے اندر ایک نئی روح پھونک دی اور پھر کیا تھا کہ ساری دنیا اس کے آگے سرنگوں تھی۔ ایشیاء' افریقہ' آسٹریلیا سب ہی اس کے غلام تھے اور وہاں کے خزانے ان کی صوابدید پر تھے۔ خزانوں سے علم اور عقیدہ نہیں ملتا' ہاں علم اور عقیدہ آپ کو خزانوں کا مالک ضرور بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد جب تک آپ عادل و امین رہتے ہیں آپ کو غلبہ اور وقار ملتا رہتا ہے جس وقت خیانت اور بے انصافی آتی ہے اسی وقت آپ کا زوال شروع ہو جاتا ہے آخرت تو اپنی جگہ مسلمہ ہے لیکن اس دنیائے فانی کا بھی بنیادی اصول امانت و دیانت ہی ہے کہ یہی اصل میں راہ فلاح ہے۔ اس دنیا میں مادی وسائل اہم ضرور ہیں لیکن انسان اور اسکے عقیدہ سے زیادہ معاشیات اہم نہیں ہے۔ انسان اس سے کہیں زیادہ محترم ہے۔ معاشی جنت کی تلاش میں سرگرداں نمرود' فرعون اور قارون موت کے منہ میں پہنچتے ہیں۔ خواری اور ذلت ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ اہل ایمان قیصرو کسریٰ کے جانشین ہوتے ہیں۔ جن کی زندگی فقر کی اور موت فخر کی ہوتی ہے۔ کوئی آلائش نزدیک نہیں آنے دیتے جو کچھ بھی ہوتا ہے تقسیم کر دیتے ہیں اور لولاک کے مالک بنتے ہیں۔ یہی اصل کامیابی ہے یہاں بھی اور وہاں بھی۔ یہ تو بات ہے اہل ایمان کی کہ وہ سب سے اعلیٰ وارفع ٹھہرتے ہیں۔ عقل بھی ان کی باندی ہوتی ہے وہی لوگ جو مادی وسائل سے زیادہ عقل و دانش کی راہ اپناتے ہیں کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ معاش اور وسائل علم و عقل مسخر کر لیتے ہیں اور مجرد مادہ پرستی ہر چیز کو تباہ کر دیتی ہے۔ انگریز نے بھی عقل کے ذریعہ علم کے باب کھولے اور دنیاوی کامیابی حاصل کی اور وہ یہ سب کچھ ان انقلابی سوچوں کے اثرات اور جمع شدہ فکری سرمایہ کو لے کر ہندوستان چلا آیا کہ ان دو تہذیبوں کے ٹکراؤ اور ملاپ سے ایک جہان نو پیدا ہونے والا تھا۔

Marfat.com

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ

اس تہذیبوں کے ملاپ اور ٹکراؤ کے نتیجہ میں اچھائیوں کے پہلو بھی نکلنے تھے اور بہت سی خرابیوں نے بھی لازماً جنم لینا تھا۔ ہندوستانی تہذیب ایک دوراہے پر آکھڑی ہوئی تھی اور اس کی کیمیا گری میں بہت سی بنیادی تبدیلیاں ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ اس صورت حال میں اسلامی تہذیب خاص طور پر دوہرے دباؤ کا شکار تھی۔ اس کا اپنا ایک منفرد اور علیحدہ رنگ روپ تھا۔ جامع ضابطہ حیات اس کا سرمایہ تھا مگر اس پر ہندو تہذیب نے بھی کچھ مقامی رنگ چڑھائے تھے اور اس کے اپنے پرتو ہندو کلچر پر بھی اثر انداز ہوئے تھے لیکن نئی آنے والی نہایت ہی توانا تہذیب ہر دو پر بھاری نظر آ رہی تھی۔ ان کے علمی خزانے بہت ترقی کر کے اسے بہت سی کامیابیوں سے ہمکنار کر چکے تھے۔ ان کی حربی قوت نے تو پہلے ہی اپنی دھاک بٹھالی تھی کہ وہ فتح یاب تھے۔ سائنسی علوم کے کرشموں نے خاص طور پر میڈیکل سائنس اور ان کی زود اثر ادویات نے ہر کسی کو متحیر و مرعوب کر دیا تھا۔ عقل و دانش اور کاروباری برتری کے علاوہ جنگ و جدل کے میدان میں بھی انہوں نے اپنی شجاعت کی دھاک بٹھالی تھی۔ یہ سب کچھ ان کی قلب و روح اور اذہان کی آزادی نے پچھلے دو سو سال کی جدوجہد میں انہیں دے دیا تھا اور نتیجہ یہ نکلا کہ انیسویں صدی کے آغاز میں جب وہ دلی تخت کو اپنا پنشن خوار بنا چکے تو

Marfat.com

ہندوستان کے حیرت زدہ عوام نے ان سفید فام انسانوں کو ذہنی طور پر اپنے سے برتر محسوس کرنا شروع کر دیا۔

یوں انگریز مزید پر اعتماد ہوتا چلا گیا اور ہندوستانی احساس کمتری کا شکار۔ کیوں نہ ہوتا کہ جب انگریز نے اپنا تسلط بڑھایا تو اس سے پہلے ہی ہندوستانی معاشرہ اور حکومت انحطاط پذیر ہو چکے تھے۔ بلکہ انگریز کی کامیابی کی اصل وجہ ہی یہ تھی۔ سارے ملک میں افراتفری اور طوائف الملوکی تھی' لاقانونیت ہر سو تھی امراء عیش و عشرت میں غرق تھے اور اخلاقی تنزل تحت الثریٰ کی حدیں چھو رہا تھا۔ مذہبی تفرقہ اور تشدد نے لوگوں میں عجیب و غریب نظریات کو جنم دے رکھا تھا۔ بھوک اور بگڑے ہوئے مذہب نے انسانیت کشی کے لئے عجیب و غریب رنگ اپنا لئے تھے۔ ٹھگی' ڈکیتی کا مکمل راج تھا سفر غیر محفوظ تھا اور کوئی ایک جگہ سے دوسری جگہ صحیح سلامت نہیں پہنچ سکتا تھا۔ حکومت قانون اور انتظامیہ قسم کی کسی چیز کا وجود نہ تھا۔ نہایت ہی اسرار و رموز کی کیفیت میں کالی دیوی کے نام پر ٹھگوں کا ٹولہ مسافروں' اکادکا بے سہارا لوگوں کو خون بہائے بغیر قتل کرتے اور ان کا سامان لوٹ لیتے۔ کوئی نشان نہ چھوڑتے اور لوگوں میں خود ہی مشہور کر دیتے کہ یہ سب کچھ دیوی دیوتاؤں کی طرف سے ہو رہا ہے۔ وہ لوگوں کو ایسے مارتے کہ خون کا کوئی قطرہ نہ بہے کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ہر قطرہ خون سے ایک انسان جنم لیتا اور دیوی کا (ان کے مطابق) حکم تھا کہ انسانی نسل کو ختم کرنا کار ثواب ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو وہ اس طرح مارتے کہ پھر اس کی جگہ اور پیدا نہ ہو سکے۔ ٹھگ اپنی پراگندہ خواہشات کی تکمیل کے لئے مذہب کا سہارا لے رہے تھے اسی طرح جیسے آجکل روحانی تہی دامنی کی وجہ سے جاپان کا اوم فرقہ اور امریکہ میں کریش کے ماننے والے تھوک کے حساب سے انسانوں کی موت کا اپنے مذہبی نظریہ کے تحت بندوبست کر رہے ہیں۔ ہر زمانے کی انحطاط پذیر تہذیب کے اندر ایسی موت کی تمنا کرنے والے اور خودکشی کے آرزومند گروہ ابھر پڑتے ہیں۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی شکست و ریخت کے وقت یہی صورت حال تھی لہٰذا انگریز نے سب سے پہلے ایسے قضیوں کا علاج سوچا اور امن عامہ کو بہتر بنانے کے اقدامات کئے۔ ٹھگی اور ڈکیتی کو کالی دیوی کے پرستاروں نے ایسی سائنٹفک شکل دے رکھی تھی کہ مجرموں تک پہنچنا تقریباً ناممکن تھا۔ وہ جرم نہایت چالاکی سے کرتے' اپنے شکار کا اچھی طرح اعتماد حاصل کر لیتے پیار محبت سے اس کا دل موہ لیتے سفر میں مددگار بن جاتے اور پھر موقع ملتے ہی اپنا کام نہایت چالاکی سے دکھا جاتے کسی کو کچھ معلوم نہ ہوتا کہ یہ بلا کہاں سے آئی اور کہاں چلی گئی۔ کوئی

Marfat.com

نشانی نہ چھوڑتے اور نہ کوئی شہادت۔ لوگ اسے دیوی کی طرف سے عذاب سمجھ کر خاموش بھی ہو جاتے۔

جنرل سرسلیمن (Saleeman) ایسے خبطی اور باصلاحیت انگریز نے لگاتار بیس سال تک کام کیا اور اس لعنت کی مکمل طور پر بیخ کنی کر ڈالی۔ شاہراہیں اور دریائی راستے محفوظ کر دیئے ٹھگوں کے گروہ در گروہ تختہ دار پر لٹکائے گئے اور ان کے بتانے پر ہزاروں لاشوں اور ان کی ہڈیوں کو ان کے عزیزوں تک پہنچایا گیا۔ انگریز کا یہ ایک ایسا کام تھا کہ جس نے مقامی لوگوں کے دل موہ لیے اور انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ شاہراہوں اور دریاوں کی سلامتی کے لئے سرسلیمن نے جو عملہ کھڑا کیا تھا وہی عملہ آگے جاکر انڈین انٹیلی جنس بیورو کی بنیاد بنا۔ ٹھگی تو ختم ہوگئی لہٰذا انہوں نے اس عملہ کو جاسوسی کے مقاصد کے لیے منظم کر لیا۔ سنا ہے کہ شملہ کے رکشہ والوں کو اگر کہا جائے کہ وہ انٹیلی جنس بیورو لے چلیں تو انہیں سمجھ نہیں آتی کہ یہ کون سی جگہ ہے لیکن اگر انہیں یہ کہا جائے کہ ٹھگی محکمہ لے چلیں تو وہ آپ کو سیدھا بیورو کے دفتر لے جائیں گے۔

انگریز چونکہ اوپر بیان کردہ بہت سے انقلابات زمانہ سے بہت کچھ سیکھ کر آیا تھا تو اسے معلوم تھا کہ مستحکم حکمرانی قائم کرنے کی سب سے اولین ضرورت امن عامہ کا قیام تھا اور اس کی طرف اس نے سب سے زیادہ دھیان دیا۔ ہر قسم کے مجرموں خاص طور پر خطرناک قانون شکنوں کی مضبوط گرفت کا اہتمام کیا۔ فوری سزاوں کا بھی بندوبست کیا لیکن جیسے ہی حالات بہتر ہوئے عدل و انصاف کے منظم اداروں کا جامع انتظام کرنے میں لگ گیا کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ امن عامہ عدل ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ جبر اور فوری سزاوں کا زیادہ دیر تک اثر نہیں رہتا بلکہ اگر جلدی جلدی میں تھوڑی بہت بھی بے انصافی ہو جائے تو پھر بغاوت جنم لیتی ہے اور سارے امن کو بہا کر لے جاتی ہے۔
لہٰذا انہوں نے انتظامی افسران کے لامحدود جوش' جذبہ سے چاہے وہ کتنا ہی نیک جذبہ کیوں نہ ہو' بے انصافی کے شائبہ کو کم کرنے کے لئے اعلیٰ عدالتوں کے قیام کا بندوبست کیا اور انگلستان سے بہتر قانونی دماغ ہندوستان لاکر ان کاموں پر لگا دیئے اور انہوں نے ایسا انصاف مہیا کیا کہ انگریز کا انصاف ضرب المثل بن گیا۔ بہترین وکلاء بھی وہاں سے آئے اور عدالتوں کی مدد کرتے رہے اور یہاں پر بھی قانونی تعلیم کے انتظامات کر کے بہترین وکیل پیدا کئے مشہور و معروف وکیل رہٹیگن وہی رہٹیگن ہے جس کے نام پر لاہور میں ایک سڑک بھی ہے۔ اس کا نام آج تک بھی زبان زد عام ہے۔ پنجابی میں اسے رالیکین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

عدالتوں کا اوپر نیچے درجہ بدرجہ ایک پورا نظام قائم کیا۔ ہندوؤں کے لئے پنڈتوں کا نظام اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ قاضیوں اور مفتیوں کا اہتمام ہوا۔ پرسنل لاء کے نفاذ کے لئے شروع شروع میں ہندو پنڈتوں اور مسلمان قاضیوں کی اپنی اپنی عدالتیں رکھیں لیکن رشوت 'بدعنوانی اور بے انصافی کی عام شکائتیں ہونے لگیں تو انگریز ججوں ہی کو وہ اختیار خود مسلمانوں اور ہندوؤں کے مطالبے اور شور مچانے پر واپس دیئے گئے۔ قاضیوں' پنڈتوں کو اپنے اپنے مذہب کے قوانین کی تفسیر کی حد تک رکھا گیا۔ اختیارات واپس لے لئے گئے اور مشورہ لینے کے لئے رکھ لیا گیا۔ مزے کی بات ہے کہ جب انگریز ججوں کی انصاف پسندی نے بعض معاملات میں ذات پات کی تمیز سے بالا تر ہو کر چھوٹی ذات کے مظلوموں کے حق میں فیصلے دینا شروع کئے تو بڑی ذات کے ہندوؤں نے بہت احتجاج بھی کیا اور خوب شور بھی مچایا۔ ٹھگی اور ڈکیتی کو ختم کرنے کے اقدامات کو مذہب میں دخل اندازی بھی قرار دیا گیا مگر وہ ڈٹے رہے کیونکہ انگریز اس وقت تک ایک بالا تر طاقت تھی اور انہوں نے ان باتوں کی ذرہ برابر بھی پروانہ کی۔ انقلابی دور میں انہوں نے انصاف کے لئے قانون کے آگے ابن آدم کی برابری اور مساوات کا اصول اچھی طرح استعمال کیا نہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ قومیں جو اپنے بڑوں اور چھوٹوں میں امتیاز کر کے بے انصافی کرتی ہیں وہ آخر کار مٹ جاتی ہیں۔ قانون کے سامنے برابری ہی وہ اصول تھا جو قوموں کی زندگی کو دوام بخشتا ہے اور بصورت دیگر تباہی کا باعث بنتا ہے۔ انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کرتے وقت تک یہ سبق اچھی طرح یاد کر لیا تھا کہ اگر ہندوستان میں حکومت کرنی ہے اور عام لوگوں کی نگاہ میں محترم ٹھہر کر استحکام حاصل کرنا ہے تو اس کی حکمرانی کی حکمت عملی کی بنیاد انصاف پر رکھنا ہوگی اور اس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن ہندوؤں کے اندر اونچی ذات والوں نے اس کا بہت برا ماننا شروع کر دیا۔ ستی کے معاملات میں تو بہت زیادہ جذباتی ہو گئے اور بہت سی لڑائیاں بھی کیں شورشیں اور بغاوتیں بھی برپا ہوئیں لیکن انگریز نے ستی کی ظالمانہ اور وحشیانہ رسم کو ختم کر کے ہی دم لیا۔ چیچک ختم کرنے کے لئے انسدادی ٹیکے پر بھی ہندوؤں نے اسے اپنے مذہب میں دخل اندازی قرار دیا۔ چیچک کو وہ ماتا دیوی کی طرف سے سختی اور تکلیف قرار دیتے اور اس کا علاج ماتا کی خوشامد اور مندروں پر چڑھاوا وغیرہ دے کر دور کرنے کا پرچار کرتے۔ انگریز انتظامیہ نے ایسے جھگڑوں اور فسادات پر بھی سخت سزائیں دیں اس طرح اصلاح اور انصاف پر بھی مزاحمت ہوئی کیونکہ انصاف سے مراعات یافتہ طبقات کے مفادات اور اجارہ داریوں پر ضرب کاری لگ رہی تھی اور اس کی حفاظت مذہب کی آڑ میں

Marfat.com

کی جا رہی تھیں۔ اس طرح کی اور بھی شکر رنجیاں تھیں کہ جمع ہو رہی تھیں ان سب جمع شدہ رنجشوں کو ۱۸۵۷ء کے واقعات نے ابل کر باہر نکلنے کا موقع دیا لیکن وہ روداد ذرا بعد میں۔

انگریز مختلف انقلابات کی سوچ سے خود متاثر تھے۔ لہٰذا اس کی روشنی میں ہندوستانی معاشرہ کو بھی ان کے راستے پر لے کر چلنا چاہتا تھا کہ یہاں کے حالات کے مطابق یہاں بھی ایک اور قسم کا انقلاب لائے۔ انقلاب برپا کرنے کیلئے اور اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے اسے سروسز کا ایک مضبوط نظام چاہئے تھا۔ وہ اس نے یہاں کے حالات اور مزاج کے مطابق مغلوں کی انتظامیہ ہی کی طرز پر تھوڑی بہت قطع و برید کر کے اپنے سانچے میں ڈھال لیا اس کا مختصر ذکر پہلے آ چکا ہے کہ کس طرح ایک بہترین' دیانت دار اور مضبوط انڈین سول سروس معرض وجود میں آگئی اور انگریزی راج کی سب سے مضبوط ڈھال بن گئی۔ اسی طرح استعمار کی بنیادی ضرورتوں میں سے ذرائع آمد و رفت ہیں کہ ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک شاہی فوجوں کو فوراً پہنچایا جا سکے۔ اس طرف بھی انگریز نے بہت کام کیا اور سڑکوں کے جال بچھانا شروع کر دیئے۔ یہ کام بیسویں صدی تک بھی نہایت زور و شور سے ہوتا رہا۔ ٹیلیگراف اور ڈاک کا انتظام بھی بہت اچھا رائج کیا کہ یہ بھی امپیریل ازم کی بہت اشد ضرورت ہوتی ہے۔ صحت عامہ کے لئے انسدادی کام بھی کئے اور علاج کی بہترین سہولتوں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اپنے دور دراز پھیلے ہوئے فوجی اور سول عملہ کی صحت بھی اہم تھی کیونکہ وہ ہندوستان کے وبائی امراض از قسم ملیریا' ہیضہ اور چیچک وغیرہ سے بہت گھبراتے تھے۔ اگر ان کا اپنا عملہ ہراساں رہتا تو وہ خود اعتمادی کے ساتھ حکومت کیسے کرتے؟ بہرصورت اس سے زیادہ انہیں اپنی ادویات کے ذریعہ مقامی لوگوں اور خواص کو متاثر کرنا بھی درکار تھا۔ امن عامہ کے لئے خاص طور پر پولیس کا نظام جو انگلینڈ میں بھی نیا نیا شروع ہوا تھا مقامی حالات کے مطابق متعارف کروایا۔ بہت سے اور اقدام اس نہج پر اٹھائے گئے لیکن ان کی فہرست طویل ہو جائے گی صرف دو بنیادی امور جن پر انگریز نے اپنی سلطنت ہند اور حکمرانی کی بنیاد رکھی وہ اس کی تعلیمی پالیسی اور قانونی ڈھانچہ تھا جس نے ان دو تہذیبوں پر بہت ہی دور رس اثرات ڈالے اور ایک دوسرے کو بہت حد تک بدل کر رکھ دیا۔ آئندہ ابھرنے والا انتظامی اور اساسی ڈھانچہ بھی ان دو پالیسیوں کی تخلیق تھا کہ انہوں نے بنیادی رنگ ان ہی سے پکڑا تھا۔ انتظامی اصلاحات تو لارڈ ولیم بینٹنگ کے زمانہ ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھیں اور آئندہ کا سٹیل فریم ورک تیار ہو گیا تھا لیکن تعلیمی اور قانون کے بنیادی ڈھانچے کے لئے جو کام لارڈ ولیم بینٹنگ کے زمانہ میں لارڈ میکالے نے شروع کیا تھا وہ اس نے اگرچہ چار سال میں مکمل کر لیا مگر اس پر بحث ۱۵ سال سے

Marfat.com

بھی زیادہ جاری رہی۔ خاص طور پر قانون کے میدان میں اور پھر لارڈ میکالے کی مرتب کردہ تعلیمی پالیسی اور قانون کو اپنالیا اور آئندہ کے سماجی تغیر و تبدل میں سب سے زیادہ کلیدی کردار اسی تعلیم نے ادا کیا۔

Marfat.com

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

انگریز کی آمد سے قبل تعلیم و تدریس کی زبان زیادہ تر عربی اور فارسی تھی۔ اس سے قبل ترکی زبان کا بھی عمل دخل رہا تھا۔ زیادہ تر سرکاری کام کاج فارسی زبان میں ہوتا تھا اور فارسی ہی کو غالب حیثیت حاصل تھی۔ قرآن و حدیث کے علاوہ فلسفہ، منطق، ریاضی، طبیعیات، کیمیا، خطاطی اور دوسرے دنیاوی علوم کی تعلیم کا بہت عمدہ بندوبست تھا۔ ہر مسجد مکتب تھی اور قریہ قریہ شہر شہر اعلیٰ تعلیم کا اہتمام تھا۔ تاریخ جغرافیہ اور علم الکلام کی خاص تدریس تھی۔ ہندوؤں نے اپنے الگ تعلیمی ادارے بنا رکھے تھے۔ سنسکرت ان کی مذہبی زبان تھی لیکن عام زندگی سے اب اس کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا تھا وہ بھی فارسی زبان بڑے شوق سے پڑھتے۔ عربی فارسی اور ہندوستان کی مقامی زبانوں اور سنسکرت کے امتزاج سے یہاں پر ایک نئی زبان پیدا ہوئی تھی جسے لشکری یا اردو کہا جاتا تھا کیونکہ اسے افواج میں بولا جاتا تھا اور بعد میں امراء اور خواص میں بھی رائج ہو گئی۔ انگریز کی آمد تک تو 4/5 صدیوں میں اردو بالکل جوان ہو چکی تھی۔ اسے ہندوستانی کے نام سے بھی پہچانا جاتا تھا۔ عربی رسم الخط میں لکھیں تو اردو تھی اور دیوناگری میں لکھیں تو ہندی کہلاتی تھی۔ ہندوستان کے اکثر حصوں میں بولی اور سمجھی جاتی تھی اور عام کام کاج کی یہی زبان بن گئی تھی۔

Marfat.com

ہندوستان کی Lingua Franca بن گئی تھی۔ مسلمانوں نے نہ صرف بکھرے ہوئے مختلف حصوں میں بٹے ہوئے برصغیر کو اپنی فتوحات کے ذریعے سیاسی طور پر ایک وحدت بنا دیا تھا بلکہ اسے اس کا نام دیکر جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے اس کی وحدت کو مزید مضبوط اور اجاگر کر دیا تھا۔ اردو یا ہندوستانی زبان نے اس ایکتا کو مزید تقویت دی اور اس طرح انگریز کی آمد تک اسے ایک ملک بنانے کی تاریخی صورت گری کر دی تھی۔ شیر شاہ سوری اور اس کے بعد تو اسے عظیم شاہراہوں کی تعمیر سے ایسا جوڑ دیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید ہمیشہ ہی سے یہ خطہ ایک ہی ملک رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے دنوں میں ہندوستان بہت سے کمزور اور خود مختار حصوں میں بٹ چکا تھا اور آسانی سے انگریز کا ترنوالہ بن گیا مگر پھر بھی بھرم تخت دلی پر بیٹھے بادشاہ ہند ہی کا تھا بلکہ خود انگریز کا پنشن خوار ہونے کے باوجود انگریز بھی کچھ دیر حکمرانی اسی کے نام پر کرتا رہا۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی آمد کے کو تاریخی عمل نے ایک وحدت دے دی تھی اور اردو اس وحدت کا مضبوط ترین ستون تھا۔

امور سلطنت کی خاطر انگریز نے اردو زبان سیکھی بھی اور اس کی ترقی کا بندوبست بھی کیا۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی تعمیر و ترویج مکمل ہو چکی تھی اور وہاں پر مشرقی علوم اور زبانوں کی تدریس کا بندوبست موجود تھا۔ عربی فارسی کے علاوہ اردو بھی پڑھائی جاتی تھی۔ مدراس اور بمبئی میں بھی ایسے انتظامات موجود تھے۔ انگریزی تسلط کے آغاز میں بہت سا سرکاری اور عدالتی کام فارسی زبان ہی میں ہوتا رہا۔ خود انگریزوں نے عربی فارسی اور اردو میں مہارت حاصل کی یہاں تک کہ بہت سے انگریز اردو زبان میں نہایت عمدہ شعر بھی کہتے۔ دفتری کام مشرقی زبانوں ہی میں نہایت عمدگی سے ہو رہا تھا۔

لیکن لارڈ میکالے کی دور بین نگاہ مستقبل بعید پر تھی۔ وہ ہندوستان میں ایسی تعلیم کو ترویج دینا چاہتا تھا جس کی وجہ سے وہاں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو انگریزی قلب و روح کی عکاسی کرے اور ان ہی کے انداز میں سوچے اور عمل کرے۔ اس طرح ہندوستانیوں پر حکمرانی کرنا نہایت آسان ہو جاتا۔ انگریز تعداد میں بہت کم تھے اور ہندوستانی بہت زیادہ۔ انگریز نے اپنی مرضی کے کارندے ان ہی میں سے لینے تھے اور فوج بھی۔ جب پورا ہندوستان ان کے قابو میں نہیں آیا تھا تو ایک حکمران کو دوسرے سے بدظن کرا کر اور لڑا کر اپنا کام نہایت آسانی سے نکال سکتے تھے لیکن جب سارا ہی ملک ان کے رحم و کرم پر آ گیا تو انہیں ایسے خواص کی ضرورت تھی جن کا رنگ بے شک کالا ہو

Marfat.com

لیکن اندر سے وہ انگریز کی طرح گورے بن جائیں اور یہ کام صرف اور صرف تعلیم ہی کر سکتی تھی لہٰذا کالے انگریز پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ انگریزی زبان کی تعلیم اور ترویج کا بندوبست بہت بڑے پیمانے پر کیا جائے۔ لارڈ میکالے نے سفارش کی کہ تمام تعلیم اور تمام سرکاری کام کاج انگریزی زبان میں کیا جائے۔ اس وقت کے مروجہ تعلیمی نظام میں اس نے بہت کیڑے نکالے اور یہاں تک کہہ ڈالا کہ ان کے ہاں تعلیم نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں صرف لکھنے پڑھنے کی صلاحیت ہی کا نام تعلیم رکھا ہوا ہے۔ سائنس اور علوم طبعیہ کا تو ادھر سے گزران ہی نہ ہوا ہے دیگر علوم میں بھی بس گزارا ہے۔ موجودہ نظام کو جاری رکھنے کا مطلب ہے کہ ہندوستانیوں کو جدید دور کے سائنسی علوم سے مکمل طور پر بے بہرہ رکھا جائے۔ اس نے لکھا کہ ہندوؤں کی نگاہ میں زمین ایک گائے نے اپنے سینگ پر اٹھا رکھی ہے وہ گائے تھک کر جب ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر زمین کو رکھتی ہے تو بھونچال آتا ہے۔ اسی طرح مسلمان سمجھتے ہیں کہ زمین دہی کے ایک سمندر پر تیر رہی ہے یہاں کے لوگوں کو جغرافیہ، طبیعیات کیمیا اور دوسرے علوم کی ابجد تک معلوم نہیں۔

کیمیا صرف سونا بنانے کے ہنر کو سیکھنے کی کوشش تک محدود ہے اسی طرح کی اور دلیلیں دے کر لارڈ میکالے نے اپنی سفارشات مرتب کیں کہ اگر ہندوستان میں علم کی روشنی پھیلانی ہے اور ان میں سے چند ایک کو اپنی طرف راغب کرنا ہے تو پھر اردو یا ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی حیثیت برتر ہونی چاہیے۔ یوں انگریزی زبان اور علوم کے لیے انگریزی راج نے تمام وسائل اسی طرف لگا دیئے۔ اس ایک فیصلہ نے انگریزوں اور ہندوستانیوں دونوں ہی کے لیے بہت ہی زیادہ اور دور رس نتائج مرتب کئے اور ہندوستانی معاشرہ میں ایک بنیادی تبدیلی کی راہ کھول دی۔ عربی فارسی کے عالم فاضل اور مدرس فوری طور پر بے کار ہو گئے بلکہ یہ کہیئے کہ سرکاری طور پر بے علموں کے طبقہ میں آ گئے۔ لوگوں کی عربی فارسی سے شناسائی بہت پرانی اور قلبی تھی اسے سیکھنا اور سمجھنا بھی آسان تھا کہ تمام کی تمام زندگی خاص طور پر مسلمانوں میں ان ہی زبانوں کے ارد گرد گھومتی تھی۔ مسلمانوں کے لیے عربی زبان نہایت ہی مقدس تھی کہ یہ قرآن مجید کی زبان تھی فارسی نے ان کی ثقافت تشکیل دی تھی۔ دونوں زبانیں اور پھر اردو ان کے قلب و روح میں رچی بسی ہوئی تھیں۔ انہیں سیکھنا زیادہ دشوار بھی نہ تھا۔ وہ تو یہ زبانیں پنگھوڑے ہی سے سیکھتے آ رہے تھے۔ انگریزی سیکھنا اس کے مقابلہ میں بہت دشوار تھا۔ انگریزی بالکل اجنبی زبان تھی اس کا ان کے مذہب اور کلچر سے بالکل کوئی تعلق نہ تھا لہٰذا اس پالیسی کی وجہ سے مسلمان سب سے زیادہ زد میں آئے اور راتوں رات ان پڑھ بن بیٹھے یا بنا دیئے

Marfat.com

گئے۔ حیران تھے' پریشان تھے کہ کیا کریں کام مشکل بھی اور دردناک بھی۔ عربی فارسی تو ان کا روحانی سرمایہ تھا کہ اس کے چھننے کے سامان ہو رہے تھے۔ انہیں اس کا سخت صدمہ ہوا وہ ابھی ایک عظیم رنج والم کی کیفیت میں ہی تھے کہ اس کے مقابلہ میں ہندوؤں نے نہایت آسانی سے اسے اپنا لیا۔ ان کی مذہبی زبان سنسکرت مردہ ہو چکی تھی۔ ہندوستانی یا اردو یا ہندی بھی مسلمانوں کی ہی تخلیق شدہ تھی لہٰذا ہندوؤں کو انگریزی اپنانے میں کوئی ذہنی قلبی یا روحانی دشواری محسوس نہیں ہوئی بلکہ انگریز نے تو اس کی مردہ زبان سنسکرت کو ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔

لہٰذا ہندو انگریزی سیکھنے کی طرف نہایت تیزی سے لپک پڑے اور مسلمان تھے کہ نوحہ خواں ہی رہے کہ ان کی دنیا لٹ رہی تھی۔ مسلمانوں کو ان کی ثقافتی' دینی اور روحانی جڑوں سے کاٹ کر علیحدہ کر دینے کا بندوبست ہو رہا تھا۔ اسلام میں دین اور دنیا کا کوئی الگ تصور نہ ہے کلرجی (Clergy) یا پیشوائیت کی کوئی گنجائش نہ ہے ہر مسلمان اسلام کا مبلغ ہے' مجاہد ہے' آزاد مرد حق کہ خلیفہ وقت اور وہ بھی عمر ایسے رعب و دبدبہ والے سے سوال کا حق رکھتا ہے۔ علم و فکر کا داعی' جدت و ندرت فکر کا نقیب کہ یہ ہی اس کے خدا کا حکم ہے' قانون و عدل کا علمبردار کہ یہی حکم الٰہی ہے' خود ہی فقیہ اور خود ہی امام کہ اپنے خالق حقیقی سے براہ راست رابطہ قائم کر سکے' خالق و مخلوق کے درمیان کوئی پردے حائل نہیں۔ ایسی سوچوں اور تعلیمات کی مسلسل پرداختگی نے اسے منفرد شخصیت اور ضمیر عطا کر دیا تھا۔ وہی تعلیمات تھیں کہ جن کی بھٹیوں کی صدیوں کی آنچ نے اسے ایک ناقابل تقسیم' بھرپور اور حسین انفرادی اور اجتماعی سیرت گری سے نکھری ہوئی پر اعتماد بیدار اور منور روح و قلب کا مالک بنا دیا تھا۔

اب اگر دنیاوی فلاح اور ترقی کے لئے اسے اپنے ان روح پرور رشتوں سے قطع تعلق کر کے انگریزی زبان کا سہارا لینا تھا تو اسے دکھ تو ہونا ہی تھا دنیا چھوڑے یا دین اس کے لئے تو دونوں ہی متاع عزیز تھے۔ دنیا تو محض آئندہ کی زندگی کی تیاری ہی کا نام تھا اور اس کی فلاح تو دینی راہ ہی سے مل سکتی تھی۔ مسلمان کے لئے دنیا دین سے کسی بھی میدان میں الگ نہیں ہے اس کا دین اور سیاست ایک ہے ایک بھرپور وحدانی نظریہ کے اردگرد اس کی تمام تر زندگی گھومتی ہے لہٰذا اس وقت کے مسلمانوں کا انگریزی سے شدید گریز سمجھنے کے لئے اس کی سوچ اور شخصیت کو اس کے پورے دینی اور دنیاوی تناظر میں دیکھ کر ہی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اپنی بداعمالیوں سے حکومت تو کھو ہی بیٹھے تھے اور

Marfat.com

شدید مایوسی کا شکار تھے اس زبان کی تبدیلی نے ان کی نفسیات پر ایک اور کاری ضرب لگائی اور اسے اپنی ذلت کے خول میں مزید دھکیل دیا۔

سید امیر علی اور سرسید احمد خاں ایسے بالغ نظر مسلمان علماء نے مایوس ملت کو اس خول سے کیسے نکالنے کی کوشش کی یہ ان ہی کی ہمت اور حوصلہ کا کرشمہ تھا ورنہ بات تھی کہ بنائے نہ بنے۔ انہیں سمجھانے کی اشد ضرورت تھی کہ ان کے دین کو انگریزی زبان سے اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا وہ سوچ رہے تھے اکثر مسلمان علماء نے دینی تعلیمات کی ترویج کے لئے ان نامساعد حالات میں عظیم کوششیں جاری رکھیں تاکہ آئندہ کی نسلیں کہیں دین سے دور ہی نہ ہو جائیں لیکن اس تعلیم سے کاروبار زندگی اور کار سرکار میں کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ انگریز کی سیاسی بالادستی اور گرفت مضبوط سے مضبوط ہو رہی تھی اور اس سے کسی طرح بھی مفر نہ تھا۔ ہندو حکومت وقت کے قریب سے قریب تر ہو کر مسلمانوں کو مزید نقصان پہنچا کر ہر میدان میں پیچھے دھکیل رہے تھے۔ جو مزید مایوسیوں میں اضافہ کا باعث بن رہے تھے معاملہ نہایت ہی مشکل اور جذباتی تھا۔ دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی امور میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی تعلیم بھی لازم تھی۔ اس سلسلہ میں بہت سے زعماء نے اپنے فکر و دانش کے مطابق کام شروع کر دیا تھا مگر زیادہ تر علماء نے انگریزی سیکھنے کو کفر قرار دیا تھا اور انگریزی نئی نئی ایجادات کو بھی اکثر و بیشتر کفر کے فتوی سے نوازنا شروع کر دیا تھا۔ ہر نئی چیز میں انہیں اپنی تباہی نظر آتی تھی حالانکہ تباہی اس وجہ سے نہ تھی بلکہ تباہ تو پہلے ہی اپنی کوتاہ اندیشیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہو چکے تھے لیکن مایوسیوں میں اکثر و بیشتر نفرت ہی کی جیت ہوتی ہے۔ فکر و دانش جواب دے جاتی ہے۔ اس زمانے میں اس طرح کے اور بھی معاملات وقوع پذیر ہو رہے تھے جن سے نفرت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا مسلمانوں کی نگاہ میں عام طور پر بہت سی برائیاں اور خامیاں انگریز میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ اس کی طاقت سے خائف بھی تھے اور اپنی سوچ اور ثقافت سے محبت بھی بے انتہا رکھتے تھے۔

لہٰذا ۱۸۵۷ء سے قبل مسلمان ذہن بوجوہ سفید فام انگریز سے بے انتہا متنفر ہو رہا تھا اور اس نفرت کے لاوے کو کسی نہ کسی طرح پھٹ ہی پڑنا تھا۔ انگریزی زبان کے علاوہ انگریز نے اپنے کامن لاء کی بنیاد پر ہندوستان کے لئے ایک نہایت ہی جامع اور پرمغز قانون کا ڈھانچہ تیار کیا۔ اس میں مربوط فوجداری تعزیرات اور قوانین ضابطہ و شہادت کی ترتیب و تدوین کی۔ دیوانی امور کے لئے بھی جامع ضابطے تیار کئے۔ مالگزاری اور مالیاتی امور میں بھی نئے نئے قوانین متعارف کروائے تھے بنیادی طور پر یہ قوانین کوئی خراب چیز نہ تھے مگر پھر بھی اسلامی فقہ اور ہندو قوانین بہرصورت مختلف تھے مثلاً ہندو

Marfat.com

راجے مہاراجے درجنوں عورتوں سے مختلف قسم کی شادیاں رچا لیتے۔ ان میں سے کوئی بے چاری عورت اپنی فطری جسمانی کمزوری کی بنا پر کوئی غلطی کر بیٹھتی تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا تھی لیکن انگریزی قانون اس کی سزا کو بہت ہی نرم رکھنا چاہتا تھا۔ ہندوؤں کو یہ بات قطعاً پسند نہ تھی اور اسے اپنے مذہب میں دخل اندازی قرار دے رہے تھے۔ اس طرح اسلامی فقہ میں عادی چور کی سزا ہاتھ پاؤں کاٹ دینا تھی تو انگریزی قانون میں اس کے لئے جیل کی سزا تجویز ہوئی تھی۔ انگریزی قانون میں زنا کی سزا صرف جبر کی ہی صورت میں تھی جبکہ رضامندی کے ساتھ تعلق کی کوئی سزا تجویز نہ کی گئی تھی یہاں تک کہ شادی شدہ عورت کی خطا کے لئے بہت ہی نرم سزا رکھی گئی تھی۔ یہ بات اسلامی فقہ میں کافی ناگوار تھی۔ قوانین شہادت میں گواہ کے کردار کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی تھی جبکہ اسلامی فقہ میں گواہ کے زہد و تقویٰ کو بہت وزن تھا بہرصورت اس طرح کے اور بھی اختلافی پہلو تھے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان نئے قوانین میں پسند نہ تھے۔ مزید برآں نئے قانون کے نفاذ کی صورت میں بہت سے پنڈتوں اور مفتیوں کے مفادات کو بھی زک پہنچنے کا خدشہ تھا اور ان کی آرام دہ اور پرکشش ملازمتیں جا رہی تھیں۔ اگرچہ انگریز نے پرسنل لاء اور رواجی قانون کی حد تک انہیں قائم دائم رکھ کر ان کی ملازمتوں کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کر دیا لیکن قانونی خواص کا ہندوستانی طبقہ ان انگریزی قوانین سے متاثر ضرور ہو رہا تھا۔

انگریز چونکہ علم و دانش اور آزادی فکر کے بہت سے روشن خیال انقلابات کی بھٹی سے گزر کر آیا تھا۔ ان جج صاحبان نے عدل و انصاف کا ایسا معیار قائم کیا کہ ہندوستان کے بہت سے لوگ قانون کے بہت سے اعتراضات کو فراموش کر گئے۔ عدالتوں کی درجہ بندی اور قیام بھی نہایت عمدہ طریقہ سے کیا اپیل دلیل وکیل کا انتظام بھی نہایت احسن تھا۔ کسی عدالت اور افسر کے پاس پہلے کی نسبت اتنے اختیارات بھی اکٹھے نہ ہونے دیئے کہ اس کے خلاف شنوائی ہی نہ ہو سکے تاکہ بے انصافی کا شکار آدمی بے خود ہو کر قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتا پھرے۔ قانون کے میدان میں لوگوں کی نگاہ میں انگریز نے عملی طور پر انصاف کر کے دکھایا۔ اس لئے قانونی معاملات اور قانون کو انہوں نے عام طور پر قبول کیا خاص طور پر جبکہ اس سے قبل قاضیوں اور مفتیوں کا اپنا عمل کوئی قابل رشک نہ تھا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے دور میں عدالتوں کے عمال بہت بدعنوان ہو چکے تھے اور لوگ ان سے بہت شاکی تھے۔ انتظامیہ ظالم اور سنگدل تھی اور مالگزاری کا نظام بہت ہی زیادہ دگرگوں ہو گیا تھا۔ لہٰذا انگریز کی قانونی اصلاحات اور انصاف عوام میں پسندیدہ ٹھہرے لیکن بے کار ہونے والے خواص

Marfat.com

پنڈتوں، قاضیوں، مفتیوں اور خود سر بگڑے ہوئے راجوں مہاراجوں اور نوابوں کو قانونی بندشیں جن سے ان کے عیش و عشرت میں فرق پڑتا اور برابری کی سطح کا مساویانہ عدل کوئی زیادہ پسند نہ آیا اور دل میں انگریز کے خلاف کدورت رکھنے لگے۔ عام آدمی خوش تھا اور انگریز کی تعریف کرتا تھا کہ شیر اور بکری کو برابر لا کھڑا کیا تھا۔ لیکن تعلیمی پالیسی نے جو کدورت خاص طور پر مسلمانوں میں پیدا کی وہ بہت زیادہ تھی اور آخر کار نسلی نفرت کی شکل اختیار کر گئی اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا انگریز کے نقطہ نگاہ سے غدر کی شکل میں ابھری۔

Marfat.com

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انگریز کی انصاف پسندی اگر خواص کو چبھ رہی تھی تو تعلیمی پالیسی ہر خاص و عام کی نگاہ میں ناپسندیدہ تھی۔ مسلمانوں کی روحانی اور ثقافتی تباہی کی نوید تصور ہو رہی تھی لیکن انگریز ہندوستانی قلب و روح میں جھانکنے سے قاصر تھا وہ تو اپنے خاص پس منظر کی سوچ اور ذہنیت کی رو میں بہا جارہا تھا اور مشنری جذبہ کے ساتھ اصلاح احوال کا نصب العین اٹھائے پھر رہا تھا۔ وہ اپنے قانون اور تعلیم کے ذریعے ان کالے' بھورے لوگوں کو مہذب بنانے کی ذمہ داری اپنے ذمہ سمجھتا تھا اور بڑے فخر سے سارے عالم میں کہہ رہا تھا کہ یہ سفید فام لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ سب دنیا کو جدید علوم اور سائنس کی برکات سے روشناس کرائیں۔ White man's burden کا خود ساختہ تکبر اور نخوت سے بھرپور نعرہ اس کا مشن بن گیا تھا۔ چیچک کا خاتمہ ہو یا ہیضہ کا' ستی کی رسم کو ختم کرنا یا ٹھگی یا ڈکیتی کو ختم کرنا' بہتر سائنسی تعلیم ہو یا نظام عدل' مفتوحہ علاقوں کی افراتفری ختم کر کے اسے امن کا گہوارہ بنانا ہو یا اس طرح کے دوسرے مقاصد ہوں وہ اپنے ہی متعین کردہ مقاصد کو خوش نگاہی سے دیکھ دیکھ کر ستائش خود کا شکار ہو گیا تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ ایسے عظیم مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے کہ جس سے ساری دنیا کی فلاح اور بہتری ہو جائیگی۔ وہ مدہوش ایک نشہ کی کیفیت میں اپنے پروگرام ایسے چلا رہا تھا کہ دوسروں کے نقطہ نگاہ کو سمجھنے اور اس کے محاسن دیکھنے کی بالکل گنجائش نہیں رہنے دے رہا تھا۔ اپنی سوچ کی درستگی پر فخر

Marfat.com

کے علاوہ اسے اپنی طاقت پر بھی کچھ زیادہ ہی گھمنڈ تھا۔ ساری دنیا میں اس کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کا پرانا رقیب فرانس اس کے خلاف عالمی دوڑ میں ہار چکا تھا۔ جمہوری توانائیوں نے انقلاب فرانس کے بعد فرانس کو ایک بہت بڑی طاقت بنا دیا تھا۔ نپولین دنیا پر چھا گیا تھا۔ سارا یورپ اس کے سامنے سرنگوں تھا وہ دور تک پہنچ چکا تھا۔ مگر روس پر غلط موسم میں چڑھائی کرنے کی غلطی نے اسے فنا کر دیا اور پھر انگریز نے واٹرلو کے میدان میں اس کی گردن دبوچ لی۔ نپولین ہار گیا انگریز جیت گیا۔ اسی طرح روس کے مقابلہ میں ترکی خلیفہ کی پیٹھ ٹھونک کر اسے مختلف جنگوں میں دھکیل کر روس اور ترکی دونوں ہی کو کمزور کرتا جا رہا تھا۔ افغانستان اس کے قبضہ قدرت میں آ گیا تھا اور وسط ایشیاء میں روس کی پیش قدمی روک دی تھی۔ دنیا پر اپنی بالا دستی قائم کر لی تھی۔ مالدیپ' سنگاپور' سیلون اور دوسرے اہم جزیروں پر قابض ہو کر ہند کو قابو کر رکھا تھا۔ آسٹریلیا اس کا اپنا تھا تو افریقہ کے مشرقی اور مغربی ساحل اور دیگر علاقوں پر بھی اسی کا پرچم لہرا رہا تھا۔ برما تو سجدہ ریز تھا ہی خود چین کو افیون فروشی کے لیے اپنی مارکیٹ (منڈی) بنانے کے لیے تاراج کر چکا تھا۔ ہانگ کانگ سے ناکہ بندی کر کے ایشیا کے مرد بیمار کا علاج کر لیا تھا۔ اس لیے ہندوستان پر حکمرانی کرتے ہوئے انگریز کے ذہن میں فخر' نخوت اور گھمنڈ کے کیڑوں کا داخل ہو جانا کوئی غیر معمولی واقعہ بھی نہ تھا اس کے آگے تو ساری دنیا ہی سرنگوں ہو کر سجدہ ریز ہو چکی تھی۔

سارا ہندوستان اس کے قبضہ قدرت میں تھا اور ذہنی طور پر اپنے آپ کو ہندوستانیوں سے برتر سمجھنا اس کا شیوہ بن گیا تھا۔ اب وہ ان کمزور اور جاہل لوگوں سے بالکل بے خوف ہو گیا تھا ان کی طاقت کے مختلف مراکز کو تو پہلے ہی ختم کر چکا تھا۔ انگریز قوت کے لیے ظاہرا کوئی چیلنج موجود ہی نہ تھا۔ اس عالم غفلت اور انا پرستی کے زمانے میں اسے کیا معلوم کہ ہندوستان کے بہت سے لوگوں کے دل جل رہے تھے اور اندر ہی اندر ایک زبردست لاوا پک رہا تھا۔ اس کی فوج کے دیسی سپاہی آخر اسی دھرتی سے تعلق رکھتے تھے ان کے دل اور رشتے اپنے ہی لوگوں سے تھے اور انہیں اپنا مذہب بہت ہی عزیز تھا۔ ان کی اپنی سپاہ کا زیادہ تر حصہ اودھ سے تعلق رکھتا تھا اور اودھ کی ریاست کو تازہ تازہ مختلف حیلوں اور بہانوں کے سہارے اپنے ساتھ شامل کیا تھا۔ واجد علی شاہ فرمانروائے اودھ پر جو الزامات کی بوچھاڑ کی گئی تھی اس کی صداقت پر بہت سے لوگوں کو شک تھا۔ انگریز پہلے بھی بہت سی چالاکیاں اور عیاریاں کر چکا تھا اور اس کی چال بازیوں میں آ کر ہندوستانیوں نے سب کچھ کھو دیا تھا۔

Marfat.com

سب کچھ کھو کر اب انہیں کچھ زیادہ ہی شدت سے احساس زیاں ہو رہا تھا۔ دینی اور روحانی رشتے بھی کٹ رہے تھے۔

مسلمان بادشاہ پنشن خوار اور انگریز کا کٹھ پتلی تھا۔ بوجوہ تذلیل اور بے وقاری کا احساس سب ہی کو روندے جا رہا تھا کہ انگریزی بندوق کے لیے ایک نئی گولی پہنچ گئی جس پر چربی کی تہ ہوتی تھی۔ اسے لوڈ کرنے کے لیے اسے پہلے اپنے دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا۔ مسلمان سپاہیوں میں مشہور ہو گیا کہ اس پر سور کی چربی چڑھی ہے تو ہندو سپاہیوں میں مشہور تھا کہ گائے کی چربی سے بنی ہے یہ ایک ایسی بات تھی جو دونوں کے لیے قابل قبول نہ تھی اور ان کے مذہب کے خلاف تھی۔ کئی جگہوں پر سپاہیوں نے اس گولی کو منہ سے کاٹ کر چلانے سے انکار کر دیا تو فوجی ڈسپلن کے تحت ان کو فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا کہ دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ کی صبح کو بھی اسی قسم کا اہتمام میرٹھ کی چھاونی میں کیا گیا تھا۔ ایک شاندار پریڈ منعقد کی گئی۔ انگریز افسر میدان کے ایک طرف کھڑے تھے اور ہندوستان ہی کے غلاموں میں سے بھرتی شدہ تربیت یافتہ سپاہی دوسری طرف قطار در قطار تماشا دیکھنے کے لیے کھڑے تھے۔ انکاری اور منحرفین کو گولیوں سے اڑانے کے لیے میدان میں لا کھڑا کیا گیا۔ انگریزوں کو کیا معلوم کہ پچھلی رات ہندوستانی سپاہیوں بشمول مسلمان اور ہندوؤں نے نہایت رازداری سے فیصلہ اور انتظام کر لیا تھا کہ اپنے مظلوم ساتھیوں کی بجائے انگریز ہی کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔ لہٰذا فائرنگ کا حکم ہوتے ہی نشانہ مشکیں بندھے ہندوستانی سپاہیوں کی بجائے وہ مغرور اور غافل انگریز افسر بنے جو اپنے ہی سپاہیوں کے جذبات سے نہایت بے خبر تھے اور ڈھیر کر دیئے گئے۔

سپاہیوں نے آئندہ کا کوئی خاص پروگرام تو بنا نہیں رکھا تھا۔ امراء اور اشرافیہ اپنی طاقت کھو چکے تھے اور نہایت بد دل تھے۔ ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا گو دل جل رہے تھے۔ سپاہیوں نے تو اپنے ساتھیوں سے بے انصافی کے خلاف شدید رد عمل اور رنج والم کی کیفیت میں یہ کام کر دکھایا تھا۔ وہ انگریز کا یہ ظلم برداشت نہ کر سکے اور حد سے بڑھے ظلم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس حالت میں انہیں کچھ نظر نہ آیا تو وہ سیدھے دلی کی طرف چل پڑے کہ اپنے بادشاہ کی قیادت میں انگریز کو دیس سے نکال دیں۔ میرٹھ کے واقعہ کی بازگشت ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ گئی۔ میرٹھ سے دلی کے راستے میں آنے والی چھاونیوں کے سپاہی بھی انگریز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے آنے والے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ انگریز بھی خواب خرگوش سے اٹھنا شروع ہو گئے گورنر جنرل

Marfat.com

کا موسم گرما کا قافلہ کلکتہ سے شملہ بمشکل ہی پہنچ پایا تھا بلکہ بہت سا قافلہ تو ابھی راستہ ہی میں تھا کہ ان کو ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کی خبر ہو گئی۔ شمالی ہندوستان کی اکثر چھاونیوں نے بغاوت کر دی اور بہت سے انگریز افسروں' ان کے خاندانوں ' بچوں اور خواتین کو تہ تیغ کر دیا۔ سپاہیوں نے دلی پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لیا انگریزوں کو قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ گئے۔

بادشاہ کمزور تھا اس کے پاس تو کوئی فوجی قوت نہ تھی مگر ان سپاہیوں کو انکار بھی نہیں کر سکتا تھا وہ تو اپنی زندگی موت کا فیصلہ کر آئے تھے۔ بہادر شاہ ظفر شہنشاہ ہند کے نام پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا گیا اور پورے ملک سے بہت سے جنگجو دلی پہنچ گئے۔ ان میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے مرہٹوں کے پیشوا نے بھی ہندوستانی سپاہیوں کا ساتھ دیا۔ کانپور کا مشہور واقعہ جس میں بہت سی انگریز خواتین اور بچے قتل ہوئے تھے وہ مرہٹہ پیشوا ہی کی نگرانی میں ہوا تھا۔ شورش سارے شمالی ہندوستان میں پھیل گئی دور دراز علاقوں کے اکا دکا انگریز اور ان کے خاندان یا تو قتل ہو گئے یا پھر نزدیک کی چھاونیوں میں پہنچ گئے۔ انگریزی حکومتی مشینری جام ہو کر رہ گئی مشنری جذبے اور سوچیں رفوچکر ہو گئیں اور انہیں جان کے لالے پڑ گئے۔ پوری دنیا پر حکومت کے خواب دیکھنے والوں کے سہانے سپنے چور چور ہو گئے اور وہ غصہ اور نفرت کے انگارے بن گئے۔ اودھ کے دور دراز علاقوں سے بھاگ کر آنے والے انگریز لکھنؤ کے قلعہ میں محصور ہو کر رہ گئے اور پنجاب کے پرانے ریذیڈنٹ سر ہنری لارنس کی قیادت میں راشن بندی' بھوک ' پیاس ' بیماری کی حالت میں کمک کا انتظار کرنے لگے۔

دلی کا تار بابو لاہور اور شملہ حملے کی اطلاع کر ہی رہا تھا کہ رابطہ منقطع ہو گیا۔

برگیڈیئر نکلسن کو پشاور میں اطلاع ہوئی تو وہ فوراً وہاں سے فوج لے کر تیز رفتار دستہ کے ساتھ دلی کی طرف چل پڑا۔ راستے کے مقامی کمانڈروں ' سکھ سرداروں ' زمینداروں' نوابوں اور والیان ریاست کو اپنی اپنی فوج کو تیار رکھنے اور اس کے ساتھ شامل ہونے کی اطلاع نہایت ہی سرعت سے کر دی گئی تھی۔ نکلسن کے ساتھ راستے میں بہت سے سکھ اور مسلمان اپنی اپنی افواج لے کر شامل ہوتے گئے سر جان لارنس نے اپنے حسن انتظام سے پنجاب کے لوگوں کے دل موہ لئے تھے۔ سکھوں کی بد انتظامی اور بے انصافی کا دور لوگوں کے ذہن میں ابھی تازہ تازہ تھا انگریز نے بہت عمدہ امن و امان قائم کیا اور لوگ کسی بھی صورت میں دوبارہ بدامنی اور انارکی نہیں چاہتے تھے خود سکھ بھی بہت خوش تھے ان کی خالصہ فوج کو نہایت عمدگی سے پنجاب پولیس بنا دیا گیا تھا۔ پنجاب میں ہر طرف خوشحالی اور فراوانی تھی۔ ریاستوں کے والیان انگریز کے ساتھ تھے۔ نکلسن ویسے ہی سکھوں میں بہت ہردلعزیز

Marfat.com

تھا اور اسے پیار سے نکل سیاں (نکل سنگھ) کہتے تھے۔ نکلسن ایک بہت بڑی فوج لے کر دلی پہنچ گیا۔ سپاہی تھے کہ نہایت بے جگری سے لڑے۔ نکلسن خود کشمیری دروازہ کے قریب سخت زخمی ہو گیا۔ بادشاہ تو برائے نام ہی تھا۔ باغی سپاہی بخت خان کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے اور انگریز فوج کے خلاف خوب لڑے۔ بادشاہ کی بیگم کے ساتھ انگریزوں نے رابطہ کر لیا اور جان کی امان کا وعدہ کیا۔ بادشاہ نے قلعہ سے نکل کر ہمایوں کے مقبرہ میں پناہ لے لی۔ بہت لڑائیاں ہوئیں لیکن آخر کار انگریز فوجیں کامیاب ہو گئیں۔

انگریز کو ارد گرد کے علاقوں سے کمک پہنچ رہی تھی لیکن بادشاہ کی فوجیں تو قلعہ بند ہو چکی تھیں۔ بادشاہ نے ہتھیار ڈال دیئے مگر انگریز نے اس کے تین جوان سال بیٹوں کے سر کاٹ کر ایک نہایت ہی خوبصورت طشتری میں رکھ کر جب اس کی آنکھوں کے سامنے لائے گئے تو شفقت پدری ابل پڑی اور سطوت سلطنت بھی آنسوؤں میں ڈھلے بغیر نہ رہ سکی۔ دلی اداس تھی اور خون میں بہہ گئی۔ نکلسن نے جب سنا کہ دلی ان کے ہاتھ لگ گئی ہے تو کہنے لگا کہ اب میں سکون سے مر سکتا ہوں اور مر گیا۔ بچے کھچے سپاہی فرار ہو گئے جنہیں ایک ایک کر کے ڈھونڈا گیا اور درختوں سے لٹکا کر پھانسی لگایا گیا۔ دلی شہر تھا کہ پھر اجڑ گیا سب بھاگ گئے۔ موتی لال نہرو کا باپ مرلی دھر جو کوتوال شہر دلی تھا اپنے خاندان کو لے کر بھاگ رہا تھا کہ انگریزوں کے ہاتھوں لگ گیا۔ ان کے گھرانے کی ایک گوری چٹی لڑکی کو دیکھ کر انگریزوں کو شک ہوا کہ شاید کسی انگریز خاتون کو اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے انگریز نے مرلی دھر اور اہل خاندان کو خوب زد و کوب کیا۔ لڑکی سہم گئی اسے کہہ رہے تھے کہ انگریزی میں بتاؤ کہ تمہیں کہاں سے اٹھایا گیا۔ ہے وہ حیرت سے دیکھ رہی تھی رو رہی تھی، چلا رہی تھی۔ اردو ہی بول سکتی تھی کسی انگریز کو تھوڑی سی بات سمجھ آخر کار آ ہی گئی اور پھر ان کی جان چھوٹ گئی ورنہ موت تھی کہ کسی لمحہ واقع ہو جاتی۔ خون انسان ارزاں ہو چکا تھا۔ ہر دو طرف سے اپنی اپنی تہذیب کے سبق فراموش ہو چکے تھے انگریز کی تمام تر روشن خیالی اور اعتدال رخصت ہو گئے تھے عدل قصہ پارینہ تھا۔ انقلابات کے سبق فراموش ہو چکے تھے۔ ہر طرف درندگی کا دور دورہ تھا۔ انسانی لاشیں کئی کئی دنوں تک درختوں سے لٹکی رہتیں۔ انہیں کتے اور گدھیں نوچتی رہتیں اور انگریزی تہذیب کی نوحہ خوانی کرتی رہتیں۔ پوری تہذیب اور کلچر کے نہایت ہی باریک چھلکے اتر گئے تھے اور اندر کا وحشی ظاہر ہو رہا تھا۔

Marfat.com

انگریز نے ہر طرف سے کمک منگوائی۔ انگلینڈ سے بہت زیادہ تازہ دم فوج بھی چند مہینوں بعد پہنچ گئی۔ موسم سرما آیا تو انگریز کے لئے زیادہ بہتری ہو گئی مگر ہندوستانی عوام کے دل چھلنی تھے۔ خواص کو اپنی تکلیفیں تھیں۔ اس بربریت اور ظلم نے جلتی پر تیل ڈالا لکھنؤ کا محاصرہ کئی دفعہ ختم ہونے والا ہوتا کہ ہندوستانی جنگجوؤں کی بے جگری اور شجاعت ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیتی۔ سرہنری لارنس محاصرہ کے دوران مر گیا تو ان کے حوصلے اور بھی پست ہو گئے۔ بیماریاں بھی جان لیوا ثابت ہوئیں۔ حملہ آوروں نے قلعہ کی دیوار میں شگاف ڈال لیا اور قریب تھا کہ سب محصور انگریز تہ تیغ ہو جائیں کہ انگریزی فوجوں کو ایک دلیر انگریز اواناگ (AVANAG) جو پہلے بے کار اور بے ایمان کلرک کے طور پر جانا جاتا تھا راہ نمائی کر کے قریب ترین راستہ سے لے آیا اور انگریز پسپائی سے بچ گیا۔ یونین جیک کو مجاہدین پہلے ہی قلعہ لکھنؤ سے ختم کر چکے تھے۔ لیکن اس اچانک انگریزی کمک پہنچ جانے پر نہ صرف ان کی جان بچ گئی بلکہ وہاں پر یونین جیک ایسا لہرایا گیا کہ وہ واحد جگہ تھی کہ جہاں پر رات کو بھی وہ جھنڈا لہراتا رہتا اور پھر ۹۰ سال بعد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ ہی کی آدھی رات ہی کو وہ یونین جیک نیچے ہوا یہ بہت لمبا اور کٹھن سفر تھا۔ سرہنری لارنس کو مرتے دم تک دکھ تھا کہ اس کے اپنے چھوٹے بھائی جان لارنس نے اسے سازش سے پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر نہیں بننے دیا تھا حالانکہ پنجاب کی فتح یابی میں سب سے زیادہ اس کی محنت کو دخل تھا مگر زندگی ہے کہ ایسے ہی بہت سے واقعات کا مجموعہ ہے

۱۸۵۷ کے اس تاریخ ساز موقع پر ان دونوں لارنس بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اپنی قوم کی قابل قدر خدمت کی۔ دلی اور لکھنؤ کے بعد جنگ کا پانسہ انگریز کے حق میں پلٹ گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے ادھر ادھر پھیلی ہوئی گڑ بڑ کو نہایت آسانی سے قابو کر لیا۔ وسطی ہندوستان کی پوزیشن کو بھی قابو کر لیا بادشاہ کو معزول کر کے اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا۔ سرسری سماعت کے بعد اسے بغاوت کا قصور وار ٹھہرا دیا گیا کس کی بغاوت اور کس کے خلاف؟ کون باغی تھا اور کون حقدار؟ کمپنی بہادر تو اسی کے نام پر حکومت کے فرائض ادا کر رہی تھی۔ ہاں حق پنشن سے غداری ضرور تھی اس طرح جیسے آج کل کے ہمارے حکمران امداد کے باوجود نمک حرامی پر نکل آتے ہیں اور پھر انہیں کسی نہ کسی حیلہ بہانہ سے نکال ہی دیا جاتا ہے۔ امداد ہو یا پنشن یہ سب اسی پھندے کے مختلف نام ہیں جس کے ذریعہ جرم ضعیفی کے مرتکب عقل کے اندھوں کو سزا دی جاتی ہے۔ آج بھی وہی روایت ہے جو کل بہادر شاہ ظفر کے ساتھ روا رکھی گئی تھی۔ مستوجب سزا بہادر شاہ ظفر ٹھہرا اور رنگون (برما) بھیج دیا گیا اور دو گز زمین کے لیے زار و قطار روتا رہا۔

Marfat.com

یہ سب ایک رسمی کاروائی تھی۔ ان باتوں کا تو بہت پہلے فیصلہ ہو گیا تھا جب مغل سلطنت کے مختلف سپہ سالار بغاوتیں کر رہے تھے۔ کبھی بنگال اور کبھی دکن میں کبھی اودھ اور کبھی مرہٹوں کی سرزمین میں فوجی غداروں نے اپنی اپنی نوابیاں قائم کر لی تھیں اور ان غداروں کو انگریز نے نہایت چالاکی سے ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا کام نکال لیا تھا اور پھر بادشاہ کی باری تھی کہ خود ہی غدار ٹھہرا دیا گیا۔ نسل کشی بھی مکمل کر دی کہ بعد میں کوئی وراثت کا دعویدار نہ بن جائے۔ اس غدر یا جنگ آزادی کو جس نگاہ سے بھی آپ دیکھنا چاہیں گے تاریخ کا دھارا مکمل طور پر بدلتا نظر آتا ہے اور آئندہ تقریباً ایک صدی کے سیاسی راستوں کی سمت کو واضح طور پر متعین کرتا ہے۔ سب سے پہلے تو یورپی اور ہندوستانی تہذیبوں کے درمیان بہت ہی زیادہ دوری اور بعد و نفرت کی ایک بہت ہی مضبوط دیوار لا کھڑی کی۔ یہ نہیں کہ پہلے آپس میں کوئی زیادہ محبت کے رشتے تھے لیکن دونوں طرف سے سماجی راہ و رسم خاصے عام تھے۔ انگریز اور ہندوستانی آپس میں بیاہ شادی بھی کرتے تھے۔ انگریز ہندوستانی لباس بھی زیب تن کرتے لیکن ۱۸۵۷ کی جنگ کے بعد اعتماد کا زبردست بحران نمودار ہوا اور اس قسم کے تمام رشتے منقطع ہو گئے۔ انگریز نے اپنی بالکل ہی مختلف دنیا بسالی۔ فوجی چھاؤنیاں تو پہلے ہی شہروں سے دور ہوتی تھیں۔ اب سول لائن کا علاقہ بھی ہر شہر میں بالکل الگ ابھرنا شروع ہو گیا۔ حکمران اور محکوم میں ایک واضح لکیر کھینچ دی گئی۔ مغلوں کا پسندیدہ لباس اپنے چپڑاسیوں اور چوبداروں کو تذلیل کے مقصد کے لیے پہنانا شروع کر دیا۔ انگریزوں نے خود اور یہاں کے مقامی سرکاری ملازموں کو پابند کیا کہ وہ صرف اور صرف انگریزی لباس ہی پہنیں گے انگریزی زبان کو زیادہ شدت سے اپنانے کا عہد کیا۔ مشنری جذبہ سے ترقیاتی کاموں اور معاشرتی اصلاح کی بجائے ایسے کاموں پر زیادہ توجہ دی جو ہر لحاظ سے ان کی طاقت کو مضبوط کریں اور ہندوستانی خاص طور پر مسلمان سانس بھی نہ لے سکیں۔ اپنی ہندوستانی افواج کی تنظیم نو اس طرح کی کہ ہر سطح پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو رجمنٹوں میں اس طرح تقسیم کیا کہ پھر کبھی اکٹھے نہ ہو سکیں اور ایک دوسرے پر نظر رکھیں مزید ذات برادری کی بنیاد پر بھی فوجی تناسب اس طرح رکھا کہ سکھ ہوں گے تو پنجابی مسلمان کی علیحدہ حیثیت ہو گی۔ مرہٹے ہوں گے تو راجپوت بھی ہوں گے۔ گورکھے بھی ہوں گے تو گوروں کی بھی خاص جمعیت ہو گی توپ خانے اور دوسرے جدید ہتھیاروں کی اجارہ داری انگریز ہی کے پاس ہو گی تاکہ آئندہ کبھی ۱۸۵۷ء کا اعادہ نہ ہو سکے۔ اعتماد کی جگہ خوف نے لے لی تھی اور اس کا علاج تقسیم در تقسیم اور مضبوط گرفت کے ساتھ کیا۔ مخبری اور انٹیلی جنس کے نظام کو بھی بہت زیادہ موثر بنایا۔

Marfat.com

جنگی جنون میں انگریز غصے کا شکار ہو گیا اور بہت زیادہ مظالم ڈھائے مگر گورنر جنرل لارڈ کیننگ کا نقطہ نگاہ تھا کہ اگر ہندوستان پر حکومت کرنا ہے تو پھر ہندوستانیوں کے ساتھ معاملہ فہمی بھی کرنا ہو گی مگر اس کی ایسی باتوں کو ہندوستانی انگریز بہت ہی طنزیہ انداز میں لیتے اور اسے مختلف خطابات سے بھی نوازا۔ ہر کوئی اسے طنزیہ طور پر کیننگ بہت ہی مہربان یا نرم دل CANNING THE KIND کہتے۔

ہندوستان کی اتنی بڑی بدلی ہوئی صورت حال کو انگریز پارلیمنٹ نظرانداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔ انھوں نے بہت سے تجزیے بھی کروائے اور فیصلہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکمرانی کے فرائض واپس لے لینے چاہئیں اور ملکہ انگلستان براہ راست ہندوستان کی بھی فرمانروا بن جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں ملکہ وکٹوریہ ہندوستان کی باقاعدہ ملکہ قرار پائیں ملکہ نے ہندوستانی رعایا کے ساتھ نہایت ہی رحم و کرم اور عادلانہ سلوک کا اعلان کیا جیسے کہ تمام شہنشاہوں کی روایت ہوتی ہے۔ رعایا کی حفاظت اور خوشحالی کا بھی خوش آئند الفاظ میں اعلان ہوا رعایا کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار تھا بھی نہیں۔ انھوں نے بھی وفاداری کا مودبانہ اعلان کیا اور اس قسم کے اعلانات پورے ہندوستان میں بڑے ہی اہتمام اور تزک و احتشام سے کروائے گئے۔ ملکہ نے خاص طور پر اعلان کیا کہ آئندہ کے لیے مقامی دیسی ریاستوں کا الحاق نہیں کیا جائے گا اور جتنے بھی پہلے سے معاہدات ہو چکے ہیں ان کا من و عن احترام کیا جائے گا۔ اسے اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ۱۸۵۷ء سے قبل بہت سی ریاستوں کے سربراہوں کو بدنظمی کی بنیاد پر جلدی جلدی معزول کر کے ان کے علاقوں کو انگریزی سرکار میں شامل کر لیا گیا تھا اور یہ فساد کی سب سے بڑی وجہ بنی تھی... اب بھی گنجائش رکھی گئی کہ انتہائی بدنظمی کی صورت میں فرماں روا کو معزول کیا جا سکتا ہے مگر الحاق کی شق کو ختم کر دیا گیا۔ ہر ریاست کے لئے ریذیڈنٹ ہو گا وہ ان کی انتظامیہ پر نظر بھی رکھے گا اور مناسب مشورہ سے بھی مستفیض بھی کرے گا۔ تمام ریاستوں کی سلامتی اور امور خارجہ کے معاملات کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ کوئی راجہ مہاراجہ نواب کسی بھی دوسری قوت سے براہ راست رابطہ نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی معاملہ کر سکتا تھا۔ ذرائع آمد و رفت وغیرہ بھی انگریزی سرکار ہی کی منشا کے مطابق طے ہونے تھے۔

اس طرح مقامی ریاستوں کے حکمرانوں کے الحاق کے خدشات ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بہت سے انتظامی امور اپنے ذمہ لے لئے اور انہیں اپنے عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے کی گنجائش پیدا کر دی یوں ان کو ایسے جکڑا کہ وہ انگریز سے غداری کا سوچ بھی نہ سکیں۔ وفاداری ہی میں

Marfat.com

اپنا فائدہ محسوس کریں۔ ویسے بھی انگریز ہندوستان کی زمین پر دو قسم کے ہندوستان رکھنا چاہتا تھا ایک وہ جہاں وہ خود براہ راست حکمرانی کا ذمہ دار تھا اور دوسرا وہ ہندوستان جس میں اس ہی کے محتاج' بگڑے ہوئے امیر' کبیر راجے مہاراجے اور نواب جو اپنے اپنے علاقوں میں بدنظمی' بدعملی' لاقانونیت' بے انصافی اور ظلم و جور کا عملی طور پر موجود نمونہ نظر آتے رہیں تاکہ عام لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ان کے اپنوں کے مقابلہ میں انگریز بہتر عادل حکمران ہے اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

اس میں انگریز نے نہایت چالاکی اور عیاری سے کام لیا۔ مقامی حکمرانوں کی سلامتی وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر کے انہیں اپنی ریاست کو کھو دینے سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ اب انہیں کوئی چیلنج نہیں رہ گیا تھا۔ مدافعت کی ضرورت اور نہ دفاع عامہ کی۔ کوئی دوسرا انہیں فتح نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے وہ جتنا مرضی ظلم کر لیں عوام ان کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے تھے کہ خود بڑی انگریزی سرکار نے اس کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ اس کا نتیجہ سوائے بے فکری اور عیاشی کے اور کیا نکلتا۔ نتیجتہً مقامی ریاستیں بدنظمی اور ظلم کی زندہ جاوید تصویریں بن گئیں۔ اس کے مقابلے میں انگریزی سرکار کا علاقہ بہشت نظر آنے لگا۔ اس طرح انگریز نے اپنی تمام تر درشتی اور سختی کے باوجود عوام میں احترام اور قبولیت کی ایک نہایت ہی خوبصورت صورت نکال لی۔ ریاستوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کیلئے تخت برطانیہ نے بذات خود خاص طور پر ذمہ داری قبول کر لی۔ مقامی حکمرانوں کے تفاخر کی تسکین کیلئے یہ بات بہت بڑے اعزاز کا درجہ رکھتی تھی کہ انہیں پروٹوکول کی بھول بھلیوں میں اچھی طرح پھنسا دیا جائے پھر کیا تھا کہ ان کی زندگی کا مقصد یا تو عیش و طرب تھا یا پھر یہ کہ کتنی توپوں کی سلامی ان کا حق تھا یا پھر سرکاری دعوتوں میں ان کی کرسی کا انگریزی حکمران سے کتنا قرب تھا۔ گورنر جنرل کی ذات میں ایک اور عہدہ تخت برطانیہ کے ذاتی نمائندہ کا بھی اس مقصد کے لئے شامل کر دیا گیا اسے مقامی ریاستوں کے ساتھ معاملہ فہمی کے لئے ملکہ کے نائب خاص کا درجہ مل گیا اور اس کام کے لئے اسے وائسرائے کا لقب دے دیا گیا۔ مقامی ریاستیں رسمی طور پر آزاد مملکتیں قرار پائیں اور ان کے ساتھ معاہدات کی حیثیت براہ راست تخت برطانیہ کے ساتھ ٹھہریں اور اس حیثیت کے ثبوت کے طور پر ہندوستان کے گورنر جنرل کی بجائے ان کی معاملہ فہمی ملکہ کے نائب وائسرائے کے ذریعہ ہونی قرار پائی۔ راجے مہاراجے خوش ہو گئے۔ انگریز نے ایک ہاتھ سے ان کے تفاخر کی خوب پذیرائی کی اور دوسرے ہاتھ سے ان کی نام نہاد آزادی اور خود مختاری بھی مکمل طور پر اپنے قبضہ قدرت میں لے لی۔ رموز مملکت خوش خسرواں دانند۔

Marfat.com

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

انگریزوں نے اس طرح اور بھی بہت سی ترمیمات کرکے اپنے راج کی گرفت کو خوب مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ مذہبی رسومات ادا کرنے کی مکمل آزادی کا اعلان کیا لیکن اسلام میں تو محض رسومات اور عبادات کا نام دین نہیں ہے۔ یہ تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں جسمانی طہارت، لباس، عبادات، شب و روز کے معمولات، اخلاق و آداب، معاملات، سیاسیات، حرب وامن اور امامت وامور مملکت تک کے معاملات ایک لائحہ عمل کی اکائی میں پروئے ہوئے ہیں اور ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ ان تمام امور کو اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی اپنی پوزیشن سے کماحقہ نبھانے اور اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھالے۔ اسی تناظر میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ان تمام اقدامات نے ایک عجیب و غریب صورت حال پیدا کر دی تھی۔ ہر چیز ان کی سوچوں اور جذبوں کے خلاف جا رہی تھی مسلمان بادشاہ کی شکست نے چاہے وہ رسمی طور پر ہی بادشاہ تھا ان کی نفسیات کو بہت ہی سخت ٹھیس پہنچائی تھی۔ ان کے اپنے اندر کوئی طاقت موجود نہ تھی اور آئندہ کی امید بھی نہ تھی۔ ایمانی جذبہ بھی کافی عرصہ سے الائشوں کا شکار تھا۔ اکبر کے زمانہ کی منافقتوں اور اس کے رد عمل نے تشدد کی سوچ پیدا کر دی تھی۔ ہندوؤں کی مخاصمت بھی بڑھا دی تھی اور ہر طرح کے اختلافات اور فرقوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔

Marfat.com

انگریزی راج سے آخری ٹکر بھی ہو چکی تھی اور مسلمان شکست فاش بھی کھا چکے تھے۔ انگریزی راج ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا اور اس کا رعب' دبدبہ اور شان و شوکت سب ہی خیرہ کئے دے رہا تھا۔ اس روحانی خلفشار میں ہندوستان کا بکھرا ہوا مسلمان اپنی ہی نگاہوں میں ذلیل ہو کر رہ گیا اور مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گیا۔ کوئی نہ تھا کہ اس کا پرسان حال ہو سکے اور پھر اپنی ہی ذات کے خول میں گھس گیا۔ ماضی کے سہانے اور بے معنی خواب دیکھنے لگا اور موجودہ تکلیف دہ حالات سے آنکھیں چرانے میں مصروف ہو گیا۔ پدرم سلطان بود کی رٹ میں تسکین ذات ڈھونڈنے لگا۔ ذاتی زہد اور عبادات میں گم ہو گیا کہ حال بہت تلخ تھا اور مستقبل تاریک۔ یوسف زلیخا اور شہزادہ سیف الملوک کے قصے گانے میں سکون تلاش کرنے لگا اور گمشدہ گوہر نایاب کی تلاش میں تڑپتا رہا۔ اختلافی اور فروعی مسائل میں الجھ گیا اور بحث مباحثے کے نہ ختم ہونے والے جھمیلوں میں پھنس کر رہ گیا۔ مرثیہ خوانی اور المیہ شاعری میں خوب طبع آزمائی ہونے لگی۔ غرض کہ ہند کے مسلمانوں نے اس مایوسی کی کیفیت کے خول میں مکمل روحانی' ذہنی اور دنیاوی سرور حاصل کرنا شروع کر دیا اور فرار کی مختلف راہیں تلاش کرنا شروع کر دیں۔ سمت کھو دی اور اجتماعی فلاح کی سوچ کی جرات بھی مفقود ہو گئی۔ انگریز کی وفاداری اور قرب حاصل کرنے کے علاوہ تمام ہی راستے بند ہو گئے تھے۔ کسی قسم کی سکت موجود ہی نہ تھی۔

ہندوؤں کا معاملہ اس سے مختلف تھا ان میں سے بھی بہت سوں میں مایوسی ضرور تھی لیکن وہ تو غلامی کے پرانے عادی تھے اور حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی بدرجہ اتم صلاحیت رکھتے تھے۔ انگریز اور انگریزی زبان سے انہیں ایسی چڑ تھی ہی نہیں اور ان کی اکثریت پہلے ہی انگریز کے قریب تھی تجارت میں تو وہ ید طولی رکھتے تھے۔ انگریز بھی تاجر پیشہ تھے۔ دونوں کی خوب بن رہی تھی۔ اس طرح ہندو مالی اور معاشی میدان میں مسلمانوں کو بہت پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ مسلمانوں کی حکمرانی تھی کہ وہ تو ختم ہو گئی دوسرے ہنر انہوں نے سیکھے ہی نہیں تھے۔

ادھر ۱۸۵۷ء کے واقعات کے بعد انگریز بھی سماجی طور پر اپنے خول میں چلا گیا تھا لیکن ایک احساس برتری لے کر اور ہندوستانی خاص طور پر مسلمان اس کے مقابلہ میں ایک احساس کمتری لے کر دور ہو گئے تھے۔ انگریز نے اپنے رابطے صرف سرکاری کام تک محدود کر لئے۔ مقدمات کے فیصلے کرنے کیلئے کچہریاں لگاتے' دلائل سنتے' مسکراہٹوں کو بے دخل کر کے سنجیدگی کے غلاف میں رعب و دبدبہ جماتے اور شام کو اپنے ہم رنگ اور ہم نسلوں کے ساتھ اپنی خاص جگہوں میں دل کھول کر بھڑاس

Marfat.com

نکالتے۔ ایسی جگہوں میں کتوں اور ہندوستانیوں کے داخلہ پر پابندی کے جلی حروف میں لکھے ہوئے بورڈ لگادیئے گئے تھے۔ نسلی گھمنڈ 'تفاخر' نخوت اور غرور نے انگریز کو مکمل طور پر ہندوستانیوں سے الگ کر کے ایک زبردست حد فاصل قائم کر دی تھی۔ انگریز نفرت میں ڈوب کر اپنے تمام انقلابات کے روشن خیال اثرات بھول گیا۔ پچھلی صدی کے اپنی ہی پارلیمنٹ کے اندر مباحث کہ آخر کار ہندوستانیوں کو تربیت دے کر اور ہنرمند بنا کر آزاد کر دینا ہے' کے تمام خیالات پر سکوت کا ایک مکمل غلاف چڑھا دیا اور اس کی روح و قلب کو ذبح کرنا شروع کر دیا اور بے پناہ اور لامحدود وفاداریوں کے بھونڈے تقاضے کرنے لگا۔ اور ہندوستانی تھے کہ ان کے پاس کوئی اور متبادل صورت تھی ہی نہیں۔

تمام اختیارات انگریز ہی کے پاس تھے۔ علم بھی ان کا اور دانش بھی ان کی۔ بس ایک خواب رہ گیا کہ اچھے دنوں کا انتظار کیا جائے۔ مغلوں کی سلطنت کی پرانی سرکاری درباری بیوروکریسی نے ہر وہ چیز جو انگریز کی طرف سے تھی کو کفر قرار دینا شروع کر دیا اور فاصلوں کو مزید بڑھانا شروع کر دیا۔ انگریزی لباس اور انگریزی تعلیم کو خلاف اسلام قرار دے دیا۔ نتیجتہ مسلمان نہ صرف کاروبار یا ملازمتوں کے معاملات میں محرومی سے دوچار ہوئے بلکہ سائنسی علوم کے خلاف بھی ان کے اندر مزاحمتی سوچ پیدا ہوگئی اور جدید علوم سے بھی محروم ہونا شروع ہو گئے۔ علم جو مسلمان کی وراثت تھی اب جہالت کی علامت بننا شروع ہو گیا۔ دینی علوم اور سائنس میں دوری پیدا کر دی گئی حالانکہ خود یورپ اور انگریز نے یہ علوم مسلمانوں ہی سے حاصل کئے تھے۔ مسلمانوں کے ان رویوں اور تحفظات نے انتہائی تنزل کی شکل پیدا کر دی تو اس وقت کے چند ایک ذمہ دار اور دانا مسلمان راہنماؤں نے مسلمانوں کو بچانے کے لئے قدم آگے بڑھائے اور انگریزی تعلیم کی ترویج کے لئے مسلمانوں کو قائل کرنا شروع کیا۔ ان زعماء میں سب سے نمایاں کردار سول جج پر فائز سرسید احمد خان نے ادا کیا اور علیگڑھ میں مسلمانوں کی علیحدہ تعلیم کے لئے کالج کے قیام کی تدبیر کی کہ وہاں پر اسلامی علوم کے علاوہ انگریزی زبان اور سائنسی علوم پڑھانے کا بھی بندوبست ہو۔ بہت سے کوتاہ اندیش مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود ان کے مصمم ارادہ میں کوئی فرق نہ آیا اور انہوں نے اسے حقیقت کا روپ پہنا کر چھوڑا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہی وہ واحد راستہ تھا جو آخر کار منتشر اور مایوس مسلمانان ہند کے لئے کوئی راہ نجات نکال سکتا تھا۔ اس سلسلہ میں انہیں بے انتہا محنت کرنا پڑی۔ وہ ہر صاحب حیثیت مسلمان کے پاس چندہ اکٹھا کرنے کے لئے پہنچے۔ انگریزوں کو بھی کافی حد تک رام کیا اور ان کی بھی سرکاری مدد حاصل کی اور مسلمانوں کو جدید علوم سیکھنے کی طرف راغب کیا لیکن دینی علوم اور سائنسی علوم میں جو خلیج پیدا کر

Marfat.com

دی گئی تھی وہ پوری طرح سے کبھی پھلانگی نہ جا سکی بلکہ آج تک تعصب کی ہزار شکلوں میں موجود ہے اور مسلم امت کی علمی اور معاشی پستی کا باعث بن رہی ہے۔ سائنس اور دین اسلام میں تو تضاد موجود ہی نہ ہے لیکن چونکہ اس وقت سائنس کا علم سفید فام انگریز کے ذریعہ آ رہا تھا جس نے مسلمان حکومت ختم کی تھی اس لئے اسے ذہنی اور جذباتی طور پر مسترد کیا جاتا رہا حالانکہ اس کا سارے کا سارا نقصان مسلمانوں ہی کا تھا۔ قاضیوں اور مفتیوں کو اپنی نوکریاں ختم ہونے کا دکھ تھا اور وہ اپنے ذاتی دکھ کی زہریلی کیفیت سے نکل کر دیکھنے سے قاصر رہے اور علوم سائنسیہ ہی کو خلاف اسلام قرار دے دیا۔ یہ تو خدا بھلا کرے سرسید احمد خان ایسے بزرگوں کا کہ کچھ نہ کچھ سنبھال کر بچالیا۔ پنجاب میں لاہور کے مسلمان تحصیلدار ملک برکت علی صاحب نے سرسید احمد خان کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کی علمی کاوش کی راہنمائی کا بیڑا اٹھایا اور اسلامیہ سکولوں اور بعد میں کالجوں کا سلسلہ شروع کروایا گیا۔ انجمن حمایت اسلام نے اشاعت علم میں بہت ہی زیادہ گرانقدر خدمات انجام دیں اور مسلمانوں میں علم کی روشنی کو دور دور تک پھیلایا۔ یہی انجمن حمایت اسلام بعد میں علیحدہ اسلامی تشخص کی آبیاری کا ہراول دستہ بنی اور حضرت علامہ اقبال ایسے زعماء اسی پلیٹ فارم سے اپنی عظیم فہم و فراست کی مالک فکر کا پرچار کرتے رہے۔

علیگڑھ تحریک نے ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں مزید علم کی روشنیوں کے لئے چراغ جلائے۔ سندھ مدرسہ کراچی کی بنیاد ایسے ہی عظیم مسلمان صاحب دل کا کارنامہ تھا کہ یہاں سے تعلیم یافتہ ایک طالب علم محمد علی جناح کو یہ فخر حاصل ہوا کہ وہ مسلمانان ہند کے لئے پاکستان کی شکل میں ایک علیحدہ آزاد ملک دلا دے۔ صاحبزادہ عبدالقیوم ایسے بزرگان نے پشاور اور سرحد کو غنچہ علم و عرفاں بنانے کا سبق بھی سید احمد خان ہی سے حاصل کیا تھا۔ خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جو بری حالت مسلمانوں کی ہو چکی تھی اور بعید نہ تھا کہ اگر انہیں اس حالت سے نکالنے کا راستہ نہ نکالا جاتا تو ان کا وہی حشر ہوتا جو ہندوستان میں پہلے سے موجود شودروں کا تھا۔ یہ تو ان بزرگوں کا احسان عظیم ہے کہ انہوں نے ہمیں مزید ذلتوں سے بچانے کا کچھ نہ کچھ بندوبست کر لیا۔ بکھری ہوئی ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لئے جدید علوم کے حصول کی تحریک چلائی تاکہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کی تیاری تو ہو سکے۔ انگریز جو بالکل چھا چکا تھا اس کے قرب سے کچھ تو فائدہ اٹھا کر اچھے وقتوں کے آنے تک زندہ تو رہا جا سکے، مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمتوں میں حصہ لیا جا سکے، تجارت اور انڈسٹری کے میدان میں بھی ہندوؤں کی اجارہ داری کی رکاوٹ ہو سکے۔

Marfat.com

لیکن ہندو تھا کہ پہلے ہی کافی آگے نکل چکا تھا اور وہ فاصلہ کبھی بھی ختم نہ ہو سکا اور یہی وجہ تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں بہت سے معاشی میدانوں پر قبضہ کر کے غلبہ حاصل کر لیا۔ ان کی یہی حرص اور مسابقت آخر کار سب سے بڑی وجہ بنی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا اکٹھا رہنا محال ہو گیا۔ ہندوؤں نے اپنی تنگ نظری کی وجہ سے ہر جگہ اور ہر میدان میں مسلمانوں کی زندگی کو اجیرن بنا دیا تھا۔ وہ علیگڑھ علمی تحریک کے بھی مخالف تھے یہاں تک کہ مسلمانوں کے خلاف بغض کی وجہ سے انہوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی میں بطور خاص ہندی کو ذریعہ تعلیم قرار دیا حالانکہ اس وقت تک ہندی اور اردو میں کوئی فرق نہ تھا۔ انہوں نے دیوناگری رسم الخط کو خاص طور پر اس کام کے لئے اپنایا۔ مسلمانوں اور اردو کو تضحیک کا نشانہ بنایا۔ ۱۸۶۹ء سے تو انہوں نے اردو کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ پھر سرسید احمد خان کو اردو زبان کو بچانے کے لئے باقاعدہ تحریک چلانا پڑی مسلمانوں کو خاص طور پر اردو کی پذیرائی کے لئے تیار کیا۔ سرسید احمد خان ہندو مسلم تفریق کے حق میں نہیں تھے وہ تو صرف مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے مگر ہندو تعصب اور تنگ نظری نے انہیں بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ ہندو اور مسلم کسی بھی صورت میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس وقت ہندوستان کی حد تک صرف انگریزی حکومت کی، وجہ سے یہ دو قومیں اکٹھی رہ رہی ہیں۔ انگریز کے جانے کے بعد دونوں میں جنگ ہوگی اور جو کوئی جیتے گا وہی ہندوستان پر حکمرانی کر سکے گا۔ اس طرح ہندو ہتھکنڈوں سے عاجز ہو کر سرسید احمد خان نے سب سے پہلے دو قومی نظریہ پیش کیا کہ ہندوستان میں دو قومیں مسلمان اور ہندو بستی ہیں اور صرف ایک غیرکی جابر حکومت کی وجہ سے اکٹھی ہیں۔ آخر کار یہی ہوا کہ جو کچھ سرسید احمد خان ایسے دور رس نگاہ و بصیرت کے مالک نے دیکھا تھا۔ وہ پاکستان کی شکل میں اللہ کے فضل سے ظہور پذیر ہوا۔ اس کا احساس اس سے قبل شاہ ولی اللہ اور شیخ احمد سرہندی ایسے بزرگوں نے بھی کر لیا تھا اور اپنے اپنے وقت میں اسے تباہ ہونے سے بچا لیا تھا اس لئے کہ یہی مشیت ایزدی تھی لیکن جس وقت سرسید احمد خان ایسے بزرگ مشکل ترین حالات میں قوم کی راہنمائی فرما رہے تھے اس وقت انگریزی راج بالکل نصف النہار پر تھا اور ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اس کی سلطنت پر سورج کبھی نہیں ڈوبتا تھا وہ جمہوریت کے دعوے بھول چکا تھا اپنے لئے جمہوریت اور دوسروں کے لئے غلامی میں بہتری سمجھ رہا تھا کہ سفید فام نسل کی بھاری ذمہ داری تھی کہ وہ نوع انسان کو مہذب بنائے۔ خود پسندی کے اپنے رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ کامیابی ہر کسی کو انا پرست بنا دیتی ہے اسی طرح جیسے آجکل امریکہ ساری دنیا کا تھانیدار بن کر جو جی میں آتا ہے کرتا ہے اس

Marfat.com

طرح پچھلی صدی کا انگریز بن گیا تھا۔ حالانکہ اپنے روشن خیال انقلابات کے زیر اثر جمہوری اقدار کی تعلیم و ترویج کا حامی رہا تھا لیکن ۱۸۵۷ء کی نفرتوں نے اسے ربع صدی تک یہ سبق بھلائے ہی رکھا اور اس کا ذکر بھی بھول گیا اور بہت ہی سخت گیری لیکن منصفانہ حکومت کا اہتمام کیا۔

ربع صدی کے بعد جب خیال آیا تو اس کے عوامل نظریاتی سے زیادہ مفاداتی تھے۔ کہ ایک انگریزی دانشور افسر ہیوم (A.O.HUME) نے محسوس کیا کہ اس وقت کی انگریزی حکومت بالکل اندھیرے میں کام کر رہی تھی۔ ہندوستانیوں سے سماجی سطح پر بالکل لاتعلق ہو چکی تھی اسے تقسیم در تقسیم کرنے پر ہی اپنی عافیت سمجھتی تھی اس نے دیکھا کہ قحط اور بھوک میں سب امتیاز مٹ جاتے ہیں اور موت کا خدشہ ہر کسی کو اکٹھا بھی کر لیتا ہے۔ انیسویں صدی کی اسی کی دہائی کے شروع میں فصلیں خراب ہو گئیں اور کاشتکاروں کے اندر بے پناہ بے چینی ابھر رہی تھی۔ ہیوم اپنے طور پر انٹیلی جنس جمع کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچا کہ ملک کے اندر کاشتکاروں کی بغاوت اٹھنے کو ہے اس لئے اس کے نقطہ نگاہ سے ضروری تھا کہ ہندوستان کے وفادار طبقوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر کے ان کے خیالات اور جذبات سے آگہی رکھی جائے اور بروقت ایسے اقدامات اٹھائے جا سکیں جن سے ۱۸۵۷ء ایسے واقعات کا اعادہ ممکن نہ ہو اور انگریزوں کی سرکار ناگہانی بحران اور مصیبت کا شکار نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نے انگریزوں کے نہایت ہی وفادار لوگوں کی ایک کانگریس منظم کرنا شروع کی جس کا پہلا اجلاس ۱۸۸۵ء میں منعقد ہوا جو بعد میں چل کر آل انڈیا کانگریس کے نام سے مشہور ہوئی اور آزادی ہند کی علمبردار بنی مگر وہ بہت زیادہ مراحل اور مسافت طے کرنے کے بعد اس مقام پر پہنچی۔

انگریز نے جب ربع صدی کے بعد جمہوریت وغیرہ کی علامتوں کا سوچا تو صرف اپنے خاص مقاصد اور مفادات کی حفاظت کے لئے کیا۔ یہ اقدام کسی خوش دلی کا نتیجہ نہ تھا۔ لارڈ رپن نے ۱۸۸۴ء کا جو لوکل سیلف گورنمنٹ کا سلسلہ شروع کیا وہ ان ہی طرح کی سوچوں کا نتیجہ تھا ۱۸۸۴ء کے نظام کے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل کمیٹیاں مکمل طور پر منتخب نہیں تھیں اس میں آدھے لوگ نامزد ہوتے تھے اور زیادہ تر اختیارات انگریز کے ضلعی افسروں کے پاس ہی تھے۔ اصل میں وہ کام انہوں نے ہندوستانی لوگوں کی سوچوں اور جذبات کی نبض شناسی کے لئے کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وقت کے دھارے نے ان ہی اقدامات کو آہستہ آہستہ ایسی صورت بخشی کہ آخرکار وہ آزادی پر منتج ہوئی۔

ویسے تاریخ کے اپنے الگ فیصلے بھی ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے سبق کے مطابق اللہ تعالیٰ ایک گروہ کی سرکوبی کے لئے دوسرے گروہ کو بھیج دیتا ہے ورنہ تو اس دنیا سے انصاف

Marfat.com

مٹ جائے اور ظلم کا دور دورہ ہو جائے۔ نمرود کی ہیبت' ایمان ابراہیم کے سامنے ہیچ ٹھہرتی ہے۔ فرعون کا عظیم لاؤ لشکر ڈوب کر فنا ہو جاتا ہے اور موسی علیہ السلام پار لگ جاتا ہے۔ اللہ تعالی نے ہر فرعون کے لئے موسیٰ ضرور تیار کر رکھا ہوتا ہے۔ انگریز ہوشیار بھی تھا اور گھمنڈی بھی۔ نپولین کو سرنگوں کر چکا تھا اور روس کے راستے روک دیئے تھے۔ ترکی کی حکومت کو یورپی بینکوں کے قرضوں نے نڈھال کر دیا تھا لیکن بکھرا ہوا وحشی جرمنی بسمارک ایسے مدبر کی راہنمائی میں مضبوط ہو رہا تھا۔ جنرل سٹاف کی اہلیت اور صلاحیت کو بہتر بنانے کے لئے تعلیم کے خزانہ کو عام کیا جا رہا تھا۔ نطشے ایسے فلسفی کے نظریات کے پرچار کو عظیم ولولوں اور جذبوں کی آبیاری کے لئے خوبصورت اور دلربا سانچوں میں ڈھال رہے تھے۔ نطشے کے سامنے جرمن سپاہی ہی سپرمین تھا جو صاحب سیف و کردار بن کر دنیا کی حکمرانی کا سامان پیدا کرتا۔ یورپ کی تہذیب اپنی ہی تباہی کا سامان اپنے اندر کے تضاد ہی سے پیدا کر رہی تھی کہ تبھی تو غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی انسانیت ان کے چنگل سے آزادی حاصل کر سکتی تھی ورنہ ایشیاء' افریقہ اور ہندوستان سب ہی سرنگوں تھے۔ انگریز خشکی اور سمندروں کا مالک بن بیٹھا تھا۔ جرمن ہو یا فرانسیسی کوئی بھی تو غریبوں کی منڈیوں تک رسائی نہ رکھتا تھا کہ انگریز رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ ہندوستانی تو بے چارے سجدہ ریز ہی تھے اور سمجھتے تھے بلکہ اب تو یقین کرنے لگے تھے کہ سفید رنگ کا انسان ہر لحاظ سے برتر اور طاقتور ہے لیکن تاریخ ہے کہ عجیب و غریب رنگ دکھاتی ہے کہ یکایک ایک ایشیائی طاقت جاپان کی صورت میں ایسی ابھری کہ روس کی پوری طاقت کو شکست دے کر سارے ایشیاء کو پیغام دے دیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اور ایشیائی لوگوں کی خود اعتمادی آہستہ آہستہ لوٹنے کا سامان پیدا ہونے لگا۔ وفادار کانگریس کے اندر بھی ملی جذبات ابھرے بغیر نہیں رہ سکتے تھے غلامی کا کوئی بھی جواز ممکن ہی نہیں ہے۔ انسان زندہ رہتا ہے کہ اس کا خمیر بہت عظیم جذبات اور اقدار کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالی بھی کہتا ہے کہ یہ احسن ہے۔ اسے بہترین پیدا کیا گیا۔ دین' دنیا' ثقافت سب ہی مل کر بھی غلامی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ظاہری وفاداری کے اظہار کے باوجود کانگریس تک ایسے انقلابی راہنماؤں کے زیر اثر انگریز سے ہندوستانیوں کے لئے بہتر سلوک کا تقاضا کرنے لگی۔ گوکھلے ایسے معتدل راہنما پس منظر میں جا رہے تھے اور انگریز بھی خواب خرگوش سے بیدار ہونے کے لئے انگڑائیاں لے رہا تھا۔ روس اس کا دشمن تھا مگر تھا تو اس کا یورپی بھائی۔ جاپان سے شکست کھائی انگریز کو دھکا لگا اور ہندوستانی ایشیائیوں جنہیں اب وہ کیڑے مکوڑے سے زیادہ نہیں سمجھ رہا تھا کے متعلق بے شک خوفزدہ نہ ہوا مگر سوچنے پر مجبور ضرور ہو گیا۔ ابھرتے ہوئے جرمنی سے تو وہ خوفزدہ

Marfat.com

تھا ہی' ترکی کی خلافت اگرچہ کمزور تھی مگر اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ابھی تک اس میں انگریز کو پریشان کرنے کی سکت ضرور ہے اور پھر اس کے دینی رشتہ کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں اس کا زبردست جذباتی اثر بھی ہے۔ اسی طرح کے خدشہ ہائے دور دراز نے انگریز کے لئے بیسویں صدی کا استقبال کیا تھا۔ بالکل شروع یعنی ۱۹۰۵ء میں جاپان نے روس کو ڈھیر کر دیا تھا اور یورپی برتری کے نظریہ کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں انگریز نے اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے لوگوں کو رام کرنے کے لئے بہت بڑے بڑے ذرائع آمد و رفت کے منصوبے شروع کئے تاکہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی افواج کو سرعت کے ساتھ لے جاسکے۔ دنیا کا سب سے بڑا ریلوے سسٹم انگریز نے ہندوستان ہی میں پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اسی طرح آبپاشی کے لئے بھی انہار کا ایک عظیم سلسلہ شروع کیا وہ بھی دنیا میں انہار کا سب سے بڑا منصوبہ تھا۔ شاہراہوں اور ٹیلیگراف کا جال بچھانا شروع کر دیا۔ ان منصوبوں سے لوگوں کو روزگار بھی ملا۔ انہار سے بنجر زمینوں کو آباد کرنا شروع کر دیا گیا تاکہ قحط ایسی ناگہانی مصیبتوں پر قابو پایا جاسکے اتنے بڑے بڑے منصوبے دیکھ کر ہندوستان کے لوگ انگریز سے خوش بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔ امن و انصاف کا تو نہایت ہی بے مثل نظام قائم کر دیا تھا لہٰذا عام لوگوں نے انگریز سے خوش اور مرعوب ہو کر اس کی تعریف و توصیف میں گانے گانے شروع کر دیئے۔ ریل گاڑی ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی تو ترقی کی علامت کے طور پر اس کے گانے گائے گئے۔ یوں ریل گاڑی ہندوستان کی مقامی زبانوں اور فوک میوزک کا مرکزی نقطہ بن گئی اس طرح نہروں نے جب ہریالی لائی تو انگریزوں اور نہروں کی عظمت کے گیت عام ہو گئے پولیس کپتان اور تھانیدار پنجابی فوک شاعری کے پسندیدہ موضوع بن گئے (سرتے پگ بن کے لگدا تھانیدار نی)۔

لیکن بہت سے لوگ تھے جنہیں اپنے قومی وقار کے چھن جانے کا بہت دکھ تھا لیکن انگریز کے خوف سے قومی اور ملی موضوعات پر کچھ کہنے سے قاصر تھے حتی کہ ۱۸۵۷ء کے شہداء یا ہیروز کے کسی نے گانے نہ گائے بلکہ انہیں تو بھلا ہی دیا۔ ان میں کتنے عظیم لوگ تھے جنہوں نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ منصب' جائداد اور اولاد کی پروا نہ کی۔ لیکن ان کے کسی نے گیت نہ گائے اس کی بجائے ماضی بعید کے قصوں کہانیوں سے دل بہلاتے رہے داستان حمزہ سے دل خوش کرتے رہے کیونکہ اتنے پرانے واقعہ یا افسانہ سے کسی کو کیا ڈر تھا۔ کوہ قاف کی پریوں اور دیووں کے قصے گھڑ لئے۔ اگر

Marfat.com

امت مسلمہ مکمل طور پر بے حس نہ ہو چکی ہوتی تو کم از کم خاموشی اور رازداری ہی سے سہی، ۱۸۵۷ء کے مجاہدین کو یاد ضرور رکھتی۔ انگریزی راج کے رعب و دبدبہ اور قومی مایوسی اور بے حسی کے اس عالم میں ملت اسلامیہ کی اجتماعی فلاح کے لئے سوچنا اور اسے اس احساس کمتری سے نکالنے کا عزم سرسید احمد خان ایسے پر عزم عظیم لوگ ہی کر سکتے تھے اور انہوں نے آہستہ آہستہ صحیح سمت متعین کی، محنت کی اور بیداری ملت کا بیڑا اٹھایا۔ ہندوؤں کے تعصب اور حسد کا بھی مقابلہ کیا انگریزی زبان، سائنسی علوم، عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم دے کر مسلمانوں کو راہ نجات دکھائی۔ ان کی ہمت بندھوائی۔ انگریزی افواج میں بھرتی کے لئے مسلمانوں کو راغب کیا تاکہ انہیں کم از کم بقائے ذات کے قابل بنایا جائے اور اس طرح کچھ دولت تو مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور صحیح وقت آنے پر اس قوت کو ملی مقاصد کے قالب میں ڈھالا جا سکے۔ اگر مسلمان مایوسی کا شکار ہو کر معاشی طور پر پس جاتے تو پھر آزادی کے خواب کیسے دیکھ سکتے تھے۔

انگریز اپنے مقاصد کی آبیاری کے لئے وفاداری حاصل کرنے کی ترکیبیں لڑا رہا تھا۔ انڈین کانگریس کی بنیاد رکھ رہا تھا۔ لوکل سیلف گورنمنٹ کی کمند ڈال رہا تھا تو ہندوستانی رعایا خاص طور پر مسلمان اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے افراد ہی سے ملت بنتی ہے تو پھر ضروری تھا کہ افراد کو آنے والے وقت کے لئے بچایا جائے اور پھر وقت پلٹ رہا تھا جرمنی سر اٹھا رہا تھا۔ جاپان ایک بڑی فوجی قوت بن گیا تھا۔ روس اور ترکی بھی بہت بڑی قوتیں تھیں۔ بین الاقوامی سطح پر طاقت کے شطرنج کی بازی کھیلی جا رہی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی سے انگریز کی دنیا پر بالادستی کو خطرات لاحق ہو گئے تھے۔ افق پر ہر طرح کے خطرے امڈ رہے تھے اور وہ ان خطرات کو بھانپ چکا تھا۔ خود ہندوستان کے اندر آزادی کے جذبے انگڑائیاں لے رہے تھے انگریزوں کے ساتھ رابطوں اور انگریزی تعلیم نے جہاں انہیں انگریز سے ذہنی طور پر قریب کیا وہاں پڑھے لکھے ہندوستانیوں کو شعور ذات کی طرف بھی راغب کیا۔ انہوں نے اپنے اخبارات اور رسالے نکالنے شروع کر دیئے تھے اور ان میں سخت سنسر کے باوجود وہ اپنے ملی جذبات کے متعلق بہت کچھ کہہ جاتے۔ اس وقت کے حالات میں ان مجلوں نے ملی جذبات ابھارنے میں سب سے زیادہ کام کیا۔ کہنے کا راستہ مل جائے تو کہنے والے دل کی بات کے لئے سو راستے نکال لیتے ہیں۔ نثر نا کام ہو تو نظم کام نکال لیتی ہے اکبر الٰہ آبادی طنز مزاح میں سب کچھ کہہ جاتا ہے محمد حسین آزاد انگریز کے گیت گاتا ہے تو الطاف حسین حالی ولولہ انگیز اور دلربا اسلامی جذبات اس طرح نظم کر جاتا ہے کہ ہر کسی کے دل نشین ہو جائیں اور ملی بیداری کی مضبوط بنیاد رکھنا شروع کر دیتا

Marfat.com

ہے۔ عظمت رفتہ کو بھول جانا بھی کوئی دانشمندی نہیں اور اس وقت کی یاد اپنے بنیادی عقائد اور حرارت ایمانی کے نقش پیدا کر جاتے ہیں اور یوں جہاں نو کی تخلیق ممکن ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر

پرانی بادشاہت تو ممکن نہ تھی اور اس کی کہانی ۱۸۵۷ء کے بعد ویسے بھی ختم ہو گئی تھی اور اچھا ہی ہوا کہ ختم ہو گئی۔ مسلمان اور اسلام ملوکیت کے چنگل سے آزاد ہو گئے اور اسلام کی جو شکل اس نے بگاڑی تھی اسے اصلی صورت میں بحال کرنے کی گنجائش بھی نکل آئی۔ ملوکیت اور موقع بے موقع تکفیر نے اجتہاد کے دروازے بند کر کے اسلام پر جو جمود طاری کر دیا تھا اسے ختم کر کے اجماع امت کے بہتر مواقع ہمیں میسر آ گئے تھے سید امیر علی اور سرسید احمد خان جیسے علماء نے ملت کی راہنمائی کی اور نئے حالات اور فضا کے تناظر میں جدید علوم سے فائدہ اٹھانے کا سبق دیا اور غصے میں غرق کوتاہ اندیشوں سے ملی خود کشی کے رجحان کو ختم کروایا ورنہ ہندو کی تو خواہش ہی یہ تھی کہ مسلمان اپنے ہی ہاتھوں تباہ و برباد ہو جائے اور اس نے اس سلسلہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں بھی پیدا کیں اور اشتعال بھی دلوائے۔ اردو کی مخالفت اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔ اردو 'انگریزی اور دوسری مقامی زبانوں کے دینی 'ملی اور سیاسی مجلوں نے اس وقت کے مسلمانوں کی بہت خدمت کی اور راہنمائی کی۔ عوامی اور جمہوری قوت ہی تھی جس کی بیداری سے کوئی امید وابستہ کی جا سکتی تھی لہٰذا عام مسلمانوں کی ان راہوں پر تربیت کے لئے اس وقت کے لکھنے والے مسلمانوں نے بے مثال خدمات انجام دیں اور مسلمانوں کو

Marfat.com

کسی نہ کسی طرح ایک تسبیح میں پروئے رکھنے اور انہیں علوم جدید سے ہمکنار کر کے قوت بخشنے کا بہت بڑا عظیم فریضہ ادا کیا۔

قومیں اگر اپنی اصل پر قائم رہیں تو زندہ بچ نکلتی ہیں اور مناسب وقت آنے پر قوت بھی پکڑ لیتی ہیں۔ ان بزرگوں نے امید کی شمع جلائے رکھی اور فطرت تھی کہ وہ ایسے سامان پیدا کر رہی تھی کہ خود انگریز اور یورپ کی تہذیب کو اندر ہی سے نقب لگنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حالات و واقعات کا دھارا بدلنے کے لئے تاریخ اپنے متعین اصولوں کے مطابق عظیم شخصیتوں کے فکر و عمل ہی کے ذریعہ ظہور پذیر ہوتی ہے اور یورپی تہذیب ایسی شخصیات کے فکر و دانش کی خود آبیاری کر رہی تھی جنہوں نے آگے چل کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کیلئے کلیدی کردار ادا کرنا تھا۔ موہن داس کرم چند گاندھی گجرات کاٹھیاواڑ کے دور دراز گاؤں سے بنیادی تعلیم کے بعد انگلستان وکالت پڑھنے کی خاطر جاتا ہے۔ ہندوستان واپسی کی بجائے جنوبی افریقہ کے انگریزی قانون انصاف میں مکمل اعتماد کے ساتھ کام شروع کرتا ہے مگر جب ٹکٹ خریدنے اور نشست مخصوص کروا لینے کے باوجود کالا ہونے کی وجہ سے ایک گورے کے ہاتھوں فرسٹ کلاس (اول درجہ) ریلوے ڈبہ سے باہر دھکیلا جاتا ہے تو اس کے اندر کی حمیت اٹھ کھڑی ہوتی ہے اور وہ اس صریح بے انصافی اور توہین کے خلاف سراپا احتجاج بلکہ بغاوت بن جاتا ہے اور اس بے انصافی کے خلاف تحریک ابھارتا ہے' احتجاج کرتا ہے۔ وہاں کے ایشیایوں اور کالوں کو منظم کرتا ہے عدم تشدد کے طریقوں سے وہاں کے گوروں کو انہیں اپنی ہی نگاہوں میں گرانا چاہتا ہے۔ انہیں خفت کا شکار کرنا چاہتا ہے اور ان کے عدل کے دعووں کی قلعی اتار کر رکھ دیتا ہے۔ کئی سال (شاید ۱۴ سال) تک پرامن' تشدد سے پاک جدوجہد کرتا ہے۔ مختلف حربے استعمال کرتا ہے جس سے گوروں کے ظلم و سفاکی کا پردہ چاک ہوتا ہے وہ اسے اہنسا کے نام سے متعارف کرواتا ہے اور اس کی بنیاد حق (TRUTH) قرار دیتا ہے اسے Passive Resistance کا نام بھی دیتا ہے اس طرح کے حربے گوروں کو زچ کر دیتے ہیں اور آخر کار وہ اسے جنوبی افریقہ سے ملک بدر کر کے واپس ہندوستان بھیج دیتے ہیں۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ یہ لنگوٹی پوش عجیب و غریب اور بظاہر معمولی غیر ضرر رساں حرکات کرنے والا فقیر (مہاتما) آخر کار ہندوستان کے طاقتور حکمران انگریز کو مغلوب کر لے گا اور ہندوستان کی آزادی کا نقیب بنے گا لیکن گاندھی ہندوؤں کی آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانان ہند کی آزادی کا خون بھی کرنا چاہتا تھا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا اس لئے کراچی میں پیدا ہو کر اور سندھ مدرسہ میں زیور

Marfat.com

تعلیم سے مزین ہو کر ایک مسلمان نوجوان محمد علی بیرسٹری کی تعلیم کے لئے لندن کی راہ لیتا ہے اور لنکنزان میں قانون پڑھنے کے لئے صرف اس لئے ترجیح دیتا ہے کہ اس کی عمارت کی پیشانی پر حضرت محمد پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام دنیا کو قانون دینے والے بڑوں میں لکھا ہے۔ محمد علی جناح کا عشق رسول اسے قانون کا بہترین طالب علم بنا دیتا ہے کہ اس نے آئندہ اپنے تجربہ علمی اور توانا فکر کی بنا پر پورے ہند کے مسلمانان کی آزادی کی بھاری ذمہ داری اٹھانی ہے۔ اس سے قبل نصف صدی میں انہیں خواب غفلت سے اٹھانا ہے۔ مسلم وقف کے ضیاع اور غلط مصرف کو اپنی اعلیٰ قانونی صلاحیت سے مسلمانوں کی بہتر تعلیم اور فلاح کے لئے مختص کروانا ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے مقدمے جیتنے ہیں مگر سب سے بڑا مقدمہ منشاء الٰہی کے مطابق ان کی امامت کا جیت کر دینا ہے کہ اس لئے اک خطہ پاک درکار تھا۔ وہ نوجوان فطرت کے تقاضوں کی تکمیل کی خاطر قانون اور سیاسیات کی بہترین تعلیم و تربیت اور مہارت ناروجی دادا بھائی ایسے معزز و شفیق بزرگ جو کہ اس وقت برٹش پارلیمنٹ میں ہندوستانیوں کی طرف سے نمائندہ تھے کے ساتھ کام کر کے حاصل کرتا ہے۔ پارلیمنٹ کے مباحث نہایت انہماک سے سنتا ہے اور اس وقت کے آزاد خیال اور متوازن سیاسی خیالات کو اپنے لئے مشعل راہ بناتا ہے ہندوستان پہنچ کر اپنے سیاسی سفر کا آغاز ان ہی خیالات سے کرتا ہے۔ گوکھلے ایسے متوازن کانگرسی سیاست دانوں کے ساتھ مل کر ایسے خیالات اور راہ عمل اپناتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کہلاتا ہے اور ہندوستان کی آزادی کا سب سے بہترین ترجمان بنتا ہے۔ ہوم رول کا پرچارک اور نائیڈو کی نگاہ میں جو خود آزادی ہند کی بلبل مشہور تھی ہندو مسلم اتحاد کی بہترین علامت بن کر ابھرتا ہے لیکن ہندو ذہنیت کی تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی دیکھیئے کہ کچھ دیر بعد ہی محمد علی جناح' سرسید احمد خان کی طرح محسوس کرتا ہے کہ ہندو تو مسلمان کو ختم کر دینے ہی کے درپے ہیں اور وہ اسے اس کے تمام تر سیاسی اور ذاتی حقوق سے ہی محروم کر دینا چاہتے ہیں تو وہی محمد علی جناح ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے زیادہ موثر آواز بن کر ابھرتا ہے اور ہندوؤں کے فریب سے بھرے تانے بانے کو تار تار کر دیتا ہے کہ یہی اس کے دین کا تقاضا تھا اور یہی اس کی تاریخ کا سبق تھا۔

تاریخ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لئے اپنے شاہسوار تیار کرتی رہتی ہے۔ محمد علی جناح کی طرح سیالکوٹ کی سرزمین سے بھی ایک نوجوان محمد اقبال ان ہی راہوں پر چل کر امت مسلمہ کی عظمت و اقبال کا درخشندہ ستارہ بننے والا تھا۔ نیک اور دیندار والدین نے اس کی بنیاد ہی عشق الٰی اللہ اور اس کے حبیب کے صدقے اٹھائی تھی اس کارواں رواں فکر اسلام سے سینچا گیا تھا قرآن و حدیث

Marfat.com

حرز جان کیں تو دنیاوی علوم میں بھی کمی نہ رہنے دی۔ مرے کالج سیالکوٹ ہو یا گورنمنٹ کالج لاہور اس وقت تک کے تمام جدید و قدیم علوم پر ان دانش کدوں سے اس نے مکمل دسترس حاصل کر لی تھی کہ ان ہی علوم کی بدولت اور عشق دین کی حرارت سے دل مسلم کو گرمانے کا ذریعہ بننا تھا۔ فطرت اپنے قوانین کی پیروی کرتی ہے اور سونے کو کندن بنانے کی خاطر اقبال کو انگلستان اور جرمنی کی بہترین درسگاہوں میں بھجوا دیتی ہے۔ اس وقت کے تمام عظیم مفکر اقبال کی سوچ کو جلا بخشتے ہیں اور وہ یورپ کے تمام حکمت و فلسفہ کو سمیٹ کر اپنی جھولی میں ڈال لیتا ہے کہ اس حکمت و دانش نے انگریز سے آزادی حاصل کرنے کی راہ دکھانی ہے۔ علم کے اس لاثانی خزانے نے اقبال کے پہلے ہی سے روشن قلب و روح کو وہ نور دیا کہ اس سے تمام کا تمام ظلمت کدہ ہی منور ہو گیا۔ روحانی اور دینی علم و عرفان نے بنیاد تو پہلے ہی سے مضبوط بنا دی تھی مگر مغربی فلسفہ کی آمیزش نے اسے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنا کر بہت ہی خوبصورت اور توانا بنا دیا تاکہ اقبال اپنے مسلمان بھائیوں کو ان کے مسائل کے حل کے لئے ٹھوس عملی راہ دکھا سکے۔ ہندوستان کے بتکدے میں دل مسلم کو جگانے کے لئے ہر طرف اذانیں دیں اور انہیں حریف کی چالوں سے خوب آگاہ کرے کہ وہ خود شعور ذات اور آگہی کے تمام مراحل سے گزر کر آیا تھا۔

اقبال نے بھی ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا کے خوبصورت ترانوں اور تمناؤں سے آغاز کیا تھا لیکن یہاں بھی ہندو کی عیاری نے وہ وہ کام دکھائے کہ آخر کار اسے مسلمانان ہند کے لئے علیحدہ خطہ کا نظریہ دینا پڑا۔ اور کہنا پڑا کہ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا۔ اقبال کو ہندو کے مقابلہ میں ان ہی مسائل کا سامنا تھا جو محمد علی جناح' سرسید احمد خان یا شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی کو تھے۔ ہندو کسی بھی شکل میں مسلمانوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھے اس لئے ان بزرگوں نے اپنے اپنے وقت کے مطابق امت کی صحیح راہنمائی کر کے بچا لیا کہ آخر کار لیلۃ القدر کی بابرکت ساعت میں ۱۴' اگست ۱۹۴۷ء کو حرارت ایمان والوں کے جذبوں کی بدولت پاکستان کا معجزہ ظہور پذیر ہونا تھا اور اس لمحہ کی تیاری فطرت بڑے ہی اہتمام سے کر رہی تھی اور تاریخ کی آغوش میں وہ عظیم شخصیات پل رہی تھیں جن کی بدولت یہ سب کچھ پایہ تکمیل کو پہنچنا تھا۔

یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب انگریزی راج پر سورج نہیں ڈوبتا تھا۔ یورپ' افریقہ ایشیا' آسٹریلیا ہر جگہ اس کا طوطی بولتا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد وہ ہندوستان کو مکمل طور پر تاراج کر چکا تھا اب وہ پہلے کی طرح جمہوری امانتوں کو واپس کرنے کی بات نہیں کر رہا تھا۔ روشن خیال تحریکوں اور

Marfat.com

انقلابوں کے اثر سے ہٹ کر اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے جبر اور سطوت سے کام لینے لگا تھا۔ علم و دانش اور سائنس کی ترویج اپنے مفادات کے لئے کر رہا تھا دوسری تہذیبوں میں بھی اپنے ہم خیال پیدا کر کے اپنی قوت بڑھانے کے بندوبست کر رہا تھا۔ آدمی اور آدمی کے درمیان انصاف کا اعلیٰ معیار ضرور قائم کر رکھا تھا لیکن اپنے قومی اور گروہی مفادات نہایت چالاکی سے حاصل کر رہا تھا۔ ہندوستان کی صنعت و حرفت کو نہایت عمدگی سے تباہ کر دیا تھا۔ اگر لوکل سیلف گورنمنٹ کی طرف چلا تھا تو وہ بھی اپنے ہی مفاد میں کہ دیسی لوگوں کے خیالات سے آگہی رہے۔ کانگریس کی بنیاد بھی ان ہی مقاصد کے لئے ڈالی تھی مگر تاریخ اپنے بنائے ہوئے راستے پر چل رہی تھی۔ جرمنی اٹھ رہا تھا' بڑھ رہا تھا۔ جاپان نے یورپ کے در و بام ہلا دیئے تھے خطرات بڑھ رہے تھے۔ ایک قیامت اٹھنے کو تھی۔ ہندوستانی باشندے بھی اپنی مایوسیوں سے باہر آ رہے تھے۔ جدید علوم کی تحصیل میں رکاوٹیں ختم ہو گئی تھیں۔ عظیم ہندوستانی شخصیات تخلیق ہو رہی تھیں انگریز آنے والے وقت کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ہندوستانیوں کی وفاداری کی ہر صورت ضرورت تھی۔ خاص طور پر مسلمانوں کی وفاداریوں کی بے حد ضرورت تھی کہ اس کی فوج میں سب سے زیادہ ہندوستانی مسلمان تھے کیونکہ ان کا پیشہ سپاہ گری رہا تھا۔ وہ بہادر تھے اور جہاں کہیں بھی میدان میں اترے نہایت بے جگری کے ساتھ لڑ جاتے۔ انگریز کو یہ بھی معلوم تھا کہ آئندہ کی چپقلش میں اسے ترکی کے ساتھ بھی دو دو ہاتھ کرنے ہوں گے ہندوستان کے مسلمان ترکی کے خلیفہ کو اگرچہ وہ جیسا بھی ہو 'عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے اسے ہندوستانی فوج میں مسلمان سپاہیوں کے جذبات کا بھی خیال رکھنا تھا لہٰذا اس نے ہندوستان کے جاگیرداروں 'زمینداروں' راجوں 'مہاراجوں اور نوابوں کے ذریعہ ان سپاہیوں کے اندر طرح طرح سے انگریزوں کی وفاداری کے جراثیم داخل کروائے۔ انعام و اکرام کے جال بچھائے۔ نئی نئی زمینداریاں پیدا کر کے کالونی اضلاع کی زرخیز زمینوں کے لالچ بھی دیئے انگریزوں کے انتظام و انصرام 'امن و عدل کے گیت گوائے کہ ان کے دل میں انگریز کی وفاداری اتنی استوار ہو جائے کہ مشکل سے مشکل وقت میں بھی متزلزل نہ ہو۔ فرمانروائی کی سب حکمتیں بروئے کار لائی جا رہی تھیں۔

ادھر ملی درد رکھنے والے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی۔ بیسویں صدی نے تو انگڑائی ہی قومی ترانوں سے لی تھی۔ قافلہ رواں دواں تھا تو بانگ درا بھی حاضر تھی۔ ہندو خوب مفاد اٹھا رہا تھا تو مسلمانوں کے رہنما بھی ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ وائسرائے ہند سے مسلمان زعماء نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے نواب وقار الملک کی قیادت میں باقاعدہ شملہ میں

Marfat.com

ملاقات کی اور مسلمان حقوق کے تحفظ کے لئے ایک جامع چارٹر پیش کیا انہوں نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا کہ ان حالات میں یہ بہت ہی ضروری تھا۔ انگریز کو مسلمان کی ضرورت بھی تھی کہ اکثریت ان ہی کی سیاہ کی تھی۔ وفد کو واضح کامیابی حاصل ہوئی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے حوصلے بھی بڑھے۔ بعد میں اسی طرح کے پورے ہندوستان کی بنیاد پر تشکیل پانے والے وفد نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی ایک نمائندہ تنظیم ہونی چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق کے لئے موثر اور مستقل آواز اٹھا سکے۔ یہی وہ فکر تھی جس نے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ نواب آف ڈھاکہ اس کے روح رواں تھے سر آغا خان سب سے زیادہ متحرک تھے۔ پورے ہندوستان کے سرکردہ مسلمان اس مسلمان تنظیم میں جمع ہو گئے کہ اس نے آئندہ چل کر ہر طرح کی کامیابی سے ہمکنار کرنا تھا اس نے آزادی لے کر دینی تھی اور اس نے پاکستان کی تخلیق کا پاکیزہ بیڑا اٹھانا تھا۔ محمد علی جناح صرف سر آغا خان کی وجہ سے ۱۹۰۶ کے اجلاس میں حاضری سے کتراتے رہے کیونکہ وہ ایک ہی سال پہلے یعنی ۱۹۰۵ء میں سر آغا خان کے شش امامی فرقہ سے اثنا عشری شیعہ فرقہ کی طرف راغب ہوئے تھے اور سر آغا خان کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بعد میں جب یہ حجاب دور ہو گیا تو وہ کانگریس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے بھی رکن بن گئے۔ یوں بیسویں صدی کا آغاز بہت سی تبدیلیوں کی نوید لے کر آ رہا تھا۔ انگریز نے محسوس کیا کہ ہندوستانیوں کے خواص کو اپنی طرف مزید قریب لانے کے لئے لوکل سیلف گورنمنٹ سے بڑھ کر کچھ کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا انہوں نے گورنر جنرل کی قانون ساز کونسل کو مزید وسعت دے کر اس میں چند ایک چیدہ چیدہ ہندو اور مسلمان زعماء کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۰۹ء کے لیجسلیٹو کونسل ایکٹ کو سامنے لائے۔

قائداعظم محمد علی جناح بھی اس کونسل کے ممبر تھے اور اس حیثیت میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا۔ وکالت کے پیشہ میں بھی دھاک بٹھا چکے تھے اور اس وقت تک ہندوستان کے چوٹی کے وکلاء میں سے تھے۔ کونسل میں آکر مسلمانوں کے حقوق کی نہ صرف بات کی بلکہ ان کے سیاسی، مالی اور ذاتی حقوق کو تفصیل سے یکجا کر کے تمام مسلمانوں کو بھی ان کی آگاہی کروائی اور ان کی صحیح صحیح ترجمانی بھی کی۔ اصل میں یہ وہ زمانہ تھا جب آزادی کی بات کرنا ابھی قبل از وقت تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب تک مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے اندر اتنی سیاسی قوت مجتمع نہ ہو جاتی کہ انگریز کو ان کی بات ماننا پڑتی اس طرح کی بات کرنا خوش فہمی تو ہو سکتی تھی لیکن اس کا عملی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ لہٰذا سر سید احمد خان نے تو مسلمانوں کو زیور تعلیم کی طرف مائل کر کے ان کو شعور اور آگہی کی طرف لگا کر

Marfat.com

ان کے اندر کی قوت کو جلا دی۔ مولانا حالی اور اقبال نے حرارت ایمان اور خودی کے سبق دیکر ان کو مایوسیوں سے نکالنا شروع کیا تو قائداعظم نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنیکا تہیہ کر لیا۔ ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی بنیاد بھی ان ہی اصولوں پر رکھی گئی تھی۔ قائداعظم کی بالغ نظر نے دیکھ لیا تھا کہ چند سالوں میں انگریزوں کی چپقلش جرمنی اور ترکی کے ساتھ ہونے والی ہے اور انہیں مسلمان سپاہیوں کی جو افواج ہند میں تعداد میں سب سے زیادہ تھے کی ضرورت پڑے گی۔ انگریز بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا اور ایسے اقدامات اٹھا رہا تھا کہ جب جنگ کا وقت آن پہنچے تو اسے ہندوستانیوں کی طرف سے کم سے کم مسائل کا سامنا ہو۔

۱۹۰۹ء کا ایکٹ جمہوریت کی محبت سے زیادہ اس نگاہ سے لاگو کیا گیا تھا۔ بہرصورت اب ایسا وقت آن پہنچا تھا کہ انگریز کی زبان میں اسے اپنے حقوق سے آگاہ کر کے ایک قدم آگے بڑھا جائے۔ بیداری ملت اور خود آگاہی کا درس بھی نہایت خوبی سے دے رہے تھے کہ غلامی سب سے بڑی ذلت ہے اور تمام بری سوچوں کی جڑ ہے۔ ذوق یقین اور جہد مسلسل کی دل گرما دینے والی تلقین بھی جاری تھی تو آزادی کے گمشدہ گوہر نایاب کی قدر و منزلت کے ادراک کا بھی بندوبست ہو رہا تھا۔ لیکن منزل مراد تک پہنچنے کے لیے صبر و استقلال کی بہت سی منزلیں تھیں جن کو عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ ان سب کی تیاری بہت ہی محنت اور سوچ سمجھ کر کرنے کی ضرورت تھی۔ ایمان و اتحاد، خود اعتمادی، قوت اور خودی کے فضائل ساری ملت میں یکجا کرنے کی ضرورت تھی۔ بے صبری سے کام خراب تو ہو سکتا تھا، خودکشی کی راہیں کھل سکتی تھیں لیکن ضروری نہیں کہ فلاح اور کامرانی کی منزل مل سکتی۔ اس لیے اس وقت کی قیادت نے نہایت ذمہ داری اور دلیری کے ساتھ اپنی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے حقیقت پسندی سے کام لیا اور درمیان کی بہت سی منزلوں کے حصول کے راستے اپنائے۔ انگریز کے مسائل، رویوں اور فکر کو سامنے رکھ کر اس سے آزادی حاصل کرنے کے طور طریقے متعین کئے۔ اس صدی کے پہلے اور دوسرے عشرے کے حالات کے تقاضے ہی ایسے تھے کہ خود مختاری اور آزادی کی بات کے ساتھ ساتھ حقوق کی حفاظت اور حصول کی بات زور شور اور نہایت سلیقے سے کی جائے اور ہمارے بزرگوں نے یہ کام نہایت عمدگی کے ساتھ کیا۔

انگریز کے اندازے سے بھی پہلے آسٹریا کے ڈیوک کے پراسرار قتل سے ایک نہایت ہی ہولناک اور خوفناک جنگ کا ۱۹۱۴ء میں آغاز ہو گیا۔ اور اس وقت کی تمام اہم ترین طاقتیں اس کی لپیٹ میں آگئیں اور یہ عالمی جنگ کہلوائی اور ۱۹۱۸ء تک چلتی رہی۔ جنگ شروع تو یورپ میں ہوئی

Marfat.com

لیکن انگریز کی تمام نو آبادیاں اس سے متاثر ہوئیں اور ان کے وسائل کی انہیں ضرورت پڑی۔ جرمنی کی فوجوں نے نہایت ہی تیزی کے ساتھ آدھے سے زیادہ یورپ کو روند ڈالا اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۹۴۰ء ہالینڈ کیا فرانس کی قوت کو ڈھیر کر دیا۔ انگریز بھی اس کی مدد کو آئے مگر میجی ناٹ کی لائن کی خندقوں میں پھنس کر رہ گئے۔ انگریزوں کے لیے اس کی اپنی غلام نو آبادیاں ہی آخری امید رہ گئیں۔ وگرنہ وہ خود جرمنی کا غلام بن جاتا۔ لیکن افریقہ یا ایشیا کے غلاموں کو کیا ضرورت تھی کہ آقا کی آزادی کی حفاظت کے لیے وہ اپنی جانیں لڑائیں۔ اور خود اپنی غلامی کے مزید اسباب پیدا کریں۔ لیکن غلاموں کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریز ہار بھی گیا تو انہیں آزادی کی نعمت نصیب نہیں ہو گی۔ انگریز کی جگہ جرمن آ جائیں گے اور وہ اور بھی زیادہ مضبوطی اور سخت گیری کے ساتھ غلامی کی زنجیریں کس دیں گے۔

اس صورت حال میں انگریز نے ہندوستانیوں کے ساتھ وعدے کرنے شروع کر دیئے کہ وہ جنگ کے بعد ہندوستانیوں کو کاروبار حکومت میں زیادہ سے زیادہ شامل کریں گے اور زیاد سے زیادہ خود مختاری کا اہتمام کریں گے۔ ہندوستانی اس وعدہ فردا پر جنگ میں اس کی امداد کریں۔ ریاستوں کے والیان تو دل و جان سے انگریز کے ساتھ تھے کہ ان کے بہت سے بکھیڑے، تفکرات اور انتظامی امور کا درد سر انگریز نے اٹھا رکھا تھا اور وہ نہایت آرام سے اپنے عیش و عشرت میں مصروف تھے۔ ذمہ داریوں کے بوجھ خطرات و خدشات سب انگریز نے اٹھا لیے تھے۔ لہٰذا ان کے وسائل اور افواج مکمل طور پر انگریز کی صوابدید پر تھے۔ اسی طرح بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار بھی انگریز کے ساتھ تھے کیونکہ ان کے تمام مفادات انگریز ہی سے وابستہ تھے۔ انہیں پڑھے لکھے شہری دانشوروں کی آزادی کی باتیں کوئی زیادہ نہیں بھاتی تھیں سپاہیوں کی بھرتی بھی دیہی علاقوں ہی سے ہوتی تھی اور اس میں زمیندار ہی موزوں ٹھہرتے تھے اور وہ انگریز ڈپٹی کمشنروں کے ابرو کے اشارے پر ناچتے تھے۔ اس میں بھی انگریز کو کوئی خاص دقت نہ تھی، لیکن پھر بھی انگریز شہری پڑھے لکھے اخبار اور رسالے نکالنے والے دانشوروں اور وکلاء جو کہ خلق خدا کی آواز بن سکتے تھے کو کسی نہ کسی طریقے سے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے تاکہ مسائل کم سے کم پیدا ہوں۔ ہندو مسلم قیادت بھی نہایت بالغ النظر تھی اور وہ بھی اپنی حدود و قیود کو خوب سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ انگریز کے وعدہ فردا پر اعتماد کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ یہ بھی ایک آگے ہی قدم تھا اور منزل مراد کے قریب پہنچانے کا طریقہ تھا۔ آئندہ کی صورت حال میں آئندہ اقدامات ہوں گے اور تمام کی تمام جدوجہد قدم بہ قدم چلتی جائے گی۔ قوم

Marfat.com

کے اندر آزادی کا پرچار اور اس کی اقدار کی قدر و منزلت اور شعور بھی دو چند ہوتا چلا جائے گا لہٰذا جب انگلستان کے وزیر خارجہ بالفور نے تاجدار برطانیہ و ہند کی طرف سے ۱۹۱۷ء میں نو آبادیوں کی خود مختاری کا مشہور اعلامیہ جو اس ہی کے نام سے مشہور ہوا جاری کیا تو اکثر و بیشتر اس اعلامیہ کا خیر مقدم کیا گیا۔ ویسے بھی انگریز نے اپنی عدلیہ کے اعلیٰ معیار عدل کی وجہ سے ہر خاص و عام کا اعتماد جیتا ہوا تھا لہٰذا تمام سیاستدانوں نے اس اعلان ہی کو اپنی آئندہ کی امیدوں کا مرکز بنا کر کام شروع کر دیا۔ ہندوستان کے سیاستدانوں کی اکثریت کا تعلق بھی قانون کے پیشہ سے تھا اور انھوں نے سیاست کو بھی قانونی خطوط پر چلانے کا طریقہ اپنا رکھا تھا۔ انھیں انگریز کی عدلیہ پر مکمل اعتماد تھا اور جج بھی ایسے تھے کہ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاتے تھے۔

لیکن مسلمانوں کے لیے اس وقت دو نہایت ہی تکلیف دہ پہلو ایسے تھے کہ جنہیں وہ نظر انداز نہیں کر سکتے تھے ایک معاملہ ترک خلافت کا تھا اور ایک فلسطین کا۔ ترک خلیفہ مسلمانوں کی روح و قلب میں ایک خاص مقام رکھتا تھا اگرچہ اس کی عیاشی کی کہانیاں عام تھیں۔ بدکرداری عام تھی' رشوت اور بدعنوانی ظلم و جور اس کے ہاں روا تھا لیکن تھا تو مسلمان اور انگریز کے خلاف اس کی فوجیں بر سرِ پیکار تھیں۔ انگریزوں نے ہندوستانی مسلمانوں ہی سے حکومت چھینی تھی اور انھیں غلام بنا رکھا تھا۔ لہٰذا ہندوستان کا مسلمان بوجوہ انگریز کے خلاف پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس کی ہمدردیاں ترک مسلمانوں کے ساتھ تھیں اور انگریز ان کا مشترکہ دشمن تھا۔ اسی طرح فلسطین کا معاملہ تھا یہودی مسلمانوں کے پرانے اور ازلی دشمن تھے اور بالفور اعلامیہ ان کے علیحدہ وطن کے لیے فلسطین کا جگر کاٹ کر یہودی بستی بسانے کے لیے تخم ریزی کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے لیے وہ بہت ہی کڑا وقت تھا۔ ان کے دل انگریز کے خلاف نفرت سے لبریز تھے۔

لیکن ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔ جاگیردار' زمیندار' نواب' راجے مہاراجے انگریز کے حامی تھے۔ مجاہدین حریت اپنے پاک و صاف توانا جذبات کے باوجود ابھی کمزور جمعیت ہی تھے۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنے کی ضرورت تھی بہترین لائحہ عمل قانونی جنگ کا متعین ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ علامہ اقبال اور محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمان اپنے حقوق کی جنگ نہایت خوش اسلوبی سے جیتتے جا رہے تھے۔ ایک سال ہی قبل ۱۹۱۶ء میں مسلمانوں نے اپنے سیاسی حقوق کی جنگ جیتی تھی جب قائداعظم محمد علی جناح کی محنت سے معاہدہ لکھنؤ پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا جس کی بنا پر مسلمانوں کو ان کی عددی قوت سے بھی کچھ بڑھ کر علیحدہ نمائندگی کا حق مل گیا تھا اور قائداعظم نے ایک

Marfat.com

مضبوط پل کا کام کرتے ہوئے لکھنؤ ہی میں ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاس رکھوا لئے اور یہ معاہدہ کانگریس نے بھی قبول کر لیا تھا۔ اس طرح ہر سطح پر مسلمان نمائندگی کا علیحدہ تعین کروا لیا کہ مسلمان اپنے نمائندے جداگانہ انتخابات کی بنیاد پر علیحدہ منتخب کریں گے۔ بغیر کہے ہوئے یہ دو قومی نظریہ کی سب سے زیادہ ٹھوس اور عملی شکل تھی۔ یہ قائداعظم کی فراست اور دور نگاہی کا کمال تھا کہ انہوں نے انگریز اور ہندو دونوں سے ایسا زبردست اور مفید فارمولا منوا لیا جو کہ آخر کار معجزہ پاکستان میں نمودار ہوا۔ ایسے کاموں کے لئے بہت زیادہ صبر اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ جذباتیت معاملات کو بگاڑ سکتی ہے۔ لہٰذا ترکی اور فلسطین کے معاملات مسلمانوں کے حلق میں کانٹے کی طرح اٹک گئے۔ دل و دماغ پھٹے جا رہے تھے۔ رنج والم تھا کہ سوا ہوا جاتا تھا لیکن عالمی جنگ اپنی تمام تر تباہیوں کے ساتھ جاری رہی اور جرمنی ہار گیا انگریز جنگ جیت گیا۔ ۱۹۱۸ء میں یورپ کا محاذ خاموش ہو گیا امریکہ نے انگریز کی بہت زیادہ مدد کی تھی ورنہ انگریزی راج پر سے سورج ڈوب ہی جاتا۔ امریکہ نے خود انگریز سے لڑ کر آزادی لی تھی اور اب وہ بہترین دوست تھے فرانس تاریخی دشمن تھا اور امریکہ کو آزاد کرانے میں بھرپور حصہ لیا تھا اور سب سے پہلا ملک تھا جس نے آزاد امریکہ کو تسلیم کیا تھا مگر تاریخ کبھی ساکت نہیں ہوتی یہ اپنے رنگ بدلتی رہتی ہے اب یہ سب ایک طرف تھے سب اکٹھے ہو کر ایسے اقدامات کرنا چاہتے تھے کہ جرمنی کبھی بھی نہ اٹھ سکے فوج نہ رکھ سکے 'فوجی سازو سامان نہ بنا سکے۔ اس کی معاشی تباہی بھی چاہتے تھے کہ وہ فوجی طاقت کی بنیاد بنتی ہے۔ بے بنیاد جنگی جرمانہ کا بھی اس لئے فیصلہ ہوا۔ جنگ کی جگہ اقوام کے جھگڑوں کو مکالمہ کے ذریعہ حل کرنے کا ڈھونگ بھی رچایا اور لیگ آف نیشنز کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اس کی بنیاد ہی مکاری اور عیاری پر تھی کہ علامہ اقبال جیسے مفکر نے اسے انجمن تقسیم قبور کے نام سے موسوم کیا۔ منافقت ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے حقانیت کے بغیر ظاہری چمک دمک اور کھوکھلے حسین دعوؤں کے باوجود فاتحین کو کیا معلوم کہ وہ اپنی کوتاہ اندیشی کی بنا پر دو دہائیوں کے اندر اندر اس سے کہیں زیادہ تباہی اور غارت گری کی بنیاد ڈال رہے ہیں۔ چشم فلک نے نمرود' فرعون' شداد' چنگیز' ہلاکو 'اکبر اور بہت سوں کی عیاریاں چالاکیاں دیکھ رکھی تھیں۔ مکاری وقتی طور پر تو کامیاب ہو سکتی ہے مگر آخر کار خود اپنے ہی جال میں پھنستی ہے اور بہت بڑی تباہی کو دعوت دیتی ہے۔ یہی حال انجمن قبور والوں کا ہونے کو تھا مگر اس سے قبل بہت کچھ اور ہونے کو تھا کہ قدرت ظالموں کو کچھ ڈھیل دیتی رہتی ہے۔

Marfat.com

ہندوستان کی حد تک دو معاملات نے انگریز پر ہندوستانیوں کے اعتماد کو بہت زیادہ ٹھیس پہنچائی ایک ترک خلافت اور دوسرے جلیانوالہ باغ' ان دونوں معاملات نے انگریز پر اعتماد کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے انگریزوں نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے اختتام پر وہ ہندوستانیوں کی مزید خود مختاری کا اہتمام کریں گے اور اس سلسلہ میں چند ایک دستوری اقدامات ہو بھی رہے تھے اور ۱۹۱۹ء والا ایکٹ تیار بھی ہو گیا تھا جس کے مطابق صوبوں میں سروسز' ہوم اور فنانس کے علاوہ باقی محکموں کا انتظام و انصرام مقامی منتخب اسمبلیوں کے قائدین کے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ وہ اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے کام بھی کر سکیں اور انہیں جمہوری اداروں کو چلانے کی تربیت بھی حاصل ہو جائے۔ اس طرح وائسرائے کی کونسل کو وسعت دینے کا بھی اہتمام ہو رہا تھا لیکن جہاں یہ ہو رہا تھا وہاں پر صوبائی گورنروں کو رولٹ ایکٹ کے تحت کسی کو بھی پابند سلاسل کرنے کے لامحدود اختیارات دیئے جا رہے تھے۔ لوگوں کی نگاہ میں یہ بہت بڑی بد عہدی تھی۔ کاروبار حکومت میں شمولیت کی بجائے اس طرح تو غلامی کی زنجیروں کو مزید جکڑا جا رہا تھا۔ ہندوستانی سپاہی بہت بڑی تعداد میں انگریز کی خاطر دیار غیر میں بھی لڑ کر واپس آ رہے تھے انہوں نے آزاد قوموں کی شان و شوکت تفاخر اور وقار کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کیا تھا اور ان میں اور ان کی وجہ سے اور بہت سوں میں جذبہ آزادی نہایت شد و مد کے ساتھ موجزن ہو رہا تھا۔ اس طرح آزادی کی بات اور تقاضا زیادہ زور و شور سے ہونے لگا تھا۔ گاندھی جی بھی جنوبی افریقہ سے آ چکے تھے اور اپنے مختلف دلچسپ عوامی طریقوں سے لوگوں کو انگریز کے خلاف خوب اکسا رہے تھے۔ عوام کے ساتھ ہم آہنگی اور جذباتی وابستگی کے لئے لنگوٹی پہن کر ایک مہاتما کا روپ دھار لیا تھا۔ جس سے ان کی آواز خواص کے علاوہ عام آدمی تک نہایت موثر انداز میں پہنچنے لگی تھی اور عام آدمی بھی مزید حقوق اور آزادی کا تقاضا کرنے لگا تھا۔ یوں سیاست محلوں سے نکل کر گلی کوچوں میں آ رہی تھی اور سویا ہوا ہندوستان ایک زبردست خوفناک انگڑائی کے ساتھ بیدار ہو رہا تھا۔ اس پس منظر میں ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے مقام پر بیساکھی پر اکٹھے ہوئے لوگوں پر جنرل ڈائر کے حکم پر ایک بند جگہ پر اندھا دھند فائرنگ کر دی گئی جس سے سینکڑوں لوگ شہید ہو گئے۔ اور ہزاروں زخمی اور لاپتہ ہو گئے ان لوگوں کو معلوم تک نہ تھا کہ اس طرح کا اجتماع دفعہ ۱۴۴ ضابطہ فوجداری کے تحت خلاف قانون قرار دیا جا چکا ہے۔ اس ممانعت کی کوئی خاص تشہیر بھی نہ ہوئی تھی۔ گورنر پنجاب اوڈوائر نے مارشل لاء نافذ کر دیا اور پھر کیا تھا کہ سارے پنجاب خاص طور پر لاہور اور گوجرانوالہ میں لوگوں پر بے حد مظالم ڈھائے گئے۔ انہیں ہر طرح سے ذلیل کیا گیا۔ لاہور میں

Marfat.com

ہندوستانیوں کو گورنر ہاؤس تک گھٹنوں کے بل چلا کر لاتے اور ناک سے لکیریں نکلواتے۔ سجدے کرواتے مارتے پیٹتے اور ان کی چیخیں نکلواتے۔ اس سلوک نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگوں میں مزید اشتعال پھیلا۔ گوجرانوالہ پر تو بمباری بھی کروائی گئی۔ اس ظلم پر پورا ہندوستان بلبلا اٹھا اور سراپا احتجاج بن گیا۔ بدیسی مال کا بائیکاٹ شروع ہوا۔ گاندھی خود علامتی طور پر چرخہ اس لیے کاتتے تھے کہ ہندوستانی خود کات کر اپنا کپڑا بنائیں گے تاکہ انگریز کی ٹیکسٹائل جس کی وجہ سے ہندوستانی صنعت تباہ ہوتی تھی کو نقصان پہنچ سکے۔ جلیانوالہ باغ کے سفاکانہ واقعہ سے پورا ہندوستان ہل کر رہ گیا۔ اور انگریز کی طرف جن خواص کا اندھا اعتماد تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ لوگوں نے انگریزوں کے دیئے ہوئے خطابات 'القابات' میڈل وغیرہ واپس کرنا شروع کر دیئے۔ موتی لعل نہرو ایسے معتدل مزاج وکیل نے انگریزی لباس ترک کر دیا اور کھدر پہننا شروع کر دیا۔ ہر شہر اور قریہ میں نہایت ہی اعلیٰ اور فاخرہ درآمد شدہ انگریزی لباس اور کپڑے کو نذر آتش کر دیا گیا۔ اس ایک واقعہ اور شہیدوں کے خون نے آزادی کی منزل کو بہت قریب لا کھڑا کیا کیونکہ سارے ہندوستان میں جو شدید ردعمل ہوا وہ شاید نارمل سیاسی عمل سے کئی عشروں میں ممکن ہو سکتا۔ گاندھی چونکہ عدم تشدد کے پرچارک تھے اس لیے جب لوگوں نے اشتعال میں آ کر ایک تھانہ کے عملہ کو زندہ جلا دیا تو انہوں نے اپنی تحریک ختم کرنے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ لوگوں میں ابھی تک وہ سیاسی پختگی نہیں آئی جس کی وہ توقع رکھتے تھے۔

دوسرا معاملہ جس پر سارا ہندوستان اٹھ کھڑا ہوا وہ خلافت عثمانیہ کا مسئلہ تھا۔ جرمنی کی جنگ کے بعد بھی بلقان کی جنگ جاری رہی۔ ترک سلطنت مختلف خلفاء کی بدکرداری' تساہل اور عیاشی کی وجہ سے اندر ہی اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھی بدعنوانی اور رشوت خوری اس طرح عام تھی جس طرح کہ سلطنت مغلیہ کے آخری ایام میں ہندوستان میں تھی۔ ترک فوجوں کو شکست پر شکست ہو رہی تھی فوجیں بھی بادشاہ سے کوئی خوش نہ تھیں عوام ان کی بیوروکریسی مفتی ملا سے سخت نالاں تھے۔ بے اعتدالی اور بے انصافی عام تھی فوج اور عوام خلیفہ سے بے انتہا تنگ تھے مگر ہندوستان کے مسلمانوں کو ان تمام امور کا کہاں علم تھا وہ خلیفہ سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ کمال اتاترک کی کمان میں گیلی پولی کے مقام پر انگریزی فوج کو شکست ہوئی تو مسلمان بے حد خوش ہوئے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے خلافت کے حق میں تحریک چلا دی جو تحریک خلافت کے نام سے مشہور ہوئی گاندھی بھی نہایت چالاکی کے ساتھ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ جذباتی تقریریں ہر جگہ ہوتیں۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا

Marfat.com

شوکت علی اس کا ہراول دستہ تھے۔ مسلمانوں نے انگریزی پڑھنا چھوڑ دی بہت سوں نے مشکل سے حاصل کردہ نوکریاں چھوڑ دیں۔ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر بہت سے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی اور اپنی جائیدادیں ترک کر دیں۔ جو تحریک ترک موالات کہلائی۔ ہندوؤں کو اور کیا چاہیے تھا وہ تو چاہتے تھے کہ مسلمان ہندوستان چھوڑ کر چلے جائیں۔ وہ تو مسلمانوں کو ناجائز قابضین سمجھتے تھے۔ مسلمان تھے کہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر نہایت برہم تھے اور اپنی ذاتی اور سیاسی خودکشی کا راستہ اختیار کر رہے تھے۔ گاندھی ہندو مسلم علیحدہ شناخت پر پہلے ہی بہت پیچ و تاب کھا رکھا تھا اور ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ معاہدہ کے مضمرات سے سخت نالاں تھا۔ اسے موقع ملا اور اس نے نہایت چالاکی اور عیاری سے تحریک خلافت کو خوب بڑھاوا دیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان گاندھی جی اور دوسرے ہندوؤں کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر جامع مسجد دلی کے اندر لے گئے حالانکہ یہ بات بالکل خلاف اسلام ہے اور کبھی بھی روا نہیں رکھی گئی لیکن گاندھی تو اپنی گیم کھیل رہا تھا یہ وہی کھیل تھا جو اکبر کو ساتھ ملا کر پہلے ہندوؤں نے بھی کھیلنے کی کوشش کی تھی اور حضرت مجدد الف ثانی نے مسلمانوں کی راہنمائی کر کے انہیں بچا لیا تھا۔ اس کے بعد ہندو اس طرح کی حرکتوں سے الگ رہے مسلمانوں کچھ اور ہی سمجھتے رہے۔ یہ اور بات ہے کہ خود ترکوں نے خلافت کو ختم کر دیا اور ایک غیر ضروری بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر لیا لیکن ہندوستان کے لاکھوں مسلمان اس وقت تک تباہ ہو چکے تھے بہت سوں نے اپنی جائیداد ضائع کی، گھر بار گنوائے نوکریاں گنوائیں افغانستان اور دوسرے ملکوں میں مقید رہے بھوکے مرے اور دھکے مار کر نکالے گئے۔ اس طرح ہندوستانی مسلمان کے جذبات سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں نے اسے ہر طرح تباہ کرنے کی کوشش کی۔ ان کی خواہش تھی کہ جس راستے سے اسلام اور مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تھے اسی راستہ سے اس کی واپسی کا بندوبست کیا جائے۔ وہ تو کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے تھے خدا بھلا کرے محمد علی جناح کا کہ بر وقت بہت بڑے نقصان سے بچا لیا اور مسلمانوں کو دستوری سیاسی جدوجہد کی راہ دکھائی کہ وہی راستہ تھا جو منزل مراد کی طرف لیجا سکتا تھا۔

Marfat.com

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ سلطانی بھی عیاری ہے' درویشی بھی عیاری

ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات سے گاندھی کھیل رہا تھا تو انگریز خلافت عثمانیہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے ترکوں اور عربوں کے درمیان نسلی امتیازات اور اختلافات کو نہایت چالاکی اور عیاری کے ساتھ ہوا دے رہا تھا۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑا رہا تھا۔ جنرل ایلن بی نے ایک نہایت ہی شاطر انگریز لارنس کو عربوں کے اندر بے انتہا مال و دولت دیکر داخل کر دیا تھا اور وہ ان کو مختلف خواب دکھاکر ترکوں کے خلاف خوب لڑا رہا تھا۔ شریف مکہ بھی اس کھیل میں شامل تھا تو سعود کا گھرانہ اپنے مفادات کی خاطر اپنے مخالفین کو وہاں سے ہٹا دینا چاہتا تھا۔ اکثر بدو بھی لارنس کے جال میں پھنس چکے تھے اور اپنے اپنے مفادات کی خاطر ترکوں کی تھکی ماندی بے کار افواج کو اپنے اپنے علاقے سے نکال کر اس کو "آزاد" کروا رہے تھے۔ لارنس نے ایسا ایسا لالچ دیا کہ تمام عرب ہی ترکوں کی بیخ کنی پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ترک عرب اختلافات پہلے بھی موجود تھے لیکن لارنس نے انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے ان کے اپنے ہی خوابوں کی تعبیر میں پھنسا دیا اور وہ اپنی اپنی مملکتیں قائم کرنے کے لالچ میں نہ صرف ترکوں سے لڑ کر خلافت عثمانیہ کو کمزور کرتے رہے بلکہ آپس میں بھی خوب لڑ پڑے۔ انگریز کا مقصد تو اپنے مخالف ترکی کو کمزور کرنا تھا اور مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا تھ لہٰذا وہ اس میں خوب کامیاب رہا۔ خود عربوں کی لڑائی کا بھی خوب تماشا دیکھا اور بلیوں کی لڑائیوں

Marfat.com

میں بندر بانٹ کا کردار بھی ادا کیا اور ترک خلافت سے آزاد کردہ علاقوں کے نقشوں پر لکیریں کھینچ کر امیدواروں میں اس طرح تقسیم کر دیا کہ وہ بعد میں بھی کسی نہ کسی بہانے آپس میں لڑتے رہیں اور کبھی اکھٹے نہ ہو سکیں کیونکہ انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ مناسب وقت پر یہودیوں کی حکومت ان کے درمیان قائم کریں گے اور یہ منقسم عرب اس کے خلاف کبھی بھی اکٹھے نہ ہو سکیں۔ اس بات کا اہتمام انگریز نے خلافت عثمانیہ کی لاش کو کاٹتے وقت ہی کر لیا تھا اور بعض معاملات میں چرچل وغیرہ نے اتنی زیادتی کی کہ لارنس بذات خود بھی ان کی تقسیم پر ناراض ہو گیا اور بطور احتجاج اپنے "اعلیٰ کام" کے اعزازات اور انعامات لینے سے معذرت کر لی۔

مگر انگریز کے عیار سیاستدان تو اس سے بہت دور بہت کچھ دیکھ رہے تھے۔ اور انہیں معلوم تھا کہ انہوں نے عربوں کے دل کے اندر ایک ایسا کانٹا چبھونا ہے کہ جس سے وہ کبھی جانبر نہ ہو سکیں۔ یہودی تھے کہ فلسطین میں مسلمانوں سے خوب مہنگے داموں زمینیں خرید رہے تھے۔ مسلمان خوش تھے کہ ان کی زمین اچھے دام بک رہی ہے۔ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ وہ اپنی آزادی اور بقا کا سودا کر رہے ہیں۔ دولت کے لالچ میں اپنی ہی ماں بیچ رہے ہیں اور وطن فروشی کا گناہ کر رہے ہیں۔ انگریز نے تاریخ کے اگلے اہم موڑ کی تیاری کر لی تھی کہ جس وقت یہودی آبادی مناسب حد تک بڑھ جائے گی وہ تقسیم فلسطین کا فارمولا لے آئیں گے لیکن اس کام کی شروعات انہوں نے بیسویں صدی کے دوسرے عشرے سے کر دی تھی۔

ادھر جنرل کمال جسے بعد میں ترکوں نے احترام سے اتاترک کا خطاب دیا بھی انگریز کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ ترکوں کی نگاہ میں خلیفہ کی کوئی خاص قدر و منزلت نہ تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مختلف خلیفوں نے یورپ کے یہودی بینکوں سے بہت بھاری قرضے لے لے کر خوب عیش کیا تھا اور اپنی مملکت کو رہن رکھ دیا تھا۔ ان قرضوں کا مقصد عوامی بہبود یا ترقیاتی امور قطعاً نہیں تھا وہ تو خلیفہ اور ان کے حواریوں اور لاتعداد حرموں کی نذر ہوتے تھے اور ان کی واپس ادائیگی کے لئے بادشاہ نے اپنی مملکت کے مختلف خطے اور صوبے بھی بیچ دیئے تھے۔ بادشاہ، امراء، وزراء، ملا، مفتی اور بیوروکریسی اس لوٹ مار میں اسی طرح شامل تھے جیسے آخری دور میں مغلیہ سلطنت میں تھی۔ عوام پریشان اور بدحال تھے، قومی وقار اور ملی غیرت کو ایک شکست کے بعد دوسری شکست کے ساتھ سخت ٹھیس پہنچ رہی تھی اور تمام مسلمان ایک کرب کی حالت سے گزر رہے تھے۔ خلافت اندر سے شکست و ریخت کا شکار ہو کر ریزہ ریزہ ہو چکی تھی۔ انگریز اور لارنس ان سب باتوں سے

Marfat.com

بخوبی واقف تھے اور مختلف اختلافات سے خوب فائدہ اٹھا رہے تھے۔ لارنس کے جنرل کمال سے بھی رابطے تھے اور وہ اس کا خفیف سا اشارہ اپنی معروف زمانہ تصنیف "دانش کے سات ستون" میں بھی کرتا ہے۔ کمال ایک نہایت ہی دلیر جنرل تھا اور اس نے انگریز کو گیلی پولی کی جنگ میں شکست دے دی اور پھر کیا تھا کہ وہ ترک قوم بلکہ سارے مسلمانوں کی آنکھ کا تارہ بن گیا۔ ہندوستان کے پٹے ہوئے' دبے ہوئے غلام مسلمان خاص طور پر اس کے پرستار بن گئے کیونکہ اس نے ظالم انگریز کو شکست دی تھی۔ اس نے اس ہردلعزیزی کا فائدہ اٹھا کر خلیفہ ہی کی چھٹی کر دی اور خلافت کے نظام کا ہی خاتمہ کر دیا۔ لوگ عثمانیہ خلافت کی بیوروکریسی' ملا' قاضی اور مفتی کی بے انصافیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ کمال نے ان کی بھی چھٹی کرا دی اور سیکولرازم اپنا لیا حتی کہ ترکی میں عربی رسم الخط ہی ختم کر دیا۔ وہ گیلی پولی کا ہیرو ضرور تھا مگر جو علاج اس نے ڈھونڈا وہ یورپی تہذیب سے غیر ضروری طور پر مرعوب ہو کر ترکوں پر لاگو کر دیا۔ ترک عوام کی تکلیف کا باعث ملوکیت اور اس کی بیوروکریسی ضرور تھی جو اسلامی علامات استعمال کرتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں تھا کہ جو کچھ بھی ان کی غلط کاریاں تھیں وہ اسلام کی وجہ سے تھیں۔ نہیں بالکل نہیں ان کی غلط کاریاں تو اسلام کے راستہ سے ہٹ جانے کی وجہ سے تھیں۔ ملوکیت اور پیشوائیت کا اسلام میں تصور ہی موجود نہ ہے۔ بادشاہ اور اس کی بیوروکریسی اسلامی روح کے خلاف چل رہی تھی ان کی غلطیوں کی اصلاح کی ضرورت تھی مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسلام ہی کو بے دخل کر دیا جاتا۔ انگریز یہی چاہتا تھا اسی بنیاد پر اس نے اسلامی دنیا کو تقسیم کر دیا تھا اور آئندہ کے لئے مسلم امت کے مسائل کی بنیاد رکھ دی تھی۔ کمال اتاترک (بابائے ترک) ایک بہادر سپاہی ضرور تھا مگر اتنی سیاسی بصیرت نہیں رکھتا تھا لہٰذا وہ انگریز کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور اسلامی دنیا کو لاشعوری طور پر ایک بہت بڑے نقصان سے دوچار کر گیا۔

ہندوستان کا مسلمان جذبات کی رو میں بہہ کر گاندھی کے جال میں پھنس گیا اور اپنی علیحدہ شناخت ہی ختم کرنے پر تل گیا۔ وہ تو قائداعظم ایسے عظیم مفکر اور صاحب نظر کا کمال تھا کہ وہ ہندو اور انگریز کی چال کو سمجھ گیا اور مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچا لیا اور بروقت انہیں دستوری اور قانونی جدوجہد کی راہ پر لاکھڑا کیا۔ علامہ اقبال کی دوررس نگاہوں نے دیکھ لیا کہ انگریز اور ہندو مسلمانوں کی روحانی اور اسلامی اساس ہی کے درپے ہیں اور اپنے گماشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو صرف عبادات اور چلہ کشی تک محدود کر دینا چاہتے ہیں اور لسانی' ثقافتی' سیاسی اور تہذیبی معاملات میں سے اسلام کو خارج کروانا چاہتے ہیں۔ عمل' عزم اور جہاد کی نفی درکار ہے۔ خانقاہوں اور رہبانیت میں پھنسا دینا

Marfat.com

چاہتے ہیں تاکہ مسلمان بے کار ہو کر کسی کام کے نہ رہ جائیں۔ امامت کا درس بھول کر مایوسی اور بے اعتمادی کی راہ پر چل نکلیں۔ شعور ذات، آگاہی اور خودی کو بھول کر دنیاوی اور مادی مفاد پرستی اپنا کر حرارت ایمان اور قوت عقیدہ کی توانائی سے محروم ہو جائیں اور ان کے رحم و کرم پر رہیں۔ دین اور دنیا عیسائیوں کا مسئلہ ضرور تھا کہ ان کے مذہبی راہنماؤں نے خون ریزی کی تھی۔ لیکن مسلمانوں میں اس قسم کا مسئلہ کبھی نہیں رہا تھا۔ اسلام میں خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی پردہ حائل ہی نہ ہے۔ ہر مسلمان فرنٹ لائن مبلغ اور سپاہی ہے۔ یہاں کسی کی پیشوائیت جس طرح عیسائیوں کا مسئلہ رہا ہے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کمال نے عیسائیوں کی تاریخ سے ترکی کا حل نکالنے کی بے سود کوشش کی حالانکہ اسے اسلام بہتر حل دے سکتا تھا۔ امام حسینؓ نے تو ملوکیت کے خلاف جنگ کی تھی۔ سر قلم کروا دیا تھا۔ اگر ملوکیت نے اسلام کو مغلوب کر لیا تھا تو ملوکیت کو ختم کر کے اس کی قباحتوں کو ختم کرنے کی ضرورت تھی جو عین اسلام کے مطابق تھی۔ مگر اس نے تو سیکولرازم کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

اسلام میں نہ سیکولرازم کی گنجائش ہے اور نہ چنگیزیت کی۔ اسلام تو ایک روح پرور جمہوری نظام ہے جس میں امیر سلطنت منتخب ہوتا ہے جس کا ہر کوئی احتساب کر سکتا ہے۔ ملوکیت کے نشان مٹا کر واپس جمہوری طرز حکومت کی طرف پیش قدمی عین منشاء اسلام ہے۔ سیکولرازم کو گھسیٹنے کی کہاں ضرورت پڑ گئی تھی۔ بہر صورت کمال اتاترک کے اپنے مفادات تھے۔ علامہ اقبال نے اس کی بہادری کی ضرور تعریف کی ہے لیکن اس کا نظام اسلامی روح کے سراسر منافی تھا۔ اگر وہ اجتہاد سے کام لیتا تو اسے ضرور راستہ مل جاتا۔ وہ اس وقت تمام مسلمانوں کی نگاہ میں ہیرو تھا اور اسے اجماع امت کا بہترین موقع مل رہا تھا لیکن سب کچھ گنوا کر اپنی انا کے گھوڑے پر سوار سرپٹ بھاگ اٹھا۔ ادھر علامہ اقبال ایسا عظیم انسان اور مدبر تھا کہ اجتہاد کا راستہ وضاحت کے ساتھ بیان کر کے مسلمانوں کا دلنشین ہو گیا۔

انگریز کی ہندوستان آمد کا ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ ایک نہایت ہی بے کار اور فرسودہ رسمی ملوکیت جو اگرچہ بے اثر ہی سہی اس کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اب مسلمانوں کو موقع تھا کہ وہ کھل کر اپنی دینی روایات کے مطابق سوچ سکتے تھے اور وہ خوش قسمت تھے کہ انہیں علامہ اقبال ایسا مفکر راہنمائی کے لئے میسر آ گیا جس کی دسترس میں تمام مشرقی اور مغربی علوم تھے۔ لہٰذا انہوں نے اجتہاد کا راستہ منتخب پارلیمنٹ کو قرار دیا اور ایران کی طرز پر علماء دین کے علیحدہ اجارہ دارانہ اجماع کو غلط قرار دیا اور

Marfat.com

بتایا کہ علماء دین سے مشورہ کی گنجائش ضرور ہے مگر آخری فیصلہ عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ ہی کر سکتی ہے۔ علماء دین اپنے طور پر اور اپنے ہی زعم سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ خلافت راشدہ کے زمانے ہی سے اس کے اصول واضح طور پر موجود ہیں۔

اسلام میں پیشوائیت کا علیحدہ وجود موجود ہی نہ ہے۔ قرآن کہتا ہے تم ساری کی ساری امت مبلغ ہو۔ علامہ اقبال کی بلند فکر نے ہماری صحیح راہنمائی کی اور انہوں نے نہ سیکولرازم کے نظریہ کی پذیرائی ہونے دی اور نہ ہی مذہبی لوگوں کی اجارہ داری کی راہ ہموار کی۔ علامہ اقبال تو انگریز کے محکوم ہندوستان کے باسی تھے جبکہ کمال اتاترک ایک آزاد ترکی کے حکمران تھے لیکن مجال ہے کہ اقبال کسی ایسے بودے خیال سے مرعوب ہوں اور نہ ہی وہ ملوکیت زدہ ملاؤں کے چکر میں پھنسے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت زیادہ بلند خیال سے نوازا تھا اور روح اسلام کا امین ٹھہرایا تھا۔ لیکن اجتہاد تو ایسی ہی پارلیمنٹ میں ہو سکتا تھا جس کی اکثریت مسلمانوں کی ہو اور اس کے لئے علیحدہ خطہ ارض ضروری تھا لہٰذا جب اقبال اجتہاد اور اجماع امت بذریعہ پارلیمنٹ کی بات ۱۹۲۳ء میں کرتا ہے تو لازماً علیحدہ مسلم مملکت کا مفروضہ دل میں باندھ لیتا ہے۔ اس کی نگاہ دور دیکھ رہی تھی کہ اس منزل تلک پہنچنے بلکہ اس کا اعلان کرنے سے قبل اس کی تیاری ضروری ہے اور پوری ملت اسلامیہ کو اس طرف لے جانا لازم ہے۔ اس کام کے لئے ان کے دلوں کو خودی اور عشق الٰہی کے پیغام سے آشنا کر کے بیدار کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا انہوں نے دل مسلم کی بے چینی کو ایک تازہ ولولہ اور حوصلہ دینے کی ٹھانی۔ اسے ایک عزم مصمم اور جہد مسلسل کا درس دیا اور کھل کر نہایت صداقت سے بتایا کہ تمہاری بقا اور وقار صرف اور صرف اسلام کے حیات بخش اور توانا پیغام ہی میں ہے کسی دوسری طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صدیوں کی ملوکیت اور ملائیت کی گرد و غبار سے باہر نکل کر اصل روح اسلام کو دیکھنے کی ضرورت اور مسلمانوں کی تمام مشکل کا حل اسی نسخہ کیمیا میں پنہاں ہے مغرب کی چمک دمک سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو اخلاقی طور پر ایک بوسیدہ بنیاد پر کھڑی ہے اور ان کا دینی انحراف ان کے اپنے تلخ اور گندے توہمات کی بنا پر ہے۔ مسلمان کو تو اس کی قطعاً ضرورت نہ ہے۔

انگریز نے سیکولرازم کو تو اپنے پوپ پادری کے ظالمانہ اور سفاکانہ رویوں کی وجہ سے اپنایا اور ترجیح دی۔ ان کے پیشواؤں نے جب مذہب کے نام پر علیحدہ متبادل اور متوازی حکومتیں بنا کر ظلم ڈھائے تو وہ سیکولرازم اپنانے میں بالکل حق بجانب تھے بلکہ پرانے پیشوائیت کے نظام کی نسبت انہوں نے سیکولرازم اپنا کر ایک بہتری کی شکل اختیار کی تھی لیکن مسلمانوں کی تاریخ تو اس سے بالکل مختلف تھی

Marfat.com

انہیں تو اپنی تاریخ کی روشنی ہی میں فیصلے کرنے چاہئیں۔ ان کے لیے سیکولرازم کا نسخہ زہر قاتل ثابت ہو سکتا ہے۔ ہاں ملوکیت اور ملائیت کی خرابیوں کو دور کرنے کی ضرورت ضرور ہے لیکن مغرب کی اندھادھند حرف بحرف تقلید نہایت ضرر رساں ہے۔ ملوکیت زدہ کہنہ کمزوریوں پر اڑے رہنا بھی غلط ہے تو جہان نو کی اچھائیوں سے منہ پھیرنا بھی حماقت ہے۔ لٰہذا علامہ اقبال نے بروقت ملت مسلمہ کی صحیح راہ نمائی فرمانے کا عظیم فریضہ ادا کیا اور انہیں اسلامی روحانی راہ جمہور کے مشورہ سے حالات کے مطابق اجتہاد میں دکھائی اور ایک بکھری ہوئی قوم کے اسلامی اور روحانی بنیادوں پر مجتمع ہونے کی روشنی سے تاریک راہوں کو منور کیا۔ انہیں پر جوش اشعار اور مدلل گفتگو سے اسلامی اتحاد کے لیے منظم کرنا شروع کیا اور ان کے دل قوت ایمانی سے متحرک کئے۔ مایوسی سے نکالا اور خودی کا راستہ دکھایا کہ ملت مسلمہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر ہی فلاح حاصل کر سکتی ہے۔ فکر اقبال ہی کی بدولت ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی شناخت اور خود اعتمادی کا حوصلہ ملا ورنہ تہذیب نو تھی کہ سب کی نظروں کو خیرہ کئے جا رہی تھی۔ علامہ اقبال نے اس وقت کے تمام مسلمان علماء اور دانشوروں کو اجتماعی شعور ملت اسلامیہ کے لیے متحرک کیا۔ مولانا شبلی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان اور بہت سے دوسرے علمانے اسلامی پیغام اور تعلیمات کو عام کرنیکا بیڑا اٹھایا اور پوری قوم کے اندر ایک تحریک پیدا کر دی۔ سرسید احمد خان کے زمانہ میں تعلیم کی طرف رغبت کی ضرورت تھی تو قائداعظم کی راہ نمائی میں حقوق مسلم کے لیے بڑھوتی ضروری تھی۔ دوسروں سے اپنے حقوق کی جنگ ضروری ہے تو ایک عظیم سالار کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کام قائداعظم کر رہے تھے۔ لیکن حقوق کی جنگ بھی تبھی ممکن ہے کہ خود انسان اور وہ مخصوص گروہ اپنے آپ کو تو اچھی طرح پہچانتا ہو جانتا ہو کہ وہ خود کہاں کھڑا ہے۔ اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہے؟ اس کے لیے روح و قلب میں ڈوب کر ہی کچھ پایا جا سکتا تھا کہ ملت ہاشمی کی تو اپنی ایک منفرد ساخت ہے شناخت ہے۔ اس میں اس کی قوت ہے توانائی ہے اور اس کی بناء پر ہی وہ اپنے حقوق کی جنگ لڑ سکتی ہے۔ یہ کام علامہ اقبال کی راہ نمائی میں ہوا۔

بعد میں جن لوگوں نے تحریک پاکستان کو اسلامی کی بجائے معاشی جدوجہد کا لباس پہنانے کی کوشش کی وہ یہ بنیادی حقیقت کیوں بھول جاتے ہیں کہ اگر وہ معاشی بے انصافی کے خلاف تحریک تھی تو وہ معاشی بے انصافی کس کے خلاف ہو رہی تھی؟ مسلمانوں کے خلاف؟۔ اگر مسلمانوں کے خلاف ایسی معاشی بے انصافی ہو رہی تھی تو کون کر رہا تھا؟ ہندو یا انگریز؟۔ لیکن ہندو کو کیا تکلیف تھی کہ وہ ایک مخصوص گروہ کے خلاف جو اپنے آپ کو مسلمان کہلواتا تھا اس بے انصافی کے لیے کمربستہ ہو جاتا؟ اس

Marfat.com

لیے کہ وہ ہندو نہیں تھا بلکہ مسلمان تھا۔ ہندو اور مسلمان میں آخر فرق کیا ہے؟ عقیدہ کا۔ اگر عقیدہ کا فرق نہ ہو تو پھر تو ساری بات ختم ہو جاتی ہے زیادہ تر ہندو اور مسلمان نسلی طور پر ایک ہی تھے راجپوت تھے جاٹ تھے گجر تھے تو آخر مسلمانوں کی معاشی تباہی کے لیے ہندوؤں کو اپنے نسلی بھائیوں کو تباہ کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی؟ اس لیے کہ وہ مسلمان تھے۔ وہ ایک خاص نظریہ حیات رکھتے تھے۔ وہ ایک اللہ کو ماننے والے تھے۔ بت پرست نہیں تھے کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی آخرالزمان پر ایمان رکھتے تھے اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہتے تھے اور یہ سب کچھ ہندو کو گوارا نہ تھا اور وہ اسے تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اگر مسلمان کی معاشی تباہی والی دلیل مان بھی لی جائے کہ جس کی وجہ سے تحریک پاکستان اٹھی تو بھی بنیادی فرق صرف ایمان اور عقیدہ ہی کا تھا اگر مسلمان کی جدوجہد سے اسلام کو خارج کر دیں تو پھر تو فرق ہی مٹ جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے ان تمام امور کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا اور ان تمام فکری بکھیڑوں اور انتشار سے ملت اسلامیہ کو نکال کر انہیں صحیح راہ دکھائی اور سمجھایا کہ آپ کا دین ہی وہ گوہر نایاب ہے جو آپ کی کشتی کو پار لگا سکتا ہے۔

اس طرح ہندوستان کے مسلمانوں کی روحانی 'قلبی' دینی اور سیاسی شیرازہ بندی کا اہتمام شروع ہوا کیونکہ حقوق کی جنگ جیتنے کے بعد ایک اور بڑی جنگ کی تیاری کرنا تھی اور وہ تھی آزادی کی جنگ اور وہ جنگ بھی لمبی ہونا تھی جو حوصلہ نظم و ضبط 'ایمان اور اتحاد کے ساتھ ساتھ جہد مسلسل مانگ رہی تھی۔ عزم صمیم کا تقاضا رکھتی تھی۔ قائدین نے قوم کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ جلیانوالہ باغ کے ظلم اور تحریک خلافت نے سارے ہندوستان کو بیدار کر دیا تھا۔ مزاحمت اور عدم تعاون کی مختلف تحریکوں نے آزادی کے پیغام کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچا دیا تھا۔ گاندھی ہر ڈھنگ سے اسے ہندوانہ رنگ دے رہا تھا۔ مسلمانوں کو سیاسی طور پر بالکل ختم کر دینا چاہتا تھا اور وہ ہندوستانیوں کو انگریز کے خلاف رنگ نسل کی بنیاد پر لڑانا چاہتا تھا۔ گاندھی بھی وہی کھیل کھیل رہا تھا جو انگریزوں نے ترکوں اور عربوں کے خلاف کھیلا تھا کہ نسل اور علاقہ کی بنیاد پر قومیت کا سہارا لے کر فیصلہ دو نسلوں اور رنگوں کے درمیان ہو۔ جبکہ اسلام کا پیغام تو آفاقی ہے۔ اس میں رنگ اور نسل کا امتیاز تو ۱۴۰۰ سال پہلے اللہ کے آخری نبی نے ختم کر دیا تھا کہ یہ سب سے بڑا فساد انسانیت کی تباہی ہے۔ ایسے امتیازات عدل و انصاف 'انسانی بھائی چارہ' مساوات اور امن کے دشمن ہیں۔ جرمن اور انگریز کی تباہ کن جنگ بھی اس بنیاد پر ہوئی تھی۔ ترکوں کی تباہی کا نسخہ بھی اسی سے تیار ہوا تھا۔ عربوں کی آئندہ نسلوں کی تباہی بھی اس میں مضمر تھی اور اب گاندھی اس قومیت کے نسخہ کو اس طرح استعمال کرنا چاہتا تھا

Marfat.com

کہ پہلے انگریز کو نکال لیں اور پھر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں۔ علامہ اقبال کی بصیرت افروز عقابی نگاہ جو مومن کی شان ہے خوب دیکھ رہی تھی کہ کیا کچھ ہونے والا ہے لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کی نجات کے لیے اور تمام انسانیت کی نجات کے لیے ۱۴۰۰ سال پہلے والا نسخہ کیمیا تجویز کیا، مسلمانوں نے اس پر لبیک کہنا شروع کیا اور آخر کار گاندھی کی مکاری کو شکست فاش سے ہمکنار کر دکھایا۔ انگریز کی ناپاک حکمت عملی کو بھی ناکام کیا۔ کہ کس طرح اس نے مسلمانوں کو جنگ عظیم کے بعد نسلی بنیادوں پر ذرہ ذرہ کر دیا تھا۔ انگریز کو کیا معلوم کہ علامہ اقبال اور محمد علی جناح ایسے عظیم مدبر ربع صدی کے اندر اندر ان کی ناپاک اور مذموم حرکتوں کا اتنا موثر اور کڑا جواب پاکستان کی شکل میں دے دیں گے جس کی بنیاد نسل یا علاقہ کے فسادی فلسفہ کی بجائے ابدی نظریہ امن و سلامتی اسلام ہوگا۔ علامہ اقبال اور قائداعظم نے اس طرح اس وقت کی گھمنڈی اور انا پرست سپرپاور کو اپنے نظریہ کی حقانیت کی قوت سے شکست فاش دی۔ وہ لوگ بہت ہی عظیم اور قوی تھے۔ مجھ ایسے لوگوں کے لئے تو ان کی عظمت کا احاطہ کرنا بھی دشوار ہے۔ ان کا ایمان مضبوط تھا اور عمل صالح، نگاہ بلند و عالی ظرف، روح و قلب عشق الٰہی اور محبوب الٰہی سے سرشار۔ ایثار و قربانی کے مجسم پیکر اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ رکھتے ہوئے قوم کو تیار کیا اور قوم بھی ہر طرح کی قربانی کے لئے تیار ہوگئی اور قربانیاں دینے لگی کہ آزادی کے لئے قیمت چکانا ہی پڑتی ہے۔ آزادی ایسی انمول نعمت مفت میں کب حاصل ہوتی ہے۔

لیکن لحہ آزادی تک کامیابی کے ساتھ پہنچنے سے پہلے کیا کٹھن اور نازک مراحل تھے جو ہمارے قائدین کو طے کرنے پڑے اس کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہر طرح کی چالبازیاں تھیں کہ روا رکھی گئیں۔ نئے نئے جال بچھائے گئے اشتعال دلوائے گئے لیکن ہمارے بزرگوں نے نہایت تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کا سامنا کیا۔ ۱۹۱۹ء کے انڈیا ایکٹ کے ذریعہ ایک عجیب و غریب قسم کا دوہری صورت کا نظام لاگو کر دیا گیا۔ اصل اختیارات تو انگریز ہی کے پاس رہتے لیکن اقتدار کے چند ٹکڑے ہندوستانیوں کی طرف بھی ضرور پھینک دیئے گئے اور ووٹ کا حق بھی صرف ان لوگوں تک محدود رکھا گیا جن کے متعلق انگریز کو یقین تھا کہ وہ اس کے نہایت ہی وفادار طبقات ہیں لہٰذا انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا۔ انگریز کے وفادار 'زمیندار' جاگیردار طبقہ نے کامیابیاں حاصل کیں۔ رولٹ ایکٹ کے اشتعال کے باوجود اس وقت کے ذمہ دار راہنماؤں نے بھی اس میں حصہ لیا کیونکہ حصہ نہ لینا ایک بہت بڑی غلطی ہوتی۔ کیونکہ اس وقت صرف زور آزمائی سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ قوم کو ابھی مزید تیاری کی ضرورت تھی اور پھر انگریز نے یہ بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ دس سال بعد اس دستوری اور سیاسی

Marfat.com

تجربہ کی روشنی میں ہندوستانیوں کو مزید اختیارات کے لئے نظرثانی کی جائے گی۔ ان اسمبلیوں کے ذریعہ عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے موثر آواز بھی اٹھائی جاسکتی تھی۔ ویسے بھی ابھی آزادی کی بات نہیں ہو رہی تھی بلکہ خود مختاری کی سینچ تھی۔ یہ اور بات ہے کہ جلیانوالہ باغ اور بعد میں تحریک خلافت نے ایسے حالات پیدا کئے کہ آزادی کا نعرہ بلند ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

۱۹۲۱ء میں جو اسمبلیاں وجود میں آئیں ان میں زیادہ تر لوگ ایسے تھے جو یا تو اپنے مفادات کی وجہ سے انگریز کے نہایت ہی وفادار تھے یا وہ لوگ تھے جو یورپی فکر 'طور طریقوں اور انگریزی انصاف کے اعلیٰ معیار سے ذہنی طور پر متاثر تھے لیکن پھر بھی علامہ اقبال 'محمد علی جناح اور موتی لعل نہرو ایسے داعیان آزادی بھی موجود تھے جنھوں نے قوم کی راہنمائی کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ پنجاب میں سر فضل حسین کا گروپ غالب رہا۔ ان کا تعلق بھی پیشہ قانون سے تھا اور گورداسپور کے ایک روشن خیال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی سربراہی میں پنجاب کی حکومت تشکیل پائی۔ سر فضل حسین نے صوبہ پنجاب کے لئے بہت اچھے اچھے کام سرانجام دیئے۔ خاص طور پر پنجاب کے کاشتکاروں جن کی اکثریت مسلمان تھی کو ہندو مہاجن کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی۔ ان کی زمینیں' ہل 'بیل اور دوسری بنیادی اشیاء پیداوار کو ان کی دستبرد اور قرقی سے محفوظ کروایا۔ اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی ان کی جماعت نے خاطر خواہ خدمات سرانجام دیں۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو مضبوط ہونے کا کافی موقع ملا اور پنجاب کے زمینداروں کو منظم کر دیا اور جب مناسب وقت آیا تو یہی مضبوط زمیندار مسلم لیگ اور قائد اعظم کے دست و بازو بن گئے۔ دوسرے صوبوں میں خاص طور پر بنگال میں بھی یہی صورت رہی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عالم اسلام سخت مصیبت میں گرفتار تھا۔ خلافت عثمانیہ اور مشرق وسطیٰ کی کہانی تو آپ کے سامنے ہے وسط ایشیاء کی حالت اس سے بھی بری تھی اور روس نے وہاں کی مسلمان ریاستوں کو تو پچھلی صدی ہی سے زیر کر لیا تھا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد تو ان ریاستوں کی بہت ہی بری حالت کر دی گئی تھی۔ کمیونسٹ فوج سب مسلمانوں کو تہ و تیغ کر رہی تھی۔ ہر طرح کی مذہبی آزادی ختم کر دی تھی۔ نماز روزہ پر پابندی لگا دی تھی۔ مسجدیں یا تو مسمار کر دی تھیں یا ان کو قفل لگا دیئے گئے تھے۔ اللہ کا جو نام لیتا تھا اس کا شکار کیا جاتا تھا۔ اس وقت وسط ایشیا کے مسلمان سخت ابتلا میں تھے۔ کمیونزم کے مقابلہ میں سیکولرازم بدرجہا بہتر دکھائی دے رہا تھا لیکن یہ تو ان دو غیر اسلامی نظاموں کی بات تھی جو اسلام کی

Marfat.com

ہمسری نہیں کر سکتے تھے۔ کیمونزم اور سیکولرازم دونوں ہی مطلق العنان ملوکیت اور مذہبی پیشوائیت کے ظلم و جور کے خلاف رد عمل کے نظام تھے۔ سیکولرازم عیسائی پیشوائیت کی پر تشدد پر انتہاپسندی سے بہت بہتر تھا تو کیمونزم تو ایک انتہائی سفاکانہ اور ظالمانہ نظام تھا اور محض ری ایکشن کے طور پر ابھر کر سامنے آیا تھا۔ نعرہ بازی اور فریب کاری کی شعبدہ بازی تھی۔ دنیاوی طور پر بھی ایک ناقص اور فرسودہ نظام تھا جس میں انسانی روح اور شعور کی آزادی ختم کر دی گئی تھی اور انسانوں کو محض مشین کے کل پرزے بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔ ان ہر دو نظاموں کے مقابلہ میں اسلام محض آزادی کا علمبردار تھا۔ اسے اپنے عقیدہ اور قلب و روح کے مطابق عمل کی آزادی تھی۔ ضمیر کی آزادی تھی۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نظام کے لیے روشن خیال نظام عدل موجود تھا۔ اسلام جہاں ذاتی زندگی کی رعنائیوں اور روح پروری کی راہ نمائی فرماتا ہے وہاں پر قانون کی حکمرانی کا پورا نظام دیتا ہے جس میں ہر مرد و زن کا ایک روحانی اور قانونی وجود ہے۔ وہ تمام حقوق رکھتا ہے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے طریقے بھی رکھتا ہے۔ اس کے نظام میں مسلمانوں ہی کے نہیں غیر مسلموں کے حقوق بھی متعین ہیں اور ان کی حفاظت کا بھی انتظام ہے۔ اسلام میں جمہور کی خلافت اور شوریٰ کا نظام ہے اور کسی طرح کی مطلق العنانی اور ملوکیت کا تصور ہی نہ ہے۔ پیشوائیت تو بالکل مفقود ہے۔ سیکولرازم جس مساوات، عدل اور روشن خیالی کا دعوی کرتا ہے وہ تو خود اسلام میں موجود ہے۔ اسلام میں کوئی اونچ نیچ ہے ہی نہیں کالے گورے عربی عجمی امیر غریب کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔ اسلامی قانون کے سامنے سب برابر ہیں۔ بڑے سے بڑے عہدیدار کا احتساب ہو سکتا ہے عام بدو خلیفہ سے پوچھ سکتا ہے کہ اس نے اپنی قمیض کے لیے کپڑا کہاں سے لیا۔ عیسائیوں میں تو پیشوائیت اور پاپائیت نے ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور فرقہ واریت کی تمام حدود بھی پار کر دی تھیں۔ عیسائیوں نے تو اپنی فرقہ واریت سے تنگ آکر سیکولرازم میں پناہ لی تھی مسلمانوں کو اس کی ضرورت قطعاً نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ عیسائی اگر سیکولرازم کی بجائے صحیح اسلامی روحانی جمہوریت اپناتے تو زیادہ کامیاب رہتے۔ لوگوں کو بہتر انصاف دے سکتے تھے۔ بیسویں صدی کے مسلمان کو کیمونزم اور سیکولرازم سے کچھ ملنے کو نہ تھا۔

حضرت علامہ اقبال نے ہمیں ہر دو انتہاؤں کی یلغار سے بچا لیا اور باور کروایا کہ اسلام میں وہ سب کچھ پہلے ہی سے نہایت بہتر انداز میں موجود ہے جس کا پرچار یہ دونوں نظام کرتے ہیں۔ مساوات، بھائی چارہ، انسانی بھلائی، عدل و انصاف، امن و سلامتی، انفرادی آزادی، روح و قلب کی

Marfat.com

آزادی، قانون کی حکمرانی صرف اور صرف اسلام میں ہے۔ دوسرے نظاموں یا فرد بے لگام ہے اور کسی تہذیبی نظام کا پابند نہیں یا پھر وہ خس و خاشاک کی طرح بے مقصد، بے مراد ہے۔ اس طرح علامہ نے ہر طرح کے فکری انتشار سے بچایا اور اچھے فکر اور علم و دانش کے راستے بھی بند ہونے نہ دیئے۔ پرانے جمودوں سے بھی گلو خلاصی کروائی اور اجتہاد کے راستے دکھائے کہ ان امور پر جن کے لیے قرآن و احادیث کے واضع احکام موجود نہیں ہیں ان پر حالات اور واقعات کی روشنی میں کھلے ذہن کے ساتھ قرآن و سنت کے اصولوں کی روشنی میں ذہنی کاوش کر کے کسب علم اور عمل ضروری ہے۔ ہندو کے ہتھکنڈوں سے بھی خبردار کیا۔ سیاسی اور دینی بیداری بھی پیدا کی اور کمیونزم وغیرہ کی یلغار سے بھی محفوظ رکھا اور نہایت ہی صحیح اور قابل عمل سمت کا تعین کر دیا جس پر چل کر آئندہ کی فلاح کا راستہ پنہاں تھا وگرنہ انگریز اور ہندو تھا کہ قیامت کی چال چل رہا تھا۔ لیکن اس مومن کی عقابی نگاہ بھی دور دور تک دیکھ رہی تھی اور شاہین بچوں کو بلند پرواز کے قابل بنا رہی تھی۔ علامہ اقبال کا تدبر اگر ہمیں سمجھا نہ دیتا تو شاید واقعی ہم فکری انتشار کا شکار ہو کر بالکل گم ہو کر اپنا وجود ہی کھو بیٹھتے اور پھر ہماری داستان بھی نہ ہوتی داستانوں میں۔

ہسپانیہ کی حالت تو وہ خود دیکھ کر آئے تھے وہاں پر بھی ہندوستان جتنی ہی حکومت مسلمانوں نے کی تھی۔ شکر ہے کہ ان کے تدبر نے ہمیں صحیح راہ دکھائی اور ہمارے سچے جذبوں کی آبیاری کی۔ ولولہ تازہ بھی دیا اور پٹڑی پر سے اترنے بھی نہ دیا۔ عشق محمد سے دل گرما دیا ایمان کی حرارت کو تازہ کر کے حفاظت کے وہ بند باندھے کہ بڑے سے بڑا طوفان بھی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور نہایت مضبوطی اور ہمت کے ساتھ عملی طور پر کشتی کے پتوار چلاتے رہے اور ساحل سے ہمکنار کر دیا۔ صحیح جذبوں کی تخلیق اور آبیاری کی تو غیر ضروری اور سفلی جذبائیت کا علاج بھی کیا کیونکہ انہیں اپنے علم اور فکر پر پورا بھروسہ تھا وگرنہ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہر قسم کے رنگارنگ دلکش مگر باطل نظریات امڈ رہے تھے۔ میسولینی نے اٹلی میں فاشزم کے پرچار کو ایک فلسفہ کی شکل دیکر جبر اور قوت بازو کا بت کھڑا کر دیا تھا کہ حق وہی ہے جو برہنہ اور ننگی وحشیانہ قوت کہے اور کرے۔ کمزور کو جینے کا حق نہیں ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ طاقت کے سامنے ساری انسانی تہذیب سرنگوں ہو جائے یہی کچھ ہٹلر کا فلسفہ تھا کہ نسلی برتری صرف اور صرف آریہ کو حاصل ہے اور باقی تمام نسلیں اس کے سامنے سر بسجود رہنی چاہیں بلکہ ان کا ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ دوسروں کو وہ زمین کا بوجھ تصور کرتا تھا اور فساد کی جڑ۔ جاپان میں بھی اس طرح کے عسکریت پرست نظریات پروان چڑھ رہے تھے یہ وہی باطل نظریے تھے جن کی عصبیت کو ختم

Marfat.com

کرنے کے لئے پیغمبر اسلام ؐ تشریف لائے تھے اور انسانیت کو برابری اور محبت کا سبق دے کر امن و سلامتی کی راہ دکھائی تھی۔ آدم ہو یا ابراہیم نوح ہو یا موسیٰ' عیسیٰ ہو' یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی نے اللہ کی طرف سے یہی امن و آشتی کا پیغام پہنچایا تھا۔ فرعون اور نمرود نے اپنے اپنے وقتوں میں اسی طرح کی سوچوں کا سہارا لیا تھا اور انسانیت سوزی پر عمل پیرا ہوئے تھے۔ ہٹلر' میسولینی اور جاپانی سب اسی راہ پر چل رہے تھے جس پر تمام طاغوتی طاقتیں چلتی آئی ہیں۔ روس بالکل ہی لادینیت کا شکار ہو چکا تھا بلکہ مذہب دشمن بن گیا تھا۔ انگریز فرانس اور امریکہ وغیرہ سیکولرازم کے اسیر نظر آتے تھے۔

اس نظریاتی کشمکش میں بہت زیادہ چمک اور دلکشی بھی تھی۔ عسکریت اور طاقت کے مظاہر تحقیر آمیز بھی ہوتے ہیں تو لوگوں کے دل بھی گرماتے ہیں کہ انسان کے اندر کا جنگجو پہلو تسکین حاصل کرتا ہے اور ان نظریات کی کشش دوچند ہو جاتی ہے جب وہ انگریزوں کے دشمنوں کی طرف سے آئیں کیونکہ ہندوستانیوں کو تو انگریزوں ہی نے اپنی قوت سے غلام بنا رکھا تھا لہٰذا جو بھی اس کا مخالف اٹھتا پسے ہوئے غلاموں کے لئے ان کی اپیل بہت ہی زیادہ ہوتی تھی۔

لیکن اقبال ایسے عظیم صاحب فراست کو اسطرح کلجاہ و جلال یا تعصب مرعوب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو حقانیت پر گہری نظر رکھتا تھا اور اس ہادی اکبرؐ کی نگاہ کا اسیر تھا جس کے علم نے سب تاریکیاں ہی ختم کر دی تھیں۔ جس کے ادنیٰ پیروکار قیصر و کسریٰ کی قوت سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔ اقبال کیسے ان باطل نظریات کو خاطر میں لا سکتے تھے۔ لیکن ہندوستان کا عام آدمی بشمول مسلمانوں کے ان انگریز دشمن قوتوں سے بہت متاثر نظر آتا تھا۔ جواہر لال نہرو سوشلزم کا اسیر ہو چکا تھا مگر اقبال اور محمد علی جناح نے ان تمام باطل نظریوں کو دلائل کے ساتھ یکسر رد کر دیا اور قوم کو بتا دیا کہ ہمارے مسائل کا علاج صرف اور صرف اسلام میں پنہاں ہے اور ہمیں اسی منبع رشد و ہدایت کی طرف دیکھنا ہو گا۔ یہ سب ہی نظام عارضی اور فنا ہونے والے ہیں۔ ازلی اور اصلی پیغام صرف اور صرف اسلام کی تعلیمات میں ہے۔ یوں ہمارے قائدین نے ہمیں بہت بڑے فکری انتشار سے بچا لیا اور منزل مراد کی طرف سہارا دے کر چلتے رہے۔

انگریز بھی اٹلی اور جرمنی کے اندر جو کچھ ہو رہا تھا اس سے بے خبر نہیں تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ جرمنی نہایت رازداری کے ساتھ اپنی جنگی تیاری میں مصروف ہے اور وہ اپنی پہلی شکست کی تذلیل کا بدلہ ضرور لے گا۔ اٹلی بھی پر پرزے نکال رہا تھا۔ تاریخ کے اپنے اصول ہیں جب ظلم حد سے بڑھ جائے اور ظالم قوتیں اللہ کے راستے سے ہٹ کر انسانیت کی تباہی کی ٹھان لیں تو ان قوتوں

Marfat.com

کے اندر ہی سے مخالف قوتیں ابھرتی ہیں اور ان کا آپس میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ باطل باطل سے ٹکرا جاتا ہے اور اس عمل میں وہ کمزور ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ حقانیت کے پرستاروں کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ اپنی منزل تلاش کر کے کامیابی حاصل کر لیں۔ یہی کچھ ہونے والا تھا۔ یورپ کی گمراہ تہذیب اپنے ہی تیار کردہ عذاب میں پھنسنے والی تھی۔ دونوں طرف سے جنگ و جدل کی تیاری جاری تھی۔ انگریز نے سوچا کہ وہ اپنی نو آبادیوں کے وسائل کو اسی طرح استعمال کر سکے جیسے پہلی جنگ میں کیا تھا اور جس کی وجہ سے اسے کامرانی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اس نے کچھ سیاسی وعدے بھی کئے تھے اور آئندہ کے نقشے بھی پیش کئے تھے ان وعدوں پر کسی حد تک عمل بھی کیا تھا اور وہ اپنے غلاموں کو آئندہ کی چپقلش میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔

اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک کمیشن (سائمن کمیشن) کی تشکیل کی جو ہندوستانی رائے عامہ کی روشنی میں دستوری تجاویز مرتب کرے تاکہ ہندوستانی نمائندوں کو مزید اختیارات تفویض کئے جا سکیں۔ انگریز اور ہندوستانی باہم مل کر رضامندی اور خوش دلی کے ساتھ ہندوستان کا انتظام و انصرام چلائیں اور اس طرح انگریز اپنی مقصد براری میں بھی بطریق احسن کامیاب ہو جائے۔ سر سائمن اس کمیشن کے سربراہ تھے لہٰذا انہی کے نام سے یہ کمیشن موسوم ہو گیا۔ سیاسی 'دستوری امور کے علاوہ ہندوستانیوں کی اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں زیادہ سے زیادہ شمولیت کا معاملہ بھی زیر غور تھا کیونکہ ۱۹۲۱ء سے اس امر کی بھی کوشش کی گئی تھی کہ ہندوستانیوں کی امور مملکت کی تربیت کے لئے سروسز میں ان کا حصہ بڑھا دیا جائے۔ مقابلہ کے امتحان میں بعض باصلاحیت امیدوار پہلے بھی آ جاتے تھے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ۱۹۲۱ء کے بعد نامزدگیوں کے ذریعہ بہت سے اعلیٰ خاندانوں کے چشم و چراغ سروسز میں داخل کر دیئے گئے تھے۔ خاص طور پر صوبائی سروسز میں تو ہندوستانیوں کی کافی تعداد بڑھا دی گئی تھی۔ افواج ہند میں بھی کمیشنڈ افسروں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لہٰذا سائمن کمیشن کا دائرہ کار کافی وسیع تھا۔ ہندوستان کی فضا حقوق کی جنگ اور خود مختاری کی سطح سے کافی آگے بڑھ چکی تھی۔ آزادی کا نعرہ عام تھا اور جلیانوالہ باغ کے واقعہ کے بعد انگریز پر پہلے جیسے اعتماد کا دور گزر چکا تھا۔ تحریک خلافت نے مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ علامہ اقبال اور محمد علی جناح کی قیادت نے مسلمانوں کے اندر ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ سر فضل حسین وغیرہ کا گروہ اگرچہ انگریز ہی کی وفاداری کے گیت گا رہا تھا لیکن ان کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لوگ اقتدار کا مزا بھی چکھنے لگے تھے اور ذہنی طور پر مزید اقتدار کے خواہاں بن گئے تھے۔ اس طرح جب سائمن سال

Marfat.com

۲۸/۷/۱۹۲۷ء میں ہندوستان آیا تو مختلف گروہوں نے اپنی اپنی دستوری تجاویز کی تیاری کر رکھی تھی اور مستقبل کے لئے ٹھوس بنیادوں پر دستوری نقشے بنالئے تھے۔

راجوں، مہاراجوں اور والیان ریاست کا اپنا نقطہ نگاہ تھا اور وہ مکمل طور پر انگریز کے حامی تھے۔ ان کی کافی اہمیت تھی کیونکہ وہ ہندوستان کی ایک تہائی تھے اور طاقتور بھی تھے۔ انگریزی انتظامیہ کے براہ راست کنٹرول میں ہندوستان کا زمیندار اور جاگیردار طبقہ بھی بہت اہم اور مضبوط تھا۔ وہ بھی اکثرو بیشتر انگریز کی سرپرستی میں خوش تھا۔ سر فضل حسین اور سردار سکندر حیات وغیرہ اسی طبقہ کے نمائندے تھے۔ لیکن ہندوستان کا شہری طبقہ خاص طور پر وکلاء، دانشور، علماء اور دوسرے پڑھے لکھے لوگ انگریز سے آزادی کے خواہاں تھے۔ ان کی بڑی ہی موثر آواز تھی لیکن یہ درمیانہ طبقہ سارے کا سارا کھیل دستوری انداز میں کھیلنا چاہتا تھا۔ گاندھی کی شخصیت، جلیانوالہ باغ اور تحریک خلافت کے واقعات نے عام سطح پر ایک بہت بڑا ارتعاش پیدا کر رکھا تھا۔ عوامی سیاست نے ہندو مسلم خلفشار اور خلیج کو اور بھی وسیع کر دیا تھا کیونکہ پڑھے لکھے اور اعلیٰ طبقات سے متعلق ہندو اور مسلمان تو آسانی سے آپس میں لین دین اور میل جول کر سکتے تھے لیکن جب بات نیچے کے طبقہ تک پہنچتی تھی تو وہ کبھی بھی ایک دوسرے سے مل کر نہیں چل سکتے تھے۔ ۱۹۱۴ء میں گاندھی کی جنوبی افریقہ سے واپسی پر ایک دفعہ محمد علی جناح صاحب نے گاندھی کو ان خطرات سے آگاہ بھی کیا لیکن گاندھی تھا کہ اپنے ہی انداز میں عامیانہ عوامی اور ہندووانہ انداز سیاست کے گورکھ دھندے سے باہر نہ آسکا۔ اسی لئے تو علامہ اقبال ایسے ہندی ترانہ لکھنے والے اور محمد علی جناح ایسے متحدہ ہندوستان کے سفیر کہلوانے والے بھی ہندو تنگ دلی سے دل برداشتہ ہو کر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت پر کمربستہ ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ہندو مکار تو مسلمانوں کی جان کے درپے ہیں اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو تباہ کر دینے کا پروگرام رکھتے ہیں۔

گاندھی اور موتی لعل نہرو ایسے کانگرسی انگریز کے سیکولرازم اور جمہوریت کو ہندوؤں کے غلبہ کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور اپنی قطعی برہنہ اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کا ہمیشہ کے لیے گلا دبا دینا چاہتے ہیں۔ سیکولرازم بری طرح سے بٹی ہوئی ایک دوسرے کا گلا کاٹتی ہوئی فرقہ زدہ عیسائیت کی دنیا میں تو ایک بہترین اور خوبصورت، منصفانہ اور ترقی پسند نظریہ ہو سکتا ہے اور وہ ان کو ان کی جہالت زدہ پیشوائیت کے چنگل سے نکال کر مستقل راہ بن سکتا ہے لیکن جہاں بالکل دو مختلف مذاہب کے لوگ بستے ہوں اور وہ اپنی زندگی کے کسی بھی حصہ میں فکر اور عمل میں کسی قسم کا بھی اشتراک نہ

Marfat.com

رکھتے ہوں وہاں پر یہ نظریہ صرف اور صرف اقلیت کے خلاف ایک حربہ بلکہ مہلک حربہ کے طور پر ہی استعمال ہو سکتا تھا۔ لہٰذا گاندھی اور موتی لعل نہرو نے سیکولرازم اور جمہوریت کا سہارا لے کر ایسی دستوری تجاویز مرتب کیں کہ جس سے مسلمانوں کا کوئی وزن ہی نہ رہ سکے۔ ان کے ہر طرح کے سیاسی حقوق کو ہندو مستقل اکثریت کے بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ ان کی علیحدہ شناخت اور وجود ختم کرنے کا مکمل نسخہ نظریہ جمہوریت کی آڑ میں تیار کر لیا اور سائمن کی آمد پر نہایت ہی حسین اور دلکش الفاظ والی رپورٹ تیار کی جو نہرو رپورٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔

کیونکہ کانگرس نے جو دستوری تجاویز کی تیاری کے لیے کمیٹی تشکیل دی تھی اس کا سربراہ موتی لعل نہرو تھا۔ موتی لعل نہرو نے انگریز کے سیکولرازم اور جمہوری سوچ سے ساختہ ذہن کو سامنے رکھ کر ہی ایسی رپورٹ تیار کی تھی کہ انگریز ہندو مسلم اختلافات کی نزاکتوں کو سمجھے بغیر ہی ہندوستان کی ہندو اکثریت کو اپنے اقتدار میں بلاچون و چرا شامل کر لے تاکہ حکومتی قوت و اقتدار سے مسلمان کو تباہ کرنے کا بندوبست آسان ہو جائے لیکن مسلمان قیادت بھی نہایت بیدار مغز تھی اور ان مذموم چالوں کو اچھی طرح بھانپ رہی تھی۔ حضرت قائد اعظم نے مسلمان حقوق کی نہایت ہی عمدہ اور اعلیٰ نمائندگی کرتے ہوئے ہندو عیاری کو اپنے پر مغز اور دانشمندانہ چودہ نکات سے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ یہ چودہ نکات ہر لحاظ اور نظریہ کی کسوٹی پر پورے اترتے تھے۔ ان کے بعد ہندو انگریزوں کی آنکھوں میں دھول نہیں ڈال سکتے تھے۔ جناح صاحب نے نہایت عمدگی سے ہندو چالاکی کا پردہ چاک کر دیا اور ہندو اتنے سٹپٹائے کہ ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ جناح صاحب کے عظیم ذہن نے انہیں بالکل بے بس کر دیا تھا۔ بس کیا تھا کہ ہندوؤں نے عقل و دانش' انسانیت اور اصول پرستی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ کسی قسم کی دلیل ان پر بے اثر تھی کیونکہ ان کی فکری چوری پکڑی گئی تھی۔ وہ سرا سر دغا سے کام لے رہے تھے اور انگریزوں اور چند سادہ لوح مسلمانوں کو محض سبز باغ دکھا رہے تھے۔ جناح صاحب ایک صاحب بصیرت عقابی نگاہ رکھنے والے مومن تھے۔ انہوں نے ان کے فریب کا پردہ چاک کر دیا۔ اس وقت بھی تک تمام امیدوں اور آرزوں کے خلاف بھی محمد علی جناح کو خیال تھا کہ شاید ہندو عقل کی بات مان ہی جائیں لیکن وہاں تو تعصب اور حسد نے عقل کے تمام دروازے ہی بند کر رکھے تھے اور وہ اپنے زور بازو کی بنا پر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں کا کوئی بھی حق ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھے لہٰذا یہ وہ وقت تھا جب کہ ایک عظیم قائد اور سالار کے طور پر نہایت ہی کھرے کھرے انداز میں حضرت قائد اعظم نے ہندوؤں کو

Marfat.com

بتا دیا کہ اب ہمارے اور تمہارے راستے علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے Parting of Ways کا باقاعدہ اور واضح اعلان کر دیا۔

حضرت قائد اعظم کسی غیر ضروری مصلحت سے کام نہیں لیتے تھے۔ وہ ایک سچے اور کھرے مسلمان تھے۔ ایک نہایت ہی بہادر اور اعلیٰ انسان تھے وہ گاندھی کی طرح منافقت سے کام نہیں لیتے تھے اور اپنے تمام فیصلوں کی نہ صرف ذمہ داری قبول کرتے تھے بلکہ ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے تھے۔ گاندہی کی طرح اپنا بار بار موقف نہیں بدلتے تھے۔ گاندھی نے جب اپنی بات سے پھرنا ہوتا تھا تو کبھی تو وہ اپنی اندر کی آواز کا بہانہ بنالیتا تھا اور کبھی کہہ دیتا کہ وہ تو کانگرس کا چار آنے کا ممبر بھی نہ ہے۔ اس کے مقابلے میں حضرت قائد اعظم صاف سیدھی اور دوسرے کے منہ پر بات کرتے کیونکہ یہی اسلامی شیوہ ہے۔ وہ اپنے عمل میں ایک بہترین مسلمان کی مجسم شکل تھے۔ جب قائد اعظم نے ہندو ہٹ دھری کی وجہ سے مسلمانوں کے علیحدہ راستے کا واضح اظہار کیا تو ان عقل کے اندھوں کے پاس سوائے طعن و تشنیع کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بالکل تہی دامن تھے۔ ان سے اور کچھ نہ بن سکا تو کہنے لگے کہ آپ کس طرح اور کس کے نمائندے ہیں ?Whom do you represent اس وقت تک قائد اعظم ہندوستان کے مسلمانوں کے مسلمہ رہنما اور نمائندے قرار دیئے جا چکے تھے۔ خود کانگرس اسے تسلیم کرتی تھی اور بہت سے معاملات میں مسلمانوں کی نمائندگی ہمیشہ محمد علی جناح ہی کرتے تھے بلکہ اس سے بہت پہلے ۱۹۱۶ء کا مسلم لیگ۔ کانگرس لکھنؤ پیکٹ بھی قائد اعظم ہی کی مساعی سے پایہ تکمیل کو پہنچا تھا۔ لیکن اب جبکہ معاملہ اتنی دور نکل چکا تھا تو موتی لعل نہرو کو یاد آیا کہ محمد علی جناح کس کی نمائندگی کرتے ہیں؟ نہیں بات یہ نہ تھی بلکہ ان کے پاس جناح صاحب کے دلائل کا جواب ہی نہ تھا انہوں نے تو اپنی اندھی وحشیانہ (Brute) اکثریت سے عقل و نظر کو ختم کرنے کی ٹھان رکھی تھی اور اس طرح کی سفلی اور گھٹیا حرکات پر اتر آئے۔

یہ وہ وقت تھا جب قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں کی بے عقلی کے اندھے پن پر جذباتی ہو کر زندگی میں پہلی اور آخری دفعہ آنسو بہائے۔ وہ دور بین نظر و نگاہ کے مالک تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ہندوؤں کی اس ہٹ دھری کے کتنے خراب نتائج بر آمد ہونے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ہندو انگریز کے چلے جانے کے بعد اپنی تنگی اور جارحانہ اکثریت کی بنا پر کتنے مظالم ڈھانے کے ارادے باندھ رہے تھے اور اگر مناسب دستوری حل نہ نکل سکا تو کتنی خونریزی ہو سکتی تھی۔ اس لمحہ پوری تاریخ کا نقش ان کے سامنے گھوم رہا تھا اور وہ بھی سرسید کی طرح سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ انگریز کے

Marfat.com

بعد ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک خونریز جنگ چھڑ جائے گی اس لمحہ مستقبل کی بھیانک تباہ کاریاں بھی ان کی عظیم نگاہ سے گزر رہی تھیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ اور حضرت مجدد الف ثانی کی عظیم کاوشوں کی جھلک بھی انہیں حیران و پریشان کر رہی تھی کہ اس وقت تو مسلمانوں کی حکومت بھی تھی اور پھر بھی ہندو کیا کچھ کر گزرنے کے ارادے رکھتے تھے۔ یہ سبھی کچھ حساس طبع صاحب نظر و فکر اور نہایت ہی ذمہ دار قائد کو پریشان کرنے کے لئے کافی تھا کہ انگریز کی رخصتی پر مسلمانوں پر کیا قیامت گزرنے والی تھی اور اس کے ردعمل کے طور پر خود ہندو بھی عذاب میں پھنس جانے والے تھے۔ لیکن یہ کوتاہ اندیش اندھے، گونگے، بہرے اور ظالم کن عیاریوں کے ساتھ منصوبہ بندی کر کے ہر کسی کو فریب دینے میں مشغول تھے اور مستقبل کی قیامتوں سے بالکل بے نیاز ہو چکے تھے۔ قائداعظم ایک عظیم انسان تھے۔ وہ اسلام کے رحیمانہ سانچے میں ڈھلے ہوئے عادلانہ نظام کے علمبردار سچے مومن تھے وہ ہندو سے بھی کسی قسم کی بے انصافی نہ چاہتے تھے۔ لیکن گاندھی نہرو ذہنیت تھی کہ تعصب اور نفرت کا بحر قلزم بن گئے تھے ان سب باتوں کا مکمل ادراک اور شعور اس عظیم ذی حس روح کو ہوا تو آنسو ٹپکنا ایک فطری عمل تھا اور وہ اس کی عظمت کی خوبصورت پر نور تسبیح بن گئے۔

بہر صورت ہندو ہٹ دھرمی اور تنگ نظری کی وجہ سے کوئی ہندو مسلم متفقہ دستوری تجاویز کی شکل بر آمد نہ ہو سکی۔ لہٰذا سر سائمن اپنے تاثرات لے کر واپس انگلستان لوٹ گیا اور آئندہ کے دستوری اقدامات کے لئے حکومت انگلستان کو اپنی سفارشات پیش کر دیں۔ جرمنی اور اٹلی سر اٹھا رہے تھے اور انگریز بڑھتی ہوئی جنگ کے خوفناک بادلوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے ہندوستان کے لوگوں اور فوج کو کسی نہ کسی طرح خوش رکھنا تھا یا کم از کم انہیں امید ضرور دلائے رکھنا تھی تاکہ جنگ کی حالت میں ان کے وسائل ان کے کام آ سکیں۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستانی رائے عامہ کے مختلف نمائندہ گروہوں سے لندن میں کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت قائداعظم بھی ہندوستان چھوڑ کر لندن تشریف لے گئے تھے تاکہ آنے والے حالات اور ہندوؤں کی انتہائی ہٹ دھرمی جو ہر قسم کے ممکنہ حل کے راستہ میں ایک دیوار بن گئی تھی پر اچھی طرح غور و خوض کر سکیں اور آئندہ کے پروگرام کا خاکہ تیار کر سکیں۔ ادھر کانگریس نے انگریز پر اپنا دباؤ بڑھانا شروع کر دیا اور انگریز کے اپنے تراشیدہ جمہوری نقطہ نظر کی آڑ میں اپنی اکثریت کی دھونس جمانا شروع کر دی حالانکہ ہندوستان کی صورت حال انگلستان اور یورپ کے پس منظر سے بالکل مختلف تھی اور وہاں کے فارمولے یہاں کے حالات کا حل پیش کرنے سے قاصر تھے جب تک کہ ان کے اندر حقیقت پسندانہ ترامیم نہ کر دی جائیں۔ برصغیر

Marfat.com

کے مسلمان ایک بہت بڑی تعداد میں تھے۔ انہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کا اپنا ایک علیحدہ کلچر تھا اور وہ کبھی بھی ہندوؤں میں جذب نہیں ہو سکتے تھے۔ صدیوں سے اکٹھے رہنے کے باوجود وہ آپس میں بیاہ شادی نہیں کرتے تھے ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے تھے حتی کہ ایک دوسرے کا پانی بھی نہیں پی سکتے تھے۔ ایک دوسرے سے لباس بھی مختلف تھا اور بود و باش کا ہر انداز بھی ایک دوسرے سے الٹ تھا۔ ایسے حالات میں وہ کیسے اکٹھے رہ سکتے تھے ہندو اکثریت کی لاٹھی مسلم اقلیت کا سر تو توڑ سکتی تھی لیکن مسلمان کسی طرح سے بھی ان کے آگے نہیں جھک سکتا تھا اور وہ کبھی بھی ان میں سیاسی طور پر ضم نہیں ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں وہ خود اکثریت میں تھے۔ وہ ہندوستان جسکو انگریز سے پہلے مسلمانوں نے یکجا کیا تھا، ہندوؤں کی طرف سے ہندوستان کی اکائی کا ذکر حقیقت سے زیادہ افسانہ تھا۔ اگر یکجا کیا بھی تو مسلمانوں نے اور بعد میں انگریز ہی کا عطیہ تھا اس میں ان کا اپنا کمال تو نہ تھا۔ اکائی کی بنیاد پر ان کی بات بالکل من گھڑت اور بے وزن تھی۔ مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں کی حقیقت سے کیسے نظریں بند کی جا سکتی تھیں۔

ہندوؤں نے اکبر کے زمانے میں کیا کیا ہتھکنڈے نہیں برتے تھے۔ بادشاہ ہی کو ایک نئے فریب میں ڈال دیا تھا۔ مرہٹوں نے تو مسلمانوں کے صفایا ہی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ۱۸۵۷ کے بعد تو مسلمانوں کی سیاسی ثقافتی علمی اور معاشی تباہی کے مکمل انتظامات ہی ہو گئے تھے۔ سپین کی تاریخ دہرانے کے لیے گاندھی جی نے نہایت ہی عیاری سے تحریک خلافت کا ایسا رخ موڑنے کی کوشش کی کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی اکثریت کو چھوڑ کر ہی چلے جائیں اور اب ایسا وقت آ رہا تھا کہ انگریز کی رخصت پر وہ اپنا مذموم ایجنڈا مکمل کرنے میں لگ جائیں۔ مختلف حربوں سے مسلمان سے اس کا جینے کا حق چھین لینا چاہتے تھے اور انہیں اپنی ظالمانہ اور وحشیانہ اکثریت کی بنا پر سیاسی موت سے ہمکنار کر دینا چاہتے تھے۔ جناح کے چودہ نکات نہایت حقارت کے ساتھ اسی لیے ٹھکرا دیئے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے حقوق کی قطعاً پاسداری نہیں تھی۔ وہ تو اس کے وجود ہی سے پرخاش رکھتے۔

اس موقع پر انگریزوں کو ڈرانے دھمکانے اور بلیک میل کرنے کے لیے ہندوؤں نے حقوق اور خود مختاری کی بجائے مکمل آزادی کا نعرہ بلند کر دیا تاکہ انگریز کی اپنی جمہوری سوچ کی منطق کی قوت سے اسے لاجواب اور زچ کیا جائے اور ہندوستان کے مخصوص حالات کو ایک سادہ عمومی جمہوری اصول کی رٹ لگا کر شور و غوغا میں دفن کر دیا جائے۔ لٰہذا کانگریس نے اپنے ۱۹۲۹ء کے سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور میں سوراج کا مطالبہ کر دیا۔ جواہر لعل نہرو اس سال پہلی دفعہ کانگریس کے صدر منتخب

Marfat.com

ہوئے تھے۔ ابھی جوان تھے' جوشیلے تھے' راوی کے کنارے سفید گھوڑے پر سوار ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر کانگریس کے جلو میں نکلے اور سواراج کا نعرہ بلند کر دیا۔ یہ سب کچھ اپنی قوت کے اظہار کے لیے کیا۔ سفید گھوڑا اور تلوار قوت کے اظہار کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا کہ وہ اب اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ضرورت پڑنے پر آزادی کا حق چھین بھی لیں گے۔ انہیں ان چند بکھرے ہوئے مسلمانوں کی کوئی پروا نہ ہے۔ اس طرح انہوں نے انگریزوں کو پیغام دیا کہ اب خود مختاری اور حقوق کی باتوں کا وقت گزر گیا ہے۔ اب آزادی کی بات ہوگی اور وہ بھی اکثریت کی قوت پر اور اس کی لڑائی کے لئے بھی وہ ہر طرح سے تیار ہیں تاکہ اس طرح وہ مسلمانوں کی مکمل محکومی اور تباہی کا بندوبست کر سکیں۔ ان کا جمہوری اکثریت کے اصول کا دعوی ایک عظیم فریب تھا وہ صرف اور صرف مسلمانوں کی تباہی کا ایک حسین حربہ تھا لہٰذا انگریز کو مجبور کیا اور دھوکہ دے کر بلیک میل کرنے کے لئے دستوری تجاویز والی سکیم چھوڑ کر ہندوؤں نے یکایک اس جارحانہ انداز میں آزادی کا مطالبہ اس وقت کے حالات کے تناظر میں صرف اور صرف ایک پریشر کے حربے کے طور پر کیا۔

اس سے انگریزی راج میں کافی ارتعاش بھی پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے روایتی طور طریقوں پر چلتے ہوئے معاملات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے لندن کی ٹھنڈی ہواؤں میں کانفرنسوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انگریز حکومت کی گرفت ابھی تک نہایت مضبوط تھی۔ راجے' مہاراجے اور جاگیردار بھی اس کے ساتھ تھے مگر مسلمانوں کی حالت بہت عجیب تھی۔ حالی اور اقبال کے ولولہ انگیز کلام کے باوجود ابھی تک مایوسی ان کے روح و قلب سے نہیں گئی تھی۔ وہ منتشر تھے' غیر منظم تھے اور انہیں اپنی کوئی واضح سمت نظر نہیں آ رہی تھی۔ انگریزی جمہوریت کے سارے انداز ہندو اکثریت ہی کے حق میں جا رہے تھے اور وہ اس کا خوب فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ بیچارے مسلمان کریں تو کریں کیا؟ ذہن جواب دے رہے تھے فکر کی آخری حدیں ناکام نظر آتی تھیں کہ پھر اسی مرد قلندر عالی نگاہ حکیم بے مثل علم و دانش کے پیکر اقبال نے تاریک پگڈنڈیوں میں سے اپنے نور بصیرت سے راہ فلاح تلاش کر لی اور ۱۹۳۰ء کے مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ منعقدہ الہ آباد کے صدارتی خطبہ میں نہایت ہی پر مغز اور عادلانہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے شمال' مغربی صوبوں اور شمال مشرقی علاقوں پر مشتمل جہاں مسلمانوں کی اکثریت بستی ہے کو علیحدہ آزاد اور مکمل طور پر خود مختار ہندوستان سے علیحدہ مسلمان ریاست یا ریاستیں بنا دیا جائے تاکہ ہندو اور مسلمانوں کا یہ تنازعہ بطریق احسن حل ہو جائے۔

Marfat.com

آپ علامہ کی عظمت پر غور فرمائیں وہ ہندو کا جائز حق بالکل نہیں مارنا چاہتے تھے اور اس کے لئے نہایت ہی مدبرانہ اور منصفانہ فارمولا پیش کر دیا۔ مگر ہندو تھا کہ سٹپٹا اٹھا۔ وہ تو ہندی مسلمانوں کا شکار کرنا چاہتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کا افسانہ گھڑ کے ہر کسی کو فریب میں ڈالنا چاہتے تھے اور چیخ اٹھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اکثریت کونسی؟ مستقل ہندو اکثریت۔ علاقوں کی اتنی بڑی اکثریت کی آواز کہاں جائے گی۔ مسلمانوں کا اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ وہ تو صرف پورے ہندوستان کے موجودہ جغرافیہ ہی کو حقیقت سمجھتے ہیں اور اسے ہی بنیاد بنائیں گے۔ اس افسانوی' جغرافیائی اکائی کے اندر کتنی قدیمی حقیقتیں ہیں جنہیں وہ ماننے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہیں۔ وہ تو وہی کریں گے جو ان کے مفاد میں ہوگا اور اس کے مطابق اصول گھڑ لیں گے۔ جمہوری اصول انگریز کی دلربائی کے لئے ہیں تو نہرو کی تلوار فاشسٹ طریقوں سے ڈرانے کے لئے' منہ میں رام رام اور بغل میں چھری کی اصلی تصویر تھی۔ نہرو کا ۱۹۲۹ء کا سواراج کا اعلان صرف اور صرف مسلمان کو بلڈوز کرنے کے لئے تھا۔ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا نہایت محبت سے لکھنے والا اقبال ہندو کی اتنی بڑی مکاری کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ تو پچھلے پورے تین عشرے سے ہندو کی تنگ نظری کو نہایت دکھ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں کی زبوں حالی پر بھی آنسو بہا رہا تھا۔ خودی کے پیغام سے انہیں اپنے قدموں پر کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انگریز کی جان لیوا غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں سے مل کر بھی جدوجہد کرنا چاہتا تھا مگر ہندو ہٹ دھرمی نے تمام معاملات ہی الجھا کر رکھ دیئے اور مسلمانوں کو مکمل تباہی سے بچانے کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ ایک علیحدہ آزاد و خود مختار ریاست کے حصول کا مطالبہ کریں اور جدوجہد کریں۔ ہندوستان کی تقسیم پر ہندوؤں کی ضد اور ہٹ دھرمی نے ہمارے بزرگوں کو مجبور کیا بلکہ وہ تو اس کے بعد بھی آخری وقت تک اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ ہندوؤں کو ہوش آجائے لیکن وہ تو اپنی اکثریت کی قوت سے مدہوش تھے اور کسی طرح بھی اور کسی صورت میں بھی کوئی منصفانہ حل نکالنے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ مختصراً یہ وہ پس منظر تھا جس نے مسلمانان ہند کو دو قومی نظریہ اپنانے پر مجبور کیا۔ یہ سب کچھ ہندو کی تنگ نظری اور عدم رواداری کا کیا دھرا تھا۔ مسلمان زعماء کو صاف صاف نظر آ رہا تھا کہ ہندو انہیں کسی طرح بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھے اور انکی حرکات اور عمل نے بالکل واضح کر دیا تھا کہ ہندوستان میں ایک نہیں دو قومیں بستی ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم لیکن ابھی وہ مناسب وقت نہیں آیا تھا جب اس نظریہ کو پوری صراحت کے ساتھ پیش کر دیا جاتا۔ ابھی تو بہت کچھ کرنے کو تھا۔

Marfat.com

حضرت علامہ اقبال اور قائد اعظم بہت ہی عظیم لوگ تھے۔ وہ قوم کی خدمت نہایت ذمہ داری اور تحمل سے کرنا چاہتے تھے اور کرنا جانتے تھے۔ وہ غیر ضروری جذباتیت کا شکار نہیں ہوئے تھے۔ سیاست میں صحیح وقت کا تعین بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کے لئے سنجیدہ تیاری کی ضرورت ہوتی ہے جو مسلسل جدوجہد اور ایثار و قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔ دو قومی نظریہ تو اسی وقت سے واضح تھا جب مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تھی پھر قائد اعظم نے نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ۱۹۱۶ء میں جداگانہ انتخابات کا مطالبہ منوا کر مسلمانوں کا علیحدہ تشخص قائم کر دیا تھا اور ان کے حقوق کا تحفظ کروا دیا تھا۔ علامہ اقبال کے ۱۹۲۳ء کا "اجتہاد بذریعہ پارلیمنٹ" کا حکیمانہ مضمون نہایت وضاحت سے علیحدہ مسلمان پارلیمنٹ کا تصور ہی تو پیش کر رہا تھا ہمارے صاحب نظر و فکر قائدین کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کے حریف کتنے عیار اور مکار ہیں لہٰذا وہ ہر کام بڑا سوچ سمجھ کر اور صحیح وقت پر کرتے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں علیحدہ مملکت کا تصور دینا بہت ہی ضروری اور مناسب ہو گیا تھا کہ کانگریس اپنی Brute اکثریت کے بل بوتے پر ہر چیز کو بلڈوز کرنے کو اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن پھر بھی نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ دو قومی نظریہ کے اعلان اور ترویج کے لئے چند اور سالوں کی ضرورت تھی کیونکہ علامہ اقبال اور قائد اعظم کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ سرسید احمد خان سے لے کر خود ان تک لاتعداد بے لوث قائدین کی بے پناہ مساعی کے باوجود ہندوستان کے پسے ہوئے پسماندہ اور کم علم مسلمان ابھی تک بکھرے ہوئے تھے اور وہ ایک قوم نہیں بن سکے تھے۔ ایک متحدہ منظم اور متحرک قوم بننے کے لئے ابھی کافی کام کرنے کی ضرورت تھی۔ ان کی مزید شیرازہ بندی درکار تھی اور انہیں بیدار بھی کرنا تھا لہٰذا ضروری تھا کہ دو قومی نظریہ کا بلند و بانگ نعرہ مستانہ لگانے سے پہلے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کر کے پہلے اسے ایک قوم تو بنا لیا جائے۔ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں کہنے سے قبل ہمارے قائدین یقینی بنا لینا چاہتے تھے کہ سب مسلمان اس طرح یکجا ہو جائیں کہ دشمنوں کے ہزار حربے بھی انہیں ان کی منزل مراد کے راستے سے نہ ہٹا سکیں۔ اس کے لئے بہت زیادہ سیاسی کام اور عمل کی ضرورت تھی اور وہ اگلے سات سالوں میں خوب ہوا۔ جب ۱۹۳۷ء میں کھل کر دو قومی نظریہ کا اعلان ہوا وہی مناسب وقت تھا۔ بے وقت کی بات سے دشمن فائدہ اٹھا سکتا تھا اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کر سکتا تھا بلکہ ۱۹۳۷ء کے بعد بھی اس نے بہت سے مسلمانوں کو گمراہ کر ہی لیا تھا۔ بہرصورت کچھ نہ کچھ لوگ گمراہ ہو ہی جاتے ہیں لیکن قائد اعظم کی نگاہ دوربین نے دیکھ لیا کہ وہ وقت آ گیا تھا کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ہندو کی چالبازیوں کو سمجھنے لگی تھی اور وہ اس کے دھوکہ میں آنے والی نہیں تھی۔ لیکن ہندی مسلمانوں

Marfat.com

کو ایک قوم کا احساس دلانے کے لئے بہت محنت کرنا پڑی تھی۔ علامہ اقبال کے تصور نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ نئی اسلامی مملکت کے لئے مختلف لوگوں نے مختلف انداز سے دیکھنا شروع کر دیا۔ چودھری رحمت علی تعلیم حاصل کرنے کیلئے انگلینڈ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں پر ایک مباحثہ کا موضوع اسی تصور پر رکھا اور اس آنے والی مملکت کا نام پاکستان ظاہر کیا کیونکہ اس سرزمین میں پاک اللہ اور اس کے رسول کا نام لیا جانا تھا اور وہاں پر اللہ اور اس کے حبیب کے پاک پیرو کاروں نے رہنا تھا۔ پاکستان مباحثہ نے بہت شہرت حاصل کی بلکہ ایک عشائیہ پر وہاں کے طلباء نے خود حضرت قائد اعظم کو بھی مدعو کیا۔

یہ دعوت ۱۹۳۳ء میں دی گئی۔ اس وقت تک مسلمانوں کی اس طرح کی ریاست کے خدو خال اچھی طرح واضح نہیں تھے مگر بات تھی کہ چل نکلی تھی۔ لفظ پاکستان نے اپنا اثر دکھایا اور وہ ہندوستان کے ہر مسلمان کے دل میں گھر کر گیا اور آہستہ آہستہ اس نے لوگوں کے ذہنوں میں مسلمان ملک کی ایک واضح اور ٹھوس شکل پیش کر دی۔ لفظ پاکستان نے ہندوستان کے بکھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک متحد اور منظم قوم بن جانے میں بہت مدد دی۔ لیکن باقاعدہ لفظ پاکستان ۱۹۴۰ء کی علیحدہ مملکت والی قرارداد میں بھی استعمال نہیں ہوا تھا کیونکہ قائدین کی نگاہ میں اس کے استعمال کا ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہندو پریس نے اس نام کو خوب اچھالا اور وہ بھی ایک طنز کے طور پر۔ لیکن قدرت کے اپنے قوانین ہیں۔ اس نے یہ کام دشمن سے لے لیا اور ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے کا موقع میسر آگیا۔ بات ذرا آگے بڑھ گئی بہر صورت ۳۲۔ ۱۹۳۱ء کی لندن کانفرنسوں کے نتیجہ میں بھی ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوؤں کی طرف سے کوئی مشترکہ دستوری تجاویز سامنے نہ آسکیں۔ ہندو کسی بات پر بھی مسلمانوں کا نقطہ نگاہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ تو صرف چاہتے تھے کہ اکثریت کے بل بوتے پر ان کو اقتدار منتقل کر دیا جائے۔ مسلمان ان کی نگاہ میں کوئی مسئلہ ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ اقتدار ان کے ہاتھ لگ جائے تو پھر ان سے نپٹ لیں گے۔ انگریز کے جاتے ہی اسے ختم کرنا شروع کر دیں گے۔

لہٰذا انگریزوں کی برطانوی حکومت نے خود نئی دستوری تجاویز کا اعلان کر دیا جس کے مطابق ہندوستان کے لئے انگریزی راج کی نگرانی میں ایک وفاقی جمہوری نظام کام کرے گا جس کے اندر تمام طبقات علاقہ جات اور طبقہ ہائے خیالات کی نمائندگی ہوگی۔ ریاستوں کے والیوں کی نمائندگی ان کا علیحدہ نمائندہ ایوان کرے گا صوبوں کی نمائندگی ان کی آبادی کے مطابق ایک مشروط اور محدود حلقہ

Marfat.com

نیابت کے ذریعہ ہوگی جس میں تعلیم، جائیداد اور وہ لوگ جو مناسب ٹیکس دہندگان تھے کو ووٹ کا حق حاصل ہوگا۔ اقلیتوں کی نمائندگی جداگانہ طریقہ انتخاب کے ذریعے ان کے نمائندے کریں گے۔ یورپی آبادی اور اینگلو انڈین آبادی کی نمائندگی کا بھی اہتمام کر دیا گیا تھا۔ انگریز نے کوشش کی کہ جس طرح حقیقت میں ہندوستان کی سرزمین پر لوگ آباد ہیں اسی تناسب سے ایک نمائندہ ہاوس معرض وجود میں آجائے اور ہاوس کی اکثریت جس کو چاہے حکومت کرنے کے لئے چن لے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس طرح کے رنگ برنگے ایوان میں پھر ہندوؤں کا پلہ بھاری رہنا تھا۔ لہٰذا ان ہی خطوط پر ۱۹۳۵ء کا انڈیا ایکٹ پاس کیا گیا جس کے مطابق ۱۹۳۷ء میں انتخابات کروائے گئے مگر صوبوں کی دستوری تشکیل بھی کم و بیش ان ہی خطوط پر رکھی گئی اور ان کی اسمبلیوں کے بھی انتخابات کروائے گئے۔ صوبوں پر مرکزی حکومت کی مضبوط گرفت قائم رکھی گئی۔ بہت سے محکمے گورنر صوبہ ہی کی تحویل میں رکھے گئے لیکن ۱۹۱۹ء کے ایکٹ کے مقابلہ میں کچھ مزید اختیارات منتخب اسمبلی اور حکومت کو منتقل کر دیئے گئے لیکن مرکز کے پاس یہ اختیار بھی رکھا گیا کہ جب چاہے گورنر رول نافذ کر کے صوبائی اسمبلی کا گلا گھونٹ دے۔ راجے، مہاراجے تو بالکل انگریز کے ساتھ تھے اور اس کے اشاروں پر ناچتے تھے انہیں معلوم تھا کہ انگریز کی فوج نہایت قوی ہے اور وہ اس کی سرتابی کسی صورت میں نہیں کر سکتے تھے۔ ویسے بھی وہ سیاسی لوگوں کے شور شرابے کے خلاف تھے۔ انہیں نہ کانگریس بھاتی تھی اور نہ ہی مسلم لیگ۔ انہیں تو اپنے موج میلے سے کام تھا۔ لوگ کراہتے رہیں انہیں کیا۔ انہیں تو اپنا راج پیارا تھا اور اس کا بہترین ضامن انگریز کا راج تھا اور اس کے ساتھ ان کے پختہ معاہدے تھے لہٰذا وہ تو کسی بھی صورت میں سیاسی عمل کے حق ہی میں نہ تھے۔ اس طرح ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کا ایک لازمی حصہ جو والیان ریاستہائے ہندوستان کی نمائندگی سے تکمیل پذیر ہونا تھا وہ کبھی بھی پورا نہیں ہوا اور ان سب نے جان بوجھ کر اس میں حصہ نہیں لیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے چلا جائے۔ اسی طرح جاگیردار اور زمیندار طبقہ بھی انگریزوں ہی کا حامی تھا اور وڈیروں پر زیادہ تر ان ہی کا اثر تھا۔ کچھ پڑھا لکھا درمیانہ درجہ کا طبقہ تھا جو آزادی کی تڑپ رکھتا تھا۔ وہ بھی آپس میں بٹا ہوا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی۔ لہٰذا ۱۹۳۷ء کے انتخابات کانگریس اور مسلم لیگ نے جماعتی بنیاد پر تو لڑے لیکن اکثر و بیشتر علاقوں اور صوبوں میں لوکل ایڈجسٹمنٹ کی بنیاد پر۔

Marfat.com

۱۹۳۷ء کے انتخابات کے لیے مسلم لیگ کی صوبائی قیادتوں نے اکثروبیشتر یہی مشورہ دیا کہ جہاں جہاں ممکن ہو انتخابی کامیابی کے لیے مقامی طور پر افراد یا جماعتوں سے حالات کے مطابق سمجھوتہ کیا جائے۔ بنگال، مغربی پنجاب اور نوزائیدہ صوبہ سندھ اور دوسرے صوبوں میں یہی حکمت عملی اپنائی گئی۔ اگرچہ شروع شروع میں قائداعظم کا خیال تھا کہ ہر جگہ مسلم لیگ علیحدہ پلیٹ فارم کے تحت انتخاب لڑے۔ مگر اس وقت تک ہندوستان کے مسلمان اپنی منزل مراد کے لیے پوری طرح یکجا ہو کر متحرک اور منظم نہیں ہو سکے تھے۔ علامہ اقبال نے خاص طور پر قائداعظم کو خطوط لکھ لکھ کر قائل کیا کہ وہ واپس ہندوستان آکر قوم کو متحرک اور یکجا کرنے کا بیڑا اٹھائیں اور کام شروع کریں۔ کیونکہ ان کی نگاہ میں قائداعظم کے علاوہ اتنا بڑا کام اور کوئی نہیں کر سکتا تھا وہی ایک شخصیت تھی جو اتنی بڑی ذمہ داری نباہ سکتی تھی اور ملت کے سفینہ کو گرداب سے کامیابی سے نکال کر لے جا سکتی تھی۔ اس سلسلہ میں خان لیاقت علی خان خاص طور پر انگلستان گئے کہ قائداعظم کی ہندوستان واپسی کے بغیر کام بنتا نظر نہیں آتا تھا۔ لہٰذا تمام مسلمان زعماء نے ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچنے کا تہیہ کیا اور سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگا کر ہندو کی فریب کاریوں سے آگاہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن پھر بھی ۱۹۳۷ء تک کا سیاسی عمل اور جدوجہد اس مقام تک نہیں پہنچ سکی تھی کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کو ساتھ لے کر چل سکتی۔ اس لیے لوکل ایڈ جسٹمنٹ کی حکمت عملی اپنائی گئی۔

۱۹۳۷ء کے انتخابات میں تقریباً ہر جگہ کانگریس کا پلہ بھاری رہا اور انہوں نے صوبوں میں خالص کانگرسی حکومتیں تشکیل دے دیں۔ مرکز میں وائسرائے کے زیر سایہ ان ہی کی حکومت بنی۔ اس کامیابی نے کانگرسی قیادت کا دماغ خراب کر دیا۔ مسلمانوں سے ان کی نفرت مزید کھل کر سامنے آگئی اور جو پہلے تھوڑی بہت پردہ داری یا مروت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ یہاں تک کہ یوپی کے صوبہ میں جہاں مسلم لیگ کے ساتھ دو وزارتوں کا واضح وعدہ تھا اس سے بھی منحرف ہو کر بدعہدی کی بدترین مثال قائم کی۔ اس کھلی بدعہدی اور اسی طرح دوسرے صوبوں میں انتخابی سمجھوتوں سے ڈھٹائی کے ساتھ انحراف نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ ابھی تک تو اصل اختیارات انگریز ہی کے پاس ہیں پھر بھی ان کی یہ حالت ہے۔ ان کے جانے کے بعد ہندو کیا کچھ نہیں کریں گے۔ اس طرح مسلمان قیادت کا جو تھوڑا بہت اعتماد ہندوؤں پر تھا وہ ان کی ان حرکات اور مغرور رویوں سے بالکل مجروح ہو کر رہ گیا۔ مزے کی بات ہے کہ اس دفعہ بھی ۱۹۲۹ء کی طرح جواہر لعل نہرو ہی کانگریس کے صدر تھے اور ان کے جذباتی جوشیلے اور نہایت ہی متعصب رویہ کی وجہ سے

Marfat.com

ہندو مسلم اختلافات کی خلیج اتنی بڑھ گئی کہ کبھی بھی عبور نہیں ہو سکتی تھی۔ اس موقع پر بھی ہندو تنگ نظری اور ضرورت سے زیادہ بڑھے ہوئے گھمنڈ نے ہندو مسلم اتفاق اور افہام و تفہیم کی راہ میں کانٹے بچھائے خاص طور پر اقتدار پرست نہرو نے جس نے معروضی حالات سے بالکل آنکھیں بند کر لی تھیں حالانکہ مسلمانوں اور خاص طور پر قائداعظم نے عملی طور پر ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں اپنی بہتر رائے اور دانست کے باوجود ان کے ساتھ تعاون کیا تھا اس صریح بد عہدی کے بعد اعتماد کی بھی امیدیں مسمار ہو گئیں۔ مرکز میں بھی جواہر لعل نہرو ہی کرتا دھرتا بن گیا اور ایک رومانوی شہزادہ کی خرمستیاں دکھاتا رہا۔ سارے ہندوستان کے اندر خاص طور پر تعلیمی اداروں میں بندے ماترم کا ترانہ جو مسلمانوں کے جذبات کے انتہائی خلاف تھا کو زبردستی پڑھوایا جاتا اور اس طرح مسلمانوں کے پرانے اور تازہ زخموں پر خوب نمک چھڑکا جاتا۔ ہر سطح پر مسلمانوں کے ساتھ کانگرسی حکومتیں نہایت ہی ذلت آمیز اور غیر منصفانہ رویہ اپنا رہی تھیں۔ سرکاری مسلمان ملازموں کو بہانے بہانے سے ملازمتوں سے نکالنا شروع کر دیا اور ان کے ساتھ بہت ہی متعصبانہ رویہ اپنانا شروع کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا۔ قدرت کے اپنے قوانین نہایت اٹل ہوتے ہیں اور اپنا کام سو طریقوں سے نکال لیتی ہے۔ وہ کام جو مسلمان زعماء، مسلم لیگ اور دانشور سب مل کر پچھلے چالیس سال میں نہیں کر سکے تھے وہ کانگریس کے دو سالہ دور حکومت نے کر دکھایا۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ ان کے ساتھ متعصب ہندو انگریز کے جانے کے بعد کیا کرنے والا ہے

علامہ اقبال ۱۹۳۸ء میں رحلت فرما گئے اور پوری ملت اسلامیہ ان کی حکیمانہ راہنمائی سے محروم ہو گئی لیکن جن باتوں کی وہ ساری عمر آگاہی کرتے رہے تھے اس کا عملی نمونہ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر رخصت ہوئے۔ وہ نمونہ ساری قوم نے بھی دیکھ لیا اور پوری ملت اسلامیہ اس ظلم و استبداد پر نوحہ خواں تھی۔ تڑپ رہی تھی اور ہندو کے زخموں سے گھائل ہوتے جا رہی تھی۔ رواں رواں دہائی دے رہا تھا۔ علامہ اقبال کی نگاہ بلند نے جو کچھ بہت وقت پہلے دیکھ لیا تھا وہ ہر کوئی نگاہ خود سے زمینی حقائق میں دیکھ رہا تھا اور قائل ہو گیا تھا کہ ان تنگ نظر متعصب ہندوؤں کے ساتھ کسی طرح بھی گزارہ نہیں ہو سکتا۔ قوم جاگ اٹھی تھی۔ اقبال کا پیغام دل نشین ہو چکا تھا اور قوم کی قسمت کا سالار بھی ایک عظیم انسان تھا کہ وہ ضرور اس کشتی کو ساحل سے ہمکنار کرے گا۔ اس کی صلاحیت کو زمانہ سلام کرتا تھا۔ وہ جہد مسلسل اور عزم صمیم کا پیکر تھا۔ اور ملت اسلامیہ کے خوابوں اور آرزوں کا امین تھا۔ اقبال خوش تھا۔ مطمئن تھا۔ اس نے اپنا کام کر لیا تھا۔ مشن مکمل

Marfat.com

ہو گیا تھا باقی ماندہ کام کی تکمیل کا بہترین سالار موجود تھا اور پھر اس قلندر عاشق رسول کو کیا فکر تھی۔ وہ اپنے چہرے پر اطمینان کا تبسم سجائے اپنے خالق حقیقی کے ہاں حاضری کے لئے پیش ہو گیا اور عاجزی سے کہنے لگا کہ اے خدا تو میری حقیری سی خدمت قبول فرما لے۔ میرے ذمہ جو فریضہ تو نے لگایا تھا وہ میں نے ادا کیا اور تیرے ہی بھیجے ہوئے ایک اور درویش کے ذمہ باقی کام لگا آیا ہوں۔ اے دو جہاں کے پالنے والے اور سنبھالنے والے رب تو اس کی مدد فرما۔ تو اسے کامیاب فرما۔ تو اس کے ارادوں کو مضبوط بنا دے۔ اپنے حبیب کے صدقے ملت ہاشمی کو بچا لے۔ اس کے گناہ معاف کر دے اس کی کوتاہیوں سے درگزر کر اور ان کو ایک گوشۂ عافیت دے دے کہ دنیا پر اک قیامت آنے کو ہے۔ وگرنہ وہ مٹ جائیں گے۔ وہ تو تیرے ہی نام لیوا ہیں۔ گناہ گار ہیں' خطاکار ہیں' لیکن ہیں تو تیرے ہی حبیب کے پیروکار۔ انہیں اپنی آغوش عافیت میں لے لے۔ انہیں اپنی حفظ و امان میں لے لے۔ انہیں پاکستان دے دے اور اقبال کی دعا قبول ہو گئی' خدا اپنے فقیروں کو نامراد نہیں لوٹاتا۔

سالار قافلہ 'عزم کا پیکر' کاروان کا حوصلہ حکیم الامت کی راہوں پر چلتا گیا۔ غیروں کے تازیانوں نے ولولہ تازہ دیا' فطرت اپنے رنگ دکھاتی ہے۔ تاریخ کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔ ۱۹۳۹ء کا سال ہے اور ایک خوفناک جنگ شروع ہو جاتی ہے جرمنی اپنی ذلت کی آگ سے جل کر ابھرا ہے اور سب کچھ جلانے کو اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ ہٹلر کی سحر انگیز Charismatic شخصیت کے سامنے سارا یورپ سرنگوں ہو جاتا ہے۔ آسٹریا اور ہنگری کو روندا گیا تو پورا یورپ اور برطانیہ ششدر رہ جاتے ہیں ہٹلر کا ساتھ مسولینی دے رہا ہے۔ ان کی جنگی سرعت سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اعصاب جواب دے رہے ہیں۔ برطانیہ کا خوفزدہ وزیر اعظم ہاتھ میں چھاتہ لئے ہٹلر سے امن کی بھیک مانگنے پہنچ جاتا ہے۔ مگر نفرت کی بھٹی سے نکلے ہٹلر پر تو اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ جرمنی کی معاشی تباہی اور پچھلی جنگ کی شکست کے ذمہ دار ملک کے وزیر اعظم کو دیکھ کر اس کا تباہی زمان کا عزم اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں ملائم اور اندر سے سخت تر ہو جاتا ہے۔ چرچل چیخ اٹھتا ہے کہ ہٹلر کی چالبازیوں سے بچنے کا بہترین علاج یہی ہے کہ اس کے سر پھوڑنے کا بندوبست کیا جائے۔ سٹالن ایسا مرد آہن بھی بپھرے جرمنی اور ہٹلر سے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ چیمبرلین کا کمایا ہوا امن سمجھوتہ فریب نظر نکلتا ہے۔ ہٹلر پولینڈ پر حملہ کر دیتا ہے۔ پولینڈ برطانیہ کا ساتھی ہے برطانیہ اور زیادہ خاموش تماشائی نہیں رہ سکتا۔ رسمی طور پر جنگ کا اعلان ہو جاتا ہے۔ فرانس ہالینڈ 'بلجیم' ڈنمارک سب سوکھے پتوں کی طرح جرمنی کے طوفان کے آگے اڑ جاتے ہیں۔ انگریز کی افریقہ اور ایشیا میں کالونیاں

Marfat.com

ہیں۔ ہندوستان اس کے تاج کا سب سے درخشندہ ستارہ ہے۔ بڑا ملک ہے اس کی بہت بڑی فوج ہے۔ اس کے وسائل اور فوج کی اس جنگ میں ضرورت ہے۔ وائسرائے ہند اپنی نو منتخب کابینہ کو اعتماد میں لینے کی زحمت گوارا کئے بغیر ہی ہندوستان کی طرف سے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیتا ہے۔ اعلان جنگ بہت ہی اہم فیصلہ ہے اور کابینہ کی بے خبری میں ہی کر دیا جاتا ہے۔ انگریز کے جمہوری دعوے ہندستان کی جمہوری تربیت اور تیاری اور کانگریس کابینہ کا زعم سب ہی باطل ٹھہرے ہیں کہ کاغذی تھا پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔ جواہر لعل نہرو اور باقی سارے وزیر احتجاجاً مستعفی ہو جاتے ہیں۔ پوری مسلمان آبادی کانگریس حکومت کے ظلم سے تنگ تھی۔ استعفیٰ کی خبر سنتے ہی لوگوں نے سکون کا سانس لیا اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ قائداعظم نے کانگریسی حکومت کے استعفیٰ پر یوم نجات منانے کا اعلان کیا جس میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر نہایت ہی جوش و خروش سے حصہ لیا کیونکہ وہ ہندو کے ظلم کا عملی نمونہ دیکھ رہے تھے۔ یوم نجات کے موقع پر سب ہی کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب مسلمان منتشر نہیں ہیں۔ وہ منظم ہو کر ایک قوم بن چکے ہیں۔ ان کا اور ہندوؤں کا آپس میں بالکل گزارہ نہیں ہو سکتا تھا اور دو سال قبل جب کہا تھا کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں اور وہ کبھی اکٹھی نہیں رہ سکتیں ان الفاظ کی مزید سچائی یوم نجات کے دن سب پر اچھی طرح عیاں ہو گئی۔ اگر کسی کو کچھ شک و شبہ تھا تو وہ بالکل ختم ہو گیا تھا اقبال کی دعا قبول ہو چکی تھی۔ نصرت و فتح کے قرب کا لمحہ آن پہنچا تھا۔ وائسرائے نے ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں سے اپنے وفادار اور زمینداروں جاگیرداروں اور راجوں مہاراجوں کے نمائندوں میں سے ایک وار کونسل تشکیل دے دی اور اپنا حکومتی کام چلانا شروع کر دیا۔ مسلم لیگ تو کبھی بھی حکومت کا حصہ نہ تھی کانگریس کی ظالم حکومت سے مسلمانوں کی جان چھوٹ گئی تھی۔

اس صورت حال میں جب انگریز کہہ رہا تھا کہ جنگ جیتنے کے بعد وہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کو دے دے گا تو برصغیر کے مسلمان کے لیے وہ فیصلہ کن گھڑی آن پہنچی تھی جب وہ اپنی منزل مراد کا واضح سیاسی خاکہ پیش کرے لہٰذا مسلم لیگ نے اپنے اگلے ہی سالانہ اجلاس منعقدہ لاہور ۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو باقاعدہ ایک قرارداد کی صورت میں ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلمان اکثریتی علاقوں پر مشتمل علیحدہ خود مختار ریاستوں کا مطالبہ کر دیا۔ ۲۳ مارچ کو یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور ہو گئی۔ قرارداد شیر بنگال مولوی فضل الحق نے پیش کی تھی اور ہندوستان بھر سے آئے ہوئے مندوبین نے اس کی تائید کی۔ اس قرارداد کے باقاعدہ منظور ہو جانے کے بعد مسلمانان ہند کی

Marfat.com

واضح سمت متعین ہو گئی تھی۔ قرار داد میں لفظ پاکستان بوجوہ استعمال نہیں ہوا تھا لیکن ہندو متعصب پریس نے اس قرار داد کو طنزیہ طور پر قرار داد پاکستان لکھنا شروع کر دیا اور خوب شور مچایا اور اسے مشہور کرنے میں مدد دی۔ قدرت کا اپنا نظام ہے وہ مخالفوں سے بھی اچھے کام کروا لیتی ہے۔ کعبہ کو صنم خانے سے پاسبان مل جاتے ہیں۔ ۱۹۴۰ء والی قرار داد لاہور میں لفظ ریاستوں ہی استعمال ہوا تھا بعد میں ۱۹۴۲ء کے مسلم لیگ اجلاس میں ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک اکٹھی مسلم ریاست کو منزل قرار دیا گیا۔ ۱۹۴۶ء کے دہلی اجلاس میں بھی ایک ہی ریاست کا فیصلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اقبال کی دعا کو شرف قبولیت بخش دیا تھا۔ منزل متعین ہو گئی تھی' سالار بے مثل موجود تھا' قوم ایک ہو گئی تھی' بیدار تھی اور ہر قدم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

Marfat.com

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

تاریخ کروٹ بدل رہی تھی اکبر کی مصلحت آمیز منافقانہ روش جس نے تباہ کاری کو جنم دیا تھا اس کا رخ بدلنے کا وقت آ گیا تھا۔ جہانگیر اور شاہ جہان کے زمانے کی معاشی فراوانی اور عیش کوشی نے جن برائیوں اور بدعتوں سے اسلامی معاشرہ کی ہیئت بگاڑنا شروع کی تھی اسے درست کرنیکا وقت آن پہنچا تھا اورنگ زیب عالمگیر کے دور سے جس بے مقصد اور نقصان دہ فرقہ واریت نے سر اٹھایا تھا اسے کچلنے کی گھڑی آ گئی تھی۔ اورنگ زیب کے جانشینوں کی نالائقیوں اور حماقتوں کے نقصان کے ازالہ کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے خوابوں کی تعبیر کا سماں شروع ہونے کو تھا۔ انگریز کی چیرہ دستیوں سے چھٹکارہ کی ساعت آن پہنچی تھی۔ ہندو عیاری اور مکاری کے گنجلک جال ٹوٹنے کو تھے۔ قنوطیت اور مایوسیوں کے سیاہ بادل چھٹ رہے تھے اور نور سحر پوری تابناکی کے ساتھ جلوہ افروز ہونے کو تھا۔ خودی کا پیغام دلوں میں گھر کر گیا تھا۔ ایمانی جذبے اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اجاگر ہو رہے تھے۔ امت مسلمہ نے اپنی تقدیر کے فیصلوں کا سرنہاں پا لیا تھا اور خود آگاہی کی عظیم منزلوں کی طرف رواں دواں تھی۔ جذبہ ایمانی اور قوت لاالہ الااللہ کے سامنے سحر سامری دم توڑ رہا تھا اور بھٹکے ہوئے مسافروں کی راہنمائی کے لئے چمکتا دمکتا صبح کا تارا نکل آیا تھا کہ یہی منزل مراد تھی۔ عشق رسول کے مستانوں کی اور آزادی کے پروانوں کی منزل مراد' نشان عزم عالیشان امیدوں اور

Marfat.com

آرزوں کی آخری منزل پاکستان کا فیصلہ ہو گیا اور ایک سیسہ پلائی ہوئی مضبوط ارادوں والی ملت رسول ہاشمی سبز ہلالی پرچم اٹھائے اپنی منزل کی طرف عظیم حوصلہ اور ولولوں کا کارواں لئے رواں دواں ہو گئی۔ محمد علی جناح نے تصور اقبال کی عملی شکل قوم کے سامنے پیش کر دی۔ اور پوری قوم نے کھلے دل سے اس پر لبیک کہا۔ بکھری ہوئی قوم ایک ہو گئی۔ اب دوسری قوم کے لئے راہ فرار کہاں تھی؟ انہیں اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ ظالم انگریز حکمران کے ہوش بھی ٹھکانے آنے لگے تھے اور ان کے ذہنوں کے بند کواڑ بھی کھلنے لگے کہ ہندوستان میں واقعی ایک قوم نہیں بستی بلکہ بہت سی قومیں بس رہی ہیں۔ لیکن ان میں ملت ہاشمی ہے واقعی منفرد، مضبوط اور قدرت کا ایک علیحدہ ہی نمونہ۔ باقی سب ہجوم ہے، بھیڑ ہے۔ مختلف بھاؤ بھید میں بٹے ہوئے انسانوں کا بے جوڑ اکھ، ذات پات اور اونچ نیچ کے شکار ٹکڑوں کا منفی اجتماع جو برہمن سماج کی فریب کاریوں کے تانے بانے میں پھنس کر رقص بسمل میں مشغول ہے اور سیکولرازم اور جمہوریت کا لبادہ پہن کر مسلمانوں کی مکمل تباہ کاریوں کی خاموش منصوبہ بندی پر پختہ ارادہ سے عمل پیرا ہے۔

لہٰذا ۱۹۴۲ء میں ہندوستانی مسئلہ کے حل اور آزادی کے لئے برطانوی حکومت ایک اور بھرپور کوشش کرتی ہے اور سٹیفورڈ کرپس کی سربراہی میں ایک اعلیٰ اختیاری کمیشن ہندوستان کا دورہ کرتا ہے تاکہ اختتام جنگ پر ہندوستان کی آزادی کے طریقہ کار پر بات ہو سکے۔ اس وقت تک ان پر واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق ہندو تنگ نظر اکثریت کے ہاتھوں قطعاً محفوظ نہیں ہیں۔ انگریز کی رخصتی کے بعد وہ انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ ذبح کرنے کی کوشش کریں گے۔ انگریز بھی اب ہندو چالبازیوں کو کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا۔ کرپس نے ایسی معقول تجاویز پیش کیں جن کے مطابق اگرچہ پاکستان کا مطالبہ تو من و عن تسلیم نہ کیا مگر مسلمان اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کے لئے بہت حد تک ایک خود مختاری کی صورت نکل آتی تھی مگر مجال ہے کہ ہندو ضد اور ہٹ دھرمی پر ذرا بھی اثر پڑے۔ یہ سکیم اگرچہ مسلمانوں کے حقوق کا پورا تحفظ نہیں کرتی تھی اور اس میں بہت سے خدشات پنہاں تھے مگر ہندو ذہن نے تو مسلمانوں کی مکمل تباہی کا ارادہ باندھ رکھا تھا۔ وہ کیسے مانتے۔ راج گوپال اچاریہ ایسے ہندو راہنما بھی اس سکیم کی معقولیت سے متاثر تھے کہ انہوں نے کانگریس ڈسپلن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھی اس سکیم کو ماننے کے لئے زور دیا کہ اس طرح ہندوستان کی تقسیم سے بچنے کا راستہ نکل سکتا ہے مگر گاندھی ایسے متعصب تو اور ہی ارادے رکھتے تھے۔ وہ اس مسئلہ کے اس طرح کے حل کے حق ہی میں نہ تھے۔ انہیں تو مسلمان ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ وہ تو اسے کسی نہ کسی طرح دیس

Marfat.com

نکال دے دینا چاہتے تھے۔ تحریک خلافت کے وقت وہ مسلمانوں کو ترک موالات پر اسی لئے تو اکسا رہے تھے کہ مسلمان خود ہی یہاں سے بھاگ جائیں۔ اگر پھر بھی کچھ نہ کچھ رہ جائیں تو انگریز کے رخصت ہوتے ہی ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ ایسے میں وہ راج گوپال اچاریہ ایسے آدمی کی بات پر بھی کیوں دھیان دیتے۔ گاندھی کے عیار ذہن نے دیکھ لیا تھا کہ اس وقت تک انگریز پوری دنیا میں جرمنی سے مار کھا رہا تھا۔ افریقہ میں جنرل رومیل انگریز اور اس کے حلیفوں کی صفوں کو لپیٹ رہا تھا تو یورپ میں پہلے ہی اس کے ساتھی سرنگوں ہو چکے تھے۔ جرمن اور روسی گٹھ جوڑ جو پولینڈ کی تقسیم پر ہوا تھا وہ بھی ختم ہو گیا تھا اور جرمنی نے روسی ریچھ کو بھی زخمی کر کے لہو لہان کر دیا تھا۔ انگریز کو ہر جگہ شکست ہی کا سامنا تھا گاندھی اور کانگریس کا خیال تھا کہ آخر کار انگریز کو مکمل شکست ہو جائیگی اور اسے ہندوستان خالی کرنا پڑے گا۔ لہٰذا وہ اس طرح کی سکیم کے تحت کیوں مسلمانوں کے لئے کسی بھی رعایت کی گنجائش دیں۔ انگریز کے ہٹتے ہی ان کا تیا پانچہ کر کے اس مسئلہ کا مستقل حل نکال لیں گے اور سپین کی طرح ہندوستان سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے۔ علامہ اقبال نے تو یہ بات بہت پہلے دیکھ لی تھی اور اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے مسلمانوں کی تباہی کی داستان خود سپین جاکر دیکھی ہے اور اس ارادے کا پختہ اظہار کرتے کہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ سپین میں ہوا میں وہ ہندوستان میں کبھی بھی نہیں ہونے دوں گا۔ یہی بات بعد میں قائداعظم بھی فرماتے تھے۔ وہ لوگ بہت گہری نگاہ کے مالک تھے اور تاریخ سے پوری طرح شناسا تھے۔ وہ عظیم لوگ عقابی نگاہوں والے تھے۔ حریف کے ارادوں سے اچھی طرح واقف تھے اور گاندھی نے اپنے ارادوں کے اظہار میں زیادہ دیر بھی نہ لگائی۔ جاپان بھی اس وقت تک پوری طرح میدان جنگ میں کود چکا تھا۔ چین کے خلاف تو وہ بہت پہلے ہی سے بر سر پیکار تھا اور چیانگ کائی شیک کی فوجوں کا بھرکس نکال رہا تھا لیکن ۱۹۴۲ء میں جاپان نے نہایت راز داری کے ساتھ اور بغیر کسی الٹی میٹم کے امریکی بحریہ کے اڈے پرل ہاربر پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ اس طرح امریکہ بھی جنگ میں کود پڑا۔ دوسری طرف جرمنی اور جاپان کا معاہدہ ہو گیا۔ اس طرح جاپان اور انگریز بھی ایک دوسرے کے جنگی دشمن بن گئے۔ جاپان نہایت سرعت کے ساتھ لپکا اور دیکھتے ہی دیکھتے راستے میں سب کچھ روندتا ہوا سنگا پور اور برما میں آ دھمکا۔ انگریزوں کو دم دبا کر بھاگنا پڑا اور لگتا تھا کہ ہندوستان پر حملہ ہونے ہی والا ہے۔

ایسے حالات میں مہاتما گاندھی کے شاطرانہ ذہن نے مسلمانوں سے اپنے پرانے حساب کتاب چکانے کی منصوبہ بندی کر لی اور جنگ کے اس لمحہ میں جب انگریز اپنی کمزور ترین پوزیشن میں تھا

Marfat.com

اس نے کرپس والی تجویز ماننے کی بجائے کہا کہ ہندوستان سے فوراً نکل جاؤ۔ جاپان سے ہم خود نپٹ لیں گے۔ ہندوستان کے مسلمان ہمارا مسئلہ ہیں تمہارا مسئلہ نہیں ہیں۔ تم نکل جاؤ۔ ہم خود ہی یہ مسئلہ حل کرلیں گے۔ ہندوستان چھوڑ دو۔ Quit India تحریک کا گاندھی نے اعلان کر دیا۔

پھر کیا تھا ایک طوفان کھڑا ہو گیا ریل کی پٹڑیاں اور ٹیلیگراف کے کھمبے اکھاڑ دیئے گئے۔ سرکاری عمارتوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ ہر طرح کی بھیانک دہشت گردی عدم تشدد کے پیامبر گاندھی کے کہنے پر شروع ہو گئی۔ سرکاری ملازموں کو قتل کرنا شروع کر دیا گیا۔ انگریز افسروں ڈاکٹروں اور نرسوں کو قتل کر دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس نازک مرحلہ پر انگریزوں کو ہراساں کر کے ہندوستان سے بھگا دیا جائے اور بعد میں مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ کم تعداد میں نہتے مسلمان کیا کر سکتے تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار تھا نہ اسلحہ۔ قائداعظم ویسے بھی قانون کے سخت پابند تھے اور وہ کسی شکل میں بھی قانون توڑنے کے حق میں نہ تھے اس کے برخلاف ہندو اور کانگرسیوں نے باقاعدہ مسلح جتھے منظم کر رکھے تھے اور بہت دیر سے وہ ان کی فوجی تربیت کر رہے تھے تاکہ انگریز کے چلتے ہی پورے ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ ۱۹۴۲ء تک ان کی تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ ہر ہندو مسلح تھا اور پوری طرح تربیت یافتہ۔ لہٰذا گاندھی نے نہایت سوچ سمجھ کر اس وقت کا تعین کیا تھا کہ وہ اپنا پرانا حساب کتاب چکا لے۔ اس وقت بہت سے مسلمانوں کو بھی اس نے بے وقوف بنایا اور انگریز کے خلاف بھڑکے ہوئے جذبات کو خوب استعمال کیا۔ خاص طور پر وہ مسلمان جن کو کسی نہ کسی طرح انگریز کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس طرح بعض مسلمان بھی اپنی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے گاندھی کے ہاتھوں بے وقوف بنے۔ پیر صبغت اللہ راشدی المعروف پیرپگاڑہ چونکہ انگریز کے ہاتھوں جیل جا چکے تھے اس لئے انہوں نے بھی اس وقت گاندھی کے بہکاوے میں آکر "حر تحریک" کا سندھ میں آغاز کر دیا۔ کئی اور مسلمان خاص طور پر دیوبند سکول کے سادہ لوح علماء گاندھی کے اصل ارادوں کو نہ سمجھ سکے اور اس کے بہکاوے میں آ گئے۔ انہیں کیا معلوم کہ ان کی بربادیوں کے مشورے کہاں کہاں ہو رہے تھے۔ بہرصورت انگریز انتظامیہ کی گرفت ابھی ڈھیلی نہیں پڑی تھی اور وہ حرکت میں آ گئی اور ایک دو مہینوں میں حالات پر مکمل طور پر قابو پا لیا۔ گاندھی، نہرو اور دوسرے کانگریسی راہنماؤں کو پابند سلاسل کر دیا گیا اور انگریز اپنی زندگی اور موت کی جنگ میں مشغول ہو گئے۔

قائداعظم اور مسلم لیگ ان تمام حالات کا بنظر غائر مطالعہ کر رہے تھے اور مسلمان قوم کو یکجا کرنے میں مصروف تھے۔ انہیں تو امت مسلمہ کو بچانا تھا۔ ان کی ذمہ داری بہت ہی کٹھن تھی۔

Marfat.com

حالات مشکل تھے۔ انگریز پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ گاندھی وغیرہ کی اتنی بڑی بدعہدی کے باوجود انگریز بعد میں ہندوؤں کی چکنی چپڑی باتوں میں پھر آ جائے گا۔ ہندوستان کے حالات پر سیکولرازم اور جمہوری فارمولے من و عن لاگو نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کی یہاں پر بہت نزاکتیں اور پیچیدگیاں ایسی تھیں کہ جن کو حل کئے بغیر یہ اتنے اچھے اصول بھی مسلمان کے خلاف ظلم کا حربہ بن سکتے تھے اور ہندو یہی چاہتا تھا۔ لیکن انگریز کے ذہن کی ساخت اپنے حالات میں پھلی پھولی تھی۔ وہ ان نزاکتوں کو سمجھنے سے قاصر تھے اور چند ایک تو تاریخی وجوہ کی بنا پر اسے سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں سے بہت قدیمی تاریخی بیر رکھتے تھے۔ لہٰذا قائداعظم کو ان تمام مشکلات کا اچھی طرح احساس اور ادراک تھا۔ قائداعظم نے ان سب معاملات کو اچھی طرح مدنظر رکھ کر اسی لئے انگریز حکومت میں مسلم لیگ کو شامل نہیں ہونے دیا اور اپنا تمام تر زور مسلمانوں کی بیداری اور یکجہتی پر لگایا کیونکہ یہی وہ قوت تھی جو مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتی تھی۔ انگریز اور ہندو کی تمام کوششوں کا منہ توڑ جواب دے سکتی تھی۔ معاشی طاقت ہو یا اسلحہ یہ سب بعد کی بات تھی اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا تھا تو پھر ان کا سب سے بڑا ہتھیار ان کا ایمان تھا۔ اگر ایمان پختہ ہے تو پھر دل روشن ہو جاتے ہیں سچائیاں اور حقیقتیں کھل کھل کر سامنے آ جاتی ہیں۔ اپنوں کی محبتیں مل جاتی ہیں۔ اخوت اور بھائی چارے کی کوثر بحرقلزم بن جاتی ہے۔ اتحاد و یگانگت سے نئی توانائی اور ولولے ملتے ہیں اور دشمن کے تمام حربے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ یہی وہ عظیم مقصد تھا جس کی خاطر سالار اعلیٰ دن رات محنت کر رہے تھے۔ کوئی عہدہ کوئی منفعت انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اپنی منزل کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔ نہ کوئی وقتی مصلحت یا بے اصولی ان کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت رکھتی تھی۔

نگاہ بلند، زم گفتگو، گرم جستجو یہی ہے میر کارواں کے لئے رخت سفر..... دوسرے مسلمان جو کسی بنا پر چاہے کم فہمی ہو یا اپنا مفاد جو پہلے مسلم لیگ کے ساتھ نہیں تھے وہ بھی اب تک پیچھے لگ گئے تھے کہ ہندو کے ارادے بہت ہی بھیانک تھے۔ بجلیاں تھیں کہ گرنے کو تھیں اور سب کچھ خاکستر کر جاتیں۔ سکندر حیات ایسے لوگ بھی قائداعظم کی قدم بوسی کے لئے آ گئے۔ انگریز کی نوکری ضرور کرتے تھے لیکن حرارت اسلام سے سرشار دل رکھتے تھے۔ قائداعظم کی بصیرت ہی سے متاثر ہو کر آئے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمانوں کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے۔ قائداعظم کسی طرح بھی انگریز کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کے لئے تیار نہ تھے۔ انگریز نے بہت زیادہ کوششیں بھی کیں

Marfat.com

کیونکہ اس کی ہندوستانی فوج میں سب سے زیادہ تعداد مسلمان سپاہیوں ہی کی تھی اور انہیں خاطر مدارات بھی درکار تھی لیکن قائداعظم کی نگاہ بلند بہت کچھ دیکھ سکتی تھی۔ انہیں معلوم تھا کہ مسلم امت کا سفینہ بھنور میں ہے اسے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ ساحل تک اس طرح لے کر جانا ہے کہ باد مخالف کی تباہ کاریاں اس سے دور رہیں۔ کانگریسی قیادت سے قدرت نے تحریک ترک انڈیا کی فاش غلطی سرزد کروا کر اسے عضو معطل بنا دیا تھا۔ ہندوؤں کو عام طور پر مایوسی کا شکار کر دیا تھا۔ انگریز جنگ میں الجھا ہوا تھا۔ قائداعظم کو اللہ کی مدد حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خصوصی کریمی سے اقبال کی مناجات قبولیت سے سن لی تھی۔ میدان صاف تھا۔ قائداعظم تھے اور ان کا ٹائپ رائٹر۔ شمع پر فریفتہ پروانے تھے کہ قربان ہونے کو ہر لحہ تیار تھے۔ خاص طور پر نوجوان مسلمان طلباء۔ حضرت قائد اعظم نے ان سالوں میں اپنے تمام ساتھیوں اور فدائیون کو ساتھ لے کر پورے ہندوستان میں مسلمانوں اور مسلم لیگ کو مکمل طور پر منظم کیا۔ کسی حکومتی بکھیڑے میں نہ پڑے اور ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچ کر مسلمانوں کو ان کی منزل مراد سے شناسا کیا اور مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔

ہندوؤں کے بھیانک عزائم کے رازوں سے پردہ اٹھا کر سچائی کی تصویر دکھائی۔ پھر کیا تھا کہ ہندوستان کے تمام مسلمان قائداعظم کی قیادت میں یکجا ہو گئے۔ یہی وہ معجزہ تھا جس کا انتظار تھا کہ اس کے بعد کوئی قوت ان کے سامنے ٹھہرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ علامہ اقبال اور قائداعظم تو اپنی نگاہ بصیرت سے حریفوں کی گیم کو دیکھ سکتے تھے لیکن ہر کسی کے بس میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ اتنے عیار دشمن کی چالوں کو سمجھ سکے۔ یہ قیادت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ پوری قوم تک اپنا نقطہ نگاہ پہنچائے اور انہیں خواب غفلت سے جگائے۔ قائداعظم نے یہ فریضہ بہت ہی احسن طریقہ سے سرانجام دیا۔

یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہمیں اتنی بیدار مغز اور باہمت قیادت مل گئی وگرنہ ہسپانیہ کی تاریخ اپنے آپ کو ایک دفعہ پھر دہرانے کو تیار تھی۔ اغیار نے خوب تیاری کر لی تھی اور امت تھی کہ اپنے روز مرہ بکھیڑے میں پھنسی ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں ہوتا بھی یوں ہی ہے۔ بقاء حیات کی کشمکش عام آدمی کو اس طرح مصروف کر دیتی ہے کہ اسے بڑھتی ہوئی موت بھی دکھائی نہیں دیتی۔ وہ کشمکش تو خود نوید موت بن جاتی ہے۔ قیادت کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ اس وقتی کشمکش کے جھمیلوں میں سے قوم کو نکال کر راہ حیات پر لگا دے کہ وہی اصل حیات اور حاصل حیات ہوتی ہے۔ مغلیہ سلطنت کے انحطاط 'انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور ہندوؤں کی چالبازیوں نے مسلمانوں کی کیا کچھ درگت نہیں بنا دی تھی۔ مایوسیوں میں ڈوبے وہ تو زندہ رہنے کی امید بھی کھو بیٹھے تھے کوئی راستہ بجھائی نہیں دیتا تھا۔

Marfat.com

رونے دھونے کی روش نے علم دشمنی کی طرف منہ پھیر دیا تھا۔ اس وقت کی قیادت نے شکر ہے کہ اس خودکشی کے رجحان سے بچالیا۔ اس قوم میں اقبال کی نگاہ دور رس نے بروقت بیداری ملت کی تڑپ پیدا کی۔ قوت ایمانی ' حرارت قلب و روح اور خودی کا درس دے کر مرنے سے بچالیا اور زندگی کی راہ دکھادی۔ حقوق کی جنگ سے قائداعظم نے محفوظ کر کے قوت بازو بخش دی۔ سر فضل حسین 'احمد یار دولتانہ 'شاہنواز ممدوٹ اور دیگر صاحب ثروت حضرات کی وجہ سے عملی معاشی قوت کی صورت گری ہوگئی اور پھر وقت آن پہنچا کہ مسلمانوں کی امامت کے لیے علیحدہ سرزمین کا تصور پیش کیا جائے۔ اس طرح منزل بہ منزل کارواں چلتا رہا اور پھر اہل ایمان کے قافلہ نے سمت پائی اور اس کے حصول کا ایک ہی راستہ تھا کہ جن لوگوں کے ذہنوں پہ مشکل حالات کی وجہ سے مادی مشکلات نے غلاف چڑھا دیئے تھے ان کے ذہنوں کو صاف کیا جاتا اور ان چند سالوں میں قائداعظم نے یہی عظیم کارنامہ سرانجام دینے کی سعی کی اور ہر طبقہ نے اس پر لبیک کہا۔ عام مسلمان نے اپنی سادگی اور قوت ایمانی کی شفاف نگاہی کی وجہ سے اپنی راہ نجات کو سب سے پہلے سمجھا' دانشور 'وکلا 'تاجر 'اساتذہ ' طلباء اور دوسرے پڑھے لکھے مڈل کلاس کے مسلمان اس پیغام کے سمجھنے اور پھیلانے میں ہراول دستہ بن گئے۔ اس وقت کے اکثر مسلمان سرکاری ملازم بھی اپنے اپنے انداز میں اس جہاد میں شامل ہوگئے۔ ملا مفتی کی پرانی سرکاری درباری ملوکیت زدہ سوچ بھی صدیوں کی دھول سے نکلنے لگی۔ بادشاہوں کے بگاڑے ہوئے رخ اسلام کی ستھرائی کی صورت گری ہونا شروع ہوئی اور اسلام کی حقیقی روحانی تصویر ابھرنے کا سامان پیدا ہوا۔ قائداعظم کی آواز پر علماء کی اکثریت نے لبیک کہا اور اپنے پرانے بیوروکریٹک مفاداتی محدود نگاہی کے جال سے باہر نکلنا شروع ہوگئے۔ صرف چند ایک علماء خاص طور پر دیوبند سکول سے متعلق' کانگریس کے فریب میں رہے۔ ان میں سے بھی اکثر مولانا شبیر احمد عثمانی وغیرہ کی قیادت میں قائداعظم کا ساتھ دے رہے تھے۔ اسی طرح قادیانیوں کی جمعیت بھی تحریک پاکستان کی حمایت کر رہی تھی۔ ہمارے عظیم اولیا اللہ اور دانشور جن کے دم قدم سے برصغیر میں اشاعت اسلام ہوتی تھی ان کی قیادت میں سواد اعظم بھی قائداعظم کے ساتھ کھڑا تھا۔

چونکہ علماء میں سے چند نامی گرامی حضرات ابوالکلام آزاد کی سربراہی میں کانگریس کے فریب کا آخر وقت تک شکار رہے اس لیے یہ تاثر عام ہوگیا کہ علماء نے قائداعظم کی مخالفت کی۔ مخالفت کرنے والے صرف چند ایک تھے اور جس کسی نے بھی چاہے وہ کتنا ہی عالم تھا تحریک پاکستان کی مخالفت کی قوم نے اسے رد کر دیا۔ اکثریت حمایت میں آگئی اور یہ قائداعظم کی ان دنوں میں شب و روز محنت کا

Marfat.com

نتیجہ تھا۔ اسی طرح یہ تاثر بھی عام ہے کہ مسلمان زمینداروں اور جاگیرداروں نے تحریک پاکستان میں کوئی زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیااور اگر لیا تو بہت بعد میں مگر یہ تاثر بھی پوری طرح درست نہیں ہے۔ نواب آف ڈھاکہ سلیم اللہ خان' سید حسن امام ' سرسید علی امام' راجہ صاحب آف محمود آباد' لیاقت علی خان' نواب ممدوٹ' احمد یار دولتانہ ' جی۔ ایم سید' ایوب کھوڑو' نواب محمد حیات قریشی آف سرگودھا اور بہت سے اکابرین اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ محض خضرحیات ٹوانہ اور اس کے چند بد بخت ساتھیوں کی غلط سوچ اور پالیسیوں کی وجہ سے سارا زمیندار طبقہ ہی بدنام ہو گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قائداعظم کی محنت سے ۱۹۴۰ء کے بعد اس طبقہ کے اکثرلوگ کھل کر مسلم لیگ کے ساتھ آگئےاور مسلم لیگ میں جان ڈال دی۔ اور یہ بہت ضروری بھی تھاکیونکہ جب تک ہندوستان کے تمام مسلمان ایک پلیٹ فارم پر یکجا نہ ہو جاتے پاکستان کا حصول بہت مشکل تھا۔ اس دوران سر سکندر حیات' مولوی فضل الحق اور حسین شہید سہروردی ایسے حضرات نے اقتدار کے ایوانوں میں رہ کر امت مسلمہ کی بہت زیادہ خدمت کی۔ انہیں متحد اور منظم کرنے میں زور شور سے حصہ لیااور یہی ایک صورت تھی کہ جس سے اتنے مشکل حالات میں کوئی کامیابی کی امید کی جا سکتی تھی۔ لہٰذا قائداعظم اور مسلم لیگ نے انگریز کی جنگ میں مصروفیت اور کانگریس کے کالعدم ہو جانے کا صحیح فائدہ اٹھاکر مسلمانان ہند کو منظم کر لیااور سب نے یک زبان ہو کر پاکستان کے مطالبہ کا پختہ عہد کر لیا۔

اب کس کی مجال تھی کہ راستہ روک سکتا۔ قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ پوری قوم نے اپنی قوت ایمانی کے ساتھ ہر قسم کے ایثار اور قربانی کا تہیہ کر لیا تھا کہ عزت و وقار کے ساتھ جئیں گے اور مریں گے۔ زندگی صرف پاکستان کی شکل میں تھی وگرنہ تو ہندو اکثریت انگریز کے بعد انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دینے کا سامان کئے ہوئے تھی۔ کاشتکار ہو یا زمیندار' جاگیردار ہو یا دوکاندار' ملازم ہو یا آزاد' مسلمان ہونا اس کا سب سے بڑا جرم تھا۔ اس کے بعد تو اسے کاروبار اور مزدوری کا بھی حق نہیں ملنا تھا جسے پہلے بھی طرح طرح سے ہندوؤں نے جکڑ رکھا تھااور معاشی طور غلام بنا رکھا تھا۔ معاشی تباہی کا بندوبست بھی اس لئے اس طرح کیا گیا تھا کہ اسے روزمرہ کی زندگی بھیک مانگنے میں الجھا دیا گیا تھا۔ قائداعظم نے اسے ان ہی ذہنی جھمیلوں اور فریب سے باہر نکال کر رکھ دیا کہ اگر اب نہ اٹھے تو پھر زندہ رہ ہی نہ سکو گے۔ ایمان والوں کے لئے باقاعدہ بقائے ذات کا مسئلہ ہے۔ تہ و تیغ کرنے کی تیاریاں ہیں۔ تمہاری تیغ شعور ذات و حالات ہے۔ ایمان بچا سکتے ہو یا جان۔ یہی مرحلہ سپین کے مسلمان پر بھی آیا تھا۔ بر وقت فیصلہ نہ کر سکے اور وہ ختم ہو گئے۔

Marfat.com

ایمان پر قائم رہو گے تو جان اور جائداد سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور دشمن نے اس کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اگر ایمان ختم ہوتا ہے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ نہ عزت نہ وقار نہ غیرت نہ مال نہ اولاد۔ نام و نشان مٹ جائے گا۔ داستان بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔ ہاں اگر ایمان کو مضبوطی سے سنبھال لو تو سب کچھ بچ سکتا ہے۔ ایمان ہی تمہارا محافظ و پاسبان ہے۔ ایمان ہی تمہارا مضبوط ترین ہتھیار ہے۔ دشمن اس سے خائف ہے۔ اسی دم سے تمہارا دشمن ہے۔ تمہاری جان و مال کا بیری ہے۔ اگر حفاظت چاہتے ہو تو ایمان سے لیس ہو کر حوصلوں اور ولولوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور حشر گری سے بچ جاؤ۔ مسلمانوں کو ایمان پیارا تھا۔ اسلام پیارا تھا۔ اسی سے ان کی معاش تھی اور اسی میں ان کی معاشرت تھی۔ یہی ان کی زندگی' یہی متاع عزیز اور اس کو بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ پاکستان حاصل ہو اور دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کی جیسے جیسے گھڑی نزدیک آ رہی تھی مسلمانان ہند کا عزم پختہ سے پختہ ہو رہا تھا۔ شکر ہے کہ مسلمان ایک قوم بن گئے تھے۔ ایک خدا ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والے دشمن کی عیاریوں اور فریب کاریوں کے چنگل سے باہر نکل آئے اور یک جان ہو کر قوت ایمان سے لیس قدم سے قدم ملا کر اپنی منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھے۔ اور حشر سامانیاں صاف نظر آنے لگی تھیں۔ گوشۂ عافیت کے بغیر سب کچھ موت کا رقص بننے والا تھا۔ بس عافیت تھی تو ایمان اور اسلام میں کہ اسی نے مسلمان کی حفاظت کرنا تھی۔ مسلمان تو کمزور تھا۔ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسلام کی حفاظت کیا کرتا۔ اسلام ابدی ہے۔ آفاقی ہے اور قوت کا سرچشمہ ہے۔ وہی اس وقت مسلمانوں کی حفاظت کر سکتا تھا۔ قرآن ہی وہ مضبوط رسی تھی جس کو مضبوطی سے پکڑنے کی ضرورت تھی اور مسلمانان ہند نے اس حفاظت عظیم کا سہارا لے لیا اور زندگی کا راز پا لیا اور یقین محکم' عمل پیہم' محبت فاتح عالم کی تصویر بنے جہاد زندگانی کی شمشیر بن گئے۔ پھر کیوں نہ کامرانی ان کے قدم چومتی۔ قائداعظم کے پاس کوئی فوج تھی نہ پولیس۔ ان کے ہاں دولت کے کوئی انبار نہ تھے۔ مسلمان تو ویسے بھی غریب اور نادار تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار تھے نہ اسلحہ اور بس صرف تھا تو ایمان۔ وہی ان کی قوت تھی وہی ان کی فوج۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی سچ کر دکھایا۔ صدیوں کے دھندلکے سالوں میں صاف ہو گئے تھے۔ ملوکیت کی وجہ سے روح کش جمود بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس میں ملوکیت زدہ اور ملائیت چڑھے اسلام کی بے ہمتی کے سیاہ سائے چھٹ رہے تھے۔ یقین محکم سے ستارہ سحر برآمد ہونے کو تھا کہ سارا قافلہ یکسو ہو گیا تھا۔ اور قیصر و کسریٰ کے محل دہلنے کو تھے کیونکہ مسلمان نے اپنا کھویا ہوا گوہر نایاب پا لیا تھا۔ یہی وہ اصلی قوت تھی جس کی اتنی

Marfat.com

دیر سے تلاش تھی۔ قارون کے خزانے اور فرعون کی طاقت ایمان کی قوت کے آگے ہمیشہ ہیچ ہوتی ہے۔ کمزور ہوتی ہے، غرق ہو جاتی ہے اور موسیٰ پار لگ جاتا ہے کہ یہی تاریخ کا سفر اور سبق ہے۔
اب جب مسلمانوں نے یہ راز دوبارہ پا لیا تھا تو انہیں کامرانی کی منزل سے کون روک سکتا تھا۔ بندوق، سطوت و سلطنت، فوج، پولیس، دولت، ہندو اور انگریز سب مل کر کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ روح و قلب کا ایک عظیم انقلاب آ چکا تھا۔ قوم ایک تھی۔ ایمان سے سرشار اور جمود سے نکل کر متحرک ہو کر توانائیوں کا سیل رواں۔ جو سامنے آ اکٹ جاتا مرجاتا اور فرعون کی طرح ذلیل و خوار ہو کر ڈوب جاتا۔

امریکی طاقت جاپانی حملہ کی وجہ سے میدان میں کود پڑی تھی۔ جاپانی صفوں کو واپس لپیٹ رہی تھی ادھر جنرل منٹگمری افریقہ میں صحرائی لومڑی رومیل پر شیر کی طرح جھپٹ پڑا تھا۔ جرمن فوجیں روس کی برف پوش سرزمین پر پھنس کر رہ گئی تھیں اور خوب خونریز مزاحمت ہو رہی تھی۔ انگریزی فوجوں نے برما سے آگے جاپانیوں کی پیش رفت روک لی تھی۔ ۱۹۴۳ء میں نظر آ رہا تھا کہ جنگ کا پانسہ پلٹنے کو ہے۔ ابھی طوفان جہاں جہاں پہنچا تھا تھم گیا تھا اور اپنی تباہ کاریاں آشکارا کر رہا تھا۔ افریقہ کی گود سے اٹلی کی داڑھی نوچنے کا انتظام ہو رہا تھا اور پھر اس طرف سے یورپ پر واپسی کے لئے اتحادیوں کی صورت بن گئی تھی۔ ہر طرف سے پورا زور لگ رہا تھا۔ جرمن اور جاپان بہت بے جگری کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ "ہارا کاری" کے دستے سینوں پر بم باندھ کر بڑے بڑے جہاز ڈبو رہے تھے۔ سطح سمندر کے نیچے چلتی خطرناک آبدوزیں جہاں دل کرتا حملہ کر دیتیں۔ بغیر پائلٹ کے ہوائی جہاز اڑ کر لندن پر آگ برسا آتے۔ یہی صورت جرمن شہروں کی تھی۔ ہر طرف موت تھی آگ برس رہی تھی۔ انسانیت خون خون تھی۔ تہذیب نوحہ خواں تھی اور پوری دنیا ایک خطرناک جنگ میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ امریکی وسائل اتحادیوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ بن کر آئے اور انہوں نے انگلستان کی طرف سے سمندر پار کر کے فرانس کے ساحل پر دوبارہ قبضہ کی زبردست احتیاط کے ساتھ تیاری شروع کر دی تاکہ ایک وقت میں سمندر کے ذریعہ اور ہوائی فضا سے پیرا شوٹ کے ذریعے اتحادی فوجوں کی ایک زبردست جمعیت داخل کر دی جائے اور پھر انہوں نے یہ معجزہ جون ۱۹۴۴ء کے وسط میں کر دکھایا۔ نارمنڈی کے ساحل پر پنجے گاڑ دیئے اور سرعت کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ اٹلی کو بھی سرنگوں کر لیا اور پھر دونوں طرف سے آگے بڑھنا شروع ہو گئے۔ اب جرمنی کی مشکلات بڑھنے لگیں اور اس کے اکثر شہر اتحادیوں کے ہوائی حملوں کی زد میں آ گئے۔

Marfat.com

دونوں طرف سے عام نہتے شہریوں پر بے دریغ بمباری کی جاتی اور ہزاروں لاکھوں معصوم عورتیں بچے اور مرد اسی خون اور آگ کے کھیل کا شکار ہو جاتے۔ انسانیت پاگل نظر آتی تھی۔ تہذیب کے تمام سبق طاق نسیاں بن گئے تھے۔ نہتے یہودیوں کو لاکھوں کی تعداد میں زندہ جلا دیا جاتا کہ یہ سب سے سستا طریقہ تھا ورنہ انہیں ختم کرنے کے لئے گولہ بارود زیادہ مہنگا پڑتا۔ ہائے افسوس صد افسوس کہ یورپ کے وحشی رقص ابلیس میں مصروف قتل انسانیت نہایت فخر اور ہنرمندی سے کر رہے تھے کہ اخلاق سے عاری حکمت و دانش اور سائنس اپنے گل کھلا رہی تھی۔ پچھلی صدی سے بلکہ اس سے پہلے سے پوری دنیا کو مہذب بنانے کا ان کا وہ کھلا دعوی کہاں تھا؟ وہ تو خود خونچکاں اور بری طرح دست و گریباں مجسم قاتل تہذیب نظر آ رہے تھے۔ تہذیب گری کے دعوے کہاں تھے۔ وہ سفید فاموں کی اخلاقی ذمہ داری کہ وہ علم و دانش کا نور پھیلانے کا بیڑا اٹھانے آئے ہیں کہاں تھی وہ White man'sburden کہاں گیا۔ وہ تو خود روئے زمین پر بوجھ بن گئے تھے اور فرشتہ اجل کی تصویر۔ اصل میں وہ ہمیشہ سے ایسے ہی تھے جہاں گئے تباہی لے گئے امن و سکون تباہ کر دیا۔ انسانوں کی نسلیں ختم کر دیں۔ زمینوں اور وسائل کو ہڑپ کرتے گئے۔ جبر و جہالت کی تاریکی پھیلاتے گئے۔ شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ کی یہی کہانی ہے۔ انہوں نے اپنے لئے نئی دنیا بسالی مگر وہاں کے اصلی باشندوں کا کیا ہوا۔ ان کی عظیم تہذیبوں کو نیست و نابود کر دیا۔ کھوپڑیوں کے چنگیزی مینار کھڑے کر دیئے۔ دیں سے سیاست جدا ہو تو چنگیزی رہ جاتی ہے اور یہ نمونہ دکھا رہے تھے۔ وہ یہ کام پہلے بھی کر چکے تھے۔ فرقہ وارارانہ جنگوں میں کتنا معصوم خون بہا تھا۔ یہ ہمیشہ سے غیر مہذب اور وحشی تھے ہاں سائنس نے ان کی وحشت میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ اخلاق کی خوبصورت دلربائیاں ان کے نزدیک نہیں پھٹکی تھیں۔ ایشیاء اور افریقہ میں بھی جنگی تباہ کاریاں عروج پر تھیں۔

Marfat.com

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب

آقا اپنے مفادات اور اقتدار کے لئے ہلکان ہو رہے تھے غلام خواہ مخواہ پس رہے تھے۔

روسی سرزمین جرمن فوجوں کا مدفن بن گئی تھی اور جرمنی کی پسپائی شروع ہو گئی۔ امریکہ اور برطانیہ کی افواج مغرب کی جانب سے بڑھ رہی تھیں۔ ایشیائی میدان جنگ میں بھی برطانیہ برما کی طرف سے جاپانی افواج پر حملہ آور ہو رہا تھا تو جنوب کی طرف سے امریکی افواج انہیں لپیٹتی ہوئی فلپائن اور دوسرے جزائر پر دوبارہ قابض ہو گئی تھیں۔ میکارتھر جنوب سے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن برما کی جانب سے زبردست پیش قدمی کر رہے تھے۔ ۱۹۴۵ء کے شروع ہی میں جرمنی شکست کھا گیا۔ لاکھوں کی تعداد میں جرمن فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ یورپ میں مشرق سے روس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا تھا اور مغرب سے امریکی اور برطانوی افواج تاکہ جرمنی کی لاش کو تقسیم کر کے زیادہ سے زیادہ اپنے حصہ میں لے لیں۔ حرص و ہوا کا زبردست مقابلہ تھا۔ ہٹلر نے نہایت مایوسی کے عالم میں ۲۹ اپریل ۱۹۴۵ء کو خودکشی کر لی۔ ایک طرفہ تماشا تھا کہ ختم ہو گیا جسے پہلی جنگ عظیم کی ذلت آمیز شکست اور خاص طور پر اس کے بعد کے امن معاہدہ نے جرمن قوم کی انتہائی تذلیل نے تخلیق کیا تھا۔ بے انصافی ہمیشہ بدامنی کی خالق رہی ہے۔ مغرب کی اقوام نے یہ ازلی اخلاقی سبق کبھی نہیں سیکھا اور ہمیشہ جبر کے بت کی پوجا کی ہے اور دنیا کے امن و آشتی کو تباہ کیا ہے۔ عظیم تہذیبوں کو فنا کیا ہے اور ظلم و جبر کے

Marfat.com

جھنڈے گاڑے ہیں یہی کچھ اس عظیم المیہ کے بعد کیا۔ سٹالن نے مشرقی جرمنی تک کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے کر ایک نہایت ہی سخت آہنی پردہ کھڑا کر دیا اور تمام ممالک کو اپنا غلام بنا لیا اور ان کی آواز تک نہ اٹھنے دی اور سختی سے ان کا گلا دبا دیا۔ بے چارہ پولینڈ جس کی آزادی جرمنی نے غصب کی تھی اور اس پر اتنی بڑی جنگ لڑی گئی جس میں کروڑوں انسانوں کی جانیں تلف ہوئیں جنگ ختم ہونے پر پہلے سے زیادہ سخت غلامی کی زنجیروں میں جکڑ چکا تھا۔ وہی نہیں دوسرے ممالک ہنگری، آسٹریا، چیکو سلواکیہ سبھی آزادی کھو بیٹھے تھے آزادی نہیں بلکہ غلامی ان کا مقدر بن گیا تھا۔ یہی سفید فام تہذیب کے ثمرات تھے۔ یہی ان کی ذمہ داری تھی کہ ڈھٹائی کے ساتھ تخریب تہذیب کیے جاؤ اور اسے تعمیر تہذیب کا نام دیئے جاؤ اور کہو کہ یہ ان کی خاص ذمہ داری ہے White man's burden ہے۔ دوسروں کے بھی یہی ارادے تھے کہ ایشیا اور افریقہ کے غلاموں کو جکڑے رکھو اور انہیں تہذیب گری کے درس دیتے رہو اور مغربی جمہوریت میں پختہ کار بنانے کی آڑ میں غلامی کا جواز بنائے رکھو۔ چرچل نے تو اپنے ارادوں کا واشگاف الفاظ میں اظہار بھی کر دیا تھا کہ وہ اپنے بادشاہ کا وزیر اول اس لئے نہیں بنے گا تاکہ اس کی شہنشاہیت اور سلطنت کو واپس لپیٹنا شروع کر کے گول کر دے۔

امریکہ ابھی بین الاقوامی سیاست میں نو وارد تھا۔ برطانیہ کا غلام خود بھی رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک شیریں رقابت پہلو میں چھپائے بیٹھا تھا۔ برطانوی اور یورپی امپیرلزم کے خلاف ایک رومانوی نظریہ رکھتا تھا اور آزادی کے جذبات کا دم بھرتا تھا۔ اس کے منہ کو ابھی استعماری خون نہیں لگا تھا۔ ویسے بھی انہیں کالے لوگوں کی تہذیب گری کا اتنا شوق نہیں تھا۔ ان کے لئے اپنے کالے ہی کافی تھے۔ انہوں نے ابراہیم لنکن کی رومانیت کا حشر دیکھ رکھا تھا۔ برطانوی عام انتخابات نے چرچل کا بوریا بستر گول کر دیا اور لیبر پارٹی کامیاب ہوگئی۔ تاریخ اپنے اٹل اصولوں پر چلتی رہتی ہے اور آنے والے انقلابات کا راستہ بناتی رہتی ہے۔ چرچل ہی وہ واحد شخص تھا جو برطانوی فتح کا سب سے زیادہ حقدار تھا۔ اس نے نہایت ہمت اور عقل کے ساتھ جنگ لڑی اور جرمن طاقت کو پاش پاش کر دیا ورنہ ہو سکتا ہے صورت حال اس سے یکسر مختلف ہوتی لیکن قدرت تھی کہ اس نے اتنی بڑی کامیابی کے باوجود دنیا کے سب سے بڑے امپیریلسٹ کو اقتدار سے ہٹا کر اقوام نو کی آزادی کے لئے راستے کھول دیئے۔

لیبر پارٹی کی ترجیحات مختلف تھیں۔ جنگ نے برطانیہ اور پورے یورپ کو مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ برطانیہ معاشی طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ جنگ ضرور جیت لی تھی لیکن فاتحین کی جان نکل چکی

Marfat.com

تھی۔ تباہی نے پورے یورپ کو غشی کی حالت سے دوچار کر دیا تھا۔ امریکہ کے دانشوروں نے پچھلی بڑی جنگ کے بعد کے فیصلوں کو ہی دوسری بڑی جنگ کی وجہ بتایا اور مشورہ دیا کہ ایک دوسرے کی معاشی تباہی کی بجائے فاتح اور مفتوح کو مل کر تعمیر نو کرنا چاہئے۔ یہی وہ مثبت رویہ ہے جس سے مستقبل کی جنگ روکی جاسکتی ہے۔ امریکہ ویسے بھی معاشی طور پر سب سے زیادہ مضبوط تھا۔ وہ یورپ کی تعمیر نو امن و آشتی کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے علاوہ اپنے تجارتی مفادات کے لئے بھی کرنا چاہتا تھا۔ علاوہ ازیں اپنا سیاسی اور فوجی اثر و رسوخ بھی اس طریقہ سے بڑھانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ برطانیہ اور فرانس کو اس تباہ کن جنگ نے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ اپنی نو آبادیوں پر کسی طرح بھی قبضہ قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ اور وہ خلاء اسے پورا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا تعمیر نو اور مادی ترقی کے پرکشش اور دلربا نظریات کے نعروں سے ہی کالونیوں کی ابھرتی ہوئی قیادتوں کی دل پذیری کے سامان پیدا کرنے کی منصوبہ بندی کی تاکہ انہیں وقت آنے پر بھول بھلیوں میں پھنسایا جاسکے۔ شکاری کا کردار اب امریکہ کو ملنے والا تھا لہٰذا اس نے اپنے دام میں شکار پھنسانے کے نئے نئے جال بننے شروع کر دیئے۔ اس امریکی سکیم کے تحت ضروری تھا کہ نو آبادیاں آزاد بھی ہوں۔ برطانیہ اور فرانس سے پیچھے ہٹیں اور پھر امریکہ کے جال میں پھنسیں لہٰذا امریکہ نے کالونیوں کی آزادی کے لئے اپنے مفادات میں آواز اٹھائی۔ روس کے اپنے مفادات تھے۔ اس نے مشرقی یورپ افریقہ اور ایشیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنا شروع کر دی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ برطانیہ اور فرانس اس کے ان مذموم ارادوں کے راستے کا روڑا بنیں۔ اس لئے اس نے انہیں کالونیوں میں الجھائے رکھنے کا منصوبہ بنایا۔ اسے اس کا بہترین حربہ یہی نظر آیا کہ وہاں کے لوگوں کی آزادی کی جنگ کا ہمنوا نظر آئے ان کی ہمدردی جتائے۔ ایک تو برطانیہ اور فرانس ان کے ساتھ الجھے رہیں گے۔ دوسرے آزاد ہونے والے ممالک اس کے حلیف بن جائیں گے۔ اس طرح امریکہ اور روس کی رقابت شروع ہوگئی تاکہ ساری دنیا میں وہ اپنا زیادہ سے زیادہ اثر و رسوخ بنا سکیں اور مزے کی بات ہے کہ دونوں قوتیں آزادی کی مددگار بن کر ابھریں۔ تاریخ اپنا راستہ خود بناتی ہے روس اور امریکہ کے اپنے اپنے مفادات اور مقاصد تھے لیکن غلاموں کی آزادی کے لئے دونوں ہی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر آواز اٹھا رہے تھے۔

چرچل نے جنگ کے دوران ہی اس طرح کا مستقبل کا نقشہ ابھرتا دیکھ لیا تھا اور نہایت چالاکی کے ساتھ دنیا کو پانچ بڑے حصوں اور طاقتوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ اس کی دلیل تھی کہ دنیا جتنے زیادہ ملکوں میں تقسیم ہو کر ابھرے گی جنگ و جدل کے اتنے ہی زیادہ مواقع ابھریں گے۔ لہٰذا نیشنل سٹیٹس

Marfat.com

(قومی ریاستوں) کا نظریہ ختم کر کے انہیں ۷/۵ بڑے بڑے خطوں میں تقسیم کر لینا چاہئے اور ان پر مضبوطی سے قبضہ جمائے رکھنا چاہئے۔ اس کا استعماری ذہن تھا اور وہ اس طرح حیلوں بہانوں سے قوموں کی غلامی کو مستقل کر دینا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس فارمولا کے ذریعے برطانیہ دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر حکمرانی کر سکتا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ اسے شکست ہو گئی۔ روس اور امریکہ کی اپنے اپنے لالچ میں سوچیں اس سے مختلف طرف چل پڑیں اور آخر کار اقوام متحدہ کا چرچل کی سوچ سے بالکل مختلف قومی ریاستوں کی بنیاد پر نقشہ استوار ہوا اور نو آبادیوں کی آزادی کا راستہ صاف ہونے لگا۔ امریکہ ہو یا روس، برطانیہ ہو یا فرانس سب اپنے مفادات کے چکر میں چل رہے تھے اور اب تک چل رہے ہیں۔ گوری چمڑی والوں نے جو کچھ کیا حالات کی مجبوری سے کیا وگرنہ ان کی نیتیں بہت ہی خراب تھیں اور وہ افریقی اور ایشیائی تہذیبوں کی ہمیشہ کے لیے غلامی اور تباہی کے خوفناک منصوبے رکھتے تھے۔ اقوام متحدہ کی تشکیل بھی اپنی بقائے ذات کے لیے ہی تھی کیونکہ انھیں ضرورت تھی کہ کسی نہ کسی طرح آئندہ اس طرح کی جنگ کو روکا جا سکے وگرنہ وہ سب فنا ہو جائیں گے۔ اقوام متحدہ کے ظاہری رسمی اصولی اخلاقی اور لفظی نظریے اپنی بقا کے جذبہ کے تحت معرض وجود میں آئے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک دوسرے کے خوف کے تحت منفی بنیادوں پر استوار ہوا ہے۔ اس کی کوئی بنیادی مثبت وجہ نہیں ہے۔ یہ تو صرف دین اسلام کا اعزاز ہے کہ اپنے پیروکاروں کو نہایت جذب و شوق کے ساتھ امن، مساوات، اخوت اور بھائی چارہ کے اصولوں کا پابند بناتا ہے۔ اس کی تبلیغ سکھاتا ہے۔ یہی عمل نیک ہے اور یہی آئندہ کی زندگی کے لیے زاد راہ اور راہ نجات ہے یہی مسلمان کا ایمان ہے۔ یہی اس کا عقیدہ ہے۔ ایمان اور عقیدہ جو قوت عمل اور روشنی دیتا ہے وہ اس طرح کے چارٹر سے کہاں برآمد ہو سکتی ہے؟ اس منفی خوف میں ایٹم بم نے اور اضافہ کر دیا کیونکہ اگست ۱۹۴۵ء تک امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم برسا کر لاکھوں نہتے شہریوں کو ہلاک کر کے بھسم کر دیا۔ جاپان نے بھی اس کے بعد جنرل میکارتھر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسے بھی مادی ترقی، تعمیر نو اور مغربی جمہوریت میں فلاح کے درس دیئے گئے۔

اقوام متحدہ کے ذریعہ قومی ریاستوں (NationalStates) کے وجود، نئی آزاد ہونے والی اقوام کے حقوق، استعمار کی پرانی شکلوں کی نفی، آزادی کا حق، ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت وغیرہ کے سامری سحر سے رام کیا گیا اور پوری دنیا کے لیے ایک نئے سلسلہ اور نظام کی نوید سنائی گئی۔ آزادی کے پرکشش نعرے بلند ہوئے اور ان نعروں کی حمایت غیر متوقع اطراف سے بھی

Marfat.com

آنے لگی۔ برطانیہ معاشی تباہی کے دہانہ پر کھڑا تھا ہندوستان کے عوام جاگ اٹھے تھے۔ کانگریس کی قیادت تو جیلوں میں مقید آرام کر رہی تھی اور انگریزوں کی جنگی کامیابیوں سے مایوس ہو رہی تھی۔ قوم کو جگانے کا سہرا قائداعظم اور مسلم لیگ کے سر تھا کہ پچھلے کئی سالوں میں انھیں آزادی کے لیے مکمل طور پر تیار کر دیا تھا۔ دن رات کی محنت سے ہندوستان کے کونہ کونہ میں آزادی کا پیغام پہنچایا تھا۔ انگریز کو جب جنگ سے ذرا فرصت ملی تو اس نے دیکھا کہ قائداعظم تو قیامت کی چال چل چکے ہیں۔ انہوں نے اقتدار کی بھول بھلیوں میں وقت ضائع نہیں کیا۔ انہوں نے قوم کو بیدار کر کے یکجا کر دیا ہے اور وہ اب ایٹم بم سے بھی بڑی طاقت بن چکی ہے تب انہیں احساس ہوا کہ اب انہیں اپنا بوریا بستر گول کرنا ہی پڑے گا۔ یہاں تو ہندوستانی قوم لڑنے مرنے کو تیار ہے۔ ان کا اپنا حال پتلا ہے اب ان کی وہ فوجی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ معاشی تباہی الگ تھی روسی اور امریکی دباؤ کے اپنے ڈھنگ تھے لہٰذا لیبر پارٹی کی حکومت نے یہی بہتر سمجھا کہ ہندوستان کو آزاد کرنے کا ایسا ڈھنگ نکالا جائے کہ وہ عزت سے رخصت ہو سکیں اور بعد میں ان کے تعلقات بھی اچھے رہیں۔ حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا لیکن انہوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ ایک اعلیٰ اخلاقی موقف اختیار کر لیا کہ ہم اپنا پرانا اور شروع ہی سے کیا ہوا عہد پورا کرتے ہیں۔ ہندوستان کو ہم نے مہذب بنا لیا ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے روشناس کر دیا ہے۔ ذرائع آمدورفت بہتر کر دیئے ہیں۔ جدید علوم کی ترویج کر دی ہے۔ جدید طب اور سائنس کی کرشمہ سازی سے متعارف کروا دیا ہے۔ سیکولرازم اور جمہوریت کی تربیت دے دی ہے لہٰذا ایفائے عہد کا وقت آگیا ہے اور ہم جانے کو تیار ہیں۔ ہم آزادی کے پرستار ہیں۔ آزادی کے حق کو مانتے ہیں اس کا احترام کرتے ہیں۔ آیئے مل کر آزادی کا طریقہ کار متعین کرتے ہیں۔

سب اندرون خانہ عوامل اور دیگر مسائل اور مجبوریوں کو سمجھنے کے باوجود ہماری قیادت نہایت پختہ کار تھی انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ حاکموں کو خواہ مخواہ شرمندہ کریں۔ انہوں نے ان کے دعووں کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ قائداعظم کی قیادت میں تو ایک زبردست سماجی انقلاب اٹڈا آرہا تھا تمام کے تمام مظلوم طبقے ان کی آواز پر لبیک کہہ رہے تھے۔ اونچ نیچ کے ہندوانہ ظلم و استبداد میں پسے ہوئے لوگ ان کے جھنڈے کے نیچے پناہ لے رہے تھے۔ قریب تھا کہ تمام شیڈولڈ کاسٹ کے لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو جاتے۔ وہ ہندوؤں کی صدیوں کی زیادتیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ اور اب وہ اصلی آزادی کے خواہاں تھے انہیں معلوم تھا کہ ہندو معاشرہ میں ان کا کوئی مقام نہ تھا اور وہ غلاموں سے بھی بدتر تھے شودر کو تو برہمن کے کتے سے بھی زیادہ ناپاک سمجھا جاتا تھا۔

Marfat.com

ہندوستان کی آبادی میں ان کی بہت بڑی تعداد تھی اور وہ مسلم لیگ اور مسلمانوں کے ساتھ ملنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غریبوں اور پسے ہوئے لوگوں کا دم بھرنے والی ہندوستان کی کمیونسٹ جماعت بھی مسلم لیگ کے ساتھ آئی تھی۔ اس طرح قریب تھا کہ قائداعظم اور مسلم لیگ ہندوستان کی اکثریت کی نمائندہ جماعت بن جاتی اور گاندھی کی سکیمیں دھری کی دھری رہ جاتیں۔ گاندھی بہت ہی شاطر تھا وہ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے حیلوں بہانوں کے ساتھ انگریز کی جیل سے رہا ہو کر شودروں کی بستیوں میں جاکر ڈیرے لگالئے۔ یہ محض اس نے قائداعظم کا راستہ روکنے کا طریقہ نکالا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اگر ہندوؤں کے ستائے ہوئے محروم طبقے مسلم لیگ کے ہمراہ ہو گئے تو اس کے ہندو غلبہ والے ہندوستان کے خواب چکنا چور ہو جائیں گے۔ اس کے بعد برہمن زدہ ہندو بالکل معمولی اکثریت بن کر رہ جاتا اور انسانیت آزاد ہو کر ایک صحیح راہ نوید پر گامزن ہو جاتی۔

قائداعظم کی عظیم جدوجہد جاری تھی کہ انگریز بھی یہ سب کچھ دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ وہ تو مسلمانوں کا پرانا دشمن تھا۔ صلیبی جنگیں اسے ابھی تک نہیں بھولی تھیں۔ اور خود ہندوستان کی حکومت اس نے مسلمانوں ہی سے ہتھیائی تھی۔ وہ کیسے محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں کے اس سیاسی عروج اور امڈتے طوفان کو برداشت کر سکتا تھا۔ قائداعظم کے انقلابی راستہ کو روکنے کے لیے انہوں نے گاندھی اور کانگریس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا اور اس گاندھی کی طرف جس نے جنگ کے مشکل ترین مرحلہ پر انگریز کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا۔ دغا دے کر بغاوت کر دی تھی اور انگریز کی شکست کا مکمل بندوبست کر دیا تھا۔ انگریز نے اس دکھ کے باوجود غیر قانونی قرار دی ہوئی کانگریس میں دوبارہ جان ڈالی۔ ابوالکلام آزاد اور نہرو وغیرہ کو رہا کیا تاکہ قائداعظم کی بڑھتی ہوئی اور پھیلتی ہوئی تحریک کا راستہ روکا جاسکے۔ آزادی تو ویسے ہی مجبوری بن گئی تھی لہٰذا وائسرائے ہند نے مختلف جماعتوں کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا۔

Marfat.com

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے

گفت و شنید کا یہ سلسلہ کبھی دلی میں چلتا رہا اور کبھی شملہ میں۔ غیر قانونی قرار دی ہوئی کانگریس قانونی بن گئی۔ انگریز کی آنکھ کا تارہ بن گئی۔ محرومی کا شکار نیچی ذاتوں کا طبقہ جنہیں گاندھی نے ہریجن یعنی خدا کے بندے یا بھگوان کی اولاد کہنا شروع کر دیا تھا جبکہ حقیقی زندگی میں تو ہندو انہیں اپنا سمجھتے ہی نہ تھے اسی گاندھی کی عیاری کا شکار ہو گئے۔ اس طرح انہوں نے قائداعظم کی عظیم تحریک کا راستہ روکنے کا بندوبست کیا۔ بہرصورت مسلمان اب مکمل طور پر جاگ اٹھے تھے اور وہ کسی صورت میں بھی ہندوؤں کی چالبازیوں میں آنے کے لیے تیار نہ تھے۔ چند ایک نادان علماء تھے جن کی بصیرت کام نہ کر سکی مگر ملت اسلامیہ نے انہیں مکمل طور پر مسترد کر دیا تھا اب قائداعظم کو معلوم تھا کہ ساری مسلم قوم ان کی پشت پر ہے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ قوم کا مقدمہ لڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کی بنیاد پر اور ۱۹۴۰ء کی قرار داد کی روشنی میں ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں میں تقسیم کے مطالبہ پر گفت و شنید کی۔

ہندو نہایت سختی سے تقسیم ہند کے خلاف تھے اور انگریز بھی ہندوستان کو ایک ہی ملک کی صورت میں آزاد دیکھنا چاہتا تھا تاکہ مستقبل میں وہ ان کی منڈی بھی رہے اور طاقت کا ذریعہ بھی، دولت مشترکہ کا رکن بن کر برطانوی فوجی طاقت کا حصہ بھی رہے۔ یہ کام دو مملکتوں کی صورت میں بھی ہو

Marfat.com

سکتا تھا لیکن انگریز کی ترجیح ایک متحدہ ہندوستان کی تھی۔ اب اسے مسلمان فوجی سپاہیوں کی بھی چنداں ضرورت نہ تھی جنگ ختم ہو چکی تھی بلکہ وہ تو اپنی فوج میں کمی کرنے میں مصروف تھا۔ معاشی بدحالی کا علاج ڈھونڈ رہا تھا اس کی فوری ترجیح اپنے ملک کی تعمیر نو تھی اور روس کی طرف سے آئندہ بڑھتے ہوئے خطرات و خدشات کا تدارک تھا۔ اس طرح کی سوچوں کے سانچے میں ڈھلے انگریز کو ایک متحدہ ہندوستان بہتر نظر آ رہا تھا۔ لہٰذا اس نکتہ پر ہندو اور انگریز کے خیالات اور مفادات یکجا ہو گئے۔ مسلم لیگ اور قائداعظم یکہ و تنہا کھڑے ہو گئے۔ محروم طبقے جو برہمن استبداد میں جکڑے ہوئے آزادی کے آرزومند تھے اور بہت بڑی اکثریت میں تھے کو بھی ذہنی طور پر ماوف کر دیا گیا۔ لیکن مسلمان جاگ اٹھا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد اس کا قتل عام ہو گا اور اسے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ ان کی ظاہری عدم تشدد کی تلقین ایک عظیم دھوکہ تھی۔ سیکولرازم اور جمہوریت کے دعوے عیارانہ حربے تھے۔ لہٰذا قائداعظم اپنے نقطہ نگاہ پر ایک زبردست آہنی عزم کے ساتھ ڈٹے رہے۔ معاملہ مشکل بھی تھا اور پیچیدہ بھی۔ ہندو تو بس یہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اقتدار ان کے حوالے ہو جائے۔ بعد میں وہ مسلمانوں کے مسئلہ کو خود ہی حل کر لیں گے۔ اس وقت تک وہ اپنے اصلی اور بھیانک عزائم کو سہانے الفاظ اور اصولوں کے حریری غلاف میں چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔

لیکن انگریز اتنے سادہ بھی نہ تھے کہ آئندہ کے حالات کو نہ بھانپ سکیں۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ اقلیتوں کا مسئلہ اتنا کم اہم بھی نہ تھا جتنا کہ ہندو پیش کر رہے تھے اور مستقبل کی سول وار سے پورے ہندوستان کی اینٹ سے اینٹ بج جانے کا اندیشہ بھی تھا۔ خود انگریز بھی اس پوزیشن میں نہ تھا کہ وہ اسے اپنی فوجی اور انتظامی قوت کے ساتھ روک سکتا۔ ان حالات میں اسے خدشہ تھا کہ ہندوستان میں کوئی قوت حاکمہ اور اتھارٹی باقی نہیں رہ جائے گی اور یہاں پر منظم حکومت اور قوت نافذہ کا خلاء پیدا ہو جائے گا اور پھر بنیادی سیاسی فلسفہ کی روشنی میں صاف نظر آ رہا تھا کہ پھر قریب ترین قوت حاکمہ اس طرف خود بخود کھچی چلی آئے گی اور اس وقت وہ قوت انگریز کی نگاہ میں روس تھی اور ان کی نیندیں حرام کرنے کے لئے اس کا تخیل ہی ان کے لئے کافی تھا۔ لہٰذا ہندوستانی سیاست کا کوئی ایسا تسلی بخش حل چاہتے تھے۔ جس سے اس طرح کی مشکلات پیدا نہ ہوں اور ایسا حل اب مسلمانوں کی مکمل رضامندی کے بغیر ناممکن تھا۔ ہندوؤں کا اپنا پروگرام تھا کہ ان کیلئے مشکلات پیدا نہ ہوں اور ایسا حل اب مسلمانوں کی مکمل رضامندی کے بغیر ناممکن تھا۔ مگر وہ اپنی مسلمان دشمن محدود نگاہی سے

Marfat.com

باہر نہیں نکلنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے تاریخی تعصب کی وجہ سے آنے والے حالات کو صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر تھوڑا بہت احساس تھا بھی تو غصہ کی ایسی انتہائی حد میں داخل ہو چکے تھے کہ دوسروں کو فنا کرتے کرتے خود بھی فنا ہونے کو تیار تھے۔

لیکن انگریز کے اپنے آفاقی اور گلوبل اہداف تھے۔ ہندوستان کو آزاد کرنا اس کی مجبوری تھی لیکن وہ روس کے لئے میدان بھی صاف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ معاملہ اتنا اہم اور گھمبیر تھا کہ لیبر پارٹی کی حکومت نے برطانوی کابینہ کے تین اہم ترین ارکان پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیاراتی کیبنٹ مشن ہندوستان بھجوا دیا کہ وہ اس مسئلہ کو نہایت باریک بینی اور گہرائی کے ساتھ دیکھ کر اس کا حل پیش کرے۔ اس مشن نے بہت محنت کی اور ہندوستان کے تمام طبقہ ہائے خیالات سے رائے حاصل کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمان اقلیت کے نقطہ نگاہ کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا اور جمہوری اکثریت کے فارمولا کو ہندوؤں کی ضرورت سے زیادہ سادگی والی دلیل کے ساتھ نہیں اپنایا جا سکتا۔ زمینی حقیقت اس سے بہت زیادہ مختلف ہے جو ہندو پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کو ذرا زیادہ گہرائی سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور وہ مشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہندو مسلم آبادی کے تناسب اور پھیلاؤ کو مدنظر رکھا جائے تو ہندوستان کے تین واضح خطے بنتے ہیں۔ ایک حصہ یا گروپ شمال مغربی ہندوستان خاص طور پر صوبہ پنجاب' سرحد' سندھ اور بلوچستان ریزیڈنسی کا علاقہ۔ دوسرا حصہ شمال مشرقی ہندوستان خاص طور پر صوبہ بنگال اور آسام اور تیسرا حصہ باقی ماندہ ہندوستان۔ پہلے دو حصوں میں آبادی کی اکثریت مسلمانوں کی تھی اور تیسرے حصہ میں ہندوؤں کی۔ لہٰذا ہندوستانی مسئلہ کا بہترین حل یہ ہے کہ اس کے مندرجہ بالا خطوط پر تین گروپ بنائے جائیں یعنی ہندوستان کو ہندو مسلم آبادی کے لحاظ سے صوبوں کے گروپ بنا کر تین حلقوں میں شمار کیا جائے اور ان کی اپنی نمائندہ حکومتیں ہوں۔ ان تینوں گروپوں پر مشتمل ہندوستان کی ایک مرکزی حکومت تشکیل پائے جس کے پاس دفاع' امور خارجہ' کرنسی اور مواصلات کی ذمہ داری ہو۔ اس طرح ہندوستان متحد بھی رہ سکے گا اور تمام طبقوں کا نقطہ نگاہ اور اقتدار میں حصہ بھی برقرار رہے گا۔ اس طرح دس سال تک یہ نظام چلایا جائے اور اس کے بعد اگر کوئی گروپ مطمئن نہ ہو تو اسے مرکز سے الگ ہونے کا اختیار بھی ہو۔ کیبنٹ مشن نے ہندوستان کے نہایت ہی سادہ مسئلہ کا ایک نہایت ہی پیچیدہ حل پیش کرنے کی کوشش کی کہ دونوں فریق مطمئن ہو سکیں۔ ہندوستان ایک بھی رہ سکے مگر پاکستان کی گنجائش بھی نکل آئے۔ مگر کانگریس کہاں ایسی ڈھیلی ڈھالی سکیم کو تسلیم کرتی۔ اسے تو مضبوط مرکز درکار تھا جس کے بل بوتے پر وہ مسلمانوں کی تطہیر کرنے

Marfat.com

کی پوزیشن میں آجائے۔ یہ سکیم مسلم لیگ کے آزاد اور خود مختار پاکستان کے مطالبہ کو بھی پورا نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے بھی اسے تسلیم کرنا مشکل تھا لیکن پھر بھی مسلم لیگ نے اسے تسلیم کر لیا اور مسئلہ کا حل نکالنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اگرچہ اس صورت میں مسلمانوں کے لئے کتنا بڑا خطرہ موجود تھا۔ فوج تو مرکز کے قبضہ قدرت میں رہتی۔ اگر ہندو اور مسلمان فوجیوں میں لڑائی چھڑ جاتی تب بھی ایک عذاب بن جاتا۔ بہر صورت مسلم لیگ اور قائد اعظم نے غور و خوض کے بعد اس سکیم کو تسلیم کر لیا۔ مگر کانگریس تھی کہ فیصلہ ہی نہ کر پا رہی تھی اور اگر نہایت تاخیر سے فیصلہ کیا بھی تو اس سکیم کو ایسے ایسے تحفظات کے ساتھ مانا کہ اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا اور اس کی اصل روح کو فنا کر کے رکھ دیا ہندو تو ہر چیز کو فنا کرنے پر تلا ہوا تھا اور کسی بھی معقول تجویز کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ تو چاہتا تھا کہ فوراً اقتدار مل جائے اور پھر مسلمانوں کو تاریخی سبق سکھا سکے۔ انتقال اقتدار کے بعد کون ثالث ہو گا اور کون اس کا ہاتھ روک سکے گا۔ کانگریس کے اس نہایت ہی غیر معقول رویہ کے باوجود قائداعظم نے فیصلہ کیا کہ کیبنٹ مشن پلان کے نفاذ کو موقع ملنا چاہئے تاکہ آزادی کی منزل قریب ہو سکے۔

انتخابات ہوئے۔ انتخابات نے مسلم لیگ اور اس کی قیادت کو مکمل اور بھر پور کامیابی سے ہمکنار کر دیا۔ ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے ہر جگہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دے کر زبردست کامیابی دلوائی اور مسلم لیگ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک نمائندہ جماعت بن کر ابھری۔ یوں پاکستان کا حصول اور مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی منزل مراد بن گئی تھی مسلمانوں کے اکثریتی صوبے تو اپنی جگہ وہ صوبے جو اقلیت میں تھے انہوں نے تو کمال ہی کر دیا اور انہوں نے اس کامیابی میں بہت ہی جوش و خروش سے حصہ لیا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کے صوبے کسی طرح بھی پاکستان کا حصہ نہیں بن سکتے لیکن انہوں نے مسلم لیگ کو ووٹ ایمان کا حصہ سمجھ کر دیا۔ انہیں معلوم تھا کہ ایک علیحدہ مضبوط پاکستان ہی ان کی حفاظت کر سکتا ہے پاکستان ان کی سلامتی کی بہترین ضمانت ہے لیکن پنجاب کے اکثریتی صوبہ میں سر خضر حیات کے ساتھ ساتھ دو چار اور بھی مسلمان چھچے یونینسٹ پارٹی کی طرف سے جیت گئے تھے لیکن مجال ہے کہ مسلم اقلیتی صوبوں سے کوئی بھی ووٹ مسلمان امیدواروں کو نہ ملا ہو۔ اس طرح تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ پاکستان بنے اور قائداعظم ان کے ہر لحاظ سے ہر شک و شبہ سے بالا اور غیر متنازعہ قائد بے مثل تھے۔ انہوں نے قوم کو بیدار کر کے خود اعتمادی دی اور قوم نے ان کا بھرپور ساتھ دے کر ان کی خود اعتمادی میں مزید اضافہ کیا۔ دستور ساز اسمبلی نے کیبنٹ مشن پلان کی بنیاد پر دستور سازی کرنی تھی۔ اس اسمبلی

Marfat.com

میں مسلم لیگ مسلمانوں کی مکمل نمائندہ بن کر ابھری تھی لیکن ہندوؤں کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی ان کی تمام تر کوششیں بے سود ٹھہری تھیں۔ ابوالکلام آزاد ایسے معدودے چند جیبی افراد کی موجودگی فریب کے سوا اور کچھ نہ تھی۔

۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۷ء کی طرح ۱۹۴۶ء میں بھی جواہر لعل نہرو ہی کانگریس کے صدر تھے۔ ویسے ہی جوشیلے اور جذباتی تھے جیسے نوجوانی میں۔ عیاری اور مکاری کا پیکر نہرو آپے سے باہر ہو گیا اور دل کی بات کہہ ڈالی کہ ہم دستور ساز اسمبلی جو کہ ایک مختار کل ادارہ ہے میں کسی معاہدہ کے پابند ہوئے بغیر داخل ہو رہے ہیں۔ نہرو کے اسی بیان نے کانگریسی ذہنیت کی مکمل عکاسی کر دی۔ بلی تھیلے سے باہر نکل آئی تھی۔ معاہدہ تو وہی تھا جو کیبنٹ مشن نے تجویز کیا تھا اب انگریز کس منہ سے کہہ سکتا تھا کہ وہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔ نہرو نے ہندوستان کو متحد رکھنے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی قائداعظم کی مخلصانہ کوشش میں بھی آخری کیل ٹھونک دیا تھا۔ نہرو پہلے بھی یہی کام کرتا آیا تھا بلکہ اس کا باپ بھی یہی کرتا آیا تھا۔ یہ موتی لعل نہرو ہی کا غیر معقول اور غیر شائستہ قدم تھا جس نے قائداعظم کے ۱۴ نکات سننے سے انکار کر کے حضرت قائداعظم کو دلبرداشتہ کر دیا تھا اور اس وقت راستوں کی علیحدگی parting of ways کی بنیاد ڈالی تھی لیکن کمال تھا قائداعظم کے تحمل اور بردباری کا کہ پھر بھی وہ ہر اس معقول تجویز پر کان دھرنے کو تیار تھے جو کسی طرف سے بھی آتی۔

۱۹۲۸/۲۹ء سے ۱۹۴۶ء تک کا بہت لمبا سفر ہے مگر ہندو اپنے تعصب کی عینک لگائے مجال ہے کہ حقیقت کی ایک بھی جھلک دیکھنے کو تیار ہو۔ وہی تنگ نظری اور وہی مذموم ارادے۔ ۱۹۴۶ء میں بلکہ تمام مسلمانان ہند نے اپنی رائے سے ظاہر کر دیا کہ وہ پاکستان چاہتے ہیں۔ وہ ایک علیحدہ اور خود مختار مملکت چاہتے ہیں اس کے باوجود نہرو اور کانگریس اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں اور وہ کیبنٹ مشن پلان کا مذاق اڑاتے ہیں اور قائداعظم کی آخری کوشش کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں۔ مسلمان کہاں جائیں؟ انگریز میں دم خم نہیں ہے اور اگر تھوڑا بہت تھا بھی تو وہ کانگریس کے آگے جھکنے کو ہر وقت تیار نظر آتا تھا۔ انہیں ان کی مصلحتیں اور مفاد پرستی جکڑے رکھتی تھیں۔ مسلمانوں کے لئے اب کوئی عدالت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ہندو اپنے تمام تیر تفنگ کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔ وہ اپنی وحشیانہ اکثریت سے مسلمانوں کو کچلنے کے لئے تیار تھا۔ اب مسلمان کے لئے صرف خدا ہی کی ذات رہ گئی تھی۔ دنیا میں تو انصاف کے سبھی راستے بند ہو گئے تھے۔ سامنے موت نظر آ رہی تھی۔ ویسے بھی مسلمان کا ہمیشہ سے ملجا و ماویٰ اللہ تعالیٰ کی کریمی اور شفقت رسول ؐ ہی رہی ہے۔ وہی اس کا محافظ

Marfat.com

ہے۔ وہی اس کا والی وارث ہے۔ وہی آخر وہی اول لہٰذا قائداعظم نے اسے پکارا کہ اب صرف تو ہی ہے۔ تیری ہی رحمت کے طلبگار ہیں۔ دنیا کی تمام عدالتیں جواب دے گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم یاد کرایا کہ مسلمان کے لئے جب دفاع کے تمام راستے بند ہو جائیں تو جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ زندگی رہے تو سعادت کی اور موت ہو تو شہادت کی اور پھر قائداعظم نے فرمایا کہ اب مسلمانوں کے پاس راست اقدام کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا۔ اسمبلیوں کے راستے بند کر دیئے گئے۔ مکالمہ اور گفت و شنید بالکل بے معنی ہو کر رہ گئے۔ ووٹ کے تقدس کو پامال کر دیا اور رائے عامہ کو ہر طرح سے مجروح کر دیا ہے۔

قائداعظم نے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کے لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو پرامن اور منظم احتجاج کے لئے آواز دی کہ شاید اب بھی ان عقل کے اندھوں کو ہوش آ جائے مگر کیا تھا کہ نہتے مسلمانوں پر مسلح اور ہتھیار بند ہندو غنڈے بھوکے کتوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور نہایت بے دردی کے ساتھ خون مسلم سے ہولی کھیلنا شروع کر دی۔ صرف کلکتہ شہر میں چار ہزار مسلمان تہ و تیغ کر دیئے وہاں کی پولیس اور فوج مل کر بھی اس درندگی کو نہ روک سکی۔ ناتواں مسلمانوں نے بھی جتنا کچھ ہو سکا مقابلہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق انہوں نے بھی ہندوؤں کو ٹھکانے لگانا شروع کر دیا نواکھلی میں بھی قتل و غارت شروع ہو گیا۔ یہاں پر مسلمان اکثریت میں تھے۔ ہندو دباؤ میں آ گئے۔ گاندھی جی کا دل کلکتہ کے قتل و غارت پر تو نہ رویا مگر نواکھلی کا سنتے ہی چل پڑے اور مرن برت کی دھمکی دے دی اس لئے کہ ہندوؤں کو بچانا مقصود تھا۔ گڑھ مکتسر بہار میں ہندوؤں نے آٹھ ہزار مسلمان ایک دن میں قتل کر دیئے مگر گاندھی جی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ہندوؤں نے ہر جگہ کئی سالوں اور عشروں سے مسلمانوں کو تہ و تیغ کرنے کی تیاری کر رکھی تھی اسلحہ کے انبار لگائے ہوئے تھے۔ ادھر بے چارے مسلمان کہ صرف اللہ سے لو لگائے بیٹھے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ڈنڈا لاٹھی ان کا ہتھیار تھا۔ ان کی سوچ غیر متشدد تھی۔ ان کا قائد قانون اور دستور کا پابند اور راست گوئی کا پیکر بے مثل تھا۔ آخری وقت تک انگریزوں اور ہندوؤں سے معقولیت اور انصاف کی امید رکھی۔ حالات و واقعات کی شہادت کے باوجود امید قائم تھی لیکن نہرو نے جب ساری حدیں ہی پار کر دیں اور بدترین بدعہدی کا ثبوت دیا تو احتجاج کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا لیکن ہندو نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ یہ وہ معمولی سا نمونہ تھا جس کی اصل عملداری انگریز کی رخصتی کے بعد ہونا تھی۔ یہ تو محض نمونہ تھا لیکن یہ ٹریلر بھی اتنا خوفناک تھا کہ سب ہی ڈر گئے۔ خاص طور پر انگریزوں کو ہندوستان کے

Marfat.com

اندر سول وار اور قوت حاکمہ کے خلا کا خوف خاص طور پر نظر آ گیا۔ مسلمانوں نے بھی اپنی عزت، جان اور مال کی حفاظت کے لئے تیاری شروع کر دی۔

Marfat.com

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مزید بریں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ انگریز حکمرانوں نے بھی بد عہدی کی بد ترین مثالیں قائم کر دی تھیں۔ ۱۹۴۶ء کے انتخاب کے بعد عارضی حکومت (Interim Govt) کی تشکیل کے حوالے سے جب پہلے ہی سے طے تھا کہ جو جماعت طے شدہ نکتوں سے انحراف کرے گی اور حکومت میں شامل ہونے سے انکاری ہوگی تو پھر دوسری پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دی جائے گی۔ بد عہدی دیکھا چاہیے کہ جب کانگریس نے بوجوہ انکار کر دیا تو وائسرائے نے مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت نہ دی۔ یہ وائسرائے کی طرف سے بد ترین خیانت اور بد عہدی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ کے پاس احتجاج کے علاوہ اور کون سا راستہ کھلا رہ جاتا تھا۔ لیکن انگریز کی اپنی مفاداتی ترجیحات تھیں۔ اس لئے تو وہ باغی قرار شدہ کانگریس کو واپس دستوری اور قانونی جدوجہد کے دائرہ میں لے آیا تھا مگر آخری انتخابات نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور اس نمائندگی کا کوئی دوسرا شخص یا جماعت دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ جو چند ایک افراد کانگریس کے ساتھ یا مسلم لیگ سے علیحدہ نظر آتے بھی تھے ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ تو صرف درشنی چہرے تھے جو کانگریس نے اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر اپنے ایوانوں میں یادگاری تصویروں کی طرح سجا رکھے تھے۔ حکومت کی تشکیل میں طے تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے وزراء کی تعداد برابر ہوگی پورے

Marfat.com

برصغیر کے مسلمانوں نے پچھلے انتخابات میں متفقہ فیصلہ دے دیا تھا کہ مسلم لیگ ہی ان کی نمائندہ ہوگی۔ اب کانگریس نے نہایت ہی غیر معقول رویہ اختیار کر لیا اور اصرار کیا کہ وہ اپنے حصہ میں سے مسلمان وزراء کو بھی نامزد کریں گے۔ قائداعظم اس بات کو کیسے مان سکتے تھے؟ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ مسلمانوں کی طرف سے جو اتنا بھرپور مینڈیٹ ملا تھا قائداعظم اس کی نفی کر دیتے۔ یہ کسی بھی مصلحت کے تحت قائداعظم ایسے اصول پسند اور دیانت دار لیڈر سے ممکن نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر عوامی رائے کے پاسدار تھے اور اس کا بے انتہا احترام کرتے تھے۔ وہ کسی بھی شکل میں مسلمانوں کے اعتماد کو مجروح نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے مسلم لیگ کے لئے بلا شرکت غیرے وزارت کا مطالبہ کر دیا۔ کانگریس وزارت میں مسلمانوں کی صرف نمائندگی پر تیار تھی لہٰذا ظاہر ہے کہ اس بات پر تنازعہ کھڑا ہونا ہی تھا اور کانگریس نے اس نکتہ پر حکومت میں شمولیت سے انکار کر دیا۔ اب اصول کی بات تھی اور طے شدہ تھی کہ مسلم لیگ کو حکومت کی تشکیل کے لئے کہا جاتا مگر وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایسا نہ کیا۔ اس کے بعد اور کونسا راستہ کھلا تھا جہاں پر دستوری اور قانونی طریقہ سے بات کی جاتی۔ اب صرف اور صرف احتجاج کا راستہ رہ گیا تھا کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی جا سکے وگرنہ مقتل تیار تھا۔ انگریز اور ہندو دونوں ہی نہایت ڈھٹائی کے ساتھ معروف جمہوری اصولوں سے انحراف کرنے پر تلے ہوئے تھے اور عوامی مینڈیٹ کو مسلنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ حیرانی کی بات ہے کہ ۱۹۴۶ء کے الیکشن کے نتائج کے واضح پیغام کے باوجود وہ اس طرح کی حرکت پر تلے ہوئے تھے۔ اس سے صاف نظر آ رہا تھا کہ انگریز کی جمہوری اور سیکولر بنیاد جو وہ عوامی رائے کے احترام کو قرار دیتے تھے صرف ڈھکوسلہ تھا۔ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی کا دعوی کسی حد تک ۱۹۲۹ء تک بھی کر سکتی تھی بلکہ ۱۹۳۷ء تک بھی ان کی بات میں وزن نظر آ رہا تھا۔ ہم اس وقت تک ان کو شک کا فائدہ ضرور دے سکتے ہیں لیکن ۱۹۴۶ء کے انتخابات نے تو پوری طرح کھل کر فیصلہ کر دیا تھا اس کے بعد اس بات پر اصرار کرنا نہ صرف زیادتی تھی بلکہ حماقت تھی۔ لیکن ان کے ارادے تو شروع دن ہی سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کے تھے۔

گاندھی جی جو عدم تشدد کے اتنے بڑے پرچارک تھے ان کے اپنے اندر کے چھپے ہوئے فاشسٹ کا اسی وقت اظہار ہو گیا تھا جب "انڈیا چھوڑو" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ مسلمانوں کی زیرک قیادت نے دیکھ لیا کہ ان کے ارادے وہی ہیں جو ہٹلر یہودیوں کو لاکھوں کی تعداد میں بھسم کر کے پورے ظاہر کر رہا ہے۔ لہٰذا نہرو اور کانگریس کی یہ اور اس طرح کی بہت سی بدترین بدعہدیوں کے بعد مسلمان

Marfat.com

امت کو بچانے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا اور وہ تھا کہ اب اپنی حفاظت کے لئے وہ خود اپنے پاوں پر کھڑے ہو جائیں لہٰذا راست اقدام کے لئے آواز دینا پڑی تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ مسلمان ایک گال پر تھپڑ کھاکر دوسرا گال آگے نہیں کرے گا۔ وہ اپنے حقوق کے لئے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق جہاد کے لئے بھی تیار ہے۔ ایثار اور قربانی سے کسی قسم کا گریز نہیں کرے گا۔ گاندھی نے جب دیکھا کہ اس طرح حالات بہت خراب ہو جائیں گے اور اس کا بچھایا ہوا جال تار تار ہو جائے گا تو اس نے پینترا بدلا اور کہا کہ قائد اعظم محمد علی جناح کو پورے ہندوستان کی حکومت دے دی جائے مگر قائد اعظم تو بہت بڑے اصول پسند انسان تھے۔ انہوں نے ایسی اخلاق سے عاری آفر کو نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ وہ تو صرف عوام کی خواہشات کی تکمیل چاہتے تھے اور وہ برصغیر کے مسلمانوں کی آرزوؤں کے نہایت ہی دیانتدار امین تھے اور وہ امانت تھی تشکیل و تخلیق پاکستان۔ انہیں کسی ذاتی فائدے یا اقتدار کی رغبت متاثر نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے مقابلے میں کانگریس اور اس کی قیادت نہایت ہی موقع پرست اور بد خصلت واقع ہوئی تھی۔ انہوں نے انگریزی حکومت سے گٹھ جوڑ کر کے حکومت میں شمولیت اختیار کر لی۔ بہت سے غیر نمائندہ مسلمان بھی اس کابینہ میں شامل کر لئے۔ اس طرح کی چالاکیوں سے مسئلہ کہاں حل ہو سکتا تھا بلکہ اس نے تو جلتی پر تیل کا کام کیا اور ہندوستان کا مسلمان سراپا احتجاج بن گیا۔ ہندوؤں نے حکومت میں شامل ہو کر انتظامی وسائل پر قبضہ جما لیا تھا اور ان وسائل کا بے دریغ استعمال شروع کر دیا۔ اس طرح ظلم کی بھٹی کی آگ اور بھی تیز ہونا شروع ہو گئی اس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کی بجائے اور بھی مضبوط ہوتے گئے اور انہوں نے اپنے حقوق کی آخری جنگ لڑنے کے لئے ہر طرح کی قربانیوں کا فیصلہ کر لیا۔

انگریزوں اور ہندوؤں کی حکومت نے جہاں ظلم اور تشدد کی انتہا کر دی وہاں فرزندان اسلام نے بھی جذب و مستی اور عشق رسولؐ میں ڈوب کر ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کر دیں۔ جیلیں بھر دیں لاٹھیاں اور کوڑے کھائے اپنی کھالیں اتروائیں سینوں پر کلمہ حق پڑھ کر گولیاں کھائیں جانیں جان آفرین کے حوالے کر دیں کہ دی ہوئی اسی کی تھیں۔ سر خضر حیات خان اور مظفر علی قزلباش ایسے غداران ملت کے اعصاب جواب دے گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ اٹھے کہ مسلمان جاگ اٹھا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے بعد حشر برپا ہو گا۔ وہ کیوں جان بوجھ کر مقتل کی راہ لیں کہ پھران کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ سبھی کواڑ بند ہو جائیں گے۔ ذبح بھی ہوں گے اور آواز بھی نہ نکلے گی۔ اب بقائے ذات کے لئے پاکستان لازم تھا ورنہ ہر طرف موت گھات لگائے بیٹھی تھی۔ یہ زندگی کی

Marfat.com

آخری جنگ تھی اور مسلمانان ہند نے خوب لڑی۔ قوت ایمان اور عشق رسول ؐ کے سہارے سب کچھ اپنے اوپر جھیل گئے۔ کسی سے ظلم روا نہ رکھا اور پھر انگریز اور ہندو کو بتا دیا کہ وہ اتنی آسانی سے جھکنے والے یا گرنے والے نہیں ہیں۔ فرزندان اسلام کے حوصلوں اور قربانیوں نے حکومت کو بے بس کر دیا۔ بالکل لاچار کر کے رکھ دیا اور ان کے تمام گندے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ہندوؤں کو بھی اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مسلمان اتنا آسان تر نوالہ بھی نہ ہے کہ نگلا جا سکے۔ خود فنا ہو گا تو سب کو بھی فنا کر جائے گا۔ فنائے کل کے منظر نے انہیں ہلا کے رکھ دیا۔ وہ تو اسی دنیا کے دلدادہ تھے اور اس میں کامیابی کے خواہاں تھے۔ مسلمان تو ابدی حقانیت کا پرستار ہے اس کا تو ایمان ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور اس کا ابدی ٹھکانہ کہیں اور ہے۔ اسے وہیں جانا ہے اور یہ دنیا تو خوشنودی حق کی تلاش کے لئے ہے۔ اس کا حکم ماننا ہے اور اسی میں اصلی کامیابی ہے۔ اس مقصد کے لئے اس کی جان و مال حاضر ہے۔ دنیاوی اشیاء کی تو کوئی حقیقت نہ ہے۔ یہ تو سب اسی کی طرف سے ہے اور اسی کا ہے۔ بندے کا کام صرف اور صرف اس کا حکم بجالانا ہے۔ لہٰذا وقت نے پکارا ہے۔ ملت کا تقاضا ہے' دین کا تقاضا ہے۔ مسلمان تو پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے والا نہیں وہ تو آئندہ کی زندگی کی طرف دیکھتا ہے۔ اسی جذبہ سے سرشار وارفتگی اور بے خودی کے عالم میں موت کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا ہتھیار اس کا ایمان ہے اور سب سے اعلیٰ حربہ یہ۔

بس پھر کیا تھا کہ حکومت اور ہندوؤں کے در و بام ہل کر رہ گئے۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلم لیگ کے بغیر کام نہیں بنتا۔ عوامی مینڈیٹ اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ انگریزوں کی خواہش تھی کہ اسے کسی نہ کسی طرح حکومت میں شامل کر لیا جائے۔ مسلم لیگ بھی سمجھتی تھی کہ حکومتی وسائل کو ملت کے مقاصد کے لئے ضرور بروئے کار لانا چاہئے اور حکومت میں داخل ہو کر اس طرح کا کام دکھایا جائے کہ ان عقل کے اندھوں کے دماغ میں آ سکے کہ اب یہ دو ۱۹۴۶ء اکٹھے نہیں چل سکتے۔ لہٰذا مسلم لیگ نے عارضی حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا اور چوہدری محمد علی مرحوم کے مشورہ پر لیاقت علی خان نے مالیات کا محکمہ لے لیا۔ کانگریس کو اصرار تھا کہ وہ داخلہ کا محکمہ اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے مشورہ دیا کہ کوئی بات نہیں جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں وہ فنانس میں بہتر طور پر ہو سکتا ہے۔ داخلہ کا مطلب تو ڈنڈے کی طاقت ہے۔ جبر کی خواہش کانگریس کی تھی جس کے ذریعہ وہ بے انصافی کرنا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو دبا کر رکھنا چاہتے تھے لیکن مسلم لیگ تو انصاف اور اصول کے مطابق ان بے انصافوں سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے اور اس کے لئے کوئی حکومتی حربہ یا اختیار استعمال نہیں

Marfat.com

کرنا چاہتی اور صرف عوامی مینڈیٹ کے سہارے معروف جمہوری اصولوں کی بنیاد پر علیحدہ وطن چاہتی ہے۔ اس کے لئے اگر کسی قوت کی ضرورت ہوئی تو وہ اس کے اور امت کے زور بازو پر تکیہ کرے گی۔ اسے کسی فوج یا پولیس کی ضرورت نہیں۔ اس کی قوت کا سرچشمہ اس کا ایمان ہے۔ مادی وسائل ثانوی ہیں اور حقانیت اور ایمان سے مالا مال مسلمانوں کے پاؤں کی ٹھوکر ہیں۔ مسلم لیگ کو بہت سے لوگوں نے مشورہ دیا تھا کہ وہ داخلہ کے محکمہ پر اصرار کریں لیکن جب کانگریس نے داخلہ اپنے پاس رکھنا پسند کیا تو اس کے لئے زیادہ زور نہ دیا گیا۔ بجٹ آنے والا تھا چوہدری محمد علی کو معلوم تھا کہ کانگریس کی امداد بڑے بڑے ہندو کاروباری لوگ کرتے ہیں لہٰذا انہوں نے دل ہی میں فیصلہ کر لیا کہ لیاقت علی خان کے ذریعہ ایسا بجٹ پیش کریں گے جس سے ٹیکسوں کا زیادہ بوجھ کانگریسی سیٹھوں پر پڑے اور پھر وہ سب ہی بلبلا اٹھیں گے اور چاہیں گے کہ کانگریس اور مسلم لیگ شراکت زیادہ دیر نہ چلے۔ اس وقت تک مسلم لیگ نے یہ پکا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب کسی بھی شکل میں ساتھ نہیں رہنا اور سیاسی و ملی خودکشی نہیں کرنی۔ پچھلے ۲۰ سالوں میں بہت رعائت دے دی تھی۔ اب مزید دھوکہ کھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مومن ایک ہی سوراخ سے بار بار نہیں ڈسا جاتا اور حکمت و فراست مومن کی بہترین دولت ہے۔ متحدہ ہندوستان' سیکولرازم اور جمہوریت کے پر فریب نعروں میں مزید پھنسنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا فنانس کا ہی محکمہ ان اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے زیادہ بہتر انداز میں بروئے کار لایا جا سکتا تھا۔ محکمہ فنانس کا دخل تمام دوسرے حکومتی امور پر غالب رہتا ہے یہاں تک کہ یہی محکمہ باقی سب محکموں کو اپنی گرفت میں رکھ سکتا ہے۔ پھر ایسا ہی ہوا لیاقت علی خان نے فنانس منسٹر کی حیثیت سے ساری کانگریس اور ان کے وزیروں کو ناکوں چنے چبوا دیئے اور انہیں اتنا عاجز کر دیا کہ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ اس سے بہتر ہے کہ یہ مسلمان آرام سے علیحدہ ہو جائیں تاکہ وہ لوگ مکمل اختیارات کے ساتھ اقتدار کے مزے لے سکیں اور اپنا پروگرام نافذ کر سکیں۔ مسلم لیگ کا تو مقصد ہی یہی تھا اور اپنے مقاصد میں قدم بہ قدم کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہندو کی لگاتار زیادتیوں اور سختیوں نے تمام مسلمانوں کی آنکھیں کھول دی تھیں اور ان زیادتیوں کے ردعمل کے طور پر احتجاج نے جہاں مسلمانوں کو نیا حوصلہ اور اعتماد دے دیا تھا وہاں پر حریفوں کے چھکے چھڑا دیئے تھے اور پھر عارضی حکومت میں شمولیت کے بعد کانگریس کی مشینری کو جکڑ کر رکھ دیا تھا اور ان کے تمام خواب ہی چکنا چور کر دیئے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان اعلیٰ مقاصد کے لئے تیار کردہ منفی بجٹ کی ریت پاکستان بننے کے بعد بھی

Marfat.com

جاری رہی اور اس نے بہت نقصان پہنچایا لیکن اس موضوع پر ذرا بعد میں بات کروں گا اس وقت کے حالات میں یہ حربہ بہت ہی کارگر رہا۔

مسلمانوں کی سٹریٹ پاور کے اظہار اور حکومت کے اندر کی حکمت عملی نے انگریز کے بھی چھکے چھڑا دیئے۔ انہیں اپنی فوجی اور معاشی ضعف کا اچھی طرح احساس تھا اور انہیں ہر وقت دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ کہیں سول وار کی صورت بن گئی تو انہیں عزت بچانا مشکل ہو جائیگی۔ اور پھر ہندوستان سے نہایت ذلیل ہو کر نکلنا پڑے گا اور اس کا منفی اثر باقی ماندہ کالونیز پر بھی پڑے گا۔ روس بھی فائدہ اٹھالے گا لہٰذا وہ کسی نہ کسی طرح عزت بچاکر ہندوستان سے گلو خلاصی حاصل کر کے کھسک جانا چاہتا تھا۔ وہ اپنی عزت اور وقار کو بچانے کے لئے بہانے تلاش کر رہا تھا۔ جس وقت کانگریس اور مسلم لیگ اپنے اپنے مقاصد کے لئے بر سرِ پیکار تھے تو انگریز بھی نہایت رازداری کے ساتھ اپنی مقصد براری کے لئے منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ہندوستان کو اکٹھا رکھنے کی اس کی خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ تمام ہی فارمولے ناکام ہو گئے تھے۔ ہندو مسلم اب اکٹھے رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ کشت و خون کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ تقسیم کا قابل عمل فارمولا موجود تھا لیکن کانگریس اور اس کی قیادت ماننے کو تیار نہ تھی۔ انگریز کا اتنی دیر کا کمایا ہوا وقار سخت خطرے میں تھا۔ یہ سب کچھ سوچ کر وہ حیران و پریشان ہو جاتے تھے۔

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے انگریزوں کی جان چھڑانے کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کیا جس سے ان کی تو جان چھوٹ جاتی مگر ہندوستان ضرور ریزہ ریزہ ہو جاتا اور ہندوستان ایک دفعہ پھر اسی حالت میں واپس آ جاتا جس حالت میں انگریز نے اس پر قبضہ حاصل کیا تھا۔ لارڈ ویول کو بھی اس پہلو کا اچھی طرح احساس تھا کیونکہ اس نے اس کا نام ہی "بیڑا غرق" (Operation scuttle) رکھا تھا۔ یہ وہ آخری آپریشن ہوتا ہے جو بحری جہاز کے ڈوبتے وقت اسے جلدی سے ڈبو دینے کے لئے تیار کیا جاتا ہے تاکہ اذیت کی آخری گھڑیاں کم سے کم ہو جائیں۔ لہٰذا لارڈ ویول نے ہندوستان کے ڈوبتے جہاز کے لئے کانگریس یا مسلم لیگ کے علم کے بغیر ایک ایسا ہی پلان تیار کیا جس کی رو سے انگریز ہندوستان کے صوبوں کو باری باری آزاد کر کے وہاں جس سیاسی جماعت کی حکومت تھی اسے ہی حکومت حوالے کر کے اپنی افواج کو نکالتا جاتا اور اس طرح اپنی فوجوں اور انگریز آبادی کو سلسلہ وار نہایت حفاظت سے نکال لینے میں کامیاب ہو جاتا۔ اس طرح انگریز کا ایک محدود سے نقطہ نگاہ سے کام بن جاتا لیکن ہندوستان ضرور بکھر کر رہ جاتا۔ صوبے بھی آزاد ہو جاتے تو وہ کونسی قوت تھی جو ان سب کو ایک دوسرے کے

Marfat.com

خلاف لڑنے سے روک سکتی۔ بس ہندوستان لازماً تباہ ہو جاتا اور نہ ختم ہونے والی سول وار شروع ہو جاتی۔ اس شکل میں کوئی بھی بچ نہ پاتا انگریزوں کو بھی کچھ نہ ملتا۔ یہ ان کی کوتاہ اندیشی تھی کہ ان کا وقار بچ جاتا۔ اس طرح تو ان کا وقار بالکل ملیامیٹ ہی ہو جاتا لیکن لارڈ ویول جو کمانڈر ان چیف بھی رہا تھا دوسری جنگ عظیم میں افریقی محاذ کی بھی کمانڈ کی تھی ایک نارمل کند ذہن فوجی جرنیل کی سوچ سے آگے نہ بڑھ سکا اور اسی طرح کی سکیم تیار کی جیسے ایک شکست کھانے والا جرنیل بڑھتی ہوئی ناکامی کو دیکھ کر اپنی فوجوں کو نکالنے کا پلان تیار کرتا ہے۔

یہ رہی بصیرت انگریز کی۔ خدا کے بندے کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ قائداعظم کا تقسیم ہند کا مطالبہ اس سے بدرجہا بہتر تھا اور وہی اس مسئلہ کا درست حل تھا جس میں کسی فریق کے ساتھ بے انصافی کا قطعاً کوئی احتمال نہیں تھا۔ ہندو مسلم اور انگریز سبھی کی اس میں بھلائی تھی۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کی بلند اور عظیم سوچوں کا نتیجہ تھا اور وہ بھی آدھی صدی کی گہری سوچ بچار اور محنت کے نتیجہ میں۔ ان کی سوچ ٹھوس حقیقت پر مبنی تھی۔ اقبال نے بھی ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا کے محبت بھرے نغمے الاپے تھے۔ محمد علی جناح نے بھی اتحاد کے عظیم سفیر کے طور پر اپنا سیاسی سفر شروع کیا تھا لیکن ہندو ہٹ دھرمی اور تنگ نظری نے سب کچھ ہی بگاڑ دیا تھا۔ علیحدگی مسلمانوں کے لئے مجبوری بنا دی گئی تھی۔ ہندو تو اس کی ہستی ہی کے خلاف تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اقبال اور قائداعظم نے ایک نہایت ہی منصفانہ اور قابل عمل فارمولا دیا کہ کسی فریق سے بے انصافی بھی نہ ہو اور سب کے لئے ایک عمدہ حل بھی نکل آئے۔ مگر انگریز اور ہندو اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی کسی قابل عمل حل پر پہنچنے سے قاصر رہے کیونکہ ان کے دل میں کھوٹ تھا' بے ایمانی تھی۔ اقبال' قائداعظم اور مسلم لیگ کے علاوہ دوسرے سب ایک دوسرے کو دھوکہ دینے پر تلے ہوئے تھے۔ یہی ان کی سیاست تھی اور یہی ان کی پہچان۔ ہیرا پھیری کے علاوہ وہ کسی چیز کو مفید نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے تو کانگریس اور انگریز کی سوچ ہندوستان کی مکمل تباہی کا بندوبست کر رہی تھی۔ کوئی سول وار کی تیاری کر رہا تھا تو دوسرا دم دبا کر بھاگ جانے کی۔ سب بھسم کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ قابل عمل حل اہل دل نے بہت دیر پہلے دے دیا تھا جس میں سب کی خیریت تھی لیکن بے ایمان دل تھا کہ سو حیلے بہانے بناتا تھا۔ لارڈ ویول نے یہ تباہ کن اور نہایت ہی احمقانہ لائحہ عمل نہایت رازداری کے ساتھ سرکاری طور پر برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ ایٹلی کو بھجوایا۔ یہ انگریز کی خود غرضی اور موقع پرستی کا ذلیل ترین شاہکار ہی کہا جاسکتا ہے حالانکہ قائداعظم کا تقسیم ہند کا فارمولا بدرجہا بہتر اور قابل عمل تھا۔

Marfat.com

نگہ بلند سخن دل نواز' جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

اس پورے پاگل خانے میں ایک ہی ہوش مند آواز تھی اور وہ تھی قائداعظم محمد علی جناح کی جو ہر کسی کے حق کو حق مانتے ہوئے اس کا منصفانہ حل پیش کر رہے تھے۔ لیکن پاگل خانے میں عقل و دانش کا کیا دخل۔ برطانوی حکومت بھی بہت پریشان اور بے تاب ہو رہی تھی۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ لارڈ ویول سست روی سے کام لے رہا ہے اور مسئلہ کا کوئی شافی حل پیش نہیں کر سکا ہے۔ اگر کر رہا ہے تو وہ بہت ہی پر خطر ہے۔ دوسری طرف کانگریس چاہتی تھی کہ لارڈ ویول مسلم لیگ کی بات بالکل نہ سنے اور فوری طور پر اقتدار ان کے حوالے کر دے۔ اس کے بعد وہ خود ہی مسلمانوں اور قائداعظم سے نپٹ لیں گے۔ وہی پرانی فسطائی سوچ۔ اگر کانگریس کو ویول کی غرقابی اپریشن والی بات کا علم ہو جاتا تو معلوم نہیں اس کے خلاف کس طرح کے غم و غصہ کا اظہار کرتے۔ اس کے بغیر ہی وہ اس سے بے انتہا شاکی ہو گئے تھے اور لندن میں اپنے رابطوں اور لابیوں کے ذریعے اپنی من پسند کا گورنر جنرل حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جو ہندوستان میں اقتدار فوراً ان کے حوالے کر دے اور مسلم لیگ کو ہوش لینے کا موقع ہی نہ دے۔

کانگریس اس سازش میں کامیاب ہو گئی اور ۱۹۴۷ء کے آغاز تک انہیں اپنی پسند کا آدمی مل گیا۔ نہرو کے ذاتی دوست کی بیوی سے رنڈوے نہرو کا گہرا جذباتی لگاؤ کانگریسی خیالات کی ہم آہنگی

Marfat.com

والا ہندوستان کی ایکتا کا شدید جذباتی حمایتی، نہایت ہی ذہین و فطین، شجیع و وجیہ، سحر انگیز سوچ کا مالک، جادوگروں کی مجلس کا سرپرست، برما محاذ کا فاتح، جنگی ہیرو اور برطانوی شاہی خاندان کا چشم و چراغ تاکہ سب اس رعب و دبدبہ اور سامری فنکاریوں کے اسیر ہو جائیں۔ یہ تھے لارڈ مونٹ بیٹن جن کے نام ہندوستان کے آخری گورنر جنرل اور وائسرائے بننے کے لیے نہایت سوچ سمجھ کر قرعہ فال نکلا تاکہ وہ اپنی جادوگری سے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ ہندوستان کو اس طرح آزاد کرنے کا فریضہ ادا کرے کہ ہندوستان کی اکثریت (کانگریس) بھی خوش رہے، ہندوستان ایک ملک رہ سکے اور مستقبل میں برطانیہ کا دوست بھی بن کر رہے۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی مصیبت سے بھی موثر انداز میں نپٹ سکے اور ان مقاصد کے لیے پچھلے تمام وائسراؤں کی بہ نسبت اسے ہر طرح کے مکمل اختیارات دینے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ جو چاہے فیصلہ کر سکے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نہایت ہی زیرک انسان تھا۔ ہندوستان کے معاملات اور سیاست سے بخوبی واقف تھا ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ تو دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں اور حالات نے پہلے بھی کروا دیا تھا انگریز کا کوئی احسان نہیں تھا۔ اب تو معاملہ جتنا کچھ بچ سکے اس کا تھا اور ہندوستان کی اکثریت والی کانگریس کی خوشنودی حاصل کرنا تھی۔ بات مسلم لیگ اور مسلم اقلیت کو بلڈوز کرنے کی تھی اور اس کے لیے ایسے تیز متحیر کر دینے والے فیصلوں کی ضرورت تھی کہ مسلمان ہوش ہی نہ سنبھال سکیں۔ معاملات پیچیدہ اور گھمبیر تھے ان کے مناسب حل کے لیے بہت وقت درکار تھا لیکن مونٹ بیٹن نے تو فیصلہ کر لیا تھا کہ اس نے کانگریس اور اپنی قوم کے مقاصد کی آبیاری کرنی ہے اور اس نے ان مکروہ عزائم کی تکمیل کے لیے بہترین طریقہ یہ نکالا کہ مسلم لیگ کو کم سے کم وقت دیا جائے تاکہ وہ ایسے دباؤ میں آئے کہ جو بھی وہ فیصلہ کرے وہ اسے ماننا ہی پڑے اور اسے خوفزدہ کیا جا سکے کہ فلاں تاریخ تک چونکہ انگریز نے بہر حال چلا ہی جانا ہے اس لیے حریفوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی راستہ مصالحت اور افہام و تفہیم کا نکالنا چاہیے۔ لہٰذا لارڈ مونٹ بیٹن نے مسلم لیگ اور اس کی قیادت کے خلاف وقت کے ہتھوڑے والے حربہ کا بے دریغ استعمال کیا اور مسلمانوں کو ایک ناقابل تلافی نقصان پہنچایا گیا۔

مونٹ بیٹن نے برطانوی وزیر اعظم کو مشورہ دیا کہ وہ پارلیمنٹ میں انگریزی حکومت کی طرف سے ہندوستان چھوڑ دینے کی آخری تاریخ کا باقاعدہ اعلان کر دیں تاکہ ہندوستانی قیادت کو مکمل یقین آجائے کہ انگریزوں کے ارادے کیا ہیں۔ اس کے بعد وہ وائسرائے کا عہدہ سنبھالنے کا سوچے گا۔ لہٰذا اٹیلی اس کی باتوں میں آگیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ انگریز ہر صورت میں ۳۰ جون ۱۹۴۸ء

Marfat.com

تک ہندوستان چھوڑ دیں گے۔ اس اعلان کے بعد آزادی کے لئے طریقہ کار متعین کرنے کی بنیادی ذمہ داری ہندوستانی قیادت پر آگئی۔ یہ سارا کام تو کانگریس ہی کی ملی بھگت سے ہوا تھا اور ان کے حق میں جاتا تھا۔ وہ تو معاملات کے حل میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کا تو سادہ سا مطالبہ تھا کہ انگریز چلا جائے اور اس کا اعلان انہوں نے انگریز سے کروا لیا۔ ۳۰ جون ۱۹۴۸ء کے بعد وہ جانیں اور نہتے مسلمان۔ انگریز کے ذہن میں روس کا خوف طاری تھا کہ اگر ہندوستان میں سول وار شروع ہو گئی تو پھر کھیل ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا اور تمام تر فائدہ روس کو پہنچے گا اور انگریز کسی صورت میں یہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اس جہت سے وہ بالکل پہلوتہی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ "وقت کے ہتھوڑے" سے مسلم لیگ کو دبانا مقصود ضرور تھا لیکن معاملات کو اس طرح طے کرنا بھی ضروری تھا کہ سول وار کی نوبت نہ آئے۔ برطانوی حزب اختلاف کے اس وقت کے قائد ونسٹن چرچل نے مونٹ بیٹن کو اس کا واضح اشارہ بھی دے دیا تھا۔ چرچل نے مونٹ بیٹن کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ غیر ضروری عجلت تو مسلمانوں کے خلاف جائے گی جن کی بہادر فوجوں نے جنگ عظیم میں برطانیہ کے لیے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں اور انگریزوں کو ان خدمات کو یکسر فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اگر مسلمانوں کے خلاف سراسر بے انصافی اور زیادتی ہوئی تو وہ آخری حد تک جائیں گے اور لڑ مرجائیں گے اور مسلمانوں کے تربیت یافتہ فوجی لازماً اس جدوجہد میں شامل ہو جائیں گے۔ چرچل کے ساتھ اس ملاقات نے مونٹ بیٹن کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آخر کار وہ ایک محدود نگاہ فوجی ہی تو تھا۔ ذہین و فطین ضرور تھا لیکن دانشمند نہیں تھا کہ چرچل ایسے تاریخ دان اور مفکر کی نگاہ رکھتا۔ اس کی سوچ فوجی Tactics اور فریب کاری کے دائرہ سے باہر نہیں دیکھ سکتی تھی۔ چرچل کی وجہ سے محتاط بھی ہو گیا کہ کہیں وہ ان کی مکروہ حکمت عملی کا بھانڈہ ہی نہ پھوڑ دے۔

لہٰذا مزید سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں ہے اور فیصلہ کیا کہ وقت کے ہتھوڑے کے ساتھ ساتھ دل جیت کا حربہ Operation Seduction بروئے کار لائے گا۔ فریقین کی قیادت کو اپنی شخصیت اور گفتگو سے سحرزدہ کرنے کی حکمت عملی اپنائے گا تاکہ کوئی ایسا معاملہ نہ ہو سکے کہ نوبت سول وار تک پہنچے۔ اس طرح برق رفتار عجلت کے ملے جلے خیالات اور تصورات سے مسلح ہو کر لارڈ مونٹ بیٹن ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے دلی پہنچا۔ حسب روایت لارڈ ویول پہلے ہی رخصت ہو چکا تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس کی پرشکوہ عمارت کے دربار ہال میں حلف برداری کے بعد

Marfat.com

خلاف روایت نئے وائسرائے نے نہایت ہی پرکشش اور پر تاثیر تقریر کر ڈالی اور ہندوستان کی آزادی کے اعلی وارفع مقاصد کا اظہار کیا کہ وہ اپنے اسلاف کے تمام قدیمی عہد و پیمان اور ایفائے عہد کا عزم اور مینڈیٹ لے کر آیا ہے۔ ہماری ذمہ داریوں کے اختتام کا وقت آ گیا ہے ہمارے ذمہ جو کام تھا وہ اب مکمل ہو چکا ہے جمہوری نظام کی آبیاری اور تربیت ہو چکی۔ علوم جدید کی روشنی ہندوستان کو منور کر رہی ہے۔ عدل و امن کا اعلی معیار قائم ہو چکا۔ آزادی کا عظیم لمحہ نزدیک ہے اور ہر جماعت سے تعاون کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ میری اور ہمارے اس قدیمی عہد و پیمان کی ادائیگی اور واگزاری میں مدد کرے۔ یہ تقریر اس نے نہایت سوچ سمجھ کر کی تھی اور ہندوستانی قیادت پر اس کا اچھا تاثر بھی قائم ہوا اور یہی وہ چاہتا تھا۔ کچھ قدامت پسند انگریز اس روایت شکنی پر پریشان بھی ہوئے۔ راجوں مہاراجوں کو یہ بات کوئی خاص پسند نہ آئی۔ لیکن مونٹ بیٹن نے اپنا واضح پیغام دے دیا تھا کہ وہ اپنا کام نہایت سرعت اور بے خوفی کے ساتھ کرتے ہوئے انگریزی راج کا بوریا بستر لپیٹ لے گا۔

اس کام کے لیے وہ لارڈ اسمے کی سربراہی میں ایک بہت بڑا سٹاف اپنے ساتھ لایا تھا تاکہ اصولی فیصلوں کے بعد تفصیلی امور پر عمل درآمد فوراً ہو سکے اور سب لوگ مصروف کار کیے جائیں کہ ان کے ہوش اڑ جائیں۔ اس نے آتے ہی سیاسی قائدین کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی ملاقاتیں شروع کر دیں تاکہ تمام لوگوں اور جماعتوں کے نقطہ نگاہ سے اچھی طرح واقف ہو سکے۔ قدرتی طور پر اس کی سب سے اچھی اور خوشگوار ملاقات جواہر لعل نہرو سے رہی اور سب سے بے مزہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ۔ نہرو اور مونٹ بیٹن کا نقطہ نگاہ ایک تھا دونوں ہندوستان کی وحدت کے حق میں اور تقسیم کے خلاف تھے۔ دونوں معاملہ کو ایک سطحی اور رومانوی انداز میں دیکھنا پسند کرتے تھے اور اس کی گہری تلخیوں اور تفصیلات سے گریز کرتے تھے۔ سیکولرازم اور جمہوریت پر نظریاتی گفتگو آپس میں ہم آہنگ اور خوشگوار لگتی تھی۔ اس کے مقابلہ میں قائداعظم محمد علی جناح نہایت ہی راست گو اور حقیقت پسندانہ گفتگو کے عادی تھے۔ غیر ضروری لچھے دار لفاظی سے گریز کرتے۔ ایک ایک لفظ اور فقرہ سوچ سمجھ کر اور بامقصد بولتے تھے۔ معاملات کو نہایت گہرائی اور اس کی اصل ماہیت میں دیکھتے۔ غیر ضروری جوش و خروش کا قطعاً اظہار نہ کرتے۔ دھیمے اور ٹھنڈے انداز میں اپنا نقطہ نگاہ پیش کرتے اور ذرہ برابر غیر مبہم اور غیر سنجیدہ بات نہ کرتے۔ اس انداز کو لارڈ مونٹ بیٹن نے گرمجوشی سے خالی محسوس کیا اور اس کے دل موہنے کا لائحہ عمل دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس نے دیکھ لیا کہ یہ

Marfat.com

محض باتوں میں آنے کا نہیں ہے۔ وہ کیسے آ سکتا تھا؟ اس کی قوم کے ساتھ لگاتار دھوکے ہوتے آ رہے تھے۔ وہ مونٹ بیٹن کے ارادوں اور مشن سے بھی خوب واقف تھا۔ محمد علی جناح نے ہندوستان کی ایکتا کے لیے لاکھ جتن کئے تھے یہ تو ہندو ہی تھے جنہوں نے اب کوئی گنجائش ہی نہ رہنے دی تھی اور پھر قوم کا واضح فیصلہ تھا جو انہوں نے ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں واضح طور پر تخلیق پاکستان کے لیے دے رکھا تھا۔ محمد علی جناح تو اس مینڈیٹ کا امین تھا۔ چکنی چپڑی باتوں کا اس پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ زمینی حقائق سے وہ اچھی طرح واقف تھا لہٰذا مونٹ بیٹن اور محمد علی جناح کی پہلی ہی ملاقات کوئی اتنی خوشگوار نہ رہی۔ گاندھی اور مونٹ بیٹن ایسے دن ملے جب گاندھی جی نے چپ رہنے کا برت رکھا ہوا تھا۔ کاغذ کے پرزوں پر لکھ کر گفتگو یا تبادلہ خیال ہوا۔ مجرد فلسفیانہ انداز میں مختصر اقوال کا تبادلہ ہوا اور ملاقات سے گاندھی کا تاثر گرو کا ابھرا اور مونٹ بیٹن کا چیلے کا۔

اسی طرح مکالے اور ملاقاتیں جاری رہیں۔ والیان ریاست بھی ملتے رہے۔ ان کا اپنا نقطہ نگاہ تھا۔ وہ انگریز سے ہر لحاظ سے خوش تھے لیکن انگریز اب ہندوستان میں ٹھہر ہی نہیں سکتا تھا اور مونٹ بیٹن نے ان پر یہ آہستہ آہستہ واضح کرنا شروع کر دیا۔ ان سب ملاقاتوں سے ایک ہی نتیجہ اخذ ہوتا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا بعد مشرقین کبھی دور ہونے والا نہیں ہے۔ مونٹ بیٹن نے کیبنٹ مشن پلان ہی کو اپنا نقطہ آغاز بنایا کیوں کہ اس پلان کے خدوخال پر دونوں جماعتوں کا اتفاق تھا۔ لیکن تشریح دونوں کی اپنی اپنی تھی۔ مسلم لیگ ہندوستان کے شمال مشرقی اور مغربی مسلمان اکثریتی خطوں پر مشتمل علیحدہ آزاد خود مختار پاکستان چاہتی تھی تو کانگریس متحدہ ہندوستان اور وہ بھی جس میں مرکز مضبوط ہو۔ اے۔ بی۔ سی گروپس کو وہ لغو اور بے معنی قرار دیتے تھے۔ بس چاہتے تھے کہ انگریز نہایت عجلت کے ساتھ چلا جائے پھر خود ہی مسلمانوں سے نپٹ لیں گے۔ مونٹ بیٹن بھی اسی لئے تیز رفتاری کے ساتھ وقت کا گرج مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے پر تلا ہوا تھا۔

لیکن زمینی حقائق کچھ اور ہی تھے۔ آگ اور خون کا کھیل ہر جگہ جاری تھا اور سارے ہندوستان میں گلی گلی کوچے کوچے ہندو نفرت اپنا رنگ دکھا رہی تھی۔ مسلمان بھی اب مدافعت میں پیچھے نہیں رہ گئے تھے۔ جب انہیں کلکتہ اور گڑھ مکتسر میں مسلمانوں کے قتل عام کا پتہ چلا تو ان کا صبر جواب دے گیا اور اپنے قائدین کے بارہا منع کرنے کے باوجود وہ بھی آتش انتقام سے کھولنے لگے اور کئی جگہوں پر سکھوں اور ہندوؤں کے سر پھوڑ دیئے۔ ٹیکسلا اور کہوٹہ کے بپھرے ہوئے مسلمانوں نے سکھوں اور ہندوؤں کے گھروں کو آگ لگا دی اور کئی جگہ پر قتل بھی کر دیئے گئے۔ مونٹ بیٹن ہر

Marfat.com

جگہ نہایت ہمت اور تیز رفتاری سے پہنچ جاتا اور فساد کو روکنے کی کوشش کرتا لیکن نفرت کے الاؤ ہر جگہ بھڑک رہے تھے۔ اس نے بھانپ لیا کہ اگر مزید جلدی سے کام نہ لیا تو معاملات بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔

اب اس نے ملاقاتوں میں ایک اور ہی طریقہ نکالا۔ اختلافی امور کی بجائے اب اس کا موضوع گفتگو وہ نکتے تھے جن پر ہردو جماعتوں کا اتفاق تھا۔ اس طرح اتفاق تو بہت سے نکات پر تھا۔ اختلاف تو صرف جغرافیائی تقسیم پر تھا۔ باقی اختلافی نکات تو اسی میں سے پیدا ہوئے تھے۔ مسلمان اپنے لئے علیحدہ جغرافیائی وطن لینا چاہتے تھے۔ جہاں پر وہ خود اختیار اعلیٰ بغیر کسی کے دخل کے استعمال کر سکیں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم تھے۔ ہندو ایک علیحدہ قوم تھے۔ مسلمان مسلم قومیت کی بنا پر علیحدہ، مکمل طور پر خود مختار وطن کے طلبگار تھے۔ بنیادی نکتہ بالکل واضح تھا اور اس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مونٹ بیٹن کے اس نئے دلربائی اور فریب کے طریقہ کار سے بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کو طرح طرح کے خدشات کا شکار کیا گیا۔ انہیں آئندہ کے خطرات سے ڈرایا گیا۔ انہیں کہا گیا کہ اس طرح کا پاکستان معاشی طور پر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ ایسا پاکستان موزوں نہ ہے۔ تقسیم ہند عملی طور پر ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کی نہریں اور ریلوے تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اس کی فوج انتظامیہ اور پولیس تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اس طرح کے اور بہت سے مادی اور معاشی بکھیڑوں سے قائداعظم کو گھبراہٹ کا شکار کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر قائداعظم نے سب کچھ پچھلے دو عشروں میں واضح طور پر دیکھ لیا تھا اور انہیں ہندوؤں کے ارادوں کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ تمام دلائل بوگس اور فرسودہ ہیں۔ معاشی معاملات کی حیثیت ثانوی ہے۔ یہ تو تبھی متعلقہ ہوں گے اگر مسلمان زندہ رہیں۔ اگر مسلمان ہی مارے جائیں تو کونسی معاش اور کون سے مسائل۔ پاکستان کی تخلیق ہی میں حیات مسلم تھی اور اسی میں معاش۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے رازق ہے اور اسی کی طرف سے رزق آتا ہے۔ مسلمان کا کام ہے اس پر پختہ ایمان لانا اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کے بتائے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنا جس کے بعد ہر چیز ہی ثانوی ہوتی ہیں۔ معاش تو کیا کائنات مسخر ہو جاتی ہے۔ ہندوستان خود قوت ایمانی سے مسخر ہوا تھا۔ قوت بازو سے نہیں۔ اسلام کسی جبر کے سہارے نہیں پھیلا تھا۔ وہ تو بزرگان دین کے نیک اعمال کی ضوفشانی تھی کہ کبھی پروانہ وار کھنچے چلے آئے تھے۔ قائداعظم کو تاریخ اسلام کا گہرا شعور اور ادراک تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ پاکستان صرف ایک جغرافیائی حقیقت ہی نہیں ہوگی یہ ایک

Marfat.com

نظریاتی انقلاب ہو گا۔ ہندوستان کا مسلمان صرف آزاد ہی نہیں ہو گا بلکہ اپنے کھوئے ہوئے انقلاب کو واپس لا رہا ہو گا۔ یہ خطہ نہ صرف انگریز اور ہندو کی غلامی سے آزاد ہو گا بلکہ ملوکیت اور پیشوائیت کے تمام جمود توڑ کر اپنی پوری روحانی اور دینی نکھار اور رعنائی کے ساتھ ایک انسانی انقلاب اور ترقی کی نوید ہو گا۔ پھر اسے کون ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے سے روک سکے گا۔ یہ اسلامی جذبے کی تازہ توانائیاں لے کر آئے گا۔ محبت اور اخوت کی آبشاریں اس کا استقبال کریں گی۔ اور پھر جن خطوں کا مطالبہ ہو رہا تھا ان کے قدرتی خزینے بحر و دریا اور زرخیز اراضی کو دیکھتے ہوئے اغیار کی دلیلیں بے وزن تھیں۔ قائداعظم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ قومیں جذبوں سے تشکیل پاتی ہیں معاش سے نہیں۔ حقانیت سچ کی ہوتی ہے طاقت کی نہیں۔ حق غالب رہتا ہے۔ معاش اس کی غلام ٹھہرتی ہے۔ فرعون غرق ہو جاتا ہے۔ نمرود فنا ہو جاتا ہے ابراہیم اور موسیٰ کا پیغام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ ان کی امتیں زمین کی وارث ٹھہرتی ہیں۔ فرعون، نمرود، شداد اپنی طاقتوں اور سلطنتوں کے باوجود تباہ ہو کر قصہ پارینہ بن جاتے ہیں۔ ان کا کبھی کوئی نام لیوا نہیں رہتا۔ عشق صاحب لولاک سے سرشار محمد علی جناح پر ماونٹ بیٹن کی اس طرح کی بوگس دلیلوں کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے نقطہ نگاہ پر ڈٹے رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ قوم ان کے ساتھ ہے۔ اب قوم بیدار ہو چکی ہے اب اس کا کوئی راستہ نہیں روک سکتا۔ بیداری کسی معاشی اور مالی عمل سے معرض وجود میں نہیں آئی تھی یہ تو سرسید احمد خان، حالی اور اقبال ایسے مفکروں اور شاعروں کی عظمت تھی کہ انہوں نے مایوسی میں غرق مسلمانان ہند کو انہیں ان کا قوت ایمانی کا نسخہ کیمیا یاد کروایا جس کے بل بوتے پر اب وہ اتنی قوت بن چکے تھے کہ انگریز اور ہندو مل کر بھی ان کے سامنے ہیچ تھے۔ وہ حرارت ایمانی کی بدولت خودی سے سرشار ایک بہت بڑی پروقار عظیم قوت بن گئے تھے۔ ملوکیت اور ملائیت کے جادوئی شکنجہ سے نکل کر پر عزم روحانی شعلہ بن چکے تھے۔ کرگس کی طرح وہ اپنی جائیداد کی لاشوں کے متلاشی نہیں رہے تھے۔ وہ ان سب کی قربانی کے لئے تیار تھے وہ سب شاہین بن چکے تھے کہ ان کی ہمت سے جہان نو پیدا ہونا تھا پھر مونٹ بیٹن کی معاشی نقطہ نگاہ ایسی نہایت ہی بھونڈی دلیلیں کہاں پنپتیں اور وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔

پاکستان بن جانے کے بعد بھی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی تشکیل تو معاشی وجوہ کی بنا پر ہوئی تھی وہ بہت بڑی بھول کا شکار ہیں۔ اگر معاشی وجوہ مدنظر رکھی جائیں تو پاکستان کبھی بھی نہ بنتا بلکہ ہندوستان کو متحد رکھنے کی بات ہوتی۔ معاش کی دلیل تو وحدت کے حق میں اور تقسیم کے خلاف دی جاتی رہی۔ پاکستان تو حیات مسلم کی پناہ گاہ کے طور پر بنا تھا وگرنہ سب کچھ فنا ہو جاتا۔ سپین میں ایسا

Marfat.com

ہو چکا تھا۔ پاکستان تو مسلمان کے وقار اور خودی کے راز پا جانے پر بنا تھا۔ یہ ایمانی قوت کا نتیجہ تھا۔ عشق الٰہی اور عشق رسول کا کرشمہ تھا۔ عزم عالیشان کا نشان ہے۔ مرکز یقین ہے۔ جہد پیہم اور یقین محکم کی تصویر۔ ترجمان ماضی اور شان حال ہے۔ کشور حسین قوت اخوت عوام کا صلہ ہے۔ یہی اس کا نظام ہے۔ یہی اس کی سلطنت ہے۔ یہی اس کا مستقبل یہی اس کی ترقی ہے۔ یہی اس کا نظام ہے۔ یہی اس کا کمال ہے کہ ہمارا غیر متزلزل ایمان ہی اس کی جان استقبال ہے۔ کوئی معاش کوئی حرص اور کوئی مفاد اس کی بنیاد نہیں ہے۔ یہ تو سایہ خدائے ذوالجلال ہے کہ مذبح خانے سے بچنے کے لئے اک گوشہ عافیت درکار تھا۔ یہی منزل مراد تھی۔ اس سے قائداعظم کو کون ہٹا سکتا تھا۔ مونٹ بیٹن نے معاشی بھول بھلیوں میں ڈالنے کی بہت کوشش کی کہ متحدہ ہندوستان میں معاشی بہتری ہے مگر قائداعظم اس کی عیاری اور چالاکی کے دام میں نہ پھنسے اور اپنے نقطہ نگاہ پر مضبوطی سے قائم رہے۔ بہت حیلے بہانے کئے۔ وقت کے ہتھوڑے سے ڈرایا مگر مرد مومن کے حوصلے تو پہاڑوں سے بھی بلند تر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

ادھر کانگریس تھی کہ فوری انتقال اقتدار کے لئے دباؤ بڑھا رہی تھی۔ گلی کوچوں میں ہر لحظہ حالات خراب تر ہوتے جا رہے تھے۔ نفرتیں ابل رہی تھیں۔ ہر کوئی خوف کے سایہ میں رہ رہا تھا۔ ہر طرف آگ اور خون کا کھیل جاری تھا۔ انتظامیہ شل ہو کر رہ گئی تھی۔ پولیس تھک چکی تھی۔ بہت سی جگہوں میں ہندو پولیس مسلمانوں کو قتل کر رہی تھی۔ جنگ سے تھکی ماندی فوج دور دراز ملکوں سے واپس آ رہی تھی۔ کوئی بیرک میں تھا تو کوئی گھر جا رہا تھا۔ ان میں سے کئی گھر پہنچنے سے پہلے ہی خون میں نہا جاتے۔

فوج کے اندر مذہب کی بنیاد پر تناؤ بڑھنا شروع ہو گیا۔ کئی جگہ تو بغاوت بھی ہو گئی اور جلتی پر تیل کا کام نیشنل انڈین آرمی کے ان افسروں کے خلاف مقدمات کی سماعت نے کیا جن پر جاپانیوں کی قید کے دوران انگریز کے خلاف مسلح جدوجہد کا الزام تھا۔ وہ لوگ پوری قوم کے ہیرو بن گئے انگریز انتظامیہ اور فوج کی گرفت دم توڑ رہی تھی اور صاف نظر آ رہا تھا کہ خانہ جنگی ہندوستان کے کواڑ پر دستک دے رہی ہے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تیز طراری، سحر انگیز شخصیت اور سامریت زمینی حقائق کی تلخیوں کے سامنے کسی کام نہیں آ رہی تھی۔ اسے رات میں بھی ڈراونے خواب آنے لگے اور روسی بوٹوں کی چاپیں سنائی دینا شروع کر دیں۔ اس مایوسی کے عالم میں اس کے متحدہ ہندوستان کے رومانوی

Marfat.com

خیالات سب ہرن ہو گئے۔ اسے تو انگریزی وقار بچانے کا خوف طاری ہو گیا اور آخر کار اس نے بھی وہی مایوس کن فیصلہ کیا جو اس کے پیشوا نے کیا تھا کہ جہاں جس کی حکومت ہے اس کے حوالے کر کے انگریزی فوجیں نکل جائیں۔ ہندوستان دو مملکتوں میں بٹنے کی بجائے سینکڑوں مملکتوں میں بٹ جائے۔ صرف اس لیے کہ جنوبی ہند کے کسی کونے میں ایک مسلم حکومت گوارا نہیں تھی۔ حالانکہ مسئلہ کا یہ واحد تیر بہدف علاج تھا مگر نفرت میں اندھے عقل کھو بیٹھے تھے۔

لہٰذا لارڈ ماونٹ بیٹن اپنے من موہنے مشن سے ہٹ گیا اور دوبارہ مشن غرقابی کی طرف لوٹ آیا اور برطانوی کابینہ سے اسے منظور بھی کروا لیا۔ اس کی سامریت کا اثر قائداعظم پر تو نہ ہو سکا مگر برطانوی حکومت اس کے سحر کا ضرور شکار ہو گئی کہ جو لارڈ ویول نہ کروا سکا اس نے ضرور منظور کروا لیا۔ جب یہ دستاویز لندن سے منظور ہو کر آئی تو ماونٹ بیٹن شملہ کی ٹھنڈی ہواوں کے مزے لوٹ رہا تھا اور جواہر لعل نہرو بھی اس کے ذاتی دوست کی حیثیت سے وہیں اس کا مہمان تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ یہ دستاویز سب سے پہلے اپنے دوست نہرو کو دکھا کر اس کا ردعمل حاصل کرے۔ دوسرے راہنماوں سے بعد میں بات کرے گا۔ مونٹ بیٹن نے ذرا دیر کے لیے بھی نہ سوچا کہ یہ اس کے منصب کے لیے بہت بڑی بد عہدی ہو گی کہ وہ نہرو کو تو اعتماد میں لینے کا سوچے مگر دوسرے اہم فریق محمد علی جناح کو بالکل اندھیرے میں رکھے۔ لارڈ مونٹ بیٹن کی بد دیانتی تو اپنی جگہ پر، مگر نہرو کا ردعمل بہت ہی شدید تھا۔ نہرو نے واقعی ایک محب وطن ہندوستانی کی سوچ کا اظہار کیا۔ اپنے ذاتی تعلقات سے بالاتر ہو کر فوراً اپنے ہاتھ سے ایک لمبا (۹ صفات پر مشتمل) اور سخت خط لکھا کہ وہ کسی طرح بھی اور کسی بھی شکل میں ہندوستان کی بلقانیت کا فریق نہیں بنے گا۔ وہ ہندوستان کو ریزہ ریزہ ہو کر بھسم ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ یہ خط وائسرائے کو لکھ کر نہرو راتوں رات میزبانی اور مہمان نوازی کے آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے بغیر اطلاع دیئے شملہ سے چلا گیا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ وہ اپنے غصہ کی حالت میں اپنے دوست کے ساتھ بد کلامی نہ کر بیٹھے۔

جب مونٹ بیٹن کو نہرو کا یہ خط ملا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس کی سکیم فیل ہو چکی تھی۔ اگر اس کا اپنا دوست نہرو اسے ماننے کے لیے تیار نہیں تھا تو اور کون مانے گا۔ حالات ہر لمحہ خراب سے خراب ہو رہے تھے اس کا اپنا کیریر بھی اسے مکمل طور پر تباہ ہوتا نظر آ رہا تھا بڑے طمطراق سے آیا تھا مگر اس لمحہ اسے ہر طرف تاریکی نظر آ رہی تھی اور وہ کہیں کا نہ رہ گیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہندو ذہنیت کتنی زہریلی ہوتی ہے اور وہ پیچ در پیچ خول میں چھپی رہتی ہے۔ نہرو کو بلقانیت کا خدشہ ضرور تھا

Marfat.com

لیکن ساتھ ساتھ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ چند صوبوں میں مسلمان حکومتیں موجود ہیں اور مونٹ بیٹن کی اس سکیم سے انہیں بھی اپنے پنجے گاڑنے کا موقع مل جائے گا۔ ادھر کچھ مسلمان ریاستیں بھی موجود تھیں وہ بھی اس کشمکش میں شامل ہو جائیں گی۔ اسے مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے بھی خوف تھا اور بہت سے مسلمان جنگجو سپاہی اور نہایت ہی تربیت یافتہ بھی موجود تھے۔ یہ منظر نہرو کو کسی صورت نہیں بھاتا تھا۔ لہٰذا وہ اپنی سخت چٹھی لکھ کر بھاگ اٹھا اور مونٹ بیٹن کو پریشانی میں مبتلا کر کے طرح طرح کے وسوسوں کا شکار کر گیا۔ مونٹ بیٹن کی پریشانی کی یہ حالت تھی کہ چھپائے نہ چھپے اور وہ اپنی رہائش گاہ کے وسیع و عریض لان میں پاگلوں کی طرح ٹہلنے لگا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا جاتا اور اپنے ہی خیالوں میں ڈوبا بار بار آسمان کی طرف گھور گھور کر دیکھتا۔ وائسرائے کی اس حالت غیر کو اس کے نہایت ہی کائیاں دستوری مشیر وی۔ پی۔ مینن نے دیکھا تو اپنے تجربہ کی بنا پر بھانپ گیا کہ ضرور کوئی مشکل مرحلہ آن پہنچا ہے کہ وائسرائے اتنا پریشان نظر آتا ہے اور تاریخ کے اس موڑ پر سیاسی اور دستوری مسئلہ کے علاوہ اور کونسا معاملہ ہو سکتا ہے۔

وی۔ پی۔ مینن ایک نہایت ہی ذہین و فطین ہندو سرکاری افسر تھا جو ۱۹۱۷ء میں کلرک بھرتی ہو کر ایک مرکزی سیکرٹری کے عہدہ تک ترقی پا گیا تھا۔ دستوری محکمہ ہی میں بھرتی ہوا اور ساری عمر اسی میں رہا اور آہستہ آہستہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ ہندوستانی سیاست کے ہر پیچ و تاب سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ ان معاملات کو اس وقت کے ہندوستان میں اس سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا تھا۔ اسے ہر تفصیل اپنی انگلیوں پر یاد تھی۔ وائسرائے تو کل آیا تھا اور تمام امور کی پیچیدگیوں سے اتنا واقف کہاں تھا بلکہ ہندوستان کے راہ نما بھی مینن جتنی اطلاعات اور مضمرات کا ادراک نہیں رکھتے تھے کیونکہ مینن تو انگریزی راج کے تمام رازوں کی مکمل طور پر خبر رکھتا تھا۔ وائسرائے کی شدید پریشانی کو دیکھ کر اس کی چہل قدمی میں شامل ہو گیا اور اپنی خوش گفتاری سے اس کا دل بہلانے میں مشغول ہو گیا۔ جب دیکھا کہ مونٹ بیٹن کا موڈ قدرے بہتر ہوا ہے تو ایک ماہرانہ درباری کے انداز میں پوچھ ہی لیا کہ طبیعت دشمناں کیوں بوجھل ہے؟ اس کمزور نفسیاتی لمحہ میں وائسرائے کو بھی اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے کسی واقف حال اور دانشمند راز دان کی ضرورت تھی۔ اس نے تمام کا تمام قصہ وی پی مینن کو سنا ڈالا مینن کو اس موضوع پر بہت دسترس حاصل تھی۔ اس نے ہندوستان کی دستوری جدوجہد اور آزادی کو ایک سرکاری ملازم کی نگاہ سے نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ دیکھا پرکھا ہوا تھا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ اس کا بہترین حل ہندوستان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان منقسم کر دینے میں ہے۔

Marfat.com

اس نے اس معاملہ پر ایک تفصیلی اور تجزیاتی مقالہ ۱۹۴۳ء میں لکھا تھا۔ اس کی نگاہ میں اس کے علاوہ تمام تجاویز لاحاصل تھیں اور معاملہ کو سلجھانے کی بجائے الجھانے والی تھیں اور اگر کوئی حل فریقین کی مرضی کے خلاف ٹھونسا گیا تو ہندوستان میں بہت زیادہ خون خرابہ ہوگا اور ہندوستان فنا ہو جائے گا۔ وی پی مینن کی باتیں سن کر مونٹ بیٹن کو امید بندھی کہ شاید مسئلہ کے حل کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے اور یک لخت کہنے لگا کہ اس طرح کی بات مسلم لیگ تو لازماً مان جائے گی کہ یہی ان کا مطالبہ ہے مگر کانگریس کیسے مانے گی۔ اس پر مینن نے اجازت طلب کی کہ اگر وائسرائے اجازت دے دے تو وہ نہایت راز داری کے ساتھ پٹیل کے کانوں میں ڈالنے کی کوشش کرے کیونکہ اس کے ولبھ بھائی پٹیل کے ساتھ بہت ہی قریبی اور دوستانہ تعلقات ہیں۔ لہٰذا وائسرائے نے مینن کو اجازت دے دی کہ وہ پٹیل کو رام کر کے دیکھ لے۔ مینن نے اس بات کی بھی اجازت لے لی کہ پٹیل کو منانے کے لیے ترغیب کے طور پر آزادی کی تاریخ کو ۳۰ جون ۱۹۴۸ء سے پیشتر لانے کا وعدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس پر مونٹ بیٹن کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا یہ تو اس کے وقت کے ہتھوڑے کے نظریہ کے عین مطابق تھا۔

مینن نے پٹیل کو قائل کر لیا کہ اگر مسلمان ہندوؤں سے علیحدہ ہو کر اپنا علیحدہ وطن بنا لیں تو اس میں کانگریس کو ہر لحاظ سے فائدہ ہے۔ مسلمانوں کی موجودگی میں ہر وقت فساد رہے گا اور ہندوستان کبھی بھی ایک مستحکم مملکت نہیں بن سکے گی۔ مسلمانوں کی موجودگی میں مضبوط مرکز کا سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ صوبوں کو خود مختاری دینا پڑے گی اور ہندوستان بکھر کر رہ جائے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایک مضبوط اور مستحکم ہندوستان کی حکمت عملی اپنائی جائے۔ مسلمانوں کو اس کے مقابلہ میں ایک کمزور اور غیر مستحکم پاکستان بنا لینے دیا جائے جو بعد میں خود اپنے ہی بوجھ کے تلے دب کر تحلیل ہو جائے گا۔ اسے معاشی مشکلات آئیں گی۔ جذباتی لہر ختم ہو جائے گی۔ آپس کے تنازعے غالب آ جائیں گے۔ کوشش کی جائے کہ پاکستان کے حصہ کم سے کم رقبہ آئے۔ ملک تقسیم ہونے کا اصول طے ہوتا ہے تو مذہبی آبادی کی بنیاد پر ضلع اور تحصیل بھی تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ بات محض صوبوں تک آ کر نہیں رکے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کی آزادی کا وقت اور زیادہ قریب لایا جا سکتا ہے۔ پٹیل کمال عملی ذہن کا شخص تھا۔ مینن کی سکیم نے اسے یہ پہلو دکھا دیا کہ کیوں نہ اس مجبوری سے اس طرح فائدہ اٹھایا جائے کہ ایک کمزور سربریدہ اور کرم خوردہ پاکستان بن لینے دیا جائے جو کچھ دیر کے بعد خود ہی ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ نپٹ لیں گے۔ پٹیل نے اپنی حد تک اس سکیم پر رضامندی کا اظہار کر دیا لیکن کہا کہ اسے راز ہی رکھا جائے۔

Marfat.com

تقسیم ہند کے لیے راج گوپال اچاریہ کے بعد یہ سب سے پہلی رضامندی تھی جو کسی موثر ہندو راہنما کی طرف سے ملی۔ دیکھنا چاہئے کہ کس بدنیتی سے ملی اور کن مذموم مقاصد کے مدنظر خرمن اسلام پر برق گرانے کے لئے۔ مفسد اور گندے ارادوں کے ساتھ۔ ہندوؤں کے اس طرح کے ارادے نئے نہیں تھے۔ وہ تو شروع ہی سے یہی کچھ کرتے آرہے تھے۔ وہ مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو کسی صورت بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے تو بیسویں صدی کے آغاز میں نہایت ہی نیک نیتی اور انسانی انتظامی بھلائی کے لئے کی گئی تقسیم بنگال کو برداشت نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس سے تھوڑی سی مسلمانوں کے لئے بہتری کی صورت بنتی تھی۔ اس پر بھی تشدد اور وحشت کی انتہا کر دی اور ہزاروں معصوم جانوں کے درپے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وائسرائے ہند کو بھی بم کا نشانہ بنادیا تھا۔ وہ تو مسلمانوں کو ایک آنکھ بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ توان کی تباہی اور فنا کا بندوبست کرنا چاہتے تھے اور سپین کی تاریخ دہرانا چاہتے تھے۔ پٹیل نے تقسیم ہند کو اس لئے ماننے پر رضامندی کا اظہار کیا کہ ہندوؤں کو کم سے کم نقصان ہو اور مسلمانوں کا زیادہ سے زیادہ۔ یہ سب کچھ ان کی ذہنی پراگندگی اور شرارت پر مبنی تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر اس طرح کا کمزور پاکستان بنتا ہے تو مسلمانوں کی مراد پوری نہیں ہوگی اور اگر مسلمان اور قائداعظم اس طرح کا پاکستان لینے سے انکار کر دیتے ہیں تو ویسے ہی ان کے (ہندوؤں کے) اپنے پرانے ارمان پورے ہو جائیں گے اور پھر وقت آنے پر انہیں تہہ و تیغ کر دیا جائے گا یا شودر بنالیا جائے گا۔ لہٰذا ان شاطروں نے نہایت ہی شرانگیز اور فتنہ پرور فارمولا تیار کیا جس کی بنا پر آئندہ کی تمام بے انصافیوں اور زیادتیوں نے جنم لیا۔

اس وقت تک صوبوں کی تقسیم کا کسی نے نہیں سوچا تھا اور تقسیم ہند کا ایک صاف ستھرا منصفانہ اور قابل عمل تصور موجود تھا لیکن ہندو کی نفرت تھی کہ سو رنگ دکھا رہی تھی۔ وہ ہر موڑ پر اور ہر لحظہ مسلمان کو فنا کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ اور ایسی صورت حال پیدا کرنا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی کیفیت ہو جائے۔ To be or Not to be والی جگہ پر لاکھڑا کرنا چاہتے تھے۔ یہ سب کچھ انگریز اور ہندو کے درمیان نہایت راز داری کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس زیادتی کے خلاف مسلمان کس کے پاس جائیں؟ کسے وکیل کریں؟ کس سے منصفی چاہیں؟ ایک طرف موت اور دوسری طرف اندھے کنوئیں والی کیفیت پیدا کرنے کی شیطانی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

Marfat.com

مینن نے جب وائسرائے کو پٹیل کی رضامندی کا بتایا تو ظاہر ہے اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اس کی نگاہ میں مینن کی بے انتہا قدر ہو گئی کیونکہ اس نے اسے بہت ہی مشکل صورت حال سے نکلنے میں مدد کی تھی۔ اس کے بعد تو مونٹ بیٹن اس کا ذہنی غلام بن گیا اور اس کے ٹریپ میں مکمل طور پر آ گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی بے انصافی روا رکھی۔ اسے ویسے بھی کانگریس کی وجہ سے یہ عہدہ ملا تھا اور ان کے لئے ہر طرح کا نرم گوشہ رکھتا تھا۔ ویسے بھی وہ مسلمانوں کے خلاف خواہ مخواہ ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ وہ کتنے مشکل لمحات تھے قائد اعظم اور مسلم لیگ کے لئے ہم لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے مگر مجال ہے کہ ان عظیم لوگوں کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش آئے۔ پختہ ایمان کے لوگ تھے۔ مصمم ارادہ رکھتے تھے۔ بلند حوصلے کے مالک تھے۔ کوئی ذاتی لالچ یا حرص ان کے نزدیک نہیں پھٹک سکتی تھی۔ انہیں فکر تھا تو صرف اور صرف ملت کے مستقبل کا۔ ہر طرف شرارتیں تھیں۔ سازشیں ہی سازشیں تھیں۔ اس نازک مرحلہ پر بہت ہی ارفع بصیرت کی ضرورت تھی۔ ان کی نگاہ بلند اور عمل نیک تھے۔ حکمت و دانش اور عزم و استقلال کے پیکر حضرت قائداعظم اور ان کے ساتھیوں کی قوت ایمانی ہی تھی جو ان کا واحد سہارا تھا۔ دنیا کی تمام طاقتیں ان کے خلاف سر جوڑے بیٹھی تھیں لیکن رحمانی قوتیں ہمیشہ شیطانی قوتوں پر غالب رہتی ہیں اور ان کے حوصلے اور ولولے پہاڑوں سے بلند اور سوچیں سمندروں سے زیادہ گہری تھیں۔ آنے والے وقتوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی راہوں پر نہایت مضبوطی سے قائم و دائم رکھا اور ان کے پختہ ارادوں میں ذرہ برابر کمزوری نہ آنے دی۔

Marfat.com

ہو اگر قوت فرعوں در پردہ مرید
قوم کے حق میں ہے لعنت وہ کلیم الٰہی

جب مونٹ بیٹن کو معلوم ہوا کہ پٹیل اپنے مفادات اور مقاصد کی خاطر تقسیم ہند پر تیار ہے تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ نہرو سے خود اپنے انداز میں بات کرے گا تاکہ اسے بھی رضامند کیا جا سکے۔ ماونٹ بیٹن یہ سب کچھ اپنی کامیابی کی خاطر کر رہا تھا۔ اس کے اپنے اور اپنی قوم کے مفادات تھے۔ ان پر خانہ جنگی کی صورت میں روس کا خوف طاری تھا۔ وہ مسلمانوں کی خاطر یہ سب کچھ نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کی تو کوشش تھی کہ مسلمانوں کو جتنا بھی نقصان پہنچ سکے پہنچ جائے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اس دلدل سے کامیابی کے ساتھ نکل سکے۔ وہ سب کچھ ایک مجبوری کے تحت کر رہا تھا اور نہایت ہی بد دیانتی کے ساتھ۔ اس نے جواہر لعل نہرو کو بلایا اور کہا کہ وہ اس کے خط کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس خط نے تو اس کی آنکھیں کھول دی ہیں اور واقعی اس طرح ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن مسئلہ کا حل کیا ہے۔ ہندوستان اب اکٹھا رکھنا تو ناممکن ہو گیا ہے اگر ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا تو پھر خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور پھر یہ ملک پارہ پارہ ہو جائے گا اور اس صورت میں بھی ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہونے کی بجائے سینکڑوں حصوں میں بٹ جائے گا۔ ان دو صورتوں میں سے کون سی صورت بہتر ہے۔ ہندوستان کبھی بھی ایک نہ تھا اسے تو ایک کیا ہی نہرو کی سوچ اور جدوجہد نے تھا۔ یہ آپ ہی کی محنت کا ثمر ہے۔ کیا آپ اسے آخر میں بکھیر دینا

Marfat.com

چاہیں گے اور ہندوستان کی وحدت کو ختم کر دینے کے ذمہ دار ٹھہریں گے اور نہایت ہی ڈرامائی انداز میں کہا کہ پنڈت جی Whither India کیا اس کے بعد آپ اپنے چہیتے اور پیارے ہندوستان کو ہوا کے دھندلکوں میں سے ڈھونڈیں گے۔ اس طرح کی گفتگو کا جواہر لعل نہرو پر بہت زیادہ گہرا اثر ہوا۔ وہ پریشان ہو گیا اور ہل کر رہ گیا۔ ماونٹ بیٹن نے پنڈت جی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور نہایت ہوشیاری سے اس کی نفسیات کے مطابق بات کی تھی اور جب وہ بہت زیادہ پریشان اور ہراساں ہو گیا تو اس نے اپنا ٹرمپ کارڈ پھینک کر بتایا کہ بنگال اور پنجاب بھی اسی طرح تقسیم ہو سکتے ہیں جس طرح ہندوستان۔ اس طرح ایک کمزور اور زندہ نہ رہ سکنے والے پاکستان کو قبول کر لینے میں کیا ہرج ہے۔ اس طرح ہندوستان بہت سے حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم ہونے سے بچ جائے گا۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جس میں آپ کو فائدہ ہے اور پھر پاکستان کو مزید پریشان اور غیر مستحکم رکھنے کے لئے آزادی کا بہت زیادہ قبل از وقت فیصلہ بھی کر دیں گے ہندوستان کی تو پرانی شناخت ہے اس کا دارالحکومت موجود ہے۔ فوج اور انتظامی ادارے ہیں۔ پاکستان کے پاس تو کچھ بھی نہ ہو گا۔ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہی نہیں ہو سکے گا۔ اور پھر ان ہی کا محتاج ٹھہرے گا۔ جذبات ٹھنڈے ہو جائیں گے اور مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ بصورت دیگر اس وقت جذبات اتنے بھڑکے ہوئے ہیں کہ ایک نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی شروع ہو جائیگی جس میں ہندوؤں اور انگریزوں کے لئے تباہی ہی تباہی ہے۔

یہ سن کر پنڈت جی کے شریر ذہن کے کواڑ کھلنا شروع ہو گئے اور یکدم تمام پہلو روشن ہو گئے اور سوچنا شروع کر دیا کہ پاکستان کو ایک کمتر برائی Lesser Evil کے طور پر ماننے ہی میں بہتری ہے۔ بدوں کو بدی کی زبان ہی سمجھ آ سکتی ہے۔ انہیں نہایت ہی صاف گو اور دیانت کے پیکر محمد علی جناح کی کھری کھری باتیں کہاں سمجھ آ سکتی تھیں۔ قائداعظم تو کسی سے بے انصافی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے جائز حقوق کے بھی محافظ تھے۔ وہ تو صرف مسلمانوں کا جائز حصہ لینا چاہتے تھے اور یہی ان کے مطالبہ پاکستان کی اصل بنیاد تھی مگر ہندو ذہن تھا کہ ہر قسم کی ہیرا پھیری اور خیانت کے ارادے باندھے ہوئے تھا۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ حقانیت میں کتنی طاقت ہوتی ہے۔

علامہ اقبال، قائداعظم اور دوسرے عظیم مسلمان راہنماؤں کی اس حق پرستی اور جہد مسلسل نے مسلمانوں کو ایک ناقابل شکست وحدت بنا دیا تھا۔ ان کی حمیت بیدار ہو گئی تھی اور ان کی قوت ایمانی اور حوصلوں میں ایک نہایت ہی دلکش اور خوبصورت نکھار ابھر آیا تھا۔ نہایت ہی خوبصورت روحانی

Marfat.com

انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ اب پاکستان صرف ایک آزاد مملکت ہی نہ تھا بلکہ ایک عظیم روحانی انقلاب کی نوید بن چکا تھا۔ اس آزادی اور انقلاب کے حسین امتزاج نے مسلمان قوم میں وہ توانائیاں بیدار کر دی تھیں کہ ان کے سامنے ماونٹ بیٹن اور نہرو کی گھٹیا سوچوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ تو صرف مادی وسائل پر ہی تکیہ کر رہے تھے اور ان کی گنتیاں اس گندی سوچ کے علاوہ کچھ اور دیکھ ہی نہیں سکتی تھیں۔ انہیں کیا معلوم کہ جب ملت ہاشمی کی عقابی روح جاگ اٹھی تھی تو پھر ان کے سامنے اس طرح کی کرگسی سوچ کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ وہ تو اک جہاں نو پیدا کرنے جا رہے تھے۔ دارالحکومت بھی آ جائے گا۔ ادارے بھی بن جائیں گے۔ نہر اور ریلوے بھی آ جائے گی لیکن اگر قلب و روح کا سودا ہو گیا تو پھر یہ سب کچھ کہاں ہو گا۔ مسلمان اس طرح کی گھٹیا سوچوں سے بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ وہ اندلس کی تاریخ دہرانے کے موڈ میں نہ تھا کہ سب کچھ ہی گنوا بیٹھے۔ اسے بہت ہی بلند نگاہ قائد ملا تھا جسے اچھی طرح معلوم تھا کہ امت کا نفع اور نقصان کیا ہے۔ وہ اغیار کی سازشوں اور چالوں کو اچھی طرح پرکھ سکتا تھا۔ اسے معروضی صورتحال کا پورا ادراک تھا۔ وہ کسی کی چال میں آنے والا نہیں تھا اور نہ ہی کسی کے اشتعال میں۔ سفینہ ضرور بھنور میں پھنسا ہوا تھا لیکن اسے تو اسے کسی نہ کسی طرح ساحل مراد تک لے جانا ہی تھا۔ یہی اس کی ذمہ داری تھی اور اسی کے لئے علامہ اقبال نے اللہ کے حضور دعا فرمائی تھی۔ وقت دشوار تھا چالیں خوفناک۔ یہی وقت تھا فہم و فراست کے امتحان کا اور ہمارا قائد بد خواہوں کے تمام تر ذلیل منصوبوں اور سازشوں کے سامنے کامیاب و کامران رہا۔ یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا کرم ہی تھا ورنہ تمام دنیاوی طاقتیں مسلمانوں کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ انگریز کو تو برداشت ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ جو کامیاب نقب اس نے پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں کو نسلی اور علاقائی شناختوں میں تقسیم کر کے لگائی تھی اس کی نفی ہوتے دیکھ سکے اور پاکستان کو مسلم قومیت کے نظریہ پر بننے دے۔ مگر کیا کرے حالات اور قائداعظم کی نہایت ہی کامیاب حکمت عملی نے اسے بھی مجبور کر دیا اور ہندوؤں کو بھی۔ یقیناً حقیقی انقلاب کا کبھی کوئی راستہ نہ روک سکا ہے۔ اور انقلاب بھی وہ جس کی بنیاد ہی رسول ہاشمی کے ابدی پیغام حقانیت پر اٹھائی گئی ہو۔ ہندو اور انگریز کے چھوٹے اور پراگندہ ذہن تو ابھی جغرافیائی اور علاقائی غلامی اور آزادی کی ادھیڑ بن میں مصروف تھے اور مسلمان تھا کہ اپنی اصلیت کو ایک دفعہ پھر پہچان چکا تھا اور اسلامی ' روحانی انقلاب کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا۔ اس کی کامیابی اس کا مقدر ٹھہر چکی تھی۔ لوح و قلم میں محفوظ ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی محنت کو اکارت نہیں جانے دیتا۔

Marfat.com

پنڈت نہرو لارڈ مونٹ بیٹن کی شیطانی سوچوں سے قائل تو ہو گیا لیکن وہ باپو جی موہن داس کرم چند گاندھی جو ہندوستان کو گاؤ ماتا گردان کر اسے کاٹنے کے سخت خلاف تھا' سے بہت ڈرتا تھا اور کہنے لگا کہ اسے کون منائے گا۔ اس کا ذمہ وائسرائے نے خود اپنے سر لے لیا۔ نہرو نے بتایا کہ اگر گاندھی جی مان گئے تو پھر یہ کام نہایت آسان ہو جائے گا۔ وی پی مینن نے اس وقت تک وائسرائے کو اچھی طرح ذہن نشین کروادیا ہوا تھا کہ ہندوؤں کو ہر وہ سوچ جو مسلمانوں کے خلاف بنتی نظر آئے وہ اپیل کرے گی اور یہی وہ طریقہ ہے اور زاویہ تھا جس سے ان کو بات بتائی جانا بہتر تھی۔ گاندھی جی کے لیے بھی یہی نسخہ اکسیر تھا۔ وائسرائے ہوشیار تھا اور مینن نے اسے پٹی بھی خوب پڑھائی تھی۔ ایک جائز اور منصفانہ مطالبہ کو بدی کی عینک پہن کر کس طرح دیکھا جاتا ہے اور مجبوری کو مفاد اور اصول کا لباس کس طرح زیب تن کیا جاتا ہے ان لوگوں کی سوچیں اور حرکتیں اس کا بہترین نمونہ تھیں۔ میکاولی اور چانکیہ کی روحیں یہ سب کچھ دیکھ کر تڑپی تو ضرور ہوں گی کہ ان کے بھی استاد اور گرو موجود ہیں۔ وائسرائے نے گاندھی جی سے ایسے روز ملاقات کی جس روز انہوں نے چپ سادھ رکھی تھی وہی باتیں وہی دلیلیں اور وہی شیطانیاں دہرائی گئیں۔ باپو جی سے آخر کار یہ طے پایا کہ وہ اس معاملہ میں خاموش اور غیر جانبدار رہیں گے یا کم از کم ایسا نظر آئیں گے۔

قوت حاکمہ کے سامنے پاکستان بنائے بغیر گزارہ نہیں تھا مجبوری تھی۔ اسے جتنا چھوٹا اور سربریدہ کیا جا سکے اب اس پر سارا دھیان ہونا چاہیے۔ لہٰذا مینن کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے ہوئے ماونٹ بیٹن نے یہ گندا کھیل کھیلا اور بنگال' آسام اور پنجاب کی ضلع تحصیل تک تقسیم کا ڈول ڈال کر انہیں تقسیم ہند پر مائل کر لیا۔ کانگریس کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ مسلم لیگ کی قیادت کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ وہ تقسیم ہند کے لئے تیار ہے لیکن اس کے لئے صوبوں کو بھی تقسیم کرنا پڑے گا کیونکہ جس اصول یا منطق کی بنا پر مسلم اقلیت ہندوؤں کے ساتھ ہندوستان میں نہیں رہ سکتی اسی منطق کے مطابق ہندو اقلیت صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ جہاں جہاں صوبوں میں ہندو اکثریت ہے وہ علاقے ہندوستان کو جائیں گے۔ یہ منطق بلاشبہ زوردار تھی مگر اس میں ہندو مسلم آبادی کا تبادلہ مضمر تھا۔ جس سے بہت بڑی تباہی ہو سکتی تھی اور آگ اور موت کا کھیل کھیلا جا سکتا تھا۔ اس منظر کا سوچ کر قائد اعظم پریشان ہو جاتے۔ وہ تو ایسا بالکل نہیں چاہتے تھے۔ اقلیتوں کا مسئلہ تو ہندو تنگ نظری کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ مسلمان تو غیر مسلموں کے ساتھ صدیوں سے نہایت ہی رواداری کی فضا میں اکٹھے رہتے آئے تھے اور کبھی بھی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا کیونکہ اسلام میں ان کے حقوق کی

Marfat.com

حفاظت کا حکم نہایت صراحت اور سختی کے ساتھ دیا گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک حکم ہے کہ ان کے مال و جان اور حقوق کی حفاظت کے لئے خود مسلمان ان طاقتوں کے خلاف لڑیں گے جن سے ان کو خطرہ ہو۔ غیر مسلم کو اپنی حفاظت کے لئے لڑنے تک کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی جگہ مسلمان یہ فریضہ ادا کرتے ہیں۔ ایسے حکم کے بعد مسلمانوں میں یہ مسئلہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ خود ہندوستان میں جب مسلمان حکمران تھے تو ہندو کے لئے ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اس طرح کے مسئلے تو منافقت اور انحطاط کے زمانوں میں سامنے آئے۔ اس لئے قائداعظم اور مسلم لیگ کے لئے یہ ہندو اور انگریز کی آخری لمحات میں بدلتی ہوئی سوچ بہت عجیب اور تکلیف دہ نظر آ رہی تھی۔ قائداعظم تو سچے اور کھرے آدمی تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس طرح کی شرارت پر مبنی سوچ اور سکیم کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے اور انہوں نے کی۔ مونٹ بیٹن نے کہا کہ پھر آپکا پاکستان نہیں بن سکتا۔ بن سکتا ہے تو صرف اس شرط پر اور پاکستان بنانے یا نہ بنانے کا یہ آخری موقع ہے۔ قائداعظم کو معلوم تھا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو مسلمان بالکل فنا ہو جائے گا۔ اور اگر اس طرح کا پاکستان بنے جس کا نقشہ ماونٹ بیٹن پیش کر رہا تھا تو بھی وہ نقصان میں رہیں گے۔ اصل مطالبہ کسی حالت میں ماننے کے لئے تیار نہ ہیں تو اب چوائس آزادی اور انقلاب کو مکمل طور پر قربان کرنے اور کچھ نہ کچھ حاصل کر کے آزادی اور انقلاب کے ثمرات کو سمیٹنے میں تھا۔ انہیں اپنی قوم پر بے انتہا اعتماد تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اب ان کی عقابی روح بیدار ہو چکی ہے۔ وہ اسلامی روحانی انقلاب کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں۔ انہیں پاکستان کی عظیم منزل کے حصول سے اس مقام پر روک لینا بہت بڑی غلطی ہو گا۔ پاکستان لینے ہی میں قوم کی نجات ہے۔ اسی میں ملت ہاشمی کی بقا کا راز ہے۔ رہا معاملہ ہندو اور انگریز کی بے انصافی کا اس پر کسی نامی گرامی انگریز کی ثالثی کروا لی جائے۔ قائداعظم کو اس وقت تک بھی انگریز کے عدل پر اعتماد تھا کیونکہ ہندوستان میں انگریز نے اپنے آنے کے بعد یہ واقعی کر دکھایا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر پنجاب کی تقسیم ہوتی ہے تو انبالہ ڈویژن جس میں ہندوؤں کی اکثریت تھی وہ ہندوستان کی طرف چلی جائے گی اور باقی پنجاب اپنی فطری وحدت میں پاکستان کا حصہ بن جائے گا۔ اس طرح کسی طرح بھی کوئی ہیئت کذائی نہیں ہوگی۔ کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ ہندو مسلم آبادی کا غیر ضروری تبادلہ نہیں کرنا پڑے گا اور مسئلہ تسلی بخش طریقہ سے حل ہو جائے گا مگر ہندو اور انگریز تو شیطانی شرارتوں پر اترے ہوئے تھے جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ انہیں انسانی زندگیوں اور مصیبتوں کی قطعاً پروا نہ تھی۔ یہ تو بے چارہ قائداعظم ہی تھا کہ تڑپ رہا تھا کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے کوئی غیر ضروری انسانی

Marfat.com

ایذاء پہنچے کیونکہ اسلامی سیاست کا یہی درس تھا۔ اسلام کی تو بنیاد ہی اخلاقی حقانیت ہے۔ دنیاوی جاہ و جلال اور کامیابی نہیں۔ مسلمان کی کامیابی تو حق کی سربلندی میں ہے کسی جھوٹی کامرانی میں نہیں۔ یہی سبق ہمیں ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے بار بار واضح الفاظ اور عمل سے دیا ہے۔ اسمٰعیل نے اس لئے تو سر تسلیم خم کیا تھا کہ اللہ کے حکم پر سر کٹوانا ہی کامیابی ہے زندہ رہنے میں نہیں اور پھر اسی تسلیم و رضا نے سعادت کی زندگی بخش دی۔ یہی سبق ہمیں شہید کربلا نے دیا ہے کہ سر کٹ جائے مگر حق کا پرچم سرنگوں نہ ہو۔ قائداعظم تو اسی سنت کی پیروی کر رہے تھے مگر ماونٹ بیٹن اور نہرو تھے کہ ایک قبیح کھیل کھیل رہے تھے۔ قائداعظم کی انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنے خود ساختہ رقص ابلیس پر چل رہے تھے۔ انہیں سچ درکار نہیں تھا انہیں زیادہ سے زیادہ زمین اور خطہ درکار تھا لوگ جائیں جہنم میں۔ وہ پاور پالیٹکس کا کھیل کھیل رہے تھے۔ انہیں تو سطوت و سلطنت چاہئے تھی۔ وہ حق اور حقوق کیا جانیں۔

بنگال اور آسام کے صوبوں پر بھی اسی طرح چھری چلانا چاہتے تھے اور انہیں ریزہ ریزہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کلکتہ شہر کو تمام حقائق کے برخلاف مسلمانوں سے چھیننے کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ اس طرح قائداعظم کو مشکل سے مشکل چوائس دیکر خوفزدہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اسلامی روحانی انقلاب کی راہ سے بھٹک جائیں۔ انہیں خوف تھا کہ اگر یہ مسلمان جن کی روح و قلب کو ان شیطانوں نے اتنے جتن سے دبا رکھا تھا آزاد ہوگئے تو پھر وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو اس انقلاب سے روشناس کرا دیں گے اور تمام شیطانوں کی شکست مقدر بن جائے گی۔ اس لئے جس طرح بھی بن پڑے انہیں تخلیق پاکستان سے ڈرایا جائے اور مادی وسائل کی سوچوں سے خوفزدہ کیا جائے مگر اہل ایمان ایسے وسوسوں کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کا اللہ تو ساری دنیا کو پالنے والا ہے۔ رب العالمین ہے۔ اسلام کا یہ پہلا معاشی درس ہے۔ مسلمانوں کے ذمہ پاک صاف اور حلال رزق کی سعی ہے۔ اس کا ثمر آور ہونا اس ذات کے ذمہ ہے۔ ایسے عقیدت مندوں کو ہندو اور انگریز مل کر کیسے ڈرا سکتے تھے۔ مسلمانوں کے مقاصد بہت ہی اعلیٰ و ارفع تھے۔ وہ تو آزادی کے ذریعہ اسلامی روحانی انقلاب کے خواہاں تھے اور پھر وہ اپنا حق زور بازو سے لینا بھی جانتے تھے۔ بے انصافی جب حد سے بڑھ جائے تو جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ ماونٹ بیٹن نے اپنے مذموم مقاصد کے تحت حضرت قائداعظم کو ان کی منزل مراد سے ہٹانے کے بہت جتن کئے مگر وہ مرد مجاہد کسی بہکاوے میں آنے والا نہیں تھا۔ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونے کا صاف مطلب ہے مسلمانوں کی

Marfat.com

موت۔ لہٰذا ان حالات میں جو کچھ بھی حاصل کیا جا سکتا ہے وہ لے لینا چاہیے۔ فہم و فراست کا یہی تقاضا اور اسی میں ملت کی بھلائی تھی۔ لہٰذا تمام حالات کو مد نظر رکھ کر صوبوں کی تقسیم کو بھی مان لینا بہتر سمجھا گیا۔ لیکن قائداعظم نے اس طرح کی تقسیم کے لئے آخری وقت تک کوئی واضح اشارہ نہ دیا۔

سب ہندو اور انگریز ان کے مضبوط موقف اور اعصاب پر حیران تھے کہ ان کو پاکستان مل رہا ہے لیکن پھر بھی صوبوں کی تقسیم کے خلاف اڑے ہوئے ہیں اور کہے جا رہے ہیں کہ یہ تو بے انصافی ہے۔ انسانی خون بہانے کی فضول تیاری ہے۔ ایسا پاکستان تو کرم خوردہ ہوگا۔ سر بریدہ ہوگا۔ قائداعظم نے بھی اپنا مقدمہ خوب لڑا اور ایسے زوردار دلائل دیئے کہ ماونٹ بیٹن اور اس کے گرو بھی پریشان ہو کر پاگل ہوتے رہے۔ یہ سب کرشمہ قائداعظم کی مضبوط قوت ایمانی کا تھا۔ کانگریس تو اب تقسیم ہند مان چکی تھی۔ اب تو وہ صرف اپنی شیطانی چالیں چل رہی تھیں۔ ماونٹ بیٹن بھی بہت ہوشیار تھا۔ اسے بھی معلوم تھا کہ مسلم لیگ آخر کار اس تقسیم کو تسلیم کر ہی لے گی۔ ان کے پاس مفر کا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ لہٰذا اس نے تقسیم ہند کا پلان ان لائنوں پر تیار کیا اور حکومت برطانیہ سے نہایت جلدی جلدی میں منظور کروایا تاکہ تمام فریقوں کو زیادہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا جائے اور Time Hammer کا موثر استعمال کیا جائے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں قائداعظم کو بہت ہی مشکل فیصلے کرنا تھے۔ تاریخ نے ان کے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ڈال دی تھی کہ وہ ملت کی بھنور میں پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگائیں اور مگرمچھوں سے بھی بچالیں اور یوں 3 جون 1947ء کو وائسرائے کی سربراہی میں کانگریس، سکھ، مسلم لیگ نے مل کر تقسیم ہند کا فیصلہ کیا۔ قائداعظم کا دل بہت ہی بوجھل تھا لیکن اب اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ ان کے ہلکا سا سرہلانے پر ہندوستان کی آزادی کا فیصلہ ہوگیا۔ پاکستان کی تخلیق کا معجزہ وقوع پذیر ہوگیا۔ اسلامی روحانی انقلاب جس کا ہر کسی نے راستہ روکنے کی کوشش کی ایک درخشندہ حقیقت بن کر ابھر آیا تھا۔

Marfat.com

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

قائداعظم محمد علی جناح کی ہلاغ نگاہ نے جو ۲۰ سال قبل صاف صاف دیکھ لیا تھا اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے بد طنیت اور کوتاہ اندیشیوں نے اتنی دیر لگائی اور وہ بھی بعد از خرابی بسیار۔ نفرتیں ابھاریں۔ شرارتیں رچائیں۔ انتقال آبادی کی بنیادیں ڈالیں۔ خون کی ہولی کا اہتمام کیا اور تباہی کے تمام بندوبست کئے تاکہ کسی نہ کسی طرح اسلامی روحانی انقلاب کی راہیں مسدود کی جاسکیں۔ یہ تھا فرق دنیا پرست ' مفاد پرست ' اقتدار پرست اولاد نمرود اور حق پرست حق گو اور عدل پرست ابراہیمی پروانوں میں۔ حق گو تو ہندی ہیں ہم ہندوستان وطن ہمارا کے ترانے گاتے تھے۔ وہ تو وحدت کے سفیر بن کر نکلے تھے لیکن چونکہ عیار چیلوں نے انہیں ان راستوں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر چشم فلک نے ان کی وہ زیادتیاں دیکھیں کہ سب نے دیکھا کہ عافیت اسی میں ہے کہ ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جایا جائے۔ ہندو بنئے نے تمام منفی اور نفرت بھرے اقدامات اٹھائے اور بیس سال تک اٹھاتے ہی رہے اور دونوں قوموں کو نفرت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ موتی لعل نہرو نے ۱۴ نکات نہایت حقارت سے مسترد کر دیئے۔ اس کے بیٹے نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک اپنے دور حکومت میں وہ ظلم کئے کہ پورے ہندوستان کے مسلمان توبہ توبہ کر اٹھے۔ گاندھی جی نے ۱۹۴۲ء میں ترک انڈیا Quit India کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے قتل عام کے ارادے کا عندیہ دے دیا۔ ۱۹۴۶ء

Marfat.com

میں جواہر لعل نہرو نے کیبنٹ مشن پلان کے پرخچے اڑا دیئے۔ وائسرائے نے بدعہدی کی اور جب قائداعظم نے دیکھا کہ انصاف کے سب ہی راستے بند ہوگئے ہیں تو عوام سے براہ راست اپیل کی تو ہندو غنڈے مسلمانوں پر بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ جب مسلمانوں نے بھی مزاحمت اور جہاد کی ٹھانی تو سب کے ہوش گم ہو گئے اور اپنے اپنے مفاد میں کچھ نہ کچھ کرنے اور راستہ نکالنے کی طرف بھاگے اور اس طرح ان کی خباثتوں کے باوجود آزادی وانقلاب کی طرف پیش قدمی ہوئی۔

۳ جون کو جب حضرت قائداعظم نے آل انڈیا ریڈیو سے تخلیق پاکستان کی پر مسرت نوید سنائی تو پورے ہندوستان کا کونہ کونہ پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اللہ اکبر اور لاالہ الااللہ کے ولولہ انگیز نعروں نے چار سو روشنی پھیلادی اور مسلمانان ہند کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، سید امیر علی، سر سید احمد خان، الطاف حسین حالی اور علامہ اقبال اور دیگر بزرگوں نے جو عظیم خواب دیکھے تھے ان کی ارواح مقدسہ نے بھی جشن منایا کہ ان کی دعائیں قبول ہوگئی تھیں۔ ان کے خواب پایہ تکمیل کو پہنچ گئے تھے۔ ان کی محبتیں اور محنتیں کام آئی تھیں۔ ان کے پیرو کار اپنے عظیم قائد کی راہ نمائی میں منزل مراد پا رہے تھے۔ ان کا درس محبت وعدل قائداعظم کے خیالات سے روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ جنہوں نے دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ہر طرح واضح کر دیا کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ بلاتخصیص برابری کی بنیاد پر انصاف ہو گا اور ان کے حقوق کا مکمل تحفظ کیا جائے گا۔ ان کی مکمل حفاظت ہوگی اور انہیں کسی قسم کے خوف کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔ لیکن کانگریسی راہنماوں نے اس طرح کی وضاحت کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ کیونکہ ان کی نیتوں میں فتور تھا۔ انہوں نے تو بہت خطرناک منصوبے بنا رکھے تھے اور ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو ڈرا دھمکا کر پاکستان کی طرف دھکیلنا تھا تاکہ وہ مہاجرین کے بوجھ تلے آکر تباہ ہو جائے۔ وہ انسانوں کی زندگیوں سے کھیل رہے تھے۔ ان کے لیے کوئی انسانی اخلاقی اقدار کی پروا ہی نہ تھی۔ وہ تو طاقت کا ایک ظالمانہ کھیل کھیل رہے تھے۔ ان کے ہاں اسلام ایسا کوئی ضابطہ اخلاق موجود ہی نہ تھا جو انہیں اس طرح کے گندے کھیل سے منع کرتا ہو۔ ان کے ہاں تو دنیاوی کامیابی ہی کافی تھی۔ انہیں تو ہوس ملک گیری نے آگھیرا تھا۔ یہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا یہی ان کا مدعا تھا۔ ان کی جمہوریت اور سیکولرازم اسی کے ارد گرد گھومتی تھی۔ انہیں تو صرف اپنے مفادات کی فکر تھی دوسروں کے مفادات کی حفاظت کی ان کے ہاں تعظیم کم ہی ہے۔ اور اگر ہے تو صرف اس حد تک کہ ان کی اپنے مفاد کی خاطر مجبوری ہو۔

Marfat.com

سیکولرازم اپنی قوم کے دائرہ کے اندر رہ کر مساوات اور عدل کی تعلیم ضرور دیتا ہے اور پیشوائیت سے ہر لحاظ سے اور ہر طرح بہتر ہے کہ اس کے اندر صرف اپنے فرقہ کا نقطہ نگاہ ترجیح پاتا ہے مگر سیکولرازم کا انصاف اور مساوات اپنی قوم کی حدوں پر آکر رک جاتا ہے۔ سیکولرازم آفاقی نہیں جبکہ اسلام آفاقی ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ بلاتخصیص رنگ و نسل عدل و انصاف کا درس دیتا ہے۔ یہی وہ امتیاز ہے جو اسلام کو سیکولرازم کے مقابلہ میں بہت بلند اٹھالیتا ہے۔ سیکولرازم تو ابھی اسلام کے آدھے راستہ تک بھی نہیں پہنچا جہاں سے اس نے عربی عجمی کالے گورے امیر غریب' قبائل' نسل اور ذات پات کے تمام فتنوں اور فساد کو یکسر صدیوں پہلے ختم کر کے صرف اور صرف تقوی کو انسان کی جزا سزا کی بنیاد بنا دیا تھا۔ اسی لیے تو فرزند توحید حضرت قائداعظم نے فوری طور پر واضح کیا کہ پاکستان میں تمام اقلیتوں کے حقوق کی بلاامتیاز و تخصیص نگہداشت کی جائے گی اور انہوں نے تمام مسلمانوں کو اس امر کی ہدایت ہمیشہ کے لیے کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ اجتماعی طور پر کہیں بھی کسی قسم کی زیادتی یا بے انصافی روا رکھی نہیں گئی۔ انفرادی طور پر کہیں کہیں یا کبھی کبھار ذاتی وجوہ کی وجہ سے فریقین اور وہ بھی خالص ذاتی فریقوں کی وجہ سے کوئی معاملات ہو جائیں وگرنہ سرکاری اور اجتماعی طور پر ایسی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ کیونکہ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور یہی قائداعظم نے فرمایا تھا۔ پاکستان میں تو اقلیتوں کی نمائندگی کے لیے بھی خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لوگوں ہی کے ووٹ سے پارلیمنٹ تک پہنچ سکیں اور اپنی برادری کی بھرپور نمائندگی کر سکیں۔ اگر ان کی نیابت کا علیحدہ اہتمام نہ کیا جائے تو زمینی صورتحال ایسی ہے کہ پھر ان کا کوئی بھی نمائندہ اسمبلی تک نہیں پہنچ سکتا اور پھر وہ احساس محرومی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کی تعلیمات کی روشنی میر
کا پاکستان میں جو خیال رکھا جاتا ہے کہیں اور کبھی بھی نہیں رکھا گیا۔ قائداعظم کی یہ انصاف پسندی درخشاں فکر ہی کا نتیجہ تھی۔ پاکستان بننے کے اصولی فیصلہ کے ساتھ ہی ان کی پہلی ترجیح اور فکر اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت تھی۔ وہ بہت دور رس نگاہ رکھتے تھے اور عدل و انصاف کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ مسلمانوں کے حقوق کی جنگ لڑتے لڑتے دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتے تھے کیونکہ ان کے دل و دماغ اسلام کے توازن کے درس سے روشن تھے۔ کون سا سیکولرازم اس روشن خیالی کی مثال دے سکتا ہے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کے اعلان کے ساتھ ہی جہاں مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وہیں پر ہندوؤں اور سکھوں کی طرف سے مصیبت کے پہاڑ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہر جگہ مسلمانوں کا

Marfat.com

قتل عام شروع کر دیا۔ مردوں کو قتل کرتے بچوں کو نیزوں کی نوک پر سجا کر رقص ابلیس کرتے۔ خواتین اور دوشیزاؤں کی عزتیں لوٹ کر انہیں تہ تیغ کرتے۔ بہت سی خواتین نے عزتیں بچانے کیلئے خود موت کو چوم لیا اور بہت سے والدین نے یہ نظارہ دیکھنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی عزتوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔ ہر جگہ قیامت برپا تھی۔ لیکن جن صوبوں میں مسلمان اقلیت میں تھے وہ تو اور بھی زیادہ مصیبت کی تصویر بن گئے۔ حزن و غم ان کی زینت بنا دیئے گئے۔ بے رحموں کو کوئی ترس نہیں آ رہا تھا۔ انسانیت زخم زخم تھی اور تہذیب کے تمام درس جواب دے گئے تھے۔ انہیں تو مسلمانوں کو ختم کرنے سے کام تھا اور جو بچ نکلیں وہ پاکستان کی راہ لیں تاکہ نوزائیدہ پاکستان کے مسائل میں اضافہ ہو سکے۔ مسلمانوں نے بھی مدافعت کا سوچا اور جہاں کہیں ہو سکا خوب مقابلہ کیا لیکن ہندوؤں اور سکھوں نے تو پہلے ہی سے تیاری کر رکھی تھی اور یہ سب کچھ ان کے سوچے سمجھے منصوبہ کا حصہ تھا۔ ادھر بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے سلسلہ میں حد سے زیادہ بے انصافی اور تعصب سے کام لیا جا رہا تھا۔ پنجاب میں دریائے ستلج ایک فطری تقسیم بنتی تھی اور ہندو مسلم آبادی کی بھی یہی حد فاصل تھی لیکن اس قدرتی حد کو چھوڑ کر ضلع تحصیل بلکہ موضع تک کی حد تقسیم تک پہنچ گئے اور تمام انصاف کے اصول بالائے طاق رکھ دیئے گئے۔

ایسی حد فاصل بھی تجویز کر دی کہ ہندوستان کو ریاست کشمیر تک رسائی حاصل ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے پہلے ہی سے شیخ عبداللہ کو لالچ دیکر قابو کر لیا تھا۔ لیکن اس معاملہ کو زمینی طور پر اچھی طرح مضبوط کرنے کے لیے ضروری تھا کہ ضلع گورداسپور ہندوستان کے حصہ میں آ سکتا مگر اس کی اکثریت تو مسلمانوں کی تھی۔ لہٰذا اسے مزید تقسیم کرنے کے طریقے نکالے اور اس مقصد کے لیے اور بہت سے اضلاع اور ان کی تحصیلوں کو ہندوستان کے حوالے کرنے سے دریغ نہ کیا۔ لہٰذا اس مذموم مقصد کی خاطر نہایت بے دردی سے انصاف کا گلا گھونٹا گیا۔ ہندوؤں نے روپیہ پیسہ بھی خرچ کیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنا تمام تر اثر و رسوخ اور قوت اسی مقصد کے لیے لگا دی۔ ریڈ کلف جسے اس تقسیم کے لیے ثالث بنایا گیا تھا برصغیر کے لیے بالکل نیا شخص تھا یہاں تک کہ وہ پہلی دفعہ ہندوستان آیا تھا۔ وہ یہاں کی کسی چیز سے واقف نہیں تھا۔ اسے ہندوستان کے جغرافیائی حقائق سے بھی پوری طرح شناسائی نہ تھی۔ مونٹ بیٹن کا وقت کا ہتھوڑا تھا کہ ہر کسی کے ہوش خطا کر رہا تھا۔ یہ اسی مقصد کے لیے رکھا گیا تھا۔ ریڈ کلف کو مونٹ بیٹن اور دیگر انگریزوں نے بھی ہراساں کیا اور ہندوؤں نے بھی خوب بے وقوف بنایا اور ایسی سکیم تیار کروائی جو سراسر مسلمانوں کے خلاف تھی

Marfat.com

خاص طور پر کشمیر کو غصب کرنے کی خاطر۔ بنگال میں بھی یہی کچھ ہوا اور تمام حقائق کے خلاف کلکتہ شہر ہندوستان کو دینے کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ آسام میں تو بہت ہی زیادتی کی گئی۔ وہ تو مسلمانوں کو کچھ بھی دینے کو تیار نہ تھے بڑی ہمت اور قربانیوں کے بعد سلہٹ ضلع کو ریفرنڈم کے ذریعہ حاصل کیا جا سکا ورنہ سب کچھ ہڑپ کرنا چاہتے تھے۔ مونٹ بیٹن نے سخت بددیانتی سے کام لیا اسے احساس تھا کہ اتنی بڑی واضح بے انصافی پر شوروغوغا ہو سکتا ہے۔ گڑبڑ بڑھ سکتی ہے لہٰذا اس نے یہی بہتر سمجھا کہ لارڈ ریڈکلف کو ہندوستان سے روانہ کرنے کے بعد ہی اس کے ایوارڈ کا اعلان کیا جائے کیونکہ وائسرائے کے دل میں چور تھا۔ ایسا ہی ہوا وقت کا ظالم گرز چل رہا تھا اور اس نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ مجبوراً سب کچھ قبول کرنا پڑ رہا تھا۔ بصورت دیگر زیادہ خرابی تھی۔

۳ جون کے اعلان کے بعد جغرافیائی حدوں کے تعین کے علاوہ بہت سے اور امور تھے جن کی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تقسیم درکار تھی تمام Assets کے حصے بکھرے کرنا تھے۔ فوج کی تقسیم ہونا تھی۔ نہروں اور ریلوے کے نظام کی تقسیم تھی۔ سرکاری ملازموں کی حصہ بندی تھی۔ پنشن کے معاملات تھے۔ روپیہ' سکہ' نیز کرسی' کاغذ' پنسل اور کیا کچھ نہ تھا جو کرنا تھا کہ سوچ کر ہی دل دہل جائے۔ اس کے لئے بہت وقت درکار تھا۔ مگر من حرامیوں نے تو پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا کہ سارا بارود پاکستان کے خلاف چلانا ہے اور اس سے انہیں پریشان کرنا ہے۔ جلدی سے ہندوستان کو کوئی نقصان نہیں تھا۔ سب کچھ تو دلی میں تھا اور اس کے علاوہ بھی زیادہ تر ہندوستانی علاقہ میں ہی تھا۔

تمام سرکاری و غیر سرکاری انڈسٹری' ورکشاپیں' فوجی اور ریلوے کے Assets ہندوستان میں آنے والے علاقے میں تھے۔ جلدی کا نقصان تو پاکستان ہی کو ہو سکتا تھا جس کے حصہ میں کچھ بھی واقع نہ تھا۔ دارالحکومت تک نہ تھا۔ انڈسٹری اور سرکاری ورکشاپیں ادھر ہی تھیں۔ کسی ادارہ کا ہیڈکوارٹر پاکستان کی سرزمین میں نہ تھا۔ فوجی' بری' بحری اور ہوائی تمام اداروں کے ہیڈکوارٹر وہیں تھے۔ تمام اداروں کی تربیت گاہیں وہیں تھیں۔ کراچی کے علاوہ بندرگاہیں بھی اسی طرف تھیں بلکہ پہاڑی صحت افزا مقام بھی ان ہی کے حصہ میں تھے۔ پاکستان تو ایک زرعی ہنٹرلینڈ تھا اور اس میں آنے والے دو سب سے بڑے صوبے ایسے تقسیم کر دیئے تھے کہ ان کا حلیہ بھی بگاڑ دیا تھا اور یہ سب کچھ ہندو اور انگریز مل کر جان بوجھ کر کر رہے تھے تاکہ پاکستان جانبر ہی نہ ہو سکے۔ اور یہ سارا کچھ اتنی جلدی جلدی ہو رہا تھا کہ بڑوں بڑوں کے اعصاب جواب دے دیں۔ سالوں کا کام دنوں میں صرف اس لئے کرنے کی کوشش ہو رہی تھی کہ قائداعظم اور مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ کرنے کا مزا چکھایا جائے۔

Marfat.com

اسی لئے ماونٹ بیٹن نے اتنے بڑے کام اور تقسیم کے لئے صرف ۷۲/۷۳ دن دیئے اور خود ہی اعلان کر دیا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہو جائے گا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ انگریز کتنے عظیم لوگ ہیں انہیں اقتدار کا قطعاً کوئی لالچ نہیں ہے۔ وہ تو جلد از جلد ہندوستان چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ وہ تو یہاں پر صرف ہندوستانیوں کے فائدے کے لئے آئے تھے اور ٹھہرے ہوئے تھے وگرنہ ان کے کوئی مفاداتی مقاصد نہیں تھے۔ ان کے مقاصد تو بہت ہی اعلی و ارفع تھے۔ وہ تو اہل ہندوستان کو تہذیب سکھانے آئے تھے۔ علم و دانش کے دریا بہانے آئے تھے۔ جدید سائنس سے روشناس کرانے آئے تھے۔ جدید طب کے ذریعہ بیماریاں ختم کرنے آئے تھے۔ انگریزی زبان کے ذریعہ ایک نئی اور جدید ثقافت پیدا کرنے کا ارادہ تھا اور اسی طرح کی اور نیکیاں تھیں جن کی خاطر انہیں غلام بنایا گیا تھا۔ ذرا سختی بھی کی تھی۔ تھوڑا بہت مارا پیٹا بھی تھا ایسے ہی تھوڑی سی معیشت اور صنعت و حرفت میں نقب زنی کی تھی۔ ہندوستان کی اتنی بڑی آبادی کا مسئلہ تھا بس چند ایک لاکھ کو قتل کر کے تھوڑا اسے سدھارنا تھا وگرنہ تو اور ہمارا مقصد ہی نہ تھا۔ ہم تو ہمیشہ سے بہت جلدی یہاں سے جانا چاہتے تھے یونہی چند ایک ہندوستانی دوست مجبور کرتے تھے کہ ذرا اور ٹھہر جائیں وگرنہ ہم تو کب کے چلے جاتے۔ خاص طور پر راجے مہاراجے جاگیردار زمیندار ہمیں مجبور کر دیتے تھے۔ اب ہم نے ان کو بڑی مشکل سے منایا ہے کہ ہم ریاستوں کو تو بالکل آزاد اور خود مختار کر دیتے ہیں۔ چاہے وہ اپنی بادشاہتیں قائم کر لیں تب کہیں جا کر انہوں نے تھوڑی سی ہاں کی ہے وگرنہ ہم تو بہت پہلے چلے جاتے۔ ہمارا تو یہاں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ ہم تو صرف مروت کے مارے ٹھہر گئے تھے۔ تو اب ہم جا رہے ہیں۔ دیکھو ہم کتنی جلدی میں ہیں۔ ہمیں اس کا دوش مت دینا۔ ہمیں آپ سے ویسے بہت محبت ہو گئی تھی۔ ہم بہت اداس ہو جائیں گے۔ آپ بھی روئیں گے۔ ہم بھی روئیں گے۔ پہلے آپ رو لیں۔ پاکستان والے ذرا زیادہ ہی رو لیں۔ ان سے ہماری بہت پرانی علیک سلیک ہے۔ ان کو پہلے باری دیتے ہیں اور بس اس لئے ہم ۷۳ دن دیتے ہیں کہ دکھ اتنا شدید ہے کہ یہ رو رو کر ہلکان ہو جائیں اور خواہ مخواہ میں اپنی حصہ داری کی چیخ و پکار نہ کریں' دے دیں گے جو دینا ہو گا اور جس وقت دینا ہو گا۔ ہماری مرضی ہے۔ دائیں والے بوٹ کے ساتھ بایاں بوٹ کیوں دیں۔ ایک ہی کافی ہے دے دیتے ہیں۔ اس طرح ہر جوڑی دار چیز کی ایک ایک چیز ہم رکھ لیتے ہیں تاکہ بچھڑے ہوئے بھائی اسے لینے پھر آ جائیں اور پھر دوبارہ مل بیٹھیں گے۔ اس طرح نہایت ہی "نیک ارادوں" کے ساتھ ماونٹ بیٹن نے وقت کے ہتھوڑے کا ایک دفعہ پھر نہایت ہی موثر استعمال کیا اور

Marfat.com

اپنی نیک نیتی کا بھی ثبوت فراہم کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنی روشنی خیالی اور بے لوث خدمات کے نیک جذبوں کو روشناس کرایا اور پاکستان کو ستانے کا بھی انتظام کیا۔ ہاں اگر ہندوستان اور پاکستان کو اس کی خدمات کی ضرورت ہو تو وہ دونوں کا مشترکہ گورنر جنرل بننے کے لئے قربانی دے سکتا ہے تاکہ جو تھوڑی بہت خدمت کرنے کی کسر رہ گئی ہے اسے پوری کرنے کا ایک نہایت ہی سنہری موقع مل سکے۔

واہ واہ کیا نیک مرد تھا۔ کیا نیک ارادے پائے تھے۔ ایسے بے لوث انسان کے تو ہاتھ چومنے چاہئیں تھے کہ سب گناہ ہی جھڑ جائیں۔ بے چارے نے آخر کتنے پاپڑ بیلے تھے' نوزائیدہ معصوم کا گلا گھونٹنے کے لئے۔

Marfat.com

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو روح کو تڑپا دے جو قلب کو گرما دے

کئی دوست جو آج تک مونٹ بیٹن کے ذہنی اسیر بن کر قائداعظم کے اس فیصلہ سے اختلاف کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے اسے مشترکہ گورنر جنرل بننے کا کیوں موقع نہ دیا انہیں یہ تمام معاملات اور حالات ضرور سامنے رکھنا چاہئیں کہ یہ سب لوگ مل کر اس اسلامی روحانی اور اخلاقی انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے کیا کچھ نہیں کر رہے تھے۔ کیا انہیں ہی اختیار سونپ کر اپنی موت کا بندوبست کر لیتے یہ کام قائداعظم ایسا دانشمند اور مخلص انسان نہیں کر سکتا تھا۔ اور شکر ہے کہ انہوں نے اس بدبخت کی یہ بات نہ مانی۔ معاملہ محض زمین کا نہیں تھا۔ معاملہ تو اصل میں دین کا تھا۔ روحانی اور اخلاقی انقلاب کا تھا۔ اس وقت تو قائداعظم کے تدبر نے انہیں یہ گندا کھیل کھیلنے نہ دیا مگر بعد میں بھی ان لوگوں نے اس انقلاب کے آگے بند باندھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ہر طرح سے اور ہر طرح پر اسے زک پہنچانے کی کوشش کی۔ خود اور چلے جانے کے بعد اپنے اپنے دیسی چیلوں کے ذریعہ جن کے اندر ان کی روح حلول کر چکی تھی اس عظیم انقلاب کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے بلکہ روک ہی لیا۔ ویسے نہ روک سکے تو ڈنڈے والوں کے زور پر منجمد کر دیا۔ تھوڑی بہت رمق اگر کچھ جاندار روحوں میں رہ گئی تھی تو ان کے اندر سے اس انقلاب کو روکنے کے لئے اب تک کوششیں جاری ہیں۔ بلکہ اب تو شاید اس کی مکمل تباہی کے مشورے اور منصوبے ہیں۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا

Marfat.com

ہوتا ہے۔ روحانی انقلاب کبھی بھی رکا نہیں کرتے۔ جب اتنے بھیانک اور ناپاک منصوبے اتنی اعلی سطحوں پر ہو رہے ہوں تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ عام سطح پر اس کا کیا نتیجہ نکلنا تھا۔ وہاں تو نفرتوں کے ابلتے ہوئے آتش فشاں جمع ہو چکے تھے۔ اور پھر اپنی پوری نہایت ہی خوفناک جولانی کے ساتھ پھٹ پڑے اور ہولناک تباہی کے طوفان بن کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ جو کوئی بچ سکا وہ پاکستان کی طرف عافیت کی تلاش میں چل پڑا۔ راستے پر خطر تھے ہر طرف موت کا راج تھا۔ ہر موڑ سے موت جھانک رہی تھی۔ دشمنوں کے نیزے بچوں کے سینے پرونے کے لئے گھات لگائے تھے۔ گاؤں گاؤں' گلی گلی' قریہ قریہ کہرام تھا۔ قیامت تھی کہ ہر سو آگ اور خون' چار سو خوف کے تاریک بادل اٹھ آئے تھے۔ اس تلاطم بلا سے کہاں پناہ مل سکتی تھی۔ ہر طرف سے گولی آتی تھی۔ جہاں بھی سر چھپا سکتے بیچارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور وقت پاتے ہی کسی دوسری پناہ گاہ کی طرف خوف کے سایوں میں چل پڑتے۔ نہ فوج نہ پولیس 'کوئی پرسان حال نہ تھا۔ مسلمان پولیس کو تو بہت پہلے نہتا کر لیا گیا تھا کہ مسلمانوں کے قتل عام میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ خوفزدہ بچے بچائے مسلمان کسی اسلامیہ کالج یا سکول تک پہنچ جاتے تو شکر کے سو سو سجدے کرتے۔ بچے پٹائے مسلمانوں نے خود ہی مہاجر کیمپوں کا انتظام کیا اور اکٹھے ہو کر اپنے دفاع کا جو کچھ بھی ہو سکا بندوبست کیا۔ مونٹ بیٹن اور اس کی حکومت کو اس مسئلہ کی طرف دھیان دینے کا تبھی خیال آیا جب اس کی دہائی ساری دنیا میں پھیل گئی۔ وہ تو خود اس کے ذمہ دار تھے۔ انہوں نے تو بہت سوچ سمجھ کر صوبوں کی تقسیم کی خباثت کا فیصلہ کیا تھا اور انتقال آبادی کی جان بوجھ کر بنیاد رکھی تھی۔ پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو مہاجروں کے دکھوں سے ڈبو دینا چاہتے تھے لیکن دہائی تھی کہ عالم میں چار سو پھیل چکی تھی۔ جھوٹے منہ سے سلامتی کے اس وقت انتظامات کرنے کا سوچا جب مہاجر اپنے اپنے سکولوں یا کیمپوں میں اکٹھے ہو گئے تھے اور کچھ نہ کچھ دفاع بھی کر سکتے تھے۔ پانی اور خوراک کا کوئی انتظام نہ تھا۔ تلوار سے زیادہ بھوک اور بیماری سے لوگ مر رہے تھے۔ اس ظلم کی خبریں جب پاکستان پہنچنے لگیں تو یہاں پر بھی ایک فطری رد عمل ہوا اور چند ایک ہندوؤں کی شامت آگئی مگر ہندوؤں نے پہلے ہی سے اپنا انتظام کر رکھا تھا کیونکہ انہیں اس طرح کے منصوبوں کا اپنے راہنماؤں کی وجہ سے علم تھا۔ سکھ تو خیر بہت ہی منظم تھے کم تعداد میں ہونے کے باوجود نہ صرف اپنا دفاع کر رہے تھے بلکہ اکثریت کے لئے بھی خوف کا نشان بنے ہوئے تھے اور نہایت ہی منظم طریقے سے اکٹھے ہو کر ہندوستان کی طرف رواں دواں تھے۔ مہاجروں سے دونوں طرف کے راستے پٹے پڑے تھے۔ لاکھوں انسان کسمپرسی کی حالت میں ایک طرف سے دوسری طرف بھاگ رہے

Marfat.com

تھے۔ جس سے جو کچھ بن پڑا اسی میں سرگرداں بھاگ اٹھا۔ قطار در قطار پیدل لوگوں کی نہ ختم ہونے والی اک بھیڑ تھی کہ ہر طرف پھیلی تھی۔ گھوڑے 'گدھے اور بیل گاڑیاں ہر طرف چیخ و پکار کر رہی تھیں۔ ٹرک 'کاریں اور موٹر سائیکل دھول اڑا رہے تھے۔ ریل گاڑیاں بھی بے ہنگم دوڑ میں شامل تھیں۔ کبھی چلتیں 'کبھی رکتیں اور کبھی پوری کی پوری خون سے لت پت ہو جاتیں۔ قتل گاہ انسانیت تھی کہ دیکھی نہ جا سکتی تھی اور یہ سب کچھ ہندو اور ماونٹ بیٹن کی غیر معقولیت کی وجہ سے ہوا۔

اپنی ضد اور تنگ نظری کی وجہ سے وہ کوئی معقول بات ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھے۔ انہیں تو مسلمانوں کی بیداری کھائے جا رہی تھی۔ انہیں تو اس امڈتے ہوئے نظریاتی انقلاب کو دبانے کی فکر تھی جس کے لئے یہ سب جور و ستم روا رکھے گئے تھے۔ اور پھر وقت کے ہتھوڑے کو مزید موثر کرنے کے لئے 15 اگست یوم آزادی قرار دے دیا۔ دونوں مملکتوں کی جغرافیائی حدود کیا ہیں اس کا اعلان باقی تھا اور پریشانی میں سرگرداں انسانوں کو کچھ معلوم نہ تھا کہ ان کی جائے عافیت کون سی ہے۔

ستلج کے اس پار کے مسلمان تو ہر لحاظ سے مطمئن تھے بلکہ وہاں کے تمام ہندوؤں کو بھی یقین تھا کہ یہ علاقے تو ضرور پاکستان ہی میں جائیں گے لیکن جب ١٦/١٧ اگست کو بونڈری کمیشن کے ایوارڈ کا اعلان ہوا تو سب ہی حیران ہو گئے اور ان علاقوں کے ہندو بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جنہیں یقین تھا کہ وہ علاقے تو پاکستان کے حصہ میں آئیں گے اور پھر بے چارے مسلمانوں کو اپنے بال بچے اٹھا کر بھاگنا پڑا۔

سکھ ریاستوں نے تو ظلم کی انتہا کر دی۔ وہاں کے حکمران اور ان کے فوجی مسلمانوں کے قتل عام میں لگ گئے۔ اور بہت تھوڑے لوگ تھے جو ان کے ظلم سے بچ کر نکل سکے۔ لاکھوں خواتین اغوا کر لی گئیں اور لاکھوں کی بے حرمتی کی گئی۔ انسانیت تھی کہ اجڑ رہی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی طرف سے پاکستانی علاقوں میں اس طرح کی مذموم حرکات بہت کم ہوئیں۔ خواتین کو ستانا 'اغوا کرنا یا ان کی بے حرمتی کرنا برے سے برے مسلمان کی خو میں بھی نہیں آتا کہ اسلام کی تعلیمات کی عظیم برکات کا یہی سبق ہے 'یہی سیرت گری ہے۔ کہیں کہیں قتل و غارت اور لوٹ مار مسلمان علاقوں میں بھی ہوئی لیکن ہندو یا سکھ عورتوں کے ساتھ اس طرح کی حرکات شاذونادر ہی سرزد ہوئیں۔ ایسے وقت میں جب تہذیب ختم ہو رہی تھی اور انسانیت گریہ کناں تھی اس وقت بھی اسلام کی اخلاقی گرفت کا اعزاز تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کو روک رہی تھی۔ یہ تاریخی حقیقت ہے اور اس سچائی سے کوئی بھی آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ آج بھی تقسیم کی لکیر کے دونوں طرف وہ لوگ زندہ ہیں۔ جنہوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا ہے۔ وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ اس وقت کے بیدار ضمیر مسلمانوں نے

Marfat.com

اس طرح کی گھٹیا حرکات سے گریز کیا۔ چند ایک جرائم پیشہ اور پراگندہ ذہن لوگوں نے اگر اس طرح کی کسی حرکت کی کوشش کی تو اسے روکنے کے لئے اپنی جانیں تک خطرے میں ڈال لیں۔ یہ اسلامی روحانی بیداری کا عظیم ثمر تھا۔ اسلام ایک ایسا مضبوط اور جامع ضابطہ ہے کہ بہت سے انسانوں کو ان کے کمزور ترین لمحات میں بھی بھٹکنے سے بچانے میں مدد دیتا ہے۔ معاش ہو' معاشرت ہو' سیاست ہو' سماجی رویے ہوں سب موقعوں پر انسان کے سفلی اور نفس امارہ کے جذبوں کو کنٹرول کرتا ہے۔

ادھر حکومت برطانیہ اور برٹش پارلیمنٹ نے دشواری اور قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے نہایت سرعت کے ساتھ رسمی کارروائی پوری کی اور آزادی کا ایکٹ پاس کر دیا۔ ہندوستان کو دو مملکتوں میں تقسیم کر دیا۔ انہیں ڈومنین کی حیثیت میں باقاعدہ قانونی طور پر آزادی دینا ظاہر کر دیا اور ہر دو مملکتوں کے لئے ہر دو دستور ساز اسمبلیوں کی تشکیل کا راستہ صاف کر دیا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آنے والی دستور ساز اسمبلی ہی کو دو حصوں میں بانٹ دیا کیونکہ اسی نکتہ پر وہ الیکشن ہوئے تھے۔ اور جب وہ اسمبلی اپنا اپنا دستور بنا لے تو وہ اپنی مکمل آزادی کا خود فیصلہ کر سکتی ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے کامن ویلتھ ہی میں رہنے کا عندیہ دیا اور واضح اشارہ کر دیا کہ وہ جمہوریہ بن جانے کے بعد بھی دولت مشترکہ میں رہنا پسند کریں گے۔ اب غلامی کی بجائے آزاد مملکت اور برابری کی سطح پر اپنے اپنے تعلقات مزید استوار کرنا پسند کریں گے تاکہ دو تہذیبوں کے سنگم سے جو رشتے استوار ہوئے تھے ان کے اچھے پہلوؤں کو قائم دائم رکھا جا سکے۔

اس طرح انگریزوں نے آخری وقت میں نہایت ہی دلکش اور خوبصورت انداز میں تلخیوں کو شیرینی میں تبدیل کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اپنا پہلو بچا کر ہندو مسلم تلخیوں کی پس پردہ ترویج کرنا شروع کر دی کہ اس طرح ان کا اپنا چہرہ ہر کسی کو زیادہ دلفریب نظر آئے۔ ہندوستانی عوام خاص طور پر پاکستانیوں کو ایسی اذیت ناک صورتحال سے دوچار کیا جائے کہ وہ انگریزی راج کو یاد کرتے رہیں۔ اسلامی روحانی' اخلاقی انقلاب کو بھول جائیں۔ Frustration کا شکار ہو جائیں۔ مایوسی اور قنوطیت لوٹ آئے اور پھر مناسب وقت آنے پر اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے انگریزی تہذیب کے دلدادہ غلام ذہنیت اور مفاد پرست ٹولہ کے ذریعہ انہیں ایک دفعہ پھر بالواسطہ اپنے خاص ایجنٹوں کے ذریعہ اپنا دست نگر بنا لیا جائے۔ اسی لئے تو آزادی ایکٹ پاس کرنے کے مرحلہ پر برٹش پارلیمنٹ کے ممبران نے خود ستائی کی انتہا کر دی تھی کہ انہوں نے اپنے تمام دیرینہ وعدوں کو ایفاء کر دیا ہے۔ ہندوستان کی عظیم خدمت کی ہے۔ اسے جدید تہذیب اور علم و دانش سے روشناس کیا ہے اور جو ہم

Marfat.com

نے عہد و پیان باندھا تھا اسے حرف بہ حرف پورا کر رہے ہیں کہ وہی مغربی تہذیب کے اعلیٰ ترین اسلوب کا مظہر ہیں انہوں نے ان خطبات میں کہیں بھی اپنی مجبوریوں کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ہندوستانیوں کی قربانیوں اور جہد پیہم کا بلکہ اپنی ہی عنایات اور اعلیٰ ظرفی کی ستائش کی اور یہ سب کچھ نہایت ہی سوچ سمجھے منصوبے کے تحت اپنے آئندہ کے پروگراموں کا راستہ صاف کرنے کے لیے کیا۔ کہ ان کے اپنے پٹھوؤں اور چمچوں کے لیے اچھے دلائل مل جائیں۔

پاکستانیوں کو خاص طور پر مصیبتوں اور تلخیوں کا اس لیے شکار کیا کہ ان کے اندر منفی اور حوصلہ شکن جذبات پیدا ہوں۔ مایوسی کے نتیجہ میں وہ اپنے روحانی اور اخلاقی احیاء کے جذبات سے ہٹ کر مادیت اور اخلاق باختگی کا راستہ اختیار کر کے آنے والے انقلاب کے راستے سے ہٹ جائیں اور اپنے روحانی چیلوں کے ذریعہ اس وقت ان کی روح و قلب کو جکڑا جا سکے۔ ہندو کی اپنی بدنیتی تھی کہ اس نے تو پاکستان تسلیم ہی اس لیے کیا تھا کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ وہ چل ہی نہ سکے اور مجبورا ان کی طرف واپس لوٹے اور ان کا اکھنڈ بھارت کا خواب دوبارہ پورا ہو جائے۔

Assets کی تقسیم اور مہاجروں کے مسائل پیدا کرنا اسی ایجنڈا کا حصہ تھا جس کا مقصد پاکستان کی زندگی کے سوتے ختم کرنا تھا کہ اسے اتنے مسائل سے لاد دیا جائے کہ پھر اٹھ بھی نہ سکے۔ انگریزوں کے اپنے مقاصد تھے اور ہندوؤں کے اپنے لیکن دونوں ہی اسلامی روحانی اخلاقی انقلاب سے خوفزدہ تھے اور اس کا راستہ روکنے کے لیے دونوں کے مقاصد یکجا ہو جاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو بھی اغیار کی سوچوں، منصوبوں شرارتوں کا پورا پورا احساس تھا۔ انہیں صلیبی جنگیں بھی یاد تھیں اور ہندوؤں کی عصبیت بھی۔ رچرڈ اور شیوا جی کو بھی نہیں بھولے تھے۔ ان کو عظیم روحانی بزرگوں نے راہ راست پر رکھا تھا۔ انہیں تو حضرت مجدد الف ثانی کے زمانے سے ہندو چالبازیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے ان کی راہنمائی فرمائی تھی۔ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے شکست و ریخت کے عمل سے گزرے تھے۔ مگر ان میں سے نیک لوگوں نے کبھی بدی کا دامن نہیں تھاما تھا۔ خراب سے خراب حالات میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید ایسے مجاہدوں نے حقانیت کا علم بلند رکھا تھا۔ انگریزوں اور سکھوں کے مظالم سہتے تھے لیکن اسلام کا دامن کبھی نہیں چھوڑا تھا۔ ان کے پاس ایک عظیم منبع رشد و ہدایت تھا جو ہر مرحلہ پر ان کی راہنمائی کرتا تھا۔ ان کی حفاظت ان کا اللہ رسول اور قرآن کرتا تھا۔ انہوں نے اس رشد و ہدایت کو مشکل سے مشکل مرحلہ پر لوگوں کے دلوں میں روشن رکھا۔ اپنی مدد آپ پر مدرسوں اور مکاتب کا انتظام کیا۔ انگریزی زبان

Marfat.com

اور لباس کے ذریعہ انہیں ان کی جڑوں سے دور لے جانے کی لاکھ کوششیں ہوئیں لیکن ان کی ایمانی پختگی نے انہیں راہ راست پر قائم دائم رکھا۔ سرسید احمد خان 'الطاف حسین حالی علامہ اقبال اور دیگر بزرگوں نے اگر مایوسی کے دور آئے بھی تو اپنے ولولہ انگیز کلام سے ان کی تاریکیوں کو دور کر کے سحر آشنا کر دیا تھا اور پھر ہندو کے ظلم اور تنگ نظری نے ان کے ولولوں اور قوت ایمانی کو اور بھی مضبوط بنا دیا تھا۔ اک جہد مسلسل تھی کہ صدیوں سے جاری تھی اور آخر کار ایک نہایت ہی عظیم دور بین بلیغ نظر قیادت مل گئی تھی جو ڈوبتی کشتی کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے لے جا رہی تھی۔

اسلام ابدی روحانی تحریک تھی۔ اسے کون روک سکتا تھا؟ یہ تو حکم خداوندی تھا۔ اتنی نیک روحوں کی دعائیں ہمارے شامل حال تھیں یہ چراغ پھونکوں سے بجھنے والا نہیں تھا۔ انگریز اور ہندو کے لاکھ منصوبے سہی مگر یہاں اللہ تعالے کی بابرکت مدد شامل حال تھی۔ اعلان مونٹ بیٹن کر رہا تھا ۱۵ اگست کا مگر پاکستان کی تخلیق کا لمحہ بوجوہ ۱۴ اگست کو ٹھہرا کہ یہی مشیت ایزدی تھی۔ لیلتہ القدر ۲۷ رمضان المبارک کا بابرکت لمحہ تخلیق و تشکیل پاکستان کا وقت ٹھہرا کہ اللہ کی طرف سے برکتیں نازل ہو رہی تھیں۔ روحانی قوتوں کی کامرانی کی نوید تھی۔ طاغوتی طاقتوں کی شکست 'کراچی میں مونٹ بیٹن اس لمحہ انتقال اقتدار کی رسوم کے لیے آتا ہے۔ تقریر میں کہتا ہے کہ اے مسلمانو تمہیں اپنا آزاد ملک مل گیا۔ یہی آپ چاہتے تھے اور ہم نے وعدہ پورا کر دیا۔ آپ خود اپنا انتظام و انصرام سنبھال لیں۔ آپ کے لیے اس کام کے لیے بہترین نمونہ اکبراعظم کی حکمت عملی اور انتظامی تجربہ ہے اس لمحہ بھی وہ اپنی دلی خباثت سے باز نہ رہا اور مصلحت کہشی اور کذب عظیم کی ترویج کرتا رہا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی روح کو ارتعاش آگیا اور قائداعظم کی روح و قلب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس فریب میں مت آنا۔ اکبر بادشاہ کا راستہ اسلام کی تباہی کا راستہ تھا۔ وہ تو اپنی سلطنت اور دنیاوی مصلحتوں کے تحت اسلام کو مسخ کر رہا تھا۔ اس نے تو اسلام سے انحراف کر کے حقانیت کی شناخت ہی ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ سیکولرازم کا ہندوستان میں پہلا پرچارک رہا تھا۔ وہ دو قومی نظریہ کی نفی چاہتا تھا۔ وہ کیا نمونہ بن سکتا ہے۔ وہ تو بھٹکا ہوا دنیا پرست تھا یہاں تک کہ ہندوؤں نے بھی اسے دھتکار دیا تھا اور اس دین الٰہی کی طرف مسلمان تو کجا ہندو بھی نہیں آتے تھے کہ وہ سب کچھ جھوٹ تھا ظلم و جور اور سلطنت و سطوت کے لیے کر رہا تھا۔ اسلام کا مقام بہت ہی بلند ہے۔ سیکولرازم اس کی مساوات اور انصاف پسندی کا پاسنگ بھی نہ ہے۔ دنیا کی نجات اور فلاح کا ایک ہی نمونہ ہے۔ وہی ابتدا ہے وہی انتہا ہے۔ وہ ہے محمد مصطفےٰ کی ذات عظیم رحمت للعالمین کہ مدینہ کی جمہوریہ کی سربراہی ملی تو

Marfat.com

حکمت و عدل کی تکمیل ہو کر دنیا کو ایک مکمل تصویر ملی۔ سب کے ساتھ ایک جیسا انصاف فرمایا۔ مسلمان تو کجا مشرک اور یہودی بھی آپ کے انصاف سے مستفیض ہوئے۔ رواداری ایسی کہ دنیا میں مثال نہیں بن سکتی۔ نجران NAJRAN کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں عبادت کی اجازت دی۔ یہودیوں' عیسائیوں' مشرکوں اور مسلمانوں میں برابری کا انصاف کیا۔ لشکر کی سربراہی فرمائی تو بھی کوئی بے انصافی روا نہ ہونے دی۔ حکومت فرمائی تو حکمت و حقانیت کی Perfection کا ملامت دکھا دی۔ کسی اونچ نیچ اور قبائلی عصبیت کو داخل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ تمام قبائلی اور نسلی عصبیت جڑ سے اکھاڑ دیں۔ دشمنیاں ختم کر دیں۔ ایک بڑے گھرانے کی فاطمہ نے چوری کی۔ سب اس کی برات کے خواہاں تھے فرمایا نہیں اگر میری اپنی بیٹی فاطمہ بھی یہ حرکت کرتی تو اسے بھی یہ سزا ملتی اور ایک ابدی حقیقت بھی بیان فرما دی کہ پہلے آنے والی بہت سی قومیں اس لئے تباہ ہو گئی تھیں کہ انہوں نے برابر کا انصاف نہیں کیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی روح نے قائد اعظم پر آشکارا کر دیا کہ آنحضور کی تو وہ ذات تھی جو ہر پہلو سے مکمل رحمت تھی۔ انہوں نے فتح مکہ کے بعد اپنے بد ترین دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ ابو سفیان جو ساری عمران کے خون کا پیاسا رہا اس کا گھر عافیت گاہ بن جاتا ہے۔ ان کے چہیتے چچا حمزہ کا جگر چبانے والی ہندہ کو بھی معافی مل جاتی ہے اور سب کے لئے اعلان ہو جاتا ہے کہ لا تثریب علیکم الیوم۔ یہی نہیں حیوان بھی آپ کی رحمت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت آپ کی سربراہی میں اتنا بڑا لشکر بڑھ رہا ہے۔ ہر کوئی مکہ شہر میں اپنے اپنے کواڑ بند کئے بیٹھا ہے کہ مالک لولاک آ رہے ہیں گلیاں بالکل سنسان ہیں۔ ایک بے چاری کتیا اپنے بچوں کے ساتھ ادھر سے ادھر بھاگ رہی ہے۔ اسے پناہ کے لئے کوئی دروازہ نہیں کھلتا۔ آنحضور رحمت للعالمین کی نگاہ اس غریب کتیا پر پڑتی ہے تو اس کی پریشانی دیکھ کر پورے لشکر کو رک جانے کا حکم ملتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ دیکھنا اس کتیا اور اس کے بچوں کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ اللہ اکبر یہ تھی شان کریمی ہمارے نبی اکرم کی' جانور بھی ان کی التفات سے اوجھل نہیں تھے۔ ہمیں کس اور نمونہ کی ضرورت ہے اور وہ بھی اکبرا ایسے بدبخت حقانیت کے دشمن کی۔ ہاں فراست سے دیکھا جائے تو بھی نبی اکرم کی ذات سے بڑھ کر کہیں نہیں۔ صلح حدیبیہ فتح مبین ٹھہرتی ہے۔ مکہ کے مشرک آمادہ بہ فساد ہیں۔ حج کے فریضہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اللہ کا نبی امن کا پیامبر ہے۔ وہ فتنہ نہیں چاہتا۔ کفار مکہ کی عقل پر پردہ پڑ چکا ہے۔ اللہ کا رسول چاہے تو بزور شمشیر داخل ہو سکتا ہے اور ان سب کو نیست و نابود کر دے مگر یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں فساد اور خون بہانا حرام ہے۔ یہ اس کی حرمت کا تقاضا ہے کہ ان

Marfat.com

عقل کے اندھوں کے ساتھ صلح جوئی سے کام لیا جائے کیونکہ ان کی کھلی آنکھیں وہ کچھ نہیں دیکھ سکتیں جو اللہ کا رسول دیکھ سکتا ہے۔ صحابہ رسول بھی اس نگاہ کے آس پاس نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایسے عظیم صحابی جلال میں آ جاتے ہیں مگر فراست اور فہم کے عظیم نمونہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ امن دیجئے ہم صلح کر لیتے ہیں اور پھر چشم فلک نے دیکھا کہ کس طرح صلح ایک مکمل بھرپور فتح مبین بن گئی اور وہ بھی دو سال کے اندر اندر۔ اب کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ اکبر اعظم ایسے احمق کو نیا نمونہ بنائے۔

روح مجدد کا ملاپ قائداعظم کے ساتھ ہونا تھا کہ مونٹ بیٹن کے جواب میں حضرت قائداعظم نے فرمایا کہ ہمارے پاس تو ایک بھرپور جامع اور اعلیٰ وارفع نمونہ حکمت و حکومت آنحضور کی ذات میں موجود ہے ہمیں کسی اور کی ضرورت نہ ہے۔ ہم تو وہی کرنے آئے ہیں۔اور وہی کریں گے جس کی ہمارے ہادی اکبر نے ہمیں ہدایت کی ہے۔ وہی ہمارے راہنما ہیں اور وہی ہمارے ہادی۔ کون اس انقلاب کا راستہ روک سکتا تھا۔ اس انقلاب عظیم کے راہنما کی نگاہ بلند بلیغ اور صاف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے اسے بہت دیر پہلے سے معلوم تھا کہ اس کی کیا ذمہ داری تھی۔ اسے مونٹ بیٹن جیسے جاہل کے مشورہ کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ جب حضرت قائداعظم نے مونٹ بیٹن کے جواب میں یہ الفاظ کہے تو بہت سے اہل ایمان پکار اٹھے کہ پاکستان جس عظیم مقصد اور تجربہ کے لئے معرض وجود میں آیا ہے اس نے اسے مسلمانوں کے لئے مسجد اور سجدہ گاہ بنا دیا ہے۔ اس کے چپہ چپہ کی حفاظت ایمان افروز سجدوں سے ہوگی۔ اس کی حکومت اور حکمت کی مثال آنحضور کی ذات ہوگی۔ وہی منبع رشد و ہدایت ہے اور وہی منتہا و مقصود کہ لیلۃ القدر کی بابرکت ساعت میں قائداعظم کی زبان سے ہمارے لئے ناقابل تبدل اور مستقل نصب العین کے الفاظ نکل رہے تھے۔ یہ اک معجزہ تھا کہ سب کو کمال جذب و مستی سے مخمور کر گیا۔

Marfat.com

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں 'پیہم رواں' ہر دم جواں ہے زندگی

پاکستان بن گیا' انگریز اور ہندو کے سینے پر مونگ دلے گئے۔ لارنس آف عربیہ کی شیطانی کا بدلہ لے لیا گیا۔ نسلی اور علاقائی عصبیت کی بنا پر وطنی قومیت کا فتنہ اٹھا تھا اس کی پاکستان کی شکل میں دو عشروں کے اندر اندر سمت صحیح کر لی گئی اور انگریز کو زبردست نظریاتی شکست ہوئی۔ اس پر اس کے سینے پر سانپ تو لوٹنے ہی تھے۔ گاندھی کی بڑ کہ چند ایک مذہب تبدیل کرنے والوں کو کسی طرح بھی قوم کہلانے کا حق ہے اور نہ ہی وہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کو منہ کی کھانی پڑی۔ دونوں قوتیں اپنے ہی شیطانی بوجھ تلے دب کر سسک رہی تھیں۔ ان کا غم و غصہ ایک فطری امر تھا وہ تو اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ پاکستان کو فنا کرنے کی تمنا رکھتے تھے اور اس کی تباہی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے اور پھر دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ بپا کر دیا۔ ایک وقت میں کبھی اتنے انسانوں کو اپنے گھروں سے بے گھر ہونا نہیں پڑا تھا۔ پاکستان کے ہر حصہ میں' ہر صوبہ میں' ہر ضلع' تحصیل' قریہ قریہ' گاؤں گاؤں کسی نہ کسی حوالہ سے لٹے پٹے بے سروسامان مسلمان مہاجر ہندوستان کے ہر علاقہ سے پہنچنا شروع ہو گئے۔ پاکستان کی مقامی مسلمان آبادی نے اپنے ان مفلوک الحال بھائیوں کے لئے بانہیں کھول دیں اور اتباع اسلاف میں ۱۴سو سال پہلے کے انصار یثرب کی یاد تازہ کر دی۔ ہر جگہ مسلم لیگ کے رضاکار اپنا سب کچھ لئے ان کے استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ ہر ریلوے سٹیشن مہاجروں کی عافیت گاہ بن گیا۔ رضاکار زخموں کی مرہم

Marfat.com

پی کرتے۔ بھوکوں کو کھانا دیتے۔ پیاسوں کو پانی پلاتے۔ بھٹکوں کی راہنمائی کرتے۔ کیمپوں میں پہنچاتے۔ بچھڑوں کو ملاتے۔ خاندانوں کو یکجا کرتے اور جہاں کہیں ہندوؤں کے خالی کئے مکانات تھے ان تک پہنچاتے۔ خالی زمینوں والے گاؤں کی نشاندہی کرتے اور وہاں پہنچ جانے پر بھی ان کی خبرگیری کرتے اوران کے مسائل کو اپنا مسئلہ سمجھ کر حل کرنے کی کوشش کرتے۔ پاکستان میں جہاں بھی جس جگہ پر بھی مہاجر پہنچے ان کے پڑوسی ان کی ہر ضرورت کا خیال کرتے۔ تسلی اور سکون کا باعث بنتے اور اپنے تمام مادی وسائل ان کے ساتھ بانٹ لیتے۔ نیکی پارسائی کی یہ صورت تھی کہ مجال ہے کہ کہیں بھی الا ماشا مقامی لوگوں نے ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائداد پر قبضہ کیا ہو۔ ایک ایک چیز' مکان دکان 'کپڑے برتن سب اپنے آنے والے بھائیوں کے حوالے کر دیئے اور جو کچھ اپنے پاس تھا وہ بھی ان کے لئے مختص کر دیا۔ محبت اور بھائی چارہ کی وہ فضا تھی کہ دنوں میں مہاجرین مقامی آبادی کے ساتھ گھی شکر بن گئے کہ یہی ان کی قوت ایمانی اور اسلامی مساوات نے انہیں سکھایا تھا۔ طلبا نے تو کمال کر دیا۔ بھوکے پیاسے رہتے مگر دن رات مہاجروں کی خدمت کرتے۔ تعلیم ملتوی کر دی نوکریوں کی تلاش بند کر دی۔ ہر کام بند کر کے اس ایمرجنسی کے علاج میں مصروف ہو گئے۔ بوڑھے بزرگ اپنا بڑھاپا بھول گئے اور ایک عجیب و غریب نئی توانائی محسوس کرنے لگے اور مہاجروں کو Settle کرنے میں لگ گئے۔ گھر کی خواتین دن رات اپنے آنے والے بہن بھائیوں کے لیے کھانا پکاتی نہ تھکتیں اور گھر کے افراد کیمپوں میں پہنچ کر ایک ایک بھائی کے منہ میں لقمہ ڈالتے۔ ڈاکٹر اور ان کا پیرا میڈیکل سٹاف خدمت خلق کے جذبے سے ایسا سرشار تھا کہ چشم فلک نے شاید ہی ایسا جذبہ ایثار دیکھا ہو وہ تمام کے تمام لوگ دکھی انسانیت کی خدمت اور ان کے زخموں پر مرہم لگانے میں ایسے محو ہوئے کہ اپنا سب کچھ ہی بھول گئے۔ وہ وقت تھا کہ جب انسانیت اپنی بہترین چمک دمک کے ساتھ سرخرو ہو رہی تھی کہ اسلام نے یہی سبق دیا تھا یہی ہمارے بزرگوں کا درس تھا یہی ان کا عمل تھا یہی فخر تھا یہی قوت تھی یہی طاقت تھی نیک جذبے وہ توانائیاں باہر نکال لائے تھے کہ دشمنوں کے تمام گندے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ مہاجر چشم زدن میں مقامی آبادی کے ساتھ گھل مل گئے۔ اور پھر اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پیداواری عمل میں شامل ہو گئے۔

ایمرجنسی میں ابتدائی امداد جائز ہے لیکن مسلمان تو کسی کا خواہ مخواہ محتاج نہیں بننا چاہتا۔ اسلام میں دوسرے کا محتاج ہونا سخت منع ہے۔ بھیک کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔ مزدوروں نے مزدوری ڈھونڈنا شروع کر دی۔ کاشتکار نے کاشتکاری' کاریگر نے اپنا ہنر تلاش کرنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

ڈاکٹر' استاد وکیل حتی کہ جس کا جو پیشہ تھا وہ اپنے اپنے میدان میں لگ گیا اور اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونے کی سعی میں مصروف ہو گیا۔ اس سے بہت پہلے' صدیوں پہلے مدینہ کی گلیوں میں بھی یہی کچھ ہوا تھا اور ہمارے لیے وہ بہترین مثال موجود تھی اور اس کا اتباع کرتے ہوئے ہر مسلمان نے جہاں کہیں بھی تھا اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔ کوئی کسی سرکاری عملے کا انتظار نہیں کر رہا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ ان کا اپنا ملک ہے۔ وہ آزاد تھے۔ اس آزادی کے لیے انہوں نے قربانیاں دیں تھیں۔ اسے بنانا اور سنوارنا ان ہی کا کام تھا۔ سرکار تو ابھی صحیح معنوں میں بن ہی نہیں سکی تھی۔ دارالحکومت تھا نہ میز نہ کرسی نہ کاغذ۔ بس اک بے سروسامانی تھی مگر جذبے جوان تھے مضبوط تھے۔ نیتیں ٹھیک تھیں اور وہی سب سے بڑی قوت تھی اور یہ وہ قوت ہے کہ جس کے سامنے سلطنت وسطوت کی تمام مظہر عمارتیں اور دفاتر ہیچ ہیں۔ ان سب کے باوجود جب ولولے نہ ہوں تو یہ عمارتیں اور دفاتر سدا کے لئے قفس بن جاتے ہیں جہاں سے کام بنتے نہیں بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن الحمد للہ پاکستان کی تخلیق کے موقع پر یہ عظیم جذبے نہ صرف موجود تھے بلکہ اپنی بہترین شکل میں عمل کی دنیا کو روشن کر رہے تھے۔ بس کچھ نہ ہونے کے باوجود جو افسر جہاں پر بھی تھا جس علاقہ میں بھی تھا وہ خدمت خلق کے عظیم جذبات سے سرشار مہاجروں کو سہارا دے رہا تھا۔ انہیں ان کے قدموں پر کھڑا کرنے کے جتن کر رہا تھا۔ پٹواری' تحصیلدار' ڈپٹی کمشنر کاشتکاروں کو نہایت سرعت کے ساتھ آباد کر رہے تھے۔ ان کے ہل بیل کا بھی انتظام کر رہے تھے۔ بیج پانی کا بھی بندوبست ضروری تھا۔ اساتذہ آنے والے بچوں کی تعلیم کے لیے سرگرداں تھے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں سکول میں لے جا رہے تھے۔ تھانیدار اور پولیس امن عامہ قائم رکھنے میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت دے رہے تھے۔ فوجی جوان اور پولیس والے اپنی جانوں پر کھیل کر مہاجروں کی ٹرینوں' بسوں' اور ٹرکوں کی حفاظت میں مصروف تھے۔ ریلوے کا سٹاف تو کمال تھا۔ نہتے تھے مگر مجال ہے کہ انہیں اپنی جانوں کی پروا ہو۔ وہ اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو بچانے کے لئے سب سے آگے تھے۔ پولیس والوں نے مسلمانوں کی اغوا شدہ خواتین کو ڈھونڈ نکالنے میں کمال کر دیا اور وہاں تک پہنچ گئے تھے کہ جس کا جن وانس سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسی طرح ہر فیلڈ میں تمام تر مسلمان اپنی بہترین سوچوں اور توانائیوں کا مظہر بنے۔ مرد مومن کی تصویر بن گئے تھے کہ وہ آزادی وانقلاب سے آشنا ہو چکے تھے۔ صدیوں کی دھول ہٹ گئی تھی۔ ملوکیت زدہ مصلحتوں اور بداعمالیوں سے چھٹکارہ مل گیا تھا۔ صدیوں کا زنگ اتر گیا تھا۔ انگریز اور ہندو کی غلامی قصہ

Marfat.com

پارینہ تھی اور ان سب فاصلوں کو پاٹ کر وہ 14 سو سال پہلے کے روحانی اخلاقی انقلاب کے ہم سفر ہو گئے تھے۔

اس انقلاب کا کون راستہ روک سکتا تھا؟ محمود و ایاز ایک ہو گئے تھے۔ حکمران اور رعایا کا تصور ختم ہو گیا تھا اور سب ایک تھے۔ ایک عوامی اور اخلاقی سیلاب تھا کہ ہر خشک اور ویران جگہ کو سیراب کر گیا تھا اور ہر طرف ہریاول ہی ہریاول کر گیا تھا۔ اپنے اور اغیار سبھی حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا۔ عدو نے سوچا تھا کہ ہم انہیں مہاجروں کے بوجھ سے تباہ کر دیں گے مگر یہ جناتی صفات کے لوگ کہاں سے آ گئے۔ انہوں نے تو اتنا بڑا مسئلہ نہایت آسانی اور ہمت سے سنبھال لیا۔ نہ حکومت نہ انتظامیہ۔ یہ کیسے ہو گیا تھا۔ اک معجزہ تھا کہ بپا ہو گیا۔ انہیں کیا معلوم کہ جب جذبے سچے ہوں تو کیسے کیسے معجزے بپا ہو جاتے ہیں۔ جب لوگوں کا دل اپنی قیادت کے ساتھ دھڑک رہا ہو تو بڑے سے بڑا مسئلہ' مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا اور ہر خطرہ ایک عظیم توانائی اور قوت بن جاتا ہے۔ پاکستان کی تعمیر ان پاک صاف سچے سچے جذبات سے ہوئی تھیں جنہیں بیدار کرنے کے لئے حالی' اقبال اور محمد علی جناح اتنی دیر سے مصروف کار تھے۔ جو لوگ پاکستان کو صرف زمین کا ایک ٹکڑا سمجھ بیٹھے تھے وہ اس پہلو سے نابلد تھے۔ پاکستان تو ان عقائد' جذبات' ولولوں' رویوں اور آداب کا نام تھا جو اسلام مسلمان کے دل و روح میں بیدار کرتا ہے اور پھر اس کے بعد کوئی چیز بھی اس کے سامنے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ کوئی رکاوٹ نہیں جو ٹھہر سکے۔ ان عظیم جذبوں کے طفیل جاگے ہوئے مسلمانوں نے اغیار کے تمام کے تمام گندے منصوبے ناکام کر دیئے اور مہاجروں کو مسئلہ ہی نہ بننے دیا۔ اغیار کے ایجنٹوں نے کہیں کہیں مقامی اور مہاجر کا اختلاف اور تضاد پیدا کرنے کی کوشش کی مگر جذبہ اخوت اتنا زیادہ تھا کہ ان کی تمام چالیں ناکام ہو گئیں اور محبت کی آغوش میں آتے ہی تمام مسائل ہی غائب ہو گئے۔ آپ اندازہ کریں کہ جب انسانی روح کو جسد مل جائے تو کیا کچھ نہیں کر جاتی۔ اور تو اور اس وقت کے چوروں اور جرائم پیشہ افراد نے بھی اپنے ہاتھ روک لئے۔ اس طرح کی بھاگ دوڑ میں لوگ اپنی جانیں بچا رہے ہوتے ہیں۔ انہیں ان چیزوں کی کہاں پروا ہوتی ہے لیکن چوروں نے مالکوں کی چھوڑی ہوئی اور بکھری ہوئی اشیاء کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ جو چیز جہاں پڑی تھی وہیں پڑی رہی۔ لٹے پٹے بے سہارا مہاجر تھے کہ ان کی اشیاء بھی چوری نہ ہوئیں۔ یہ کوئی وقتی جذبہ نہیں تھا۔ اسلامی اخلاقی انقلاب کی حرارت نے جرائم پیشہ لوگوں کی بھی زبردست سیرت سازی کر دی اور پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک جب تک ایسے سچے اور سچے جذبات قائم دائم رہے پاکستان کا کرائم ریٹ ہی گر گیا۔ تقسیم سے قبل ان

Marfat.com

اضلاع کے کرائم ریٹ اور تقسیم کے بعد کے ۶/۵ سال کے کرائم ریٹ کاتقابلی جائزہ لیں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ پاکستان بن جانے کے بعد کرائم میں زبردست کمی واقع ہو گئی اور یہ بھی نہیں کہ ۱۹۴۷ء سے قبل ہندو اور سکھ جرائم کے ذمہ دار تھے۔ آپ جرائم پیشہ افراد کے مذہب کو سامنے رکھیں تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں ہی کے اندر یہ انقلاب آگیا تھا اور سب ہی کی کایا پلٹی جا رہی تھی۔ وہ لوگ جو صرف مادی وسائل اور مسائل ہی کی گردان میں مصروف رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ شاید یہی زندگی کا مرکز ہے کو اس پہلو پر ضرور غور کرنا چاہئے کہ انسانی عمل پر اس طرح کی سوچوں اور جذبات کے کتنے زبردست اثرات ہوتے ہیں۔ عشق د جذب کی پیدا کردہ توانائیوں سے کیسے زندگی رنگین ہو جاتی ہے اور مشکل سے مشکل مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ کامیابی اور کامرانی ایسے عظیم لوگوں کے قدم چومتی ہے۔ انسانی تاریخ کے بڑے بڑے کارنامے اور کامرانیاں وہی ہیں جن کی بنیاد فکر' سوچ' عقیدہ اور نظریہ پر ہوتی ہے۔ مالی وسائل کی فراوانی نے فساد تو کھڑے کئے ہیں مگر تاریخ سازی اور تہذیب گری میں اس کا حصہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ انسانی روح کو جب کوئی للکارتا ہے تو وہ نکھر کر باہر آتی ہے اور انسانیت کو رفعت بخش جاتی ہے۔ مادی کثافت صرف فتنہ برپا کر سکتی ہے۔

ہاں وہی وسائل جب بیدار روحوں کے تصرف میں آتے ہیں تو زخم زخم انسانوں کی زندگیاں سنور جاتی ہیں' معاشی انصاف ہوتا ہے۔ معاشرت نکھرتی ہے' سکون و سلامتی کا دور دورہ ہو جاتا ہے مالی اور معاشی وسائل مومن کے پاؤں کی گرد ہیں لیکن مشکل ہے مومن بننا اور جو مومن بن گیا اس کے تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ مدینہ میں انقلاب برپا ہوا تو قیصر و کسریٰ کی سپر طاقتیں سرنگوں ہو گئیں بدو حکمران بن گئے۔ پاکستان کی تخلیق کے انقلاب نے چوروں کو بھی سعد بنا دیا۔ یہ اور بات ہے کہ جب اس انقلاب عظیم پر ڈاکہ پڑا تو سب کچھ ہی لٹ گیا۔ اغیار کی پہلے ہی دن سے یہی کوشش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اسے پنپنے نہ دیا جائے اور اسے ہزار خوف اور خدشوں کا شکار کر کے آگے بڑھنے سے روک لیا جائے۔ اس کا احاطہ ذرا بعد میں کریں گے کہ وہ المیہ کس طرح بپا ہوا لیکن آزادی و انقلاب کے متوالوں نے پاکستان بننے پر جس طرح مہاجروں کا بوجھ سنبھالا وہ ان ہی کا حصہ تھا اور پورا عالم انگشت بدنداں تھا کہ وسائل کے بغیر کس طرح اتنے بڑے مسئلہ کا حل نکال لیا۔

ریاست کے قیام کا مسئلہ بھی اس سے کم نہ تھا۔ دستور ساز اسمبلی ہی قانون ساز اسمبلی تھی۔ دونوں کے اجلاس کے لئے کوئی عمارت تک نہ تھی۔ سندھ اسمبلی کی بلڈنگ مستعار لینا پڑی۔ وہ اس کی ضروریات کے لئے پوری نہ تھی۔ دارالحکومت کہاں سے ہوتا۔ پاکستان تو ریاست ہی

Marfat.com

نئی تھی۔ کراچی واحد شہر تھا جو دنیا میں جانا پہچانا تھا۔ یہاں پر بین الاقوامی ہوائی اڈہ تھا اور بندر گاہ تھی۔ مشرقی پاکستان کے ساتھ ہوائی بحری راستوں سے منسلک تھا۔ لہٰذا بہتر سمجھا گیا کہ اسے ہی پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کا دارالحکومت بنایا جائے۔ کم از کم کراچی کی وجہ سے دنیا میں جلد از جلد متعارف تو ہو جائے گا کیونکہ نئے ملک کو دنیا بھر میں متعارف کروانا بھی بہت ضروری تھا۔ لہٰذا کراچی کو دارالحکومت کے طور پر چن لیا گیا لیکن وہاں پر تو ریاستی مشینری کے لئے کوئی سیکرٹریٹ بھی موجود نہ تھا۔ وفاقی عدالت کے قیام کے لئے کوئی خاطر خواہ عمارت موجود نہ تھی۔ کچھ بھی تو نہ تھا۔ روز مرہ کا کام چلانے کے لئے قانون سازی درکار تھی تو انتظامی امور سنبھالنے کے لئے انتظامیہ کا وجود بھی اہم تھا۔ عدالتی معاملات نپٹانے کی بھی ضرورت تھی مگر یہ سب مسائل آزادی کے ان متوالوں کے سامنے ہیچ ہو گئے۔ کارندوں نے زمین پر بیٹھ کر کام کرنا شروع کر دیا۔ بڑے بڑے افسر فرش پر بیٹھ کر کام کرنے میں راحت محسوس کر رہے تھے۔ ۲۴ میں سے ۱۸' ۱۸ گھنٹے کام میں جتے رہتے اور پھر بھی نہ تھکتے یہ ان کا اپنا ملک تھا۔ یہ ان کی امنگوں اور آرزوؤں کا مرکز تھا۔ اسے آباد کرنا تھا۔ شاد رکھنا تھا۔ اسے کشور حسین بنانا تھا۔ یہ تو ان کے عزم عالیشان کا نشان تھا اگر بجلی بچانا ہے تو کھمبوں کے نیچے بیٹھ کر بھی کام کرنا تھا اور دن رات کرنا تھا۔ کاغذ تھا نہ کرسی۔ ہندو نے ساری سٹیشنری دلی میں رکھ لی تھی اور اگر جھوٹے منہ سے دی بھی تھی تو نہایت سفاکی کے ساتھ راستے میں لوٹ لی گئی تھی۔ زیادہ تر کام زبانی کر لیا جاتا۔ ہر کسی کو ہر کسی پر اعتماد تھا لیکن بہت سے کام ہیں کہ کاغذ کے بغیر ہو نہیں سکتے اس میں ہر کوئی کم سے کم کاغذ استعمال کرنے کی کوشش کرتا۔ ہر کسی کو شدید احساس تھا کہ ہم غریب ہیں اور وسائل کو قطعاً ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تمام ضروری ریکارڈ ہندوستان میں رہ گیا تھا اسے دوبارہ ترتیب دینا تھا کہ یہ کاروبار حکومت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ابھی تو پاکستان کا اپنا جھنڈا بھی نہیں تھا اس کا کوئی سکہ بھی موجود نہ تھا اور نہ اس کے وسائل۔ جو خزانہ تھا وہ وہیں رہ گیا تھا کوئی بینک نہ تھا۔ کوئی سٹیٹ بنک نہیں تھا۔ کچھ بھی نہ تھا سب کچھ زیرو سے شروع ہونا تھا۔ کوئی فوج نہ تھی اور نہ کوئی پولیس' انتظامی ڈھانچہ تک موجود نہ تھا لیکن جذبے تھے کہ عظیم سچے اور کھرے۔ جس کے ذمہ جو کام لگا اس نے اسے بہترین انداز میں کیا اور بہت سے کام تھے جو اہل جذبہ نے خود اپنے ذمہ لگا لیے۔ اور صرف ۲/۳ سال کے اندر اندر سب کچھ ہی بن گیا اور نظر آنے لگا۔ اور بھائی دے رہا تھا کہ یہ انقلاب اپنے پاؤں پر کھڑا ہو رہا ہے۔ خزانہ خالی تھا تنخواہوں کے لیے رقم نہ تھی۔ ملازموں نے کم تنخواہیں قبول کرنا شروع کر دیں اور جو کچھ جس کسی کے پاس تھا وہ چھوٹی بچتوں کے ذریعہ

Marfat.com

جمع کروانا شروع کر دیا کہ اس کے ذریعہ ان کی اپنی ریاست کا کام چل سکے۔ پاکستان کے حصہ میں آئی ہوئی ریاستوں نے اپنے تمام مالی وسائل اور ذرائع پاکستان کے حوالے کر دیئے کہ یہ اسلامی مملکت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے۔

ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں نے بھی امداد کی۔ نظام حیدر آباد نے تو دل کھول کر نوزائیدہ پاکستان کی مالی مدد کی اور پھر اسے اس کی قیمت بھی ادا کرنا پڑی۔ اور اسے سزا کے طور پر ہندوستان کی طرف سے فوج کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ دستور اور قانون ساز اسمبلی نے کام شروع کر دیا۔ چوہدری محمد علی کی قیادت میں انتظامی ڈھانچہ کی تیاری شروع کر دی گئی پاکستانی سکہ ڈھالنے کے لیے چاندی اور جست کی ضرورت تھی جس کا بھی انتظام کر لیا گیا۔ سٹیٹ بنک کا افتتاح خود حضرت قائداعظم کے ہاتھوں ہوا۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے بکھری ہوئی فوج کے مسلمان مہاجر یکجا ہونا شروع ہو گئے اور تمام ریاستی انتظامی اداروں کی تشکیل ہونا شروع ہو گئی اور جو کام عشروں میں پایہ تکمیل پانے تھے وہ سالوں اور دنوں میں ہو رہے تھے۔ لیاقت علی خان پاکستان کے پہلے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ قائداعظم گورنر جنرل تھے اور ہر کام نہایت سرعت کے ساتھ ہونا شروع ہو گیا۔ قانون کی عملداری قائم ہو گئی۔ امن و امان مثالی تھا کہ وہ پولیس اور عدالت سے زیادہ لوگوں کی ایمانی قوت اور جذبہ کا نتیجہ تھا۔ وفاقی حکومتی ڈھانچہ کے ساتھ ساتھ اور اس کے نمونہ پر صوبوں کی حکومتیں اور اس کے انتظامی ادارے بن رہے تھے۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو مناسب ترامیم کے ساتھ وقتی طور پر کام چلانے کے لیے اپنا لیا گیا اور فوری طور پر وفاقی اور صوبائی سطح پر سیاسی حکومتوں نے نہایت ہی مشکل حالات میں اپنا اپنا کام شروع کر دیا۔ کام مشکل اور پیچیدہ تھا۔ حالات ساز گار بالکل نہ تھے مگر بلند حوصلوں نے سب مشکلات پر قابو پا لیا۔ لیاقت علی خان نے پاکستان کا پرچم جب دستور ساز اسمبلی میں دکھایا تو سبھی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے کہ اسی پرچم کے لیے اور اس کی حفاظت کے لیے ان کی زندگیاں تھیں۔ مسلم لیگ کے سبز جھنڈے میں سفید پٹی کا خانہ ہم سب کی دل و جان کی دھڑکن بن گیا کہ اقلیتوں کے حقوق کا محافظ تھا۔ یہ پرچم ستارہ و ہلال ہماری ترقی اور کمال کا رہبر بن گیا۔ اس کے اندر ماضی کا جہد پیہم پنہاں تھا تو یہ شان حال کا بھی ترجمان تھا اور یہ جان استقبال بھی تھا۔ قائداعظم اور لیاقت علی خان کی راہنمائی میں فدایان آزادی و انقلاب نے ہمیں اس پاک سرزمین کے لیے کم سے کم مدت میں نظام دے دیا اور ہمیں منظم کر دیا اور یہ سب کچھ قوت اخوت عوام کا نتیجہ تھا۔ قوت اخوت عوام ہی نے سب ادارے پیدا کر دیئے وگرنہ تو ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ یہ عوام کی یکسانیت

Marfat.com

اور لگن کا نتیجہ تھا کہ معاش' مالیات سب کو سنبھالا دے دیا۔ ادارے تخلیق کر دیئے اور ان کے فرائض اور اختیارات کا تعین کر دیا۔ مالی وسائل کی کمی اور انتظامی سیاسی ڈھانچوں کی عدم موجودگی عوامی عزم کے سامنے کوئی مسئلہ ہی نہ بنے اور بدخواہوں کے گندے منصوبے اور عزائم دھرے کے دھرے رہ گئے کیونکہ حکومت اور عوام ایک تھے۔ ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے' ان کی سوچیں ایک تھیں' ان کا نصب العین ایک تھا۔ بنگالی' پنجابی' پٹھان' سندھی' بلوچی کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ سب ہی اسلام کی تسبیح میں پروئے چمک دمک رہے تھے۔ ایک خوش رنگ گلدستہ تھا کہ جہان رنگ و بو میں رونق اور تزئین کا باعث بن گیا تھا اور ہر طرف خوشی ہی خوشی اور اطمینان تھا۔ جو جہاں تھا خوش تھا۔ لوگ بھوکے رہ کر بھی اللہ کا شکر بجالا رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کے حقوق غصب کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور اگر مشکلات ہیں بھی تو پھر کیا ہوا انسان تو ہوتے ہی مشکلات کا سامنا کرنے کے لیے ہیں۔ ہر کوئی امید اور آرزوں سے مسلح تھا۔ قنوطیت اور مایوسی نام کی کوئی شے ان کے نزدیک نہ پھٹکتی تھی وہ راضی بہ رضا تھے اور ایک نہایت ہی درخشندہ مستقبل کے خواہاں۔ دل صاف اور ارادے نیک تھے مگر اغیار تھے کہ حسد کی آگ میں جل رہے تھے کہ کس طرح اس عظیم انقلاب آشنا قوم میں فتنہ سازی کی بھٹیاں جلائی جائیں؟ کیسے علاقائیت اور صوبائیت کے تعصبات جگائے جائیں؟

Marfat.com

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

پاکستان کی تخلیق جہاں مسلمانوں کے لیے نظریاتی فتح تھی وہاں انگریز کے لیے مکمل نظریاتی شکست تھی۔ لارنس آف عریبیا کے گندے کھیل کی مکمل نفی تھی۔ اس نے ملت اور قومیت کے نظریہ کو دین اور عقیدہ کی بجائے زمین اور نسل سے وابستہ کر دیا تھا اور یہاں پر قائداعظم کی عظمت نے ایک دفعہ پھر ہماری تصحیح اور اس کی فتنہ پردازی کی شکست کا سامان پیدا کر دیا تھا۔ ہندو تو خیر پاکستان کے خلاف زہر کھائے بیٹھا ہی تھا اور پھر کیا تھا گھات میں بیٹھے دشمنوں نے اپنی اپنی شکست کا بدلہ لینے کی منصوبہ بندی شروع کر دی کہ اس نظریہ کو اس کے اندر سے تباہ کرنے کا بندوبست ہو اور اس کا بہترین نسخہ وہی تھا جو لارنس نے اپنایا تھا۔ پاکستانیت کی نظریاتی وحدت کو نسلی، صوبائی اور علاقے کی عصبیت کے دام میں پھنسایا جائے۔ اس سازش کو مزید مسموم اور موثر بنانے کے لیے مسلمانوں میں فرقہ واریت جو پہلے تو مشترکہ عدو ہندو کے مقابلہ میں دبی ہوتی تھی کو مختلف طریقوں سے ابھارا جائے۔ بنگال میں اپنے ایجنٹوں اور چند ایک بھٹکے ہوئے نوجوانوں کی جذباتیت کے ذریعہ زبان کا مسئلہ پیدا کرنے کا بیج بویا گیا کہ نوزائیدہ پاکستان ہوش ہی نہ سنبھال سکے اور آہستہ آہستہ کام کر کے ایک فتنہ کھڑا کر دیا جائے۔ سندھ میں بھی اس طرح کا کام نہایت راز داری سے شروع ہو گیا۔ جی۔ ایم سید ایسا پرانا مسلم لیگی بوجوہ بہت ہی زیادہ خفا تھا۔ اس کی خفگی سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام ہوا۔ پختونستان کا شوشہ تو خود گاندھی

Marfat.com

جی نے نہایت ہی خم ٹھونک کر چھوڑا۔ لہٰذا انگریز اور ہندو کا پاکستان اور پاکستانیت کو ختم کرنے کا ایک گٹھ جوڑ ہو گیا۔ انگریز کے اپنے مقاصد تھے اور ہندوؤں کے اپنے۔ لیکن حربہ ایک ہی تھا کہ علاقائیت اور صوبائیت کے عفریت کو اتنا ابھارا جائے کہ پاکستان کی وحدت ریزہ ریزہ ہو جائے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس طرح کے نسخے فوری طور پر تو شاید کارگر نہ ہوں کیونکہ مسلمانوں کا نظریاتی جوش و جذبہ تازہ دم ہے لیکن مناسب وقت آنے پر کام آ جائیں گے اور اس وقت ان کا بیج بونا ضروری ہے۔

لیکن قائداعظم کی دوربین اور باریک بین نگاہ ان فتنوں کو دیکھ رہی تھی۔ انہیں حریفوں کی چالوں کی بھی سمجھ تھی۔ انہوں نے پاکستان کے لیے آئندہ آنے والے ان خدشوں سے نہایت وضاحت اور صراحت کے ساتھ اپنے مختلف خطبات کے ذریعہ آگاہ کر دیا اور قوم کی راہنمائی فرما دی۔ پاکستان کے لیے قربانی دینے والے آزادی و انقلاب کے پرستاروں کی سمجھ میں قائد کی دانشمندانہ باتیں آ گئیں اور وہ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوراً چاق و چوبند ہو گئے اور نظریاتی چوکیداری کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ اغیار کی چالوں کا احاطہ کرتے ہوئے اس کا خاطر خواہ علاج اور تدارک کرنے کی ذمہ داری پر جت گئے۔

سازش کی ایک کڑی کے طور پر پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو طرز حکومت کی بحثوں میں پھنسانے کا بھی اہتمام ہوا تاکہ پرانی طرز پر ملوکیت سے متاثر مفتی قاضی والی دیرینہ بیوروکریسی اور مسلم لیگ کی سیاسی قیادت میں جھگڑا شروع ہو جائے اور ایسا تفرقہ اٹھے کہ معاملہ فہمی ہو ہی نہ سکے۔ دشمن کی چال دیکھیں یہ وہ وقت تھا جب مہاجرین کا مسئلہ تھا اور انتظامی یا حکومتی ڈھانچہ قسم کی کوئی شے ہی موجود نہ تھی۔ مالیاتی پوزیشن بہت ہی خراب تھی۔ مسائل ہی مسائل تھے اور وسائل مفقود۔ اس صورت حال میں دشمن ہمیں بنیادی جھگڑوں میں الجھا دینا چاہتا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ اس قسم کے شوشوں سے نہ صرف مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اختلافات ابھر آئیں گے بلکہ مسلمانوں کے اندر مختلف فرقوں کے تنازعات سر اٹھائیں گے اور پھر پاکستان اپنی ہی تباہی میں پھنس کر رہ جائے گا۔ ان معاملات کے مضمرات کا بھی قائد کو بہت ہی گہرا ادراک اور شعور تھا اور اپنے مختلف خطبات کے ذریعہ ان مشکل معاملات میں کھل کر اور واضح الفاظ میں راہنمائی فرما دی کہ دشمن کی چالوں سے خبردار رہنا اور ان جھمیلوں میں مت پھنسنا۔ اسلام میں ان سب امور کی واضح راہنمائی موجود ہے۔ اسلامی ریاست میں تو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت مسلمان اپنے خون کے نذرانے سے کرتا ہے۔ اس میں کسی کو ابہام نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کو تو یہ احساس بھی نہیں ہونے پائے گا کہ آپ کے ساتھ کوئی خاص

Marfat.com

تفریق برتی جارہی ہے آپ کو ایسا انصاف ملے گا کہ آپ پاکستان کے شہری کی حیثیت سے بھول ہی جائیں گے کہ آپ ہندو عیسائی پارسی یا کسی بھی مذہب کے ماننے والے ہیں کیونکہ یہ ہمارے ہادی اکبر کا حکم ہے۔ یہی اللہ نے اپنے قانون کے ذریعہ ہمیں سبق دیا ہے۔ ہمارے ہاں تو قانون کی حکمرانی کی بہت پرانی روایت ہے۔ خلافت راشدہ کی تو بات ہی اور تھی ملوکیت کے زمانے میں بھی علماء حق نے شریعت کا علم بلند رکھا ہے اور بھٹکے ہوئے مطلق العنان مسلمان بادشاہوں کی ذاتی خواہشات اور ظالمانہ احکامات کے سامنے دیوار بنے رہے ہیں اور قانون کے خلاف کام نہیں کرنے دیا۔ شریعت کا مطلب ہی قانون کی حکمرانی ہے اس لیے پاکستان میں مسلمانوں کی حکومت سے غیر مسلموں کو قطعاً خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ آزاد ہیں کہ وہ اپنی اپنی عبادت گاہوں میں جائیں اور جس طرح ان کا مذہب انہیں بتاتا ہے ویسے ہی وہ اپنی اپنی عبادت کریں۔ شادیاں کریں وراثت کے معاملات نپٹائیں۔ ذاتی معاملات میں اپنے مذہبی قانون کا اتباع کریں۔ ہاں پاکستانی شہری کے طور پر سب برابر ہیں۔ کسی ہندو عیسائی یا مسلمان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے مذہب میں آزاد ہیں۔ لکم دینکم ولی دین۔ اس معاملہ میں ہم سب آزاد ہیں۔ یہ سبق تو انہیں ۱۴ سو سال سے مل رہا ہے۔ یہ سیکولرازم میں برابری انصاف اور مذہبی آزادی کی باتیں تو کل کی ہیں۔ ہمیں تو یہ سبق بہت پہلے مل چکا تھا۔ سیکولرازم کا نظریہ تو ابھی طفل مکتب ہے۔ وہ اس بلندی کی خاک کو بھی نہیں چھو سکتا جو ہمیں ہادی اسلام نے اپنی ذات کی برکت سے مساوات اور رواداری کی شکل میں عنایت فرمایا ہے۔ یہاں محبت اور بھائی چارے کے چشمے بہہ اٹھیں گے اور آپ کو کسی اختلاف کا احساس تک نہ ہو گا۔ یہی بات انہوں نے خود مسلمانوں کو سمجھائی کہ مذموم اختلافات کا شکار نہ ہو جانا۔ مسلمانوں کو تباہ کرنے کا ہمیشہ سے دشمن کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہمیں ہمارے فرقہ وارانہ تنازعات میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں میں آپ کو اس خطرہ سے آگاہ کرتا ہوں ہر فرقہ اپنے ذاتی معاملات میں اپنی شریعت کی پیروی میں آزاد ہے کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ ہماری راہنمائی ہمارا قانون کرے گا۔ دستور کرے گا اور شریعت نے تو ہمیں ہمیشہ سے قانون کی حکمرانی کا سبق سکھایا ہے۔ غیر مسلم تو قانون کی حکمرانی کی بات بہت بعد میں کرنے لگے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ ان کی تاریکی چھٹنے لگی نشاۃ ثانیہ شروع ہوئی اور وہ بھی ہماری طرف سے مستعار لی ہوئی روشنی سے، پھر ریفریشن کی تحریک اٹھی۔ روشن خیالی کا دور دورہ ہوا اور پھر مساوات' عدل اور حقوق کی بات ہو کر امریکی اور فرانسیسی انقلاب آئے تو قانون کی حکمرانی کی طرف قدم بڑھا۔ یہ لوگ سیکولرازم اور اسکے برابری کے اصولوں پر فخر کرتے ہیں۔ یہ ابھی نابالغ ہیں۔ وہ اسلام

Marfat.com

کے اس اعلی وارفع مقام سے ناآشنا ہیں جس کی وجہ سے دنیا نے مساوات اور انصاف کے سب نظریے حاصل کئے اور قانون کی حکمرانی کی مضبوط بنیاد رکھی۔ وہ ہمیں کیا سکھائیں گے۔ وہ اپنی ظالمانہ ملوکیت اور پاپائیت کے گٹھ جوڑ کے سیکولرازم پر ضرور نازاں ہیں لیکن ہماری تاریخ بالکل مختلف ہے۔ مسلمان بادشاہوں اور ان کے بیوروکریٹس نے اسلام کے اصلی پیغام کی ہیئت کذائی ضرور کی لیکن شریعت اور علماء حق نے ہمیشہ حقانیت کے علم کو بلند رکھا اور ظلم کی وہ صورت جو عیسائی دنیا میں بادشاہ اور پادری کے گٹھ جوڑ سے آگئی تھی کبھی نہ آئی اس لئے مسلمانوں اور غیر مسلموں سبھی کو اپنے اپنے خدشات بھول جانے چاہئیں اور اختلافات بھی ختم کرنا ہونگے کیونکہ پاکستان کی تخلیق ایک دیرپا فکری عمل سے ہو کر گذری ہے۔ اس میں بہت زیادہ فکری سرمایہ کاری ہو سکتی ہے' ملوکیت کی دھول دھل چکی ہے اور علامہ اقبال ایسے مفکر اور فلسفی نے کتنی دیر پہلے منجمد ہونے والے اجتہاد کے راستے کھول دیئے تھے اور جدید معاملات اور مسائل کے اسلامی حل پیش کر دیئے تھے۔ انہوں نے پارلیمنٹ ہی کو اجتہاد کی بہترین جگہ قرار دیا ہے۔ علماء سے راہنمائی اور باہمی مشورہ سے اسلامی طریقہ سے امور کو نمٹانے کا مشورہ دے رکھا ہے۔ ہمارے معاملات تو اس حکم الٰہی نے طے کر دیئے ہیں جو ہماری راہنمائی کے لیے قرآن اور سنت کے اندر تفصیل کے ساتھ بیان ہیں اور جو معاملات باقی رہ جاتے ہیں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں پارلیمنٹ میں طے ہو سکتے ہیں لہٰذا مسلمانوں اور غیر مسلموں سبھی کو فکر کی کوئی بات نہ ہے اور انہیں کوئی تنازعہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ سب سے برابری کے ساتھ انصاف ہو گا عدالت کے سامنے سب برابر ہوں گے۔ وہ بھول جائیں کہ وہ ہندو یا عیسائی مسلمان یا پارسی ہیں۔ سب پاکستانی قانون کے سامنے برابر ہوں گے تقویٰ اور میرٹ ہی حد فاصل ہوگی۔ ہاں مذہبی طور پر وہ اپنے اپنے مسائل کے مطابق اپنے مذہبی اور ذاتی امور میں بالکل آزاد ہیں۔ پرسنل لاء کے تحت کسی بھی مذہب اور فرقہ کے پیروکار اپنی اپنی شریعت اپنا سکتے ہیں۔

قائداعظم نے اس طرح کے نہایت ہی بصیرت افروز اور دانشمندانہ خطبات کے ذریعہ ہمیں نہ صرف ہمارے عمل اور سوچ کے لئے مشعل راہ مہیا فرمائی بلکہ دشمنوں کے مذموم منصوبوں سے بھی خبردار کر دیا جو ہمیں فرقہ واریت' صوبائیت' علاقائیت کی طرح کی مصیبتوں کا شکار کرنا چاہتے تھے۔ عظیم قیادت کا یہی اعزاز ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو ہروقت روشنی دکھا دیتی ہے اور بھٹکنے سے بچا لیتی ہے اور اس مشکل اور نازک وقت میں قائداعظم کی بصیرت نے ہمیں دشمنوں کی سازشوں سے بچا لیا۔ لیکن قائداعظم کے اس دنیا سے اٹھ جانے کی وجہ سے یہی وہ فتنے تھے جنھوں نے ہمیں آ لیا اور دشمن

Marfat.com

نے ان ہی کے ذریعہ ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور ہمیں گردن سے دبوچ رکھا ہے اور جو چاہتا ہے کروا لیتا ہے مگر یہ سب کچھ کیسے ہوا اس کی تفصیلی بات ذرا بعد میں ہوگی۔

پاکستان ایک ہمہ جہتی تحریک تھی اور ہر شخص اور گروہ اسکا اپنا اپنا مطلب نکال سکتا تھا۔ اس کے قائدین اور رہبراسے اسلامی اخلاقی انقلاب سے تعبیر کرتے تھے جہاں اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوئے راہ نجات اور فلاح مل سکتی تھی۔ بہتر معاش اور معاشرے کی اسلامی فضا ہوگی' سیرت گری ہوگی اور انسانیت سازی کا ماحول پیدا کر کے ہر کسی سے قانونی اور معاشی انصاف ہو گا۔ بقائے ذات سے بڑھ کر تکمیل ذات! اور معرفت ذات کے سامان ہوں گے اور ملت سازی کی راہوں پر چلتے چلتے معراج و کمال کا سماں ہو گا۔ لیکن بہت سے طبقات تھے کہ صرف اپنا ہی نقطہ نگاہ رکھتے تھے۔ فوجی اور سول بیوروکریسی کے مہاجن جنہوں نے اسلامی انقلاب میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا وہ پاکستان کی اصل روح سے بالکل ناآشنا تھے انہیں پاکستان اپنی جلد ترقی کے لئے پیارا لگتا تھا۔ وہ سینئر بن کر اس کے اقتدار پر قبضہ کر سکتے تھے جس کا وہ متحدہ ہندوستان میں خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ایسے لوگ پاکستان کو اپنے ذاتی مفاد کے زاویہ سے دیکھ رہے تھے۔ پاکستان کی انتظامیہ کے خدوخال کیا ہونے چاہئیں تھے اس کی تفصیل میں تو کوئی بھی نہیں گیا تھا یہی لوگ تھے جنہوں نے اس کا ڈھانچہ اور سانچہ تیار کرنا تھا۔ ان کے سامنے وہی ڈھانچہ تھا جو انگریز نے پچھلی دو صدی سے ہندوستان میں نافذ کر رکھا تھا۔ اسی انداز پر ان کی اپنی سوچ تھی اور ان کی تربیت اسی ڈھانچہ میں پروان چڑھی تھی اور تمام تر اختیارات بیوروکریسی ہی کے پاس رکھنے تھے کہ وہ انہیں سہانے دکھائی دیتے تھے۔ وہ قالب جس میں اسلامی انقلابی جذبات ڈھل سکیں وہ ان کی سوچ میں موجود ہی نہیں تھا نہ وہ ایسے جذبات رکھتے تھے لہٰذا پاکستان کے لئے وہی ڈھانچہ تیار کیا گیا جو انگریز چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اس میں آزادی اور انقلاب کہاں سما سکتے تھے۔ یہ تو آزادی اور انقلاب کو دبانے کا بہترین شکنجہ تھا اور یہ کام وہ دو سو سال سے کرتے آ رہے تھے۔ یہ تو آزادی کی ضد تھے' وہی پرانی بوتلوں میں نئی شراب والی بات آ نکھری تھی۔ کہاں اسلامی اخلاقی انقلاب کے جذب و مستی کی شراب اور کہاں جامد بیوروکریسی۔ وہ ابلتی جائے اور یہ روکتی جائے۔ وہ تلاطم بلاخیز اور یہ چپہ چپہ رکاوٹ۔ پاکستان پیدا ہوتے ہی جب اتنے زیادہ مسائل میں گھرا ہوا تھا تو انتظامی ڈھانچہ کی وہی انگریزی طرز کی بنیاد رکھی گئی جس میں ارتکاز اختیار کا پہلو غالب تھا۔ نیچے سے لے کے اوپر تک ہر اہلکار اپنے اپنے دائرہ اختیار میں ڈکٹیٹر تھا۔ تھانیدار ڈکٹیٹر تھا تو ڈی سی اپنے ضلع کا ڈکٹیٹر تھا کمشنر اپنی ڈویژن اور چیف سیکرٹری۔ اپنے صوبہ کا ڈکٹیٹر تھا۔

Marfat.com

ہندوستان کی فوج کا بھی یہی حال تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کی فوج کو کہیں باہر سے خطرہ نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ افغانستان کی طرف سے کوئی چھیڑ خانی ہو جاتی یا قبائلی علاقہ تھوڑا بہت سر اٹھاتا وگرنہ ہندوستانی فوج کا کسی بیرونی طاقت سے جنگ لڑنے کا کوئی رول نہیں رہ گیا تھا۔ وہ تو صرف ہندوستان کی آزادی کے متوالوں کو ڈرانے اور ان کا سر کچلنے کے لیے تھی۔ ان کی تمام تر سمت اور تربیت اندرون خانہ چنگیزیت قائم رکھنے کے لئے تھی۔ جلیانوالہ باغ ایسے واقعات تو کبھی کبھار ہوتے تھے مگر چھوٹے موٹے واقعات ہر روز کہیں نہ کہیں ہو رہے ہوتے تھے اور انگریز کی فوج نہایت وحشیانہ انداز سے حریت کے جذبوں کو دبا لیتی تھی۔ آزاد پاکستان کی فوج کی بنیاد بھی ان ہی خطوط پر رکھی گئی تھی اور آئندہ چل کر انہوں نے وہی اپنا پرانا حربہ اندرونی سلامتی کے نام کے کردار پر خوب ادا کیا کیوں کہ یہی انکی تربیت تھی اور یہی مثالیں وہ پہلے دیکھتے آ رہے تھے۔ انہیں تو آزادی اور انقلاب کے جذبات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی لہٰذا پاکستان کی فوجی اور سول انتظامیہ کی بنیاد جانے پہچانے انگریزی خطوط پر اٹھائی گئی اور ان حالات میں یہی کچھ ہو سکتا تھا۔ اگر قائداعظم کچھ دیر اور زندہ رہتے تو وہ ضرور ان امور پر بھی زیادہ تفصیل سے دھیان دیتے لیکن وقت نے ایسا نہ ہونے دیا۔ پھر بھی اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود انہوں نے فوج اور سول بیوروکریسی کو اپنے ہر خطبہ میں ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اپنا فرض نہایت دیانتداری اور جانفشانی سے ادا کریں اور خدمت عوام کو اپنا شعار بنائیں۔ انصاف کا بلند معیار قائم کریں اور بلا تخصیص 'برابری کی بنیاد پر' ہر کسی کے ساتھ عدل سے پیش آئیں۔ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں فریقانہ رویہ اختیار نہ کریں۔ کسی گروہی یا جماعتی سیاست کے حصہ دار نہ بنیں اور بلا رو رعایت اپنا کام دیانتداری سے کریں افراد اور طبقوں کے درمیان انصاف سے کام لیں۔ قانون کی فرمانروائی میں ایمان رکھیں اور کسی فرد یا مقتدر شخصیت کے رعب میں آکر انصاف کا پلڑا نہ جھکنے دیں۔

قائداعظم بہت ہی دور اندیش انسان تھے انہیں معلوم تھا کہ بیوروکریسی کو لگام دے کر رکھنے کی ضرورت ہے وگرنہ وہ بے قابو ہو کر بہت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ منتخب سیاسی قائدین کے کنٹرول میں رہیں۔ بیوروکریسی کے لوگ بہت زیادہ گہری اور گہرائی کی سوچ سے دیکھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ وہ تو ایک خاص محدود نگاہ رکھتے ہیں اور صرف بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اپنی تربیت اور تجربہ کی روشنی میں خاص خاص امور کی انجام دہی کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ انکا کوئی کام نہیں ہے اور اگر کرنے کی کوشش کریں گے تو ڈھینگا بجانے والی بات ہو گی لہٰذا

Marfat.com

شروع ہی سے انہوں نے انہیں ان کی حدود و قیود بتا دیں۔ اگر زندہ رہتے تو پھر انہیں بھی وہ پوری قوم کی طرح ضرور آزادی اور انقلاب کے تقاضوں سے آشنا کر جاتے مگر مہلت نہ ملی۔ جہاں انگریز کی چھوڑی ہوئی بیوروکریسی نئے پاکستان میں اپنے پنجے گاڑ رہی تھی وہاں پر مسلمان بادشاہوں کے زمانے سے بچے کھچے ذہن اور عناصر جو اس وقت کی قدیمی بیوروکریسی تھی سمجھتے تھے کہ پاکستان بننے کے بعد اب ان کی باری آئے گی اور وہ یہاں پر راج کریں گے۔ انگریز راج ختم ہو گیا۔ انگریز نے یہ راج ان کے آباواجداد سے لیا تھا لہٰذا اب ان کی باری تھی۔ تھوڑے بہت جیسے ویسے ان کے اپنے خواب تھے وہ ان خوابوں کی تکمیل چاہتے تھے۔ سلطانوں اور بادشاہوں کے زمانہ میں ان کا اپنا زبردست انتظامی ڈھانچہ تھا۔ ان کی نہایت ہی باصلاحیت بیوروکریسی تھی۔ ملا مفتی اور قاضی اس بیوروکریسی کے بہت پروقار منصب تھے۔ انگریزی راج سے ان کے عہدے ختم ہو گئے تھے۔ لیکن اس انتظامیہ کے تمام خدوخال موجود تھے۔ مساجد کے ذریعہ تعلیم اور تدریس بھی جاری رہی تھی۔ اگرچہ ان کا کردار سکڑ کر رہ گیا تھا مگر معاشرہ کو اسلامی خطوط پر قائم رکھنے میں انہوں نے بہت قابل قدر کردار ادا کیا تھا اور پاکستان کی تشکیل میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ یہ ان ہی کی بدولت تھا کہ اسلامی جذبہ اتنی شدت اور بے خودی کے ساتھ زندہ رہ سکا تھا۔ لہٰذا ان کے خواب بالکل جائز تھے اور وہ یہ خواب دیکھنے میں بالکل حق بجانب تھے مگر قدیمی درباری اسلامی بیوروکریسی انگریز کی چھوڑی ہوئی بیوروکریسی کے مقابلہ میں بہر صورت کمزور اور منتشر تھی۔ یہ تو صرف خواب دیکھ رہی تھی جبکہ انگریز زدہ بیوروکریسی نے پاکستان کے انتظامی ڈھانچہ پر اپنا قبضہ بھی کر لیا بلکہ ان کا قبضہ تو پہلے ہی سے موجود تھا۔ ایسے حالات میں تشکیل نو ہو نہیں سکتی تھی۔ یہ فطری امر تھا کہ ان ہی کو آگے بڑھ کر روز مرہ کے کاموں کا سنبھالا دینا تھا۔ ضرورت تھی تو اپنی سمت بدلنے کی اور ان تقاضوں کو اپنے اندر سمونے کی، جن کی ایک نوزائیدہ اسلامی ملک تقاضا رکھتا تھا۔ حالات اور واقعات نے اس بات کا موقع ہی نہ دیا۔ بے سرو سامانی کا عالم تھا۔ مالی حالات مخدوش کر دیئے گئے تھے۔ دشمن گھات لگائے بیٹھا تھا کہ موقع ملتے ہی اس نوزائیدہ معصوم کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ مہاجروں کو بسانے کا مسئلہ تھا۔ کشمیر کا مسئلہ ہندوستان نے آن کھڑا کر دیا تھا۔ ان حالات میں ایسے نازک نکتوں کی کہاں فرصت تھی؟ جو کچھ بھی موجود تھا اس سے گزارا کرنے میں خیریت سمجھی گئی مگر ہم اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ پاکستان کی تشکیل ہوتے ہی یہ ایک مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ قدیمی اور موجودہ بیوروکریسی کے درمیان ایک ذہنی اور فکری کشمکش نے جنم لے لیا تھا۔ شاید ہمیں یہ نکتہ اس مقام پر اتنا اہم معلوم نہ ہوتا ہو لیکن میری دانست میں یہ وہ معاملہ ہے۔

Marfat.com

جس نے ہماری زندگی پر بہت ہی گہرا اثر ڈالا ہے آہستہ آہستہ اسلامی اخلاقی انقلاب ان بیوروکریٹوں کی کشمکش میں پھنس گیا۔ دونوں طرف سے شدید حملے اور مدافعت ہوئی اور دونوں طرف کے موقف میں ایک نہایت ہی غیر معقول سختی آگئی۔ تقاضوں اور عمل کی شکل و ساخت تبدیل ہوگئی اور پھر شدت پسندی نے ایسی ایسی صورتیں اختیار کیں کہ دونوں نے توازن کا دامن چھوڑ دیا۔ معاملہ نفرت میں تبدیل ہو گیا۔ موقف سخت ہو گئے اور انقلابی جذبات دونوں کے درمیان پس کر تباہ ہو گئے۔ دونوں طرف سے ایک مفاداتی جنگ چھڑ گئی۔ نظریاتی لچک رخصت ہوگئی۔ فہم وفراست کی جگہ مفاد اور تعصب نے لے لی اور ہردو نے اپنے محدود مقاصد کی خاطر نظریات کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ قائدین جو اسلامی اخلاقی اور روحانی انقلاب کو سمجھتے تھے رخصت ہو گئے اور جو باقی بچ گئے تھے خاموش تماشائی بن گئے۔ مگر مفاد پرست ٹولہ نے اپنے اپنے انداز میں نظریوں پر اجارہ داری قائم کرنا شروع کر دی۔

انگریز زدہ بیوروکریٹس اور جرنیلوں نے سیکولرازم کا سہارا لے لیا۔ ملا مفتی نے اسلام کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا۔ اور دونوں نے ان نظریوں کو اپنے اپنے مفاد کی عینک سے دیکھنا اور برتنا شروع کر دیا۔ رسمیت اور ظاہری پن غالب آگئے اور دونوں نے اپنے اپنے رنگ میں انہیں ڈھال بنا لیا۔ جدید دور کے نوکر شاہوں اور جرنیلوں نے سیکولرازم کے معنی ہی بدل دیئے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر اپنے مفادات کی ڈھال بنالی۔ اسے عدل اور مساوات کے اصولوں سے ہٹا کر قانون کی حکمرانی کی بجائے اپنی ذاتی حکمرانی کا رنگ دے دیا اور یہی حال اسلام کے علمبرداروں نے روا رکھا کہ روحانی تشریح کی بجائے اسلام کی سخت تر ڈراونی شکل سامنے لانا شروع کر دی۔ رحمت کے پہلو کی بجائے تعزیراتی اور سختی کا پہلو زیادہ اجاگر کرنے لگے کیونکہ اس میں ان کا ذاتی غم و غصہ داخل ہو گیا تھا۔ قانون کی حکمرانی کی بجائے انہوں نے بھی اسلام کو وہ معنی پہنانے شروع کر دیئے جن کو ان کے اسلاف نے ملوکیت کے زمانہ میں روا رکھا تھا۔ اقبال اور قائداعظم کی اسلامی روحانی احیاء کی کوششوں پر پانی پھیرنا شروع کر دیا اور نہایت ہی ناپسندیدہ کشمکش نے جنم لے لیا جس نے آگے چل کر ہماری سیاسی اور ملی زندگی پر بہت ہی برے اثرات مرتب کئے۔ اور ہمارا روحانی انقلاب ان دو مفاد پرست ٹولوں کا شکار ہو گیا مگر اس پر زیادہ تفصیل سے بات بعد میں ہوگی کیونکہ شروع کے ۷/۵ سالوں میں دشمنوں کی ہزارہا کوششوں کے باوجود قوم ان اثرات سے محفوظ ہی رہی کیونکہ وہ قائدین جنہوں نے آزادی کے لیے اتنی قربانیاں دی تھیں ابھی قائم دائم تھے اور انہوں نے اپنی بصیرت سے ان معاملات کو زیادہ بگڑنے نہ دیا اور کچھ نہ

Marfat.com

کچھ سنبھال لیا۔ اس میں علماء حق نے بھی اپنا عظیم کردار ادا کیا اور بہت سے ظاہری اور غیر ضروری تضادات کو سر نہ اٹھانے دیا۔ بہت زیادہ خرابی کی صورت ذرا بعد میں آئی جب بیوروکریسی نے اپنا جال اچھی طرح بچھا لیا تھا۔ وہ روئیداد ذرا بعد میں رقم ہوگی۔

Marfat.com

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

پاکستان بنانا ہندوؤں اور انگریزوں کی مجبوری بن گیا تھا۔ پھر بھی انہوں نے اس کے راستے میں روڑے اٹکانے کے سارے ہی جتن کئے۔ مسائل اٹھائے، مشکلات پیدا کیں، سازشیں کیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اور حاسدوں کے یہ سب کچھ کام نہ آیا۔ مقامی ریاستوں کی کہانی ذرا مختلف رہی اور ہندو ان سب کو ہڑپ کر گئے۔ کیبنٹ مشن پلان جس کو تھوڑا سا بدل کر آخر کار آزادی کی بنیاد بنایا گیا تھا کے مطابق ریاستیں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو رسمی طور پر مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہو جانی تھی۔ وائسرائے نے تمام والیان کو مشورہ دیا کہ وہ اگرچہ قانونی طور پر مختار کل ہوں گی مگر ان کا اپنا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ اپنے اپنے حالات، عوامی جذبات اور جغرافیائی محل و قوع کے مطابق دونوں مملکتوں یعنی ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کر لیں۔ جیسا ہے ویسا رہنے کا معاہدہ کر لیں جب تک تفاصیل طے نہیں ہو جائیں تاج برطانیہ کی طرف سے وہ آزاد ہیں اور ہر دو طرف سے معاہدوں کے ختم ہونے کا لمحہ آگیا ہے۔ ایک دوسرے کی طرف سے Obligations ختم ہوتی ہیں جو ہمارے ذمہ تھا وہ ہمارے ذمہ تھا وہ ہماری ذمہ داری ختم اور جو آپ کی طرف تھا وہ آپ پر اب واجب نہیں۔ آخری مشورہ یہی ہے کہ دونوں میں سے جسے بہتر خیال کریں اس کے ساتھ تعلقات استوار کر لیں بصورت دیگر آپ کا وجود خطرات کا شکار ہو جائے گا۔

Marfat.com

پاکستان کے ساتھ اور اس کی حدود کے اندر آنے والی تمام چھوٹی بڑی ریاستوں کے ساتھ قائداعظم اور مسلم لیگ نے نہایت ہی باوقار طریقہ اپنایا۔ قانون اور معاہدات کی حرف بہ حرف پابندی کی اور کسی بھی قسم کی خلاف ورزی سے گریز کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام ملحقہ والیان ریاست اور ان کے عوام نے پاکستان کا بھرپور ساتھ دیا۔ پاکستان پر دل وجان چھڑک دیئے۔ پاکستان کے استحکام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فوری طور پر پاکستان کی مالی مشکلات کو دور کرنے میں ہاتھ بٹایا اور جب دستور سازی ہوئی اور دیگر امور طے ہوئے تو پاکستان کے ساتھ مکمل الحاق بھی کر لیا مگر اس سے پہلے بھی ہردو طرف کو احساس تک نہ ہوا کہ کوئی آپس میں دوری ہے۔ قائداعظم بذات خود قانون کے مقاصد کے زبردست پابند تھے اور انہیں معلوم تھا کہ آخر کار اس میں ہی سب کا فائدہ ہوتا ہے اور یہی اسلام کا سبق تھا۔ یہی شریعت تھی اور یہی مسلمان کا مزاج تھا۔ شریعت کا مطلب ہی قانون کی حکمرانی ہے اور ایک صحیح مسلمان ساری عمر اسی پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اور اسی کی دعا کرتا ہے۔ اس میں اس کی نجات ہے۔ یہی فلاح کا واحد راستہ ہے اور پاکستان کی فلاح کا یہی راز تھا ریاستوں اور پاکستان میں کسی قسم کا تضاد پیدا نہ ہوا اور نہ ہی کوئی پھڈا کھڑا ہوا۔

ادھر ہندوستان کا حال دیکھا جائے کہ ہر جگہ دھونس دھاندلی سے کام لیا اور کسی قانون قاعدے کی پروا نہ کی۔ جوناگڑھ کا والی پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتا تھا اور اس نے اس کے لیے باقاعدہ گورنر جنرل پاکستان کو لکھ کر بھیج دیا۔ پاکستان نے اس کی درخواست قبول بھی کر لی مگر ہندوستان نے اس پر اپنی فوج چڑھا دی اور جواز یہ ٹھہرایا کہ وہاں کی آبادی کی اکثریت ہندو ہے۔ ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم اس ریاست پر زبردستی بزور شمشیر قبضہ کر لیں۔ ریاست کے دیوان سر شاہنواز بھٹو والد جناب ذوالفقار علی بھٹو سے فوجی مدد کے لیے ایک تار منگوا لیا اور کہا کہ ہم ریاست کی مدد کے لیے آئے ہیں۔ کسی بھی قانون نے یہ حق دیوان کو نہیں دیا تھا۔ یہ حق تھا تو صرف والی ریاست کو تھا اور اس نے فیصلہ پاکستان کے ساتھ جانے کا کیا تھا۔ ہندوستان نے سب قانون اور شرافت دھتکار دیئے اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ فوج کشی کر دی۔ ان کے خون اور روایت میں کسی قانون کی پابندی کا تصور ہی نہ تھا۔ یہ تو صرف مسلمانوں ہی کا اعزاز تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قانون کی حکمرانی کے لیے شریعت عطا کر دی تھی۔ چانکیہ نے ایسی کوئی بات انہیں سکھائی ہی نہ تھی۔ ان کا سارا فلسفہ مکر و فریب پر مبنی تھا۔ سیکولرازم میں پھر بھی قانون کی حکمرانی کا تصور ہے مگر وہ بھی بوقت ضرورت اسے توڑ مروڑ لیتے ہیں اور اپنے فائدے کے لیے اس تصور کو استعمال کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

کیونکہ سیکولرازم کی مساوات برابری اور قانون کی حکمرانی کے پیچھے اس کے پورے دین اور نظام کی مضبوط قوت نہیں ہے جو اسے مشکل لمحہ میں بھی متزلزل نہیں ہونے دیتی۔ اسلامی ریاستی ڈھانچہ تو افراد ملت کے اعمال کا بھی دن رات احتساب رکھتا ہے کہ کہیں رات کے اندھیرے میں بھی وہ کوئی کوتاہی نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان حکمران نے کبھی بھی کسی صورت میں حدود سے تجاوز کرنے کی جرات نہیں کی اور اگر لمحاتی جوش میں کر بھی جائے تو توبہ کی راہ اختیار کرتا ہے۔ یہی وہ ایمانی قوت ہے کہ کمزور سے کمزور لمحہ میں بھی یہ مسلمان کی حفاظت کرتی ہے۔ اسے کسی طاقت کے لمحاتی نشہ سے بھی بچالیتی ہے اور نخوت و گھمنڈ کا بھی شکار نہیں ہونے دیتی۔ اسلام کی اسی سیرت گری نے حضرت علی کو عزم و عفو کا پیکر عظیم بنادیا قتال و جہاد کارن پڑا ہوا ہے دشمن گرا پڑا ہے آپ اس کی چھاتی پر بیٹھتے ہیں۔ دشمن چاہتا ہے کہ بہتر ہے فورا خاتمہ ہو جائے اور اس کے لیے آپ کے منہ پر تھوک کر آپ کو اشتعال دلانے کا بندوبست کرتا ہے۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور تلوار روک لیتے ہیں۔ وہ حیران رہ جاتا ہے کہ یہ کیا ہوا۔ نہیں! نہیں! اب نہیں کیونکہ اب یہ میری اور تمہاری ذاتی جنگ بن جائے گی۔ میں تو اسلام کی راہ مین لڑ رہا تھا اس میں بے شک میری جان ہی جائے اب جب تم نے میرے منہ پر تھوک دیا ہے تو یہ میری ذاتی اور غصہ کی جنگ بن جائے گی۔ ہو سکتا ہے مجھ سے زیادتی ہو جائے۔ میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ کافر متاثر ہو جاتا ہے اور جب وہ موت کے خوف سے آزاد ہو چکا ہوتا ہے تو اس دین کی حقانیت سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ یہی وہ کردار کی عظیم قوت ہے جو اسلام کی حق گوئی اور عدل گستری کی وجہ سے اسے سیکولرازم سے بہت بلند اٹھالیتی ہے۔ ہاں پاپائیت' پیشوا ئیت اور ملوکیت کے ملغوبے سے اٹھنے والے سفاکانہ نظام سے سیکولرازم واقعی بہت بہتر تھا اور اس نے ایک قسم کی اصول پسندی دی۔ لیکن اسلام ایسی سیرت گری اور کردار کی پختگی نہ پیدا کر سکا کہ نازک سے نازک اور مضبوط سے مضبوط لمحہ میں بھی وہ اس کے ماننے والوں کی دستگیری کرتا ہے۔ صلاح الدین ایوبی اسی جذبہ سے سرشار رچرڈ کو اپنا گھوڑا پیش کر دیتا ہے۔ کس وقت؟ جب وہ عین میدان جنگ میں ہے۔ جب لڑائی اپنے نصف النہار پر ہے گھوڑے سے گر پڑتا ہے اور یہ بات جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے کافی ہے مگر اسلام کے متوالے اور اس کی کردار سازی کی بھٹی میں سے گزر کر کندن بننے والے کبھی موقع پرست نہیں ہوتے۔ انہیں شکست تو منظور ہے مگر دھوکہ نہیں کیونکہ اس کے بعد وہ اپنے خدا کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکتے۔ مسلمان کی کامیابی اس کے ایمان کو مضبوطی سے تھامنے میں ہے کسی دنیاوی کامیابی میں نہیں۔ وہ ایک ضابطہ اخلاق کا پابند ہے

Marfat.com

اگر اس پر چلتا ہے تو وہ کامیاب ہے اگر نہیں تو ہزار دنیاوی کامیابیاں حقیقت میں ناکامیاں ہیں۔ حسین سر کٹوا کر بھی کامیاب رہتا ہے یزید جیت کر بھی ہمیشہ کے لیے لعنتی ٹھہرتا ہے۔ قائد اعظم اور مسلم لیگ ان عظیم روایات کے امین تھے۔ اس لیے انہوں نے کسی قسم کی بے قاعدگی نہ کی۔

مگر نہرو کو ایسے ضابطوں کی کوئی پروا نہ تھی اور جونا گڑھ کو روند ڈالا۔ اسی طرح حیدر آباد دکن ایک عظیم ریاست تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں بھی اس کا اپنا سکہ چلتا تھا اور اس کا اپنا ساحل سمندر تھا۔ 15 اگست کے بعد وہ ایک آزاد خود مختار ریاست تھی۔ ہندوستان کا اس پر کوئی اختیار نہ تھا نہ کوئی حق بنتا تھا۔ نظام حیدر آباد نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ اپنی ریاست کو آزاد رکھنا چاہتا ہے اور ہندوستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے مگر بے اصول نہرو اور پٹیل کو یہ کہاں گوارا تھا۔ انہوں نے چند ایک غنڈوں کی خدمات لیں اور وہاں پر تھوڑا سا شور شرابا کروایا اور حیدر آباد پر پولیس ایکشن کر دیا کیونکہ ان غنڈوں کے دنگا فساد سے ہندوستان کی سلامتی کو خطرہ ہو گیا تھا۔ نظام کو معزول کر کے اس کی ریاست کو ہڑپ کر لیا۔ گوئبلز بھی اپنی قبر میں تڑپ اٹھا ہو گا کہ اس کے گرو کہاں سے آ ٹپکے۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسری ریاستوں کا تیاپانچہ کرتے گئے۔ کسی کو کسی بہانے ضم کیا اور کسی کو کسی بہانے اور ایسے ایسے ہتھکنڈے استعمال کئے کہ گاندھی جی بھی چیخ اٹھے اور کہنے لگے کہ بہت ہی بدنامی ہو رہی ہے۔ فاشزم بھی شرما رہا تھا مگر اقتدار کے اندھے پٹیل اور نہرو سب کچھ بلڈوز کرتے جا رہے تھے کہ جلد از جلد دستور بنایا جائے مستحکم اور مضبوط ہندوستان تشکیل دینا ہے۔ مضبوط مرکز بنانا ہے' مضبوط فوج تیار کرنا ہے اور دشمنوں کے سینے پر مونگ دلنی ہے۔ ان پر دھونس جمانی ہے۔ غلبہ حاصل کرنا ہے۔ پاکستان کو مزا چکھانا ہے پاکستان تو کیا ہم نے سیلون نیپال اور بھوٹان کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ ان سب سے فارغ ہو کر مشرق وسطی کا رخ کرنا ہے۔ چین سے دو دو ہاتھ کرنے ہیں۔ مشرقی ایشیا کا بھی حساب کرنا ہے۔ ہمارا بہت بڑا اور طویل ایجنڈا ہے اس لیے ہم نازک دستوری اور قانونی ناز برداریاں نہیں اٹھا سکتے۔ ہمیں شمال جنوب کے احساسات کا کوئی خیال نہیں ہے۔ جنوب والوں کے کلچر اور زبان سے ہمیں کیا۔ ہندی ہیں ہم اور ہندی ہی ہماری زبان ہوگی۔ سب ہی کو رگڑ کر اکھنڈ بھارت کا خواب پورا کر دو۔

ان ہی جذبات کے ساتھ وہ کشمیر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کشمیر ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست تھی جسے لاہور کے سکھ دربار نے جموں کے ڈوگروں کے ہاتھوں انیسویں صدی میں ۷۵ لاکھ روپیہ میں بیچ دیا تھا تاکہ وہ انگریزوں کو جنگی جرمانہ ادا کر سکیں۔ بعد میں جب انگریزوں کی

Marfat.com

حکومت پنجاب پر بھی قائم ہو گئی تو انھوں نے جموں اور کشمیر کا علاقہ ڈوگروں کی تحویل ہی میں رہنے دیا۔ حالانکہ وہاں پر ۹۵ فیصد مسلمانوں کی آبادی تھی ہمیشہ مسلمان حکومتیں رہی تھیں اور ہمیشہ سے مسلمان ہی حکمران تھے۔ سکھوں اور ڈوگروں کا قبضہ سراسر ناجائز اور بلاوجہ تھا مگر انگریز نے اپنے سو سالہ دور میں ریاست کو ڈوگروں کے پاس ہی رہنے دیا اور مسلمانوں کے ساتھ ظلم کیا۔ آزادی کے وقت اس کا الحاق ہر لحاظ سے پاکستان کے ساتھ ہونا تھا۔ جغرافیائی لحاظ سے کشمیر پاکستان سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے تمام زمینی راستے پاکستان ہی کی طرف سے جاتے تھے صرف ایک راستہ ہندوستان سے ملتا تھا جو سارا سال موسم سرما اور برفباری کی وجہ سے کھلا نہیں رہ سکتا تھا۔ اور وہ بھی تبھی ممکن ہوا تھا جب مونٹ بیٹن نے نہایت بددیانتی کے ساتھ گورداسپور کا ضلع ہندوستان کے حوالہ کر دیا تھا۔ جغرافیہ اور آبادی دونوں پاکستان سے الحاق کا تقاضا رکھتے تھے اور یہ رشتے اتنے مضبوط اور اہم تھے کہ ڈوگرہ راجہ بھی ان سے انکاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے بھی پاکستان کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور اسی میں اپنی خیریت محسوس کی۔ کٹر ہندو ہونے کے باوجود اسے ان زمینی حقائق سے مفر نہ تھا۔ لیکن نہرو کہاں ماننے والا تھا۔ اسے تو اقتدار اور زمین کی حرص بیماری کی حد تک تھی۔ اس کا راستہ کوئی اصول' قاعدہ یا قانون نہیں روک سکتا تھا۔ شیخ عبداللہ بھی ایسا ہی ایک مریض الذہن شخص تھا۔ اس نے اسے بھی اپنے گندے کھیل میں شامل کر لیا اور کشمیر کو ہڑپ کرنے کی سکیم تیار کی۔ ادھر مسلمان تھے کہ تڑپ رہے تھے۔ وہ ہندوؤں کی غلامی قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ ان کی رشتہ داریاں اور تعلق داریاں سب پاکستان میں تھیں۔ ان کا دینی رشتہ بھی پاکستان سے تھا۔ دینی روحانی تاریخی ثقافتی معاشی سب ہی رشتے پاکستان ہی کے ساتھ تھے۔ ہندوستان سے ان کا کوئی تعلق نہیں بنتا تھا۔ جب انہیں نہرو عبداللہ گٹھ جوڑ کا پتہ چلا تو وہ سراپا احتجاج بن گئے اور پاکستان کے ساتھ الحاق کی آواز اٹھائی اور یہ آواز پورے کشمیر میں اٹھی اور اتنی شدت سے اٹھی کہ ہندوستان کے در و بام ہل کر رہ گئے۔ سری نگر اور مظفر آباد تو در کنار سکردو اور گلگت بھی اس ظلم اور سراسر بے انصافی کے خلاف سر بکف ہو گئے۔ جس سے جو کچھ بن پڑا اس نے وہی کر دکھایا۔ دل جان جائیداد سب کچھ اسلام اور آزادی کے لیے پیش کر دی۔ جس کے پاس لاٹھی تھی اس نے لاٹھی اٹھالی اور جس کے پاس بندوق تھی اس نے بندوق اٹھالی کہ وقت جہاد تھا اور کشمیر کے کافی حصہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت بنالی۔ بھارت نے تمام اصول بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی باقاعدہ فوج نہایت ڈھٹائی سے کشمیر میں داخل کر دی اور جلدی میں قانونی اور دستوری شرائط بھی پوری نہ کیں۔ راجہ

Marfat.com

سے بعد میں مداخلت کی درخواست پر دستخط کروائے گئے۔ یوں ساری کی ساری کاروائی غیر قانونی، غیر دستوری اور غیر اصولی کی۔ مگر مجاہدین کے حوصلے بلند تھے۔ ان کی کاز سچی تھی اور پھر ان مضبوط حوصلوں کے سامنے اتنی بڑی فوج کچھ بھی نہ کر سکی۔ سری نگر کی طرف پیش قدمی ضرور رک گئی۔ سری نگر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس کے علاوہ ہندوستانی فوج بند ہو کر رہ گئی بلکہ انہیں یکے بعد دیگرے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔

کشمیریوں کی جدوجہد جائز اور عظیم تھی ہندوستانیوں کے پاس سوائے انا اور ضد کے اور کوئی جواز نہ تھا۔ کشمیری تو صرف اپنے حقوق اور آزادی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ شروع شروع میں ان کی کوئی تنظیم ہی نہ تھی۔ سپلائی کا حال برا تھا۔ مواصلات مفقود تھیں۔ گولہ بارود صرف وہی تھا جو انہوں نے ڈوگرہ فوج کے سٹوروں اور ڈپوؤں سے حاصل کر لیا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ انہوں نے اپنے آپ کو منظم کیا۔ جو جو علاقے آزاد کروا لئے تھے ان کی اپنی ایک آزاد حکومت تشکیل دے دی۔ قرب و جوار کے علاقوں کے مسلمانوں نے بھی ان کی دامے درمے مدد کرنا شروع کر دی کہ ایمان کا یہی تقاضا تھا۔ پاکستان ان کی کیا مدد کرتا وہ تو خود مصائب میں گرفتار تھا۔ اس کی اپنی حکومت پوری طرح نہیں بن پائی تھی۔ کوئی انتظامیہ اور کوئی ادارہ نہیں بن پایا تھا۔ مہاجرین کا مسئلہ تھا، اناج کی کمی تھی کچھ بھی تو نہ تھا۔ نہ حکومت نہ دارالحکومت نہ فوج نہ پولیس۔ کشمیریوں کے پاس تو پھر بھی گولہ بارود تھا پاکستان کے پاس تو وہ بھی نہ تھا۔ مسلمان کشمیری فوجیوں نے ڈوگرہ راج کا اسلحہ جو ان ہی کے قبضے میں تھا استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ اسلحہ بارود پٹھان قبائلیوں نے ضرور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے مہیا کیا مگر وہ بھی کتنا ہو سکتا تھا۔ ہندوستان کی ریگولر فوج کے پاس سب کچھ تھا۔ پاکستان کے حصہ کے گولہ بارود کو بھی وہ بالکل ہضم کر گئے تھے اور پاکستان کی طرف آنے ہی نہیں دیا تھا۔ ان حالات میں پاکستان ان کی کیا مدد کر سکتا تھا؟ تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکا کیا۔ آزاد کشمیر کی حکومت کے قیام میں مدد کی۔ کچھ افسر دیئے اور کچھ دعائیں۔ لیکن پاکستانیوں اور کشمیری مسلمانوں کے پاس حوصلہ اور ولولہ تھا کہ دل و دماغ سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیئے تھے۔ ایک بے خودی تھی کہ دیکھا چاہیے۔ خود سپردگی کا یہ عالم کہ غنیم کے دل دہل جائیں۔ عقابی روح بیدار ہو چکی تھی۔ اب نہیں تو کبھی بھی نہیں کا مرحلہ آن پہنچا تھا اور وہ عظیم، عملی طور پر نہتے مجاہد ایسی بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے کہ انہوں نے ہندوستان کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور قریب تھا کہ ہندوستانی فوج بھاگ جائے۔ نہرو اتنا ڈرا کہ بھاگتا ہوا یو این او کے دروازے پر دستک دینے کے لئے

Marfat.com

پہنچ گیا کہ کسی طرح اقوام متحدہ بیچ بچاو کرا کے جنگ بندی کے ذریعہ ان کی عزت بچالے اسی لئے تو اقبال نے کہا تھا کہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی اور کشمیری مجاہدین نے یہ سب کچھ کر دکھایا اور اگر جذبہ نہیں تو بڑی سے بڑی فوج اور اس کا گولہ بارود سب بے کار ہیں۔ ہندوستان کی فوج کا کشمیری مجاہدین کے سامنے یہی حال تھا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود بھیگی بلی بنے کھڑے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ انہیں کیا معلوم کہ جب عقابی روح بیدار ہو جاتی ہے تو کیا کیا معجزے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں۔ ہندوستانی فوج کی حالت ایسی دگرگوں تھی کہ نہرو کو ڈر تھا کہ کہیں سیکورٹی کونسل جنگ بندی کروانے میں دیر نہ لگا دے۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ کام جلد سے جلد ہو جائے وگرنہ ان کی کمزوری ظاہر ہو جائے گی یہ وہ وقت تھا جب ہندو واقعی مسلمان کی شجاعت اور بہادری سے ابھی تک خائف تھا کیونکہ اس کے اسلامی انقلابی جذبے زندہ و جاوید تھے۔ نہرو نے اپنے ان خدشات کا اظہار مونٹ بیٹن سے کیا تو اس نے اسے مشورہ دیا کہ جنگ بندی کو یقینی بنانے کے لئے اپنی معقولیت کا یقین کروانا بہت ضروری ہوتا ہے اور اس کام کے لئے آپ اپنی طرف سے اعلان کر دیں کہ حالات نارمل ہوتے ہی کشمیر میں استصواب رائے کروا لیا جائے جس سے کشمیریوں کی اپنی رائے کا تعین ہو سکے۔

نہرو کو مونٹ بیٹن کی یہ بات بہت پسند آئی کیونکہ اس طرح جنگ بندی آسان ہو جائیگی۔ مونٹ بیٹن نے نہرو کو یہ بھی کہا کہ اگر وہ اس بات کو سو فیصد یقینی بنانا چاہتا ہے تو وہ یہ بھی کہہ دے کہ کشمیریوں کو استصواب رائے کے وقت چوائس دیا جائے کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے علاوہ اگر آزاد ہونا چاہیں تو بھی انہیں یہ اختیار ہو گا۔ اس تیسرے چوائس کی بات پر نہرو کو وہی اعتراض تھا جو اس نے "غرقابی اپریشن" پر ظاہر کیا تھا کہ وہ ہندوستان کی بلقانیت میں حصہ دار نہیں بنے گا اور پھر بعد میں بات تقسیم ہند پر پہنچی تھی۔ نہرو نے تیسرے آپشن کی بات مناسب نہ سمجھی لیکن فائر بندی کو یقینی بنانے کے لئے سیکورٹی کونسل سے اپنی درخواست کے ساتھ استصواب رائے کی بات بھی کہہ دی جب جذبہ جوان ہو اور قوت ایمانی مضبوط ہو تو امت مسلمہ بے سروسامانی کے باوجود اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ دشمن کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ کشمیر میں یہی کچھ ہوا اور ہندوستان بھاگتا ہوا سیکورٹی کونسل میں پہنچ گیا کہ ہائے دہائی ہماری جان چھڑا دیں استصواب بھی کروا لیں۔ سچے ایمان والے ان مجاہدوں کی ٹھوکروں سے دونوں جہان نیم تھے۔ یہی اصل قوت ہے اہل ایمان کی اور یہی انکا سرمایہ۔

یہ ایسا موقع تھا جب اقوام متحدہ ابھی تازہ تازہ معرض وجود میں آئی تھی اور اس کی ابھی وہ اخلاقی بدحالی نہیں ہوئی تھی جو آجکل ہو چکی ہے لہٰذا پاکستان نے بھی اقوام متحدہ کی بات نہایت نیک نیتی

Marfat.com

سے مان لی کہ اس طرح انہیں ایک اخلاقی فتح حاصل ہو گئی تھی اور اب یہ سیکورٹی کونسل کا کام تھا کہ وہ کشمیری عوام کی رائے حاصل کرنے کا بندوبست کرے لیکن ہندوستان کے دل میں تو کھوٹ تھا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ کشمیری مسلمان کبھی بھی ہندوستان کے حق میں ووٹ نہیں دیں گے۔ وہ تو اقوام متحدہ میں گئے ہی دھوکہ دہی کے لئے اور مزید وقت حاصل کرنے کی خاطر تھے کہ مقدمہ چلتا رہے اور سفار تکاروں اور وکلاء کے دلائل سے معاملہ کو الجھائے رکھیں گے۔ انہیں تو خوف تھا آزادی کے متوالوں سے جن کی توانائیوں کو اللہ تعالیٰ نے دوچند کر دیا تھا۔ سچے جذبوں کے سامنے پورا ہندوستان سرنگوں تھا اور ان کے تمام ہتھیار اور فوج بے کار ہو گئے تھے۔ ہندوؤں نے سوچا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے ان جذبوں کو ٹھنڈا کیا جائے پھر وقت آنے پر ان سے نمٹ لیں گے۔ جنگ سے فارغ ہو کر سازشوں کو اور تیز کر دیا۔ ان سازشوں میں اور بھی اسلام مخالف قوتیں شامل ہوتی گئیں یہ روئیداد ذرا بعد میں۔

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگ بدن سے

قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان بننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ملک کی خدمت کا زیادہ موقع نہ دیا اور وہ گیارہ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے لیکن ایک سال کے اندر اندر بہت سے اداروں کو منظم کر گئے اور بہت سی جہتوں کی نشاندہی کر گئے۔ خارجہ پالیسی کے خدوخال مرتب کر گئے اور اسکا کلیدی زاویہ اسلامی ممالک کے ساتھ دوستانہ اور برادرانہ تعلقات کو قرار دیا۔ روشن خیال اور ترقی پسند معاشرہ جس کی بنیاد اسلامی اخلاق اور روحانی اقدار ہوں کی ترویج کی تاکید کی۔ قانون کی حرمت کا سبق دیا کہ شریعت کے یہی معنی ہیں۔ ہر کسی کے ساتھ اسلامی روایات کی روشنی میں برابری کی بنیاد پر عدل و انصاف کا درس دیا۔ پاکستان کی یک جہتی کے لیے صوبائیت علاقائیت اور فرقہ واریت سے گریز کا سبق دیا۔ اقلیتوں اور محروم طبقات کے ساتھ شفقت اور انصاف کی تلقین کی۔ پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کے دفاع کے لیے قومی حمیت اور ملی غیرت کے ایمان افروز جذبوں کی پذیرائی سے خود اعتمادی اور خودانحصاری کی قدر و منزلت سے آشنا کیا کہ مادی وسائل ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اصل طاقت روح و قلب کی روشنی ہے محنت کی عظمت اور بچت کا درس دے کر اپنی مدد آپ کا سبق سکھایا کہ کسی بھی حالت میں دوسروں کا سہارا لو اور نہ قرض مانگو کہ اس کی اسلام میں ممانعت ہے۔ قرض فضول خرچی کی طرف راغب کرتا ہے عادات بگاڑتا ہے' دماغ خراب کرتا ہے اور محتاجی کی بھیک منگواتا ہے۔

Marfat.com

منگواتا ہے۔ ان کی دوررس بالغ نگاہ یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی کہ آگے چل کر ہم نے ان ہی جالوں میں پھنسا ہے شاید اسی لیے ان تمام فریب کاریوں سے قوم کو محفوظ کرنے کے لیے ان کی واضح نشاندہی کر دی۔ سرکاری ملازموں کو سیاست بازی سے منع فرمادیا اور انہیں فریق بنے بغیر سب کے ساتھ برابری کے ساتھ انصاف کا حکم فرمایا۔ طلباء کو تعلیم میں دل لگانے اور سیاست سے بچنے کی تلقین فرمائی کہ اس طرح وہ اپنے ملک کی سب سے بہتر خدمات سرانجام دے سکتے ہیں قائد اعظم کا فرض پورا ہو چکا تھا۔
انہوں نے علامہ اقبال کے تصور کو عملی شکل دے دی تھی اور امت مسلمہ کے لئے سب سے بڑی ریاست معرض وجود میں آچکی تھی اس معجزہ کو بروئے کار لانے کے لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں نے حصہ [redacted] کام کیا تھا لیکن سب سے بڑا حصہ حضرت قائد اعظم ہی کا تھا جنہوں نے بکھری ہوئی قوم کو منظم کر کے اس کی وحدت کا سامان پیدا کیا۔ اور اسے ایک واضح اور ٹھوس سمت دی اور قوم کی منزل مراد کے لئے عظیم فہم و فراست، بصیرت، صبر اور حوصلہ سے کام لے کر نہ صرف اسے بنایا بلکہ اس کی مستقبل کی راہنمائی کے خطوط کا تعین بھی کر دیا۔ قائد اعظم ایک بہت ہی عظیم شخصیت تھے۔ مسلم لیگ میں ان کا مقام ایک مشفق استاد کا تھا۔ انہوں نے سالہا سال اپنے ساتھیوں کی سیاسی تربیت کی تھی۔ اکٹھے مل کر ایک عظیم سیاسی جدوجہد کی تھی۔ سوئی ہوئی قوم کو جگایا تھا اور بہت سے دل تھے جن کو روشن کیا تھا۔ آزادی اور انقلاب کے پاکیزہ جذبوں سے جلا بخشی تھی اور اپنے قرب سے انہیں عظیم انسان بنا دیا تھا۔ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے مگر اپنے پیچھے حب وطن اور عظیم فہم و فراست کے مالک صاحب نظر و نگاہ احباب کی ٹیم تشکیل دے کر ملک و قوم کی خدمت کے لئے چھوڑ گئے جنہوں نے ان کے عزم کی تعمیر و استحکام کے مشن کو جاری رکھا۔ ان کی رحلت کا قوم کو صدمہ تو بہت زیادہ ہوا مگر قائد ملت لیاقت علی خان خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر ایسے دردمندان قوم نے لوگوں کو سہارا دے کر سنبھال لیا اور ان کے تعمیری جذبات کو ٹھیس نہ لگنے دی اور انکے انقلابی خیالات کو ملک و قوم کی تعمیر و ترقی پر لگائے رکھا۔ ہر چھوٹا بڑا شخص اس کوشش میں تھا کہ اس کی کوشش سے پاکستان گل و گلزار بن کر خوبصورت اور مضبوط ہو جائے چاہے اس کے لئے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔
پرائمری سکول کے استاد سے لے کر یونیورسٹی اور کالج کے پروفیسر ہر کسی کی یہی دوڑ دھوپ تھی کہ وہ پاکستان کو بہترین طالب علم دے سکے۔ انہیں عالم و فاضل بنا دے اور دنیا کے بہترین سائنس دان بنا ڈالے۔ ڈاکٹر پاکستانی شہری کو سب سے زیادہ صحت مند بنا دینا چاہتا تھا۔ کاریگر اپنے بہترین ہنر کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ کاروبار اور انڈسٹری میں مسلمانوں کی دلچسپی کم ہی رہی تھی لیکن اپنے قائدین کے

Marfat.com

حکم پر انہوں نے وہ وہ جوہر دکھائے کہ کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی۔ ایمانداری اور محنت کو اپنا شعار بنایا اور کسب کمال کن کو قومی نصب العین۔ اگرچہ شروعات ہی تھیں لیکن جس جس سیکٹر میں ہاتھ ڈالا دنیا دنگ رہ گئی اور بہترین کوالٹی قائم کر کے پاکستان کی ساکھ بنائی۔ اور پاکستان کے لئے عظیم نام کمایا۔ بنکاری میں حبیب خاندان نے دھاک بٹھائی تو آدم جی نے ملک کے دونوں حصوں میں کاروبار اور انڈسٹری کو نہ صرف بڑھوتی دی بلکہ اعلیٰ معیار قائم کر دکھایا۔ مراتب علی کے خاندان نے انڈسٹری کی بنیاد ڈال کر پاکستان کی خدمت کی ٹھانی۔ چنیوٹی شیخ برادری نے قائداعظم کے ذاتی حکم پر کپاس کا کاروبار بڑھایا۔ ہندوستان نے پٹ سن خریدنے میں تنگی پیدا کرنے کی کوششیں کیں کیونکہ سب کارخانے کلکتہ میں ہی رہ گئے تھے تو تاجر برادری نے کمال صلاحیت اور سرعت کے ساتھ اپنے کارخانے کھڑے کر دیئے۔ اسی طرح چھوٹے بڑے تاجر ہر کسی نے دیو مالائی قوتوں سے کام لے کر طلسماتی کرشمے دکھا دیئے اور یہ سب کچھ بغیر کسی بیرونی امداد کے ہوا تھا اور اس کی ایک ہی بنیادی وجہ تھی اور وہ تھی ان لوگوں کی اپنے وطن سے لگن اور محبت۔ سیاسی قائدین نے بھی انہیں بہت عزت بخشی تھی۔ وہ ایک آزاد اور اسلامی ملک کے معزز شہری تھے۔ انہیں ہر طرح کی عزت مل رہی تھی۔ ان کا وقار اور عزت انہیں اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے دھکیل رہی تھی۔ ہندوؤں کی زیادتیوں کی یاد ابھی تازہ تھی۔ اس لئے وہ ہر طرح سے اپنے وطن کو ہر چیز میں خودکفیل بنانا چاہتے تھے اور بالکل زیرو سے شروع کر کے انہوں نے ایک معاشی معجزہ تخلیق کر دیا تھا۔ خوش قسمتی سے کوریائی جنگ نے کپاس اور دھاگے کی قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے خاص مدد تھی اور پاکستان ٹیکسٹائل انڈسٹری میں دنیا بھر میں چھا گیا۔ پاکستان کی مشینری جدید ترین تھی اور کوالٹی سب سے عمدہ۔ ہندو دیکھتا رہ گیا بلکہ بہت زیادہ پیچھے رہ گیا پاکستان کا نام بھی اونچا ہو گیا اور مالی طور پر بھی ہماری حالت بہتر ہو گئی۔ لیکن یہ سب نتیجہ تھا اس روحانی انقلاب کا جو آزادی کے پاکیزہ جذبات نے بخشا تھا اور دنیا بھر نے دیکھ لیا کہ مومن کی ٹھوکر میں ہی معاش ہوتی ہے۔ رب العالمین نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور پاکستان کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا اور وہ سب لوگ جو سمجھتے تھے کہ تقسیم کے بعد پاکستان اپنے معاشی بوجھ کے نیچے دب کر رہ جائے گا حیران و پریشان تھے۔ ان کی جعلی اور فریب خوردہ معاش کی کتابوں میں تو سچے جذبوں کی جگہ ہی نہیں ہوتی۔ اس کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں۔ وہ تو صرف سونے چاندی کے سکوں کو ہی معاش کی بنیاد سمجھتے ہیں۔ انسان ان کی گنتی میں نہیں ہوتا۔ انہیں کیا معلوم کہ مومن کا پسینہ سونے سے زیادہ قابل قدر ہوتا ہے۔ ان کی منڈی کی زبان

Marfat.com

اور ہوتی ہے اور مومن کی منڈی کی زبان اور۔ چشم فلک نے دیکھا کہ وہی حاسد ہندوستان چند سالوں بلکہ ایک دو سالوں میں بھوک اور ننگ کی علامت تھا اور اللہ کے فضل سے پاکستان ہر لحاظ سے فراوانی اور زرخیزی کا نمونہ۔ کیونکہ اس کا ہر مزدور اور کاشتکار وطن کی محبت سے سرشار ہو کر کام کر رہا تھا۔ کوئی کسی کا حق نہیں مارنا چاہتا تھا۔ غیر ضروری سرمایہ اکٹھا کرنا گناہ سمجھتا تھا' بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ کس طرح اپنے پاکستان کی خدمت کر کے اسے مضبوط اور خوشحال بنا سکتا ہے۔ انقلاب اور آزادی نے ساری قوم کو متحرک کر دیا تھا اور جب قوم متحرک ہو تو اس کا کوئی راستہ نہیں روک سکتا۔

ہندوستان نے جب دیکھا کہ پاکستان تو ہر فیلڈ میں آگے جا رہا ہے تو غنڈہ گردی پر اتر آیا۔ اس نے سوچا اس کی کپاس اور دوسری فصلوں کو کیوں نہ تباہ کیا جائے جن کا انحصار نہری پانی پر ہی تو ہے اور ابھی ہندوستان کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کشمیر میں تو پہلے ہی منہ کی کھا بیٹھے تھے اور بڑی مشکل سے اقوام متحدہ کے ذریعے عزت بچا پائے تھے لہٰذا ہندوستان نے پاکستان کا نہری پانی بند کر دیا جسکا قطعاً کوئی جواز نہ تھا اور وہ معاہدوں کے ذریعہ پانی کی سپلائی کے پابند تھے لیکن انہیں کیا اخلاقی پاسداری کا؟ پاکستان کی قیادت کو معلوم تھا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ قوم زندہ تھی' متحرک تھی۔ ابھی ایمان کی حرارت ٹھنڈی نہیں پڑی تھی۔ پانی بند ہونے کا سب سے زیادہ برا اثر پنجاب کے نہری علاقہ پر پڑ رہا تھا۔ خان لیاقت علی خان نے فیصلہ کیا کہ ہندوستان پر چڑھائی کر دی جائے اور انہیں سبق سکھایا جائے کہ مسلمانوں کو للکارنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان اپنی شریعت کا پابند ہے۔ وہ کبھی شب خون نہیں مارتا۔ وہ ہمیشہ سامنے آکر لڑتا ہے اور سچ کی بنیاد پر لڑتا ہے۔ جھوٹ کی ہر لڑائی ویسے ہی حرام ہے۔ ہندوستان کو لاکھ سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان نے ایک جلسہ عام رکھا اور ساری بات عوام کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کو سبق سکھا دیا جائے اور یہ کہتے ہوئے انھوں نے اپنا مشہور زمانہ مکہ ہوا میں بلند کیا۔ بس پھر کیا تھا لاکھوں کا مجمع آگ بگولا ہو گیا اور ہر مسلمان مجاہد بن گیا۔ ہندوستان نے جب دیکھا کہ مسلمان کے جذبات اتنے شدید ہیں تو فوراً پانی نہروں میں چھوڑ دیا۔ زندہ جاوید ایمانی جذبوں سے سرشار قوموں کی یہی قوت ہوتی ہے جو ناقابل تسخیر ہوتی ہے۔ فوجوں کی بات بہت بعد کی ہوتی ہے اصل قوت عوام کی ہوتی ہے۔ اگر عوام بیدار اور اپنے وطن سے محبت رکھتے ہوئے ہر قربانی کے لیے تیار ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں دبا نہیں سکتی۔ ان کے حقوق نہیں مار سکتی۔ یہ تھے کرشمے اس اسلامی روحانی انقلاب آزادی نے ہمیں ودیعت کئے تھے جو کچھ دیر بعد ہم نے کھو دیئے اور پھر بھی کچھ کھو دیا کیسے اور کیوں؟

Marfat.com

ذرا بعد میں۔ وہ روئیداد بہت ہی المناک ہے اور اس کی سزا ہم اب تک بھگت رہے ہیں اور ایک عظیم باوقار طاقتور قوم سے بھکاری بن چکے ہیں۔ لیکن جب کی میں بات کر رہا ہوں اس وقت دم خم تھا اور خوب تھا کہ پورا ہندوستان کانپ اٹھا اور نہروں میں پانی بہنے لگا۔

Marfat.com

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

ہندوستان کو جرات نہ تھی کہ وہ پاکستان کی ابھرتی ہوئی زندہ قوم کے آگے ٹھہر سکے۔ یہی زندہ قوموں کی نشانی ہوتی ہے قومیں جذبوں اور ولولوں سے زندہ ہوتی ہیں اور قوت ایمانی سے آگے بڑھتی ہیں۔ ان ہی جذبوں نے تخلیق پاکستان کا معجزہ کر دکھایا تھا اور ان ہی ولولوں کے سہارے وہ مضبوط اور مستحکم ہو رہا تھا۔ دشمن کے چھکے چھوٹ رہے تھے کشمیر کا میدان ہو یا مہاجرین کی آباد کاری ہر جگہ کامرانی بڑھ کر بچے پاکستانیوں کے قدم چوم رہی تھی۔ کاروبار ہو یا انڈسٹری تعلیم ہو یا کاشتکاری چھوٹا بڑا ہر پاکستانی اپنے وطن کی تعمیر کی لگن میں مگن تھا یہاں تک کہ پاکستان کے گلی کوچوں میں صفائی پر مامور خاکروب بھی اپنی بہترین دل لگی کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ اپنے وطن کو صاف ستھرا رکھنا ہے۔ میونسپل کمیٹی کے نلوں سے اچھے شہری پانی ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے وہ عظیم نظارے دیکھے ہیں جب شہر کے معزز کونسلر اور صدور خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دینا شروع کر دیتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض میونسپل کمیٹیوں کے ایڈمنسٹریٹر سرکاری افسراز قسم تحصیلدار یا ڈپٹی کمشنر تھے وہ بھی پیچھے نہیں رہتے تھے۔ میں نے یہ خوبصورت نظارہ ایک طالب علم کی حیثیت سے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ٹوبہ ٹیک سنگھ میونسپل کمیٹی کا چارج جب شیخ محمد اسلم تحصیلدار کے پاس تھا تو وہ ہفتہ میں ایک دن خود جھاڑو اٹھا کر کافی دیر کسی نہ کسی گلی اور نالی کی صفائی کرتا۔ یہی کام میں نے اپنی کمیٹی

Marfat.com

کے صدر چوہدری عبدالغفور کو کرتے دیکھا۔ وہ افریقہ کے کسی ملک میں کاروبار کے سلسلہ میں رہے تھے اور بڑے متمول آدمی تھے۔ جسم بھی کافی فربہ تھا لیکن اپنے شہر کو صاف ستھرا رکھنے کی ایسی لگن تھی کہ ہروقت اس کی بہتری میں مصروف پائے جاتے تھے۔ میاں محمد شفیع صاحب مرحوم جب لاہور میونسپل کارپوریشن کے چیف ایگزیکٹو تھے تو میں نے بارہا انہیں ایسی خوبصورت کارروائیوں میں حصہ لیتے دیکھا چھوٹے بڑے سب ہی لوگ اپنے وطن کی خدمت کو سب سے بڑا اعزاز سمجھتے۔ ان ہی جذبوں نے پاکستان اور پاکستانیوں کو عظمت بخش دی تھی اور اسے اتنی بڑی قوت بنا دیا تھا۔

تحریک پاکستان کے جذبے ابھی تازہ تھے' مادی امداد اور غیروں کے قرضے کے ساتھ ترقی کرنے کے پرفریب اور بے سود تصورات نے ابھی جنم نہیں لیا تھا۔ اپنی مدد آپ اور قلب و روح کی توانائیوں سے وطن کو روشن کرنے کی سوچیں عروج پر تھیں۔ ایسا وقار اور ہیبت موجود تھی کہ اغیار کے دل دہل رہے تھے۔ پاکستان کا ہر شہری شہادت گہہ الفت میں اپنا قدم رکھنا سب سے بڑا اعزاز سمجھتا تھا۔ ترقی کی آرزوئیں ان کے دل میں مچل رہی تھیں اور جو جہاں پر تھا اس کے بازو اور اجسام اسی عمل میں مصروف تھے۔ ایسی کیفیت میں ہندوستان کی کیا مجال تھی کہ وہ پاکستان کا پانی روک سکتا۔ لیاقت علی خان نے مکا دکھا کر قوم کو تیار کیا تو ہندوستان نے اسی میں خیریت سمجھی کہ وہ پاکستان سے پھڈا نہ ڈالے۔ یہ تھے وہ عظیم عزائم اور حوصلے جب شاہینوں کے ہاتھ میں ہماری تقدیر تھی۔ وہ کسی سے ڈرتے نہیں تھے اور نہ کسی کو ڈراتے تھے۔ اسلامی ضابطہ اخلاق کے پابند' حقانیت کے علمبردار اپنے اور غیروں سے انصاف چاہتے تھے۔ پاکستان میں معاشی انصاف کی بہترین مثالیں قائم کر رہے تھے۔ گھٹیا قسم کی مالی منفعت کی سوچ ان کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ صاحب اقتدار ہی نہیں سب ہی لوگوں کا ایک زبردست اخلاقی احیاء ہو چکا تھا۔ وہ کسی طرح بھی کسی دوسرے کا حصہ نہیں مارنا چاہتے تھے اور اس اخلاقی روحانی فضا نے تمام جھگڑے ختم کر دیئے تھے۔ کمال کا بھائی چارہ تھا اور ہر کوئی اپنی اپنی جگہ خوش تھا۔ غریب بھی صبر شکر سے کام لے رہا تھا اور جو متمول تھا وہ اپنے غریب بھائی کے ساتھ نہایت خاموشی سے اس کی مشکل میں مددگار بن جاتا۔ کہیں کوئی ارتکاز دولت تھا نہ بے ہودہ خود نمائی۔ دوسروں کے جذبات کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ شادی بیاہ کی رسوم پر مجال ہے کوئی فضول خرچی ہو اور اگر کوئی ایسی غلطی کر بیٹھے تو ہر کسی کی حقارت کا نشان بنتا تھا کہ ہر کسی کی بہو بیٹیاں ایک سی ہیں۔ اسلام کی دی ہوئی اخلاقی اقدار کی پاسداری جزو ایمان تھا۔ اور اس سب کا نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت کے معاشرہ میں جرائم بھی خال خال ہی ہوتے تھے شہروں سے زیادہ گاؤں پر سکون تھے اور اک جنت بے

Marfat.com

نظیر کا منظر پیش کرتے تھے۔ جاپان کی طرح ہمارے گاؤں میں چوری وغیرہ کا تصور تک نہ رہا تھا۔ یہ تھیں متحرک اور فعال اسلام اور پاکستان کی برکات۔ تو پھر کیوں نہ یہ ملک ایک عظیم طاقت بن کر ابھرتا؟ ان جذبوں کے طفیل اور عملی مساوات اور معاشی انصاف کی وجہ سے ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان نہ صرف اخلاقی طور پر بلکہ معاشی طور پر بھی ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھرا۔ یہ سب کچھ اس وقت کی قیادت اور لوگوں کے پاکیزہ اور باہمت جذبوں کی بدولت تھا۔ بیرونی امداد کی وجہ سے نہیں۔ یہ بیماری بہت بعد میں شروع ہوئی اور وہ بھی جب بے بصیرت اور محدود نگاہ فوجی اور سول بیوروکریٹس نے اس ملک پر قبضہ جمالیا۔ یہ اس ملک کا سب سے بڑا المیہ تھا لیکن جس قیادت نے آزادی کے لیے کام کیا تھا وہ اتنی بلند نگاہ تھی کہ وہ ان قباحتوں کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے کہ بیرونی امداد وغیرہ کا فریب کس طرح محتاجی اور غلامی کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔ آزادی کی جنگ نے ان کی روحوں کو وہ جلا بخشی تھی جو عام حالات میں شاید ہی آشکارا ہوتی ہے اور نوکر شاہی کو تو وہ ہو ہی نہیں سکتی کہ شروع ہی سے وہ غلامی میں آنکھ کھولتے ہیں اور غلامانہ ذہنیت غلاظت کے کیڑے کی طرح ان کی روح و قلب میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ بہت سے غلامانہ عمل غیر شعوری اور نیم شعوری حالت میں کر جاتے ہیں۔ یہی کچھ بعد میں سکندر مرزا اور ایوب خان نے کیا لیکن اس کی تفصیل ذرا بعد میں کہ کس طرح عظیم ارواح اور جذبوں کی جگہ مالی وسائل اور ترقی کی جھوٹی خواہشوں نے انہیں اندھا کر دیا اور ساری قوم ہی کو اندھیری غاروں میں بند کر دیا۔ شروع کا پاکستان ان جذبوں کے صدقے چند ہی سالوں میں اپنی بے سروسامانی سے معجزاتی طور پر نکل آیا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

ایمانی قوت سے پاکستان نے ہندوستان کے کشمیر میں چھکے تو چھڑوا ہی لیے تھے۔ اسی برکت سے مالی میدان میں بھی چھا گیا اور ایک عجیب ملی وقار اور خود اعتمادی سے مالا مال ہو گیا۔ کسی بھی قسم کا احساس کمتری موجود نہ تھا۔ ہر معاملہ میں پر اعتماد پاکستان ترقی کے زینے طے کر رہا تھا۔ ہندوستان کے ساتھ بھی تجارت ہو رہی تھی۔ کیوں نہ ہوتی؟ اس میں فائدہ تھا۔ جھگڑا اپنی جگہ جاری تھا مگر نہایت پروقار اور متانت کے ساتھ نہ کہ سفلی جذباتیت کے ساتھ۔ اپنا حق چھوڑو مت دوسرے کا حق مارو مت' ہمارا موٹو تھا نہ کہ بھڑا بازی جو بعد میں ہمارا وطیرہ بنا۔ کیوں نہ بنتا کہ ہماری قسمت جرنیلوں اور بیوروکریٹوں کے ہاتھ چڑھ گئی۔ اتنی قتل و غارت کو بھول کر راجہ غضنفر علی خان نے سکھوں کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا اور وہ پھر اپنے اس وقت کے فعل پر نادم ہو کر رو دیئے۔ پاکستان میں ہزاروں کی تعداد میں آئے تو ایک ایک سے معافی مانگی اور گلے ملکر روئے۔ باہمت اور پر

Marfat.com

پر عزم پاکستان نے جب پٹ سن کے اپنے کارخانے بنا لیے تو وہی ہندوستان جو پٹ سن لینے سے انکار کر کے پاکستان کو معاشی طور پر تباہ کرنا چاہتا تھا پاکستان کی منتیں کر رہا تھا کہ ہمارے کارخانے بند ہونے سے بچا لیں اور پٹ سن دے دیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا تھا کہ قوم جاگ رہی تھی۔ بے لوث تھی اور اپنے وطن کی محبت سے سرشار تھی۔ حب الوطنی کا کرشمہ کھیل کے میدان میں بھی آشکارا تھا گلی کوچوں میں سے گلی ڈنڈا کھیلتے ہوئے باصلاحیت فدائین پاکستان نوجوانوں نے بغیر کسی تربیت اور ہنرمندی کے صرف جذبہ ایمانی کے بل بوتے پر کرکٹ کا میدان مار لیا اور اپنے پرانے آقاوں انگریزوں کو ان کے گھر لندن جا کر ہرا دیا۔ کرکٹ انگریزوں کا اپنا قومی کھیل تھا پاکستانیوں کو تو پتہ ہی نہیں تھا لیکن ملی جذبات کی طاقت نے ہمارے جوانوں کو وہ قوت بخشی کہ پورا عالم انگشت بدنداں تھا۔

جیسے جیسے پاکستان قوت پکڑتا گیا اسی رفتار سے اس کے حاسد بھی اس کے خلاف سازشوں میں مصروف کار ہوتے گئے۔ کہ اس بڑھتے ہوئے اسلامی روحانی انقلاب کا راستہ کیسے روکا جائے۔ اس کے اندر سے اس کے تضادات ابھارے جائیں۔ صوبائیت اور علاقائیت کے فتنے کھڑے کیے جائیں۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان جغرافیائی اور نسلی فاصلوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ زبان کا مسئلہ کھڑا کیا جائے۔ مختلف صوبے آپس میں کیسے دست و گریبان ہو سکیں؟ اسلام اور جمہوریت میں الجھاؤ پیدا کیا جائے۔ صوبوں کی قیادتوں کو لڑایا جائے اور بیدار محب وطن صاحب نگاہ سیاسی قیادت کو مختلف حربوں اور ہتھکنڈوں سے کیسے داغدار کیا جائے تاکہ پاکستانیوں کی اس بے پناہ خود اعتمادی کا کوئی تو علاج ہو سکے وگرنہ جیسے وہ مضبوط اور مستحکم ہو رہا ہے وہ ساری اسلامی دنیا کا لیڈر بن کر ہم سب کے لیے ایک بہت بڑی مصیبت بن جائے گا۔ تباہیوں کے مشورے صرف دلی میں ہی نہیں ہو رہے تھے۔ تل ابیب میں بھی ہو رہے تھے اور ماسکو میں بھی۔ لندن واشنگٹن بھی پیچھے نہیں تھے۔

لیکن لیاقت علی خان کی امریکہ جانے کی وجہ سے دلی اور ماسکو بہت ہی برافروختہ تھے لیاقت علی خان کا امریکی دورہ محض دوستی کے اظہار کا تھا وہ بعد میں ماسکو بھی جانے والے تھے۔ امریکہ کے ساتھ لیاقت علی خان ایسے صاحب بصیرت شخص نے کوئی خاص یک طرفہ جھکاو نہیں کیا تھا۔ انہوں نے تو آزادی کی جنگ لڑی تھی اور وہ آزادی کی قدر و قیمت خوب جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آزادی کی حفاظت تو قوم نے خود کرنا ہوتی ہے اور اپنے اندر سے قوت پیدا کرنا ہوتی ہے۔ آزادی اور محتاجی دونوں اکٹھے چل ہی نہیں سکتے۔ دوسروں کی مدد سے غلامی تو خریدی جا سکتی ہے آزادی نہیں۔ اس لیے انہوں نے پاکستان کے ظاہری اور مادی مشکل سے مشکل حالات میں بھی امریکہ کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ نہیں کیا

Marfat.com

جس کا خمیازہ ہمیں بعد میں بھگتنا پڑتا۔ ہاں سفارتی دوستی اور معاملہ فہمی تو بین الاقوامی امور میں بہت ضروری ہوتی ہے۔ معاہدات کے نقصان دہ مضمرات کا اس بالغ نگاہ قیادت کو اچھی طرح احساس تھا۔ یہ تو بعد کے غلامانہ ذہنیت میں پلے ہوئے بیوروکریٹس اور جرنیلوں کا کرشمہ تھا کہ جس کی سزا ہمیں اب تک بھگتنا پڑ رہی ہے۔ دشمنوں کو دکھ پاکستان کے مستحکم ہو جانے کا تھا وہ تو سمجھتے تھے کہ پاکستان کسی طرح بھی زندہ نہیں رہ سکے گا اور وہ اسے پھر ہڑپ کر لیں گے لیکن یہاں کی قیادت اور لوگوں نے مل کر ایسا کمال کیا کہ انہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اور پاکستان اقوام عالم میں بہت آگے نکل گیا لہٰذا انہوں نے بہت ہی گھمبیر سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا تاکہ پاکستان اگر ختم نہیں کیا جا سکتا تو اتنا مضبوط بھی نہ بن سکے۔ قیادت کو داغدار کرنے کے منصوبے بناتے رہے آپس کے اختلافات جو ایک فطری امر ہوتا ہے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی منصوبہ بندی ہوتی رہی۔ صوبوں کو لڑانے کی کوششیں ہوئیں۔ دستور سازی میں روڑے اٹکانے کے سامان کئے گئے لیکن پاکستانی قیادت اور عوام نے اپنی یکجہتی اور معاملہ فہمی سے تمام مسائل پر قابو پالیا۔ دشمنوں کو بہت امید تھی کہ دستور سازی کے مرحلہ پر اسلامی فقہ سیاسی علماء اور دستور سازوں کے درمیان زبردست جھگڑا اٹھ کھڑا ہو گا۔ ان کے خیال میں اسلامی معاشرہ میں جمہوریت کا نام ونشان ہی نہیں ملتا اور اس طرح پاکستان اس مسئلہ پر پھنس کر رہ جائے گا۔ لیکن ان عقل کے اندھوں کو کیا معلوم کہ جمہوریت اور شورائیت ہی تو اسلام کی اصل روح ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے واضح راہنمائی بھی موجود ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس کا عملی نمونہ مدینہ کی ریاست کی خود سربراہی فرما کر مسلمانوں کو سنت کے طور پر ودیعت فرما دیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سیاست ریاست اور جمہوریت تو شیوہ پیغمبری ہے۔ ملوکیت تو اسلام کی روح کے خلاف ہے۔ حسین نے تو اس کے لیے کربلا میں سر کٹا کر ایک ابدی اور ازلی عظیم مثال قائم کر دی ہے۔ ہر مسلمان پیدائشی سیاستدان ہے، ظلم کے خلاف مجاہد اور حقانیت کا سپاہی ہے۔ روحانی جمہوریت اس کا نصب العین اور دین ہے۔ قانون کی حکمرانی اس کی گھٹی میں ہوتی ہے کہ شریعت کے بغیر اس کی مسلمانی کی تکمیل ہی ناممکن ہے۔

لہٰذا قائدین ملت نے اسلامی علوم پر دسترس رکھنے والے حکماء اور علماء سے درخواست کی کہ وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی اس معاملہ میں راہنمائی کریں یہ عین وہی راستہ تھا جو حکیم الامت علامہ اقبال نے سالہا سال قبل مسلمانوں کو جدید امور اور معاملات کے اجتہاد کے سلسلہ میں دکھا دیا تھا۔ لہٰذا اس نسخہ کیمیا پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کے تمام دینی مسالک سے تعلق رکھنے والے معروف اور

Marfat.com

جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دے دی گئی۔ جنہوں نے گہرے غور و خوض کے بعد ۲۲ نکات پر مبنی اپنا متفقہ مشورہ دے دیا جن کی بنیاد پر ایک اسلامی فلاحی روشن خیال جمہوریہ کے دستور کی عمارت کھڑی کی جاسکتی تھی۔ اس طرح اغیار کی تمام گندی سوچوں کا علماء حق نے ایک زبردست منہ توڑ جواب فراہم کر دیا اور واضح کر دیا کہ اسلام اور جدید جمہوری ریاست میں کوئی تضاد موجود نہیں ہے اور اس بات پر خود اسلام کے اندر مختلف الخیال فرقوں میں بھی اتفاق رائے ہے۔ اس کے بعد تو دشمنوں کو سانپ سونگھ گیا کہ اب کیا ہو گا؟ ہم نے کیا سوچا تھا اور یہاں کیا ہو رہا ہے؟ یہ بیدار مغز قوم تو کسی بھی فتنہ میں نہ پھنستی ہے اور اپنی راست فکری کی بنا پر تمام تضادات کا علاج ڈھونڈ لاتی ہے۔ ہر مسئلہ کو آسانی سے حل کر لیتی ہے۔ مہاجروں کا قضیہ نپٹا لیتی ہے کچھ بھی نہ ہونے کے باوجود حکومتی مشینری اور ادارے قائم کر لیتی ہے۔ سادگی اور بچت کی عادات کو ترویج دیکر مالی وسائل جمع کر کے اپنی مالیاتی حالت نہ صرف ٹھیک کر لیتی ہے بلکہ بھارت کو ہر میدان میں پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔ یہ کیسے جن ہیں کہ نازک سے نازک مسائل اور تنازعات کو سدھار لیتے ہیں ان کے انقلابی جذبات نے اگر انہیں ان ہی راہوں پر چلائے رکھا تو یہ تو بہت بڑی مصیبت بن جائیں گے ان کا راستہ روکنا بہت ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہم نے تو خدا کے وجود کو نہایت کامیابی سے دیس نکالا دے دیا تھا۔ محروم طبقوں کی تکلیفوں کی وجہ سے انہیں خوب بے وقوف بنالیا تھا اور انہیں مغربی اور انگریزی استعمار کے خلاف بھی استعمال کر لیا تھا۔ سرمایہ داری نظام کی عدم مساوات اور ارتکاز دولت کے خلاف بھی ان کے جذبات کو بھڑکا کر اپنا کام نکال لیا۔ لیکن یہ جناتی لوگ پوری دنیا سے منفرد کہاں سے آدھمکے کہ نہایت اطمینان اور مستی کے ساتھ ہر مسئلہ کا حل اپنے دینی جذبات اور فکر سے ڈھونڈ نکال لاتے ہیں۔ ان کے خلاف واقعی کوئی بہت ہی مضبوط اور ٹھوس قدم اٹھانا پڑے گا۔

علماء کے ۲۲ متفقہ دستوری نکات کے بعد ماسکو اور دلی کے صبر کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا اور جب ان کے دوسرے تمام ترہتھکنڈے ناکام ہو گئے تو انہوں نے پاکستانی افواج جو ابھی پوری طرح منظم بھی نہ ہو سکی تھیں کے ادارہ کے اندر نقب لگانے کی ترکیبیں سوچنا شروع کر دیں۔ لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی راہنماؤں کی کردار کشی کے مختلف حربوں پر بھی کام کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ انہیں لیاقت علی خان کی امریکہ یاترا بہت دکھتی تھی۔ مسلم لیگ قیادت کو صوبوں کے اندر صوبوں سے اور صوبوں کو مرکز کے ساتھ لڑانے کی سازشوں کا شیطانی نقشہ بنایا اور اپنے ایجنٹوں اور حواریوں کے ذریعہ اس پر زبردست کام شروع کر دیا۔ مسلم لیگ کی قیادت بہت ہی بالغ نظر رکھتی تھی۔ ان کے دا

Marfat.com

روشن تھے انہوں نے بھی ان معاملات کو سوجھ بوجھ کے ساتھ طے کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اسلامی امور کے علاوہ انہوں نے دستور سازی کے لیے ایسا نقشہ تیار کیا کہ جس سے پاکستان کے مختلف علاقوں، صوبوں اور ان کی اپنی منفرد ثقافت کلچر اور زبان کی رنگارنگ کہکشاں کو اس طرح یکجا کیا جائے کہ کسی کو کسی سے شکایت کا کم سے کم موقع ملے۔ اور ملکی معاملات نہایت یکسوئی اور تسلی بخش انداز میں چلتے رہیں۔ نیرنگی میں وحدت ہو اور وحدت میں نیرنگی پنپ جائے۔ کاروبار حکومت کی نزاکتوں اور کثافتوں کے باہم مشوروں سے طے ہونے کا اہتمام ہو جائے لہٰذا انہوں نے باہم مشورہ سے فیصلہ کیا کہ پاکستان کا نظام حکومت وفاقی ہو گا تاکہ وحدت (وفاق) کے ساتھ ساتھ اس وفاق کی اکائیوں کے حقوق کی بھی نگہداشت ہو سکے اور ان وحدتوں کے رنگوں اور بوقلمونیوں میں بھی نکھار آ سکے۔ باہمی اختلافات پر بحث ہو سکے۔ ایسا طریق کار مرتب کیا جائے کہ وہ تسلی بخش انداز میں طے ہو سکیں۔ ویسے بھی ۱۹۳۵ء سے وفاقی پارلیمانی نظام سے قیادت کی شناسائی تھی اور سیاست دانوں کی ایسی ہی تربیت ہوئی تھی اور تجربہ تھا لہٰذا اس وقت کی بالغ نظر قیادت نے یہی فیصلہ کیا کہ مرکز (وفاق) کو بااختیار رکھ کر صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دے دی جائے۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان کی وجہ سے کیونکہ اس کا جغرافیائی فاصلہ اس امر کا بہت زیادہ متقاضی تھا اور اس حصہ کا کلچر زبان اور ثقافت بھی مغربی پاکستان کے صوبوں سے کافی مختلف تھی۔ اس لیے صوبائی خود مختاری پاکستان کی ہیئت ترکیبی کے مد نظر نہایت ہی ضروری تھی۔

سیاسی قیادت ان امور کو اچھی طرح سمجھتی تھی لیکن پاکستان کی بیوروکریسی اور جرنیل جن کا اس وقت تک خاصا اثر و رسوخ بڑھ گیا تھا کے خیالات بالکل مختلف اور متضاد تھے۔ ان کا ضمیر اور سوچ تو انگریزی راج کی انتظامیہ کی طرز پر تھی۔ انگریزی راج بنیادی طور پر ایک استعماری آمریت تھی جس کے نظام کی مرکزیت گورنر جنرل اور وائسرائے ایک شخص کے اختیارات کے ارد گرد گھومتی تھی۔ تمام تر افواج اور سول انتظامیہ اسی نمونہ پر استوار کی گئی تھیں۔ ہندوستان میں انگریزی فوج کا وجود بنیادی طور پر اندرون ملک سلامتی کے لیے تھا تاکہ وہ آزادی مانگنے والے یا دو سرے پاگلوں پر بوقت ضرورت قابو رکھ سکیں۔ سول انتظامیہ کا تو خیر کام ہی یہی تھا لہٰذا پاکستان کو وراثت میں ملنے والی بیوروکریسی اور افواج کی ذہنی ساخت اور سوچ آمرانہ تھی اور عوام کو خوف اور ڈنڈے سے دبا کر رکھنے کی تھی۔ وہ آزادی اور آزاد مملکت کے شہریوں کی امنگوں اور آرزوؤں سے بالکل ناآشنا تھے۔

ان کے ذہنوں میں مضبوط اور کامیاب حکومت کا تصور صرف اتنا تھا کہ حکومتی کارندوں کے پاس جبر کے کتنے زیادہ اختیار ہوتے ہیں اور اس جبر کا بہترین استعمال کرنے کے لیے کونسا بہترین نظام حکومت ہو

Marfat.com

سکتا ہے۔ آمرانہ اور وحدانی طرز حکومت تو جرنیلوں اور بیوروکریسی کے خوابوں کی جنت ہے' آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ انصاف واحتساب' حقوق' آزادی افہام و تفہیم' بحث' تمحیص' صوبائی خود مختاری اور اسی طرح کی دوسری نزاکتیں تو محض وقت کا ضیاع اور بے ہودگی ہے۔ عوام بنیادی طور پر ان کی نگاہ میں فسادی ہوتے ہیں اور اس وجہ سے قابل نفرت کیڑے مکوڑے۔ ان فسادیوں کو دبا کر رکھنا چاہیے۔ بیوروکریسی کی ذہنی ساخت اور پرداخت ہی اس طرز پر انگریزی استعمار نے کی تھی جس کی ان کو ضرورت تھی۔ ظاہری جمہوری اقدار کا دم بھرنا ان کے اپنے ملک کی سیاسی تاریخ اور پس منظر کی صدیوں پر مشتمل فکر کا نتیجہ تھا لیکن ہندوستان کی حد تک ان کا نظام بنیادی طور پر آمرانہ تھا اور ہمارے جرنیلوں اور بیوروکریسی کے اندر اس کے جراثیم بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ ان جمہوری وفاقی اکائیوں وغیرہ کی نازک بحثوں کے شعور اور ادراک سے بے بہرہ صرف مضبوط مرکز کا سوچتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر ملک کی اکائی ریزہ ریزہ ہو جائیگی۔ ان بے چاروں کا کوئی قصور نہیں تھا۔ ان کی تربیت ہی ان خطوط پر ہوئی تھی۔ اس کے مقابلہ میں سیاسی ذہن عوام کے دل کی دھڑکنوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ وہ ان کے روح و قلب میں جھانک سکتے ہیں۔ ایک آزاد ملک میں اس کے عوام ہی اس کے مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں اور وہی اختیار رکھتے ہیں کہ ایسی باتوں کا فیصلہ کر سکیں اور یہ اختیار صرف اور صرف ان کے منتخب نمائندوں ہی کو ہوتا ہے لیکن ہمارے بیوروکریٹس اور جرنیلوں نے نہایت بھرپور انداز میں دستور سازی پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا۔ غلام محمد' سکندر مرزا' ایوب خان' چوہدری محمد علی وغیرہ نہایت ہی اہم مناصب پر بیٹھ کر اس طرح کی سوچوں کو بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے اور نہایت ہی نیک نیتی کے ساتھ اپنی محدود سوچوں کے غلام ایسے اہم اور نازک سیاسی امور پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ یہ ہمارا سب سے بڑا المیہ تھا اور اس نے بدقسمتی سے آخر کار بعد میں نہایت نیک نیتی اور حماقت کے ساتھ سیاسی قیادت کے اٹھ جانے اور کمزور پڑ جانے کے بعد ایسی صورت حال پیدا کی کہ جس کا خمیازہ پوری قوم اب تک بھگت رہی ہے اور ایک باوقار مضبوط اور آزاد ملک کو بے غیرت کمزور اور بھیک منگا بنا کر غلامی کی سنہری زنجیروں میں جکڑ کر محتاج و مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

لیکن سیاسی قیادت جس نے جدوجہد آزادی میں حصہ لیا تھا وہ ان امور کی پیچیدگیوں اور مستقبل کے مضمرات سے اچھی طرح واقف تھی لہٰذا انہوں نے روح اسلام کے مطابق ۲۲ متفقہ نکات کی روشنی اور کثرت میں وحدت کے معروضی حالات میں ضرورت کے تحت دستور سازی کرتے وقت طرز حکومت کا بنیادی ڈھانچہ اسلامی وفاقی فلاحی ذمہ دارانہ پارلیمانی نظام کو ہی قرار دیا۔ لیکن سرکاری ملازمین کا وہ

Marfat.com

طبقہ جو اس کے خلاف تھا اور ڈرافٹ وغیرہ کرنے کے مراحل کا ذمہ دار تھا اسے حیلوں بہانوں سے تاخیری حربوں کا شکار کرتا گیا۔

Marfat.com

میر سپاہ نا سزا، لشکریاں شکستہ صف
آہ! وہ تیر نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف

اس دوران جب پاکستان کے دشمنوں نے دیکھا کہ پاکستان کے سیاسی قائدین تو نہایت مضبوطی اور فراست کے ساتھ تمام مسائل کا معقول اور مقبول حل نکال کر اسے مستحکم بنا رہے ہیں تو انہوں نے نہایت ہی مذموم اور گھمبیر سازشوں سے اس قیادت کو نہ صرف بدنام کرنے بلکہ راستے سے ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ پاکستان کو غیر مستحکم کیا جاسکے۔ فوج کے اندر نقب لگائی جیسے لارڈ کلائیو نے بھی میر جعفر ہی کے ساتھ بنگال پر قبضہ کرنے کے لیے سازش کی تھی اور وقت آنے پر میر جعفر کی کمانڈ میں فوجیں سراج الدولہ کے لیے نہیں ہلی تھیں بلکہ اس سے غداری کر کے لارڈ کلائیو کے اقتدار اور دولت کی رشوت کے وعدے پر پورے ہندوستان کی غلامی کی بنیاد رکھ دی تھی۔

روس اور ہندوستان نے وہی میر جعفر والا کام جنرل اکبر کے ذریعہ کروانے کا بندوبست کیا۔ تاکہ پاکستان کے اسلامی روحانی جمہوری انقلاب کا راستہ روکا جاسکے۔ جنرل اکبر اور اس کے حواریوں نے وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان اور جنرل ایوب خان کمانڈر انچیف پاکستان کو ختم کر کے ان کی جگہ اپنی آمرانہ فوجی حکومت قائم کرنے کی سازش تیار کی۔ یہ سازش ماسکو میں تیار ہوئی۔ اس وقت ماسکو کمیونسٹ انقلابات کی برآمدات بڑے زور شور سے کر رہا تھا۔ اسے پاکستان کا اسلامی انقلاب بہت

Marfat.com

چبھتا تھا۔ لیاقت علی خان کی امریکہ یاترا بھی اسے ناپسند تھی۔ ہندوستان کو روس نے پھانس لیا ہوا تھا۔ اب وہ پاکستان کو جنرل اکبر کے ذریعہ فتح کر لینا چاہتا تھا۔

جنرل اکبر نے آہستہ آہستہ اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے زیر اثر جونیئر فوجی افسران کو اعتماد میں لے کر منصوبہ تیار کرنا شروع کر دیا۔ فیض احمد فیض اور دوسرے دانشور جن کا نظریاتی رجحان کیمونزم کی طرف تھا انہوں نے فکری محاذ پر کام شروع کر دیا۔ جیسے جیسے بات بڑھی وہ راز کی دنیا سے باہر آگئی اور یہ سازش پکڑی گئی اور راولپنڈی سازش کیس کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا انور بیگ اور راجہ رجاسب مرحوم وہ مایہ ناز پولیس افسران تھے جنہوں نے اس سازش کو طشت از بام کرنے میں کارہائے نمایاں ادا کئے تھے۔ بعد میں وہ میرے رفیق کار بھی رہے ہیں زیادہ تفصیل میں گئے بغیر یہاں پر میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آزادی اور اسلامی روحانی انقلاب کے تازہ اور پر جوش جذبات کے زیر اثر ابھرتے ہوئے مضبوط اور مستحکم پاکستان کو کن کن خطرات اور کس کس طرف سے غیر مستحکم کرنے کی کوششیں ہوئیں تاکہ وہ نہ صرف اپنی اساس کے قوت بخش نظریہ سے ہٹ جائے بلکہ بین الاقوامی اقتدار کی جنگ میں ایک کھلونا بھی بن جائے۔ یہ بات ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے کہ خان لیاقت علی خان کی امریکہ یاترا کے باوجود پاکستان نے امریکہ یا اس کے حواریوں کے ساتھ کوئی یکطرفہ فوجی معاہدے نہیں کئے تھے یہ سیاسی قیادت کی ذہنی پختگی اور بصیرت کا ثبوت تھا۔ اس وقت تک وہ خودی اور خود اعتمادی کے جذبات سے سرشار تھے اور انہیں اپنی اور اپنے عوام کی بے پناہ اخلاقی جرات اور قوت کا بھی احساس تھا جس کی بنا پر وہ اپنا سر اونچا رکھنا چاہتے تھے اور جس کی خاطر اتنی قربانیاں دیکر آزادی کی مشکل اور پر خطر جنگ لڑی تھی۔ خان لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی راہنماؤں کو ماسکو نے راستہ سے ہٹانے کے لیے اور فوجی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان سب کی کردار کشی کی تحریک بہت پہلے سے شروع کر دی تھی اور ان پر رکیک سے رکیک ذاتی قسم کے الزامات لگانے سے بھی گریز نہیں کیا تھا اور ایک نہایت ہی سائنٹفک انداز میں ان کے خلاف نفرت ابھارنے کی تحریک شروع کر دی تھی تاکہ ان کے طفیلیوں کی کامیابی کے وقت عوام کی طرف سے کوئی خاص مزاحمت نہ ہو سکے اور ان کے طرز کے انقلاب پر لوگ شادیانے بجائیں مگر قدرت کا کام تھا کہ چند دیانتدار اور محنتی پولیس افسروں نے اس سازش کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ جنرل اکبر اور اس کے ساتھی پکڑے گئے اور سازش ناکام ہو گئی۔

Marfat.com

لیکن یہ ناکام سازش بھی نوزائیدہ مملکت کو ہلا کر رکھ گئی اور اس نے پاکستان اور فوج کو بہت بڑے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر دیا۔ ایوب خان ہل کر رہ گیا۔ وہ کوئی بہت بڑا صاحب نگاہ دانشور یا سیاستدان تو تھا نہیں۔ ایک محدود نگاہ جرنیل تھا۔ اس نے اس واقعہ کے بعد فوج کے اندر ایک بہت بڑے پیمانہ پر "صفائی" شروع کر دی اور جس کسی افسر پر اور اس کی ذاتی وفاداری پر ذرہ بھر بھی شک تھا اسے فارغ کر دیا گیا۔ اب ہوتا یہ ہے کہ باصلاحیت افسران اپنے پیشہ وارانہ اور نظریاتی خیالات کا اظہار ہمیشہ مضبوطی سے اور کھل کر کرتے ہیں اور نالائق اور سازشی عام طور پر خاموش رہنے کا سنہری اصول اپناتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ راولپنڈی سازش کے بعد ہونے والی تطہیر نے باصلاحیت اور بہادر فوجی افسران کی چھٹی کروا دی۔ کمانڈر انچیف کی طرف ذاتی وفاداری' فوج کے اندر رہنے اور ترقی کے زینے طے کرنے کا معیار ٹھہرا۔ یہی وجہ ہے کہ اس المیہ کے بعد باصلاحیت لوگ زیادہ تر میجر اور کرنل ہو کر ہی ریٹائر ہو گئے اور ذاتی غلام اور جی حضوریئے جرنیل بنتے رہے اور فوج کے اندر یہ وہ خاص جوہر ہے جو انسان کو ہر کچھ بنا سکتا ہے لیکن جرنیل قطعاً نہیں بناتا۔ اس کے بعد فوجی جرنیل وہی بن سکا جو بلا چون و چرا ایوب خان کا تابعدار بلکہ مرید اور غلام نظر آنے کی شکل اختیار کر سکتا۔ اس طرح اس سازش نے ہماری فوج کا جوہر قابل ختم کر کے رکھ دیا۔ ایوب خان نفسیاتی اور ذہنی طور پر روس کا مخالف بن گیا اور ذاتی خوف کے نتیجہ میں امریکہ کا حلیف بلکہ مرعوبیت کا شکار ہو کر اس کا مداح بن بیٹھا اور ایسا ہونا ایک قدرتی اور فطری امر تھا۔ وہ کوئی علامہ اقبال اور محمد علی جناح تو تھا نہیں کہ نگاہ بصیرت رکھتا ہو۔ ایک معمولی انسان تھا اور اپنی بشری کمزوریوں اور اندھی خواہشات کے تابع' امریکہ کی طرف یکطرفہ طور پر جھکتا چلا گیا۔ اس کے مقابلہ میں لیاقت علی خان اور خواجہ ناظم الدین وغیرہ بہت پختہ کار اور بلند قامت لوگ تھے۔ ان کی فکر پر اس واقعہ کے اتنے زیادہ گہرے اثرات مرتب نہ ہوئے اور وہ اپنے دوسرے تعمیر وطن اور دستور سازی کے کام پر مصروف رہے۔

مگر ایوب خان اس واقعہ کی دلدل میں پھنس گیا اور پھر کبھی بھی اس کے نفسیاتی اثر سے باہر نہ نکل سکا۔ سازشیوں کا ٹرائل ہوا۔ الزامات ثابت ہو گئے مگر اس کے باوجود انہیں کماحقہ' سزا نہ دی گئی۔ ایوب خان کے اپنے دل میں چور تھا۔ اس نے آگے جا کر خود یہی کام کرنا تھا اس لیے سخت ترین سزا جس کے سازشی مستحق تھے نہ دی گئی۔ اس کے ذہن کا ایک گوشہ کہہ رہا تھا کہ اگر آگے جا کر اس کی اپنی سازش ناکام ہو گئی تو کم از کم اپنی جان بچانے کی تو گنجائش رکھنی چاہیے۔ اگر جنرل اکبر خان اور اس کے ساتھیوں کو ان کے کیے کی صحیح صحیح سزا مل جاتی تو خود ایوب خان اس کام سے رک جاتا جو

Marfat.com

اس نے آگے چل کر کیا اور پاکستان کے اصلی روحانی انقلاب کو فنا کر کے رکھ دیا۔ اور اس کے بعد آنے والے مہم جوؤں کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو پاکستان اور اسلامی دنیا کی تاریخ آج سے بالکل مختلف ہوتی اور اس بے بسی اور ذلت کی تصویر نہ بنی ہوئی ہوتی اور نہ ہی ہم آجکل بھیک کا کشکول پکڑے نظر آتے۔

راولپنڈی سازش کیس نے پاکستان کی تاریخ کا دھارا ہی بدل دیا۔ فوج تباہ کر دی اور پاکستان کو کمزور کر دیا لیکن شکر ہے کہ اس وقت ایک نہایت ہی بالغ نظر اور آزادی آشنا سیاسی قیادت میسر تھی اور اس نے پاکستان کی کشتی کو باوجود طوفان کے ڈگمگانے نہ دیا اور اپنے اصلی کام پر توجہ رکھی۔ یہ ان سازشی قوتوں سے برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے اپنی گھناؤنی کوششوں میں اور شدت پیدا کر لی اور ان کے مذموم منصوبوں کے نتیجہ میں قائد ملت لیاقت علی خان کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو شہید کر دیا گیا کہ اس روحانی انقلاب کی راہ پر چلتی ہوئی ملت اسلامیہ کو بے لوث اور نڈر قد آور قیادت سے محروم کر کے خاموش اور منتشر کر دیا جائے۔ اس کا آدھی صدی کا کمایا ہوا سرمایہ بکھیر دیا جائے۔ جہد پیہم کو بے ثمر کر دیا جائے۔ یقین محکم اور عمل پیہم کی مضبوط زنجیریں کاٹ دی جائیں اور علمائے حق کے متفقہ ۲۲ نکات کو طرفہ تماشا بنا دیا جائے۔ ان قوتوں کا خیال تھا کہ قائداعظم کی موت کا صدمہ تو پاکستانی قوم سہہ گئی تھی اور پھر ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتی گئی لیکن اس سانحہ سے یہ جانبر نہیں ہو سکے گی۔ کسی حد تک ان کے اندازے ٹھیک بھی تھے کیونکہ قائد ملت کی شہادت پر واقعی لوگ بہت ہی زیادہ ہراساں ہوئے۔ قائداعظم کی موت فطری تھی اور لوگ اسلام کے بتائے ہوئے صبر و شکر کے سبق کی وجہ سے برداشت کر گئے لیکن قائد ملت کی موت باقاعدہ ایک سازش کا نتیجہ تھی اور لوگ بہت سے خدشات اور وسوسوں کا شکار ہو گئے۔ دشمن کی پروپیگنڈا مشین بھی بہت تیز ہو چکی تھی اور زور شور سے افواہ سازی میں مصروف تھی۔ صوبائیت اور علاقائیت پر دشمنوں نے بہت محنت کر رکھی تھی۔ بیوروکریٹس اور جرنیل مضبوط مرکز کی سوچ اور محدود نگاہی کے شکار صوبائی خود مختاری کی بات کو غداری کے مترادف قرار دے رہے تھے۔ اسلام کو ایک عظیم انقلابی روحانی قوت کی بجائے اپنی شراب نوشی اور عیش و عشرت کے راستہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اس کے ابدی پیغام اخوت مساوات و رواداری کی بجائے اسے ملوکیت زدہ جاہل ملا کے روپ میں حریفانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اسلام کے قانون کی حکمرانی' صداقت اور عدل کے رنگ ڈھنگ اپنی آمرانہ سوچوں سے متصادم سمجھ رہے تھے اور باوجود علماء دین کے ۲۲ نکات کے انہیں صرف اپنی ذاتی تعصب بھری نگاہوں

Marfat.com

سے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی جمہوری اور جدید ریاستی ڈھانچہ کا ان کے ہاں سرے سے نظریہ ہی موجود نہ ہو۔ نفرت اور تعصب حقیقتوں کے رنگ بدل دیتے ہیں۔ پاکستان دشمن قوتوں نے ایسے بہت سے پہلوؤں پر عوام اور حکمران طبقہ پر نہایت ہی ٹھنڈے دل سے اور سائنٹفک انداز میں اس وقت تک کام کر لیا ہوا تھا۔ یہی ان کی تربیت تھی اور یہی ان کی سوچوں کا ڈھب تھا لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اب کے پاکستانی قوم اس صدمہ سے جانبر نہیں ہو سکے گی فوج میں پہلے ہی نقب لگا کر نقصان پہنچا چکے تھے اور کسی حد تک ہوا بھی ایسے ہی۔ شہید ملت لیاقت علی خان کی اس ناگہانی موت پر پوری قوم ہل کر رہ گئی۔ میں نے خود بہت بڑے بڑے لوگوں کو روتے اور نوحہ خوانی کرتے دیکھا ہے۔ بچے جوان بوڑھے مرد خواتین ایسے روتے جیسے ان کے گھر کا سربراہ اٹھ گیا ہو۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ ایسے چھوٹے سے قصبہ کا یہ حال تھا کہ مہینوں لوگ اس حادثہ جانکاہ کے اثر سے باہر نہ نکل سکے اور یہ پہلا موقع تھا کہ لوگوں نے پاکستان کے مستقبل کے متعلق کسی شک و شبہ کا اظہار کیا ہو ورنہ مجال ہے کہ کسی کے بھی ذہن میں ایسا سوال اٹھا ہو۔ لب پر آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ اس شک و شبہ کو پھیلانے میں بھی کیمونسٹ عناصر ہی سب سے زیادہ متحرک تھے اور لوگوں میں خوب بد دلی پھیلا رہے تھے تاکہ لوگ بانیان پاکستان کے پڑھائے ہوئے خودی' خود اعتمادی اور خود انحصاری کے سبق بھول جائیں اور زمین کیمونسٹ نظریات کے لیے زرخیز بن جائے۔ مگر قائداعظم جیسے میں نے پہلے عرض کیا اپنی آزادی وانقلاب آشنا ایک زبردست ٹیم بنا چکے تھے کیونکہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ کسی بھی انقلاب کی پائیداری کے لیے ایک اچھی ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بات انہوں نے اپنے ہادی اکبر سے سیکھی تھی۔ لیاقت علی خان شہید ملت کے بعد مسلم لیگ نے ان کی جگہ ایک نہایت ہی شریف النفس دیانتدار اور صاحب نظر و فکر شخص کو اپنا قائد چنا۔ خواجہ ناظم الدین اور ان کے خاندان کا دوسرا نام ہی مسلم لیگ تھا۔ مسلم لیگ اسی گھرانے میں پھلی پھولی جوان ہوئی اور کامیاب ہوئی تھی۔ پاکستان اور پاکستانیت اس گھرانے کے ہر فرد کے اندر دوران خون کی طرح رچی بسی ہوئی تھی۔ قائداعظم کی رحلت کے بعد سے وہ پاکستان کے گورنر جنرل چلے آ رہے تھے اور قائداعظم کے بہترین جانشین ثابت ہوئے تھے۔ قائد ملت کی شہادت پر ان سے بہتر اور کوئی شخص نہیں تھا جو اس خلا کو پورا کر سکتا۔

قوم کی یہی پکار تھی اور یہی ضرورت۔ لہٰذا انہوں نے قوم کی خاطر گورنر جنرل کے پر وقار اور سینئر منصب کی بجائے وزیراعظم پاکستان بننا قبول فرمالیا۔ یہی اس وقت فرض اور قوم کی پکار تھی۔ قائدین قوم کے اس احسن فیصلہ نے قوم کی ڈگمگاتی کشتی کو سہارا دے دیا اور ملک ایک دفعہ پھر امن خوشحالی اور

Marfat.com

استحکام کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ مگر ملک کی بد قسمتی کہ اس رد و بدل میں ایک نہایت ہی غلط فیصلہ ہو گیا۔ ملک غلام محمد جو کہ ملک کے وزیر مال تھے اور اپنے فن میں یکتا تھے کو خواجہ صاحب کی جگہ گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ ملک صاحب کی عمر زیادہ ہو گئی تھی اور وہ اکثر بیمار رہتے تھے اس لیے بہتر سمجھا گیا کہ انہیں آرام کا موقع دیا جائے اور ان کی پرانی خدمات کے عوض گورنر جنرل کے پر وقار عہدہ پر متعین کر دیا جائے۔ مگر فیصلہ کرنے والے یہ بھول گئے کہ وہ بنیادی طور پر ایک محدود نگاہ ماہر مالیات بیوروکریٹک ذہنیت کے ٹیکنیکل غیر سیاسی شخص تھے۔ ایسے لوگ سیاسی بصیرت سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور سیاسی نزاکتوں اور پیچیدگیوں کو سمجھنے سے قاصر مگر اختیارات استعمال کرنے اور جبر کی قوت کے رسیا ہوتے ہیں۔ اس وقت تک گورنر جنرل کے پاس بے پناہ اختیارات تھے۔ وہ وزیراعظم کے مشورہ کا پابند نہیں تھا۔ وہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور اسمبلیوں کو معطل کر سکتا تھا۔ برخاست کر سکتا تھا اور دستور سازی میں ہر طرح کی رکاوٹ ڈال سکتا تھا۔ گورنر جنرل اس وقت تک حقیقت میں سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ وہ ملک کو بنا سکتا تھا اور تباہ بھی کر سکتا تھا۔ اختیارات موجود ہوں اور بلا وجہ استعمال نہ ہوں اس کے لیے بہت ہی بڑی عظیم، غیر معمولی اور اولی القدر شخصیت درکار ہوتی ہے۔ اس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح ایسی شخصیت جس کی ساخت و پرداخت ہی دستوری اور قانونی راستہ سے ہوئی ہو، کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لیے خواجہ ناظم الدین ایسے بردبار اور آزادی کے متوالے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کبھی بھی غلط اقدام اٹھانے کی تحریص میں نہ آ سکے۔ اس کے لیے فقر و درویشی کی عظمت درکار ہوتی ہے۔ ملک غلام محمد ایسے غیر سیاسی فتنہ انگیز حریص کا یہ مقام کہاں کہ اختیارات کو ہضم کر سکے۔ اس کی یہ کبھی تربیت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کی سیاسی تربیت بھی بھی نہ ہوئی تھی۔ اس کی افادیت ایک مالی ماہر کی ضرور تھی اور اس نے پاکستان کی بہت خدمت بھی کی تھی مگر سیاست تو بہت ہی اونچا مقام تھا۔ یہ تو شیوہ پیغمبری ہے۔ اس میں تو صبر اور استغناء کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں تو اس نظر کی ضرورت ہوتی ہے جو ظاہری شکست میں فتح مبین دیکھ سکے اور اپنی ذات کی انا سے باہر نکل سکے۔ ان انسان کو اندھا کر دیتی ہے اور اندھا صاحب اختیار بہت ہی خطرناک ہوتا ہے۔ اسی لیے تو افلاطون بھی حکمران اسی کو دیکھنا پسند کرتا ہے جو فلسفی بھی ہو مگر ملک غلام محمد ایسے غیر سیاسی اور غیر فلسفی میں یہ بات کہاں اور وقت آنے پر اس بالشتئے نے اپنے سبھی اختیارات جائز اور ناجائز طریقے سے استعمال کئے اور پاکستان کے روحانی اور اخلاقی انقلاب کو جس نے اسے اتنی قوت بخش دی تھی، ولولے اور حوصلے دیئے تھے مستحکم و مضبوط بنا دیا تھا، ختم کر کے رکھ دیا۔

Marfat.com

جذبوں اور ولولوں کو مایوسی اور قنوطیت میں تبدیل کر دیا' امیدیں خاکستر کر دیں۔ آزادی کا سودا کر دیا۔ غلامی کی سنہری زنجیریں پہن لیں۔ جذبوں کی جگہ مالی وسائل کے چکر میں پھنسا دیا۔ جذبوں کو ذبح کرتا گیا اور قرضوں کے سحر میں جکڑتا رہا ایوب خان بھی اس کے ساتھ مل گیا۔ جنرل سکندر مرزا بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور پھر امریکی CIA کے ساتھ ملکر ایک نہایت ہی بھیانک اور خوفناک رقص ابلیس شروع ہوا جو آج تک ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ آخر کار ایک محدود نگاہ معاشی ماہر سے اور کیا توقع ہو سکتی تھی کہ سیاسی نگاہ سے بے بہرہ ملک و قوم کا بیڑا غرق کر گیا۔ یہی وہ فیصلہ تھا جس نے قوم کو تباہ کر دیا اور پھر جو کچھ ہوا اس کے بعد ہمارے لیے عزت سے سر اٹھا کر چلنا محال ہوتا گیا۔ ملی وقار اور غیرت کا سودا ہو گیا۔ جعلی معیشت جعلی ترقی اور جعلی دفاع کا اہتمام ہوا۔ غلامی کا انتظام ہوا۔ محتاجی کی بنیاد رکھی گئی۔ ادھار کی مے پینا شروع کی کہ اسی میں نشاط ذات تھی مفاد تھا دھوکہ اور فریب تھا۔ حق کی قوتیں ملیا میٹ ہونا شروع ہوئی اور شیطانی قوتیں مضبوط۔ کیا بلندی اور کیا پستی کہ بیوروکریٹس کے راج کی آمد آمد تھی۔ شاہین پسپا ہو رہے تھے اور کرگس چھا رہے تھے۔ آخر کار ہندوستان میں خاندان غلاماں نے بھی تو حکومت کی تھی۔ تاریخ کیوں نہ اپنے آپ کو دہرائے۔

الوداع! الوداع! اے آزادی' اے انقلاب الوداع! الوداع! اے سچے جذبو الوداع اے سچے حوصلوں الوداع اے تازہ دم ولولو الوداع۔ تازگی جانے کو تھی اور بوسیدگی کی آمد آمد تھی۔ غلاظت کی کالک ہم پر پھرنے والی تھی رحم یا اللہ رحم ایک غلطی اور اتنی بڑی سزا اتنی طویل سزا توبہ! توبہ! توبہ ہی کا موقع دے دے یا ارحم الراحمین۔

Marfat.com

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

ملک غلام محمد کی نگاہ صرف مالی معاملات تک محدود تھی تو اسکندر مرزا اور ایوب خان محض فوجی اور انتظامی معاملات کے ظاہری پہلو دیکھنے والے مگر عوامی اور سیاسی بصیرت سے نابلد تھے۔ خواجہ ناظم الدین ایسی بلند قامت اور درد دل رکھنے والی شخصیت اور ان کے سیاسی ہمرکاب ان ایسے لوگوں کے شکنجے میں جکڑے جانے والے تھے اور سیاسی قیادت کو انتظامی حصار میں مقید کرنے کا مرکزی کردار' اس بار ملک غلام محمد نے ادا کرنا تھا۔ اس زمانہ میں بین الاقوامی منظر پر بعض بہت ہی اہم اور دور رس نتائج کے فیصلے اور واقعات ہو رہے تھے۔ امریکن پالیسی ساز اس رنگارنگ تصویر میں پاکستان کو بھی اپنے خاص مقاصد کے لئے گھسیٹنا چاہتے تھے۔ روس اور چین کے خلاف سرد جنگ میں ان کی گھیرا بندی مقصود تھی۔ اور اس مقصد کے لئے میکارتھی ازم کے زیر اثر روس اور اس کے نظام کو لادینیت اور غیرانسانی رویوں کے ظالم نظام کی بد ترین علامت کے طور پر دنیا کے آگے پیش کرنا مقصود تھا۔ علاوہ ازیں اس کے خلاف مختلف ممالک کو معاہدات میں منسلک کر کے اس کی فوجی اور معاشی گھیرا بندی کر کے اس کا ناطقہ بند کرنا مقصود تھا۔ اس کھیل میں وہ پاکستان کو بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ مگر مسلم لیگ کی سیاسی قیادت اس کھیل کا حصہ نہیں بننا چاہتی تھی۔ خوجہ ناظم الدین اور اس کے ساتھیوں کی روس اور اس کے نظام کے ساتھ کوئی خاص ذہنی' قلبی ہم آہنگی نہیں تھی لیکن وہ سرمایہ

Marfat.com

داری نظام کی قباحتوں کے بھی خلاف تھے اور اسے بھی ایک کمتر بدی کی شکل میں دیکھتے تھے۔ پاکستان اور اسلام ان دونوں سے بہتر ایک اپنا نظام رکھتا تھا جو کہ متوازن اور زیادہ عادلانہ تھا اور اس ہی کی ترویج اور پذیرائی کے لئے مسلم لیگ کی قیادت کام کر رہی تھی۔ وہ اپنے خاص صحت مند نظام کو دستور سازی اور عملی اقدامات سے بڑھوتی دینے میں مصروف تھی اور اسی بنیاد پر پاکستان کی تعمیر نو میں لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنا ایک خاص نقطہ نگاہ رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ اس طرح کے جھمیلوں میں نہیں پھنسنا چاہتے تھے اور کسی طرح بھی وہ امریکہ یا روس کا مہرہ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے سیاسی اور نظریاتی شعور کی پختگی سے اس طرح کی گروہ بندیوں کے نقصان دہ مضمرات کو بھی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے تو مغربی استعمار کے خلاف ایک کامیاب جنگ لڑی تھی۔ ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی جدوجہد کی تھی۔ خودی اور عرفان ذات کے اسباق پڑھے تھے اور انہیں صرف اپنے خاص ولولوں اور پاک جذبوں کے سہارے اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اسے وہ اس طرح کے دھوکوں اور فریب کاریوں کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو ان کے پاس ان کے بزرگوں کی طرف سے ایک امانت تھی اور صدی نہیں بلکہ یہ تو صدیوں کی روحانی اور قلبی محنتوں اور محبتوں کا جمع شدہ ثمر اور سرمایہ تھا۔ یہ تو حضرت داتا گنج بخش کے مجاہدات کی وراثت تھا۔ بابا فرید شکر گنج، حضرت معین الدین چشتی، حضرت بختیار کاکی، نظام الدین اولیا، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ، سرسید احمد خان، حضرت علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر لاتعداد ارواح عظیم گراں مرتبہ کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ سب ہی نے مرکز دین ہادی اکبر فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ذات اقدس سے حاصل کر کے ان تک پہنچایا تھا اور پاکستان کی شکل میں نمودار کر دیا تھا۔ اسی لئے تو قائداعظم نے ماونٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں کہہ دیا تھا کہ ہمارا ماڈل تو وہی ذات عظیم ہے اور ہم اسی کا اتباع کریں گے۔

اب خواجہ ناظم الدین کے فہم و فراست کا شخص جس کی گھٹی میں مسلم لیگ اور اس کی فکر موجود تھی وہ اس گندے کھیل کا کیسے حصہ دار بن سکتا تھا۔ قائدین مسلم لیگ کا اپنا تشخص تھا جس کی بنا پر وہ پاکستان کا وہی بین الاقوامی رول دیکھنا چاہتے تھے جس کی مختلف قوموں پر خود قائداعظم نے راہنمائی کی تھی جس کا بنیادی نکتہ امت مسلمہ کی مضبوطی اور خوشحالی تھی۔ اپنے عقیدہ اور روایات صالح کی ترویج تھی۔ اسلام کے تخلیق کردہ اخلاقی رویوں، کلچر اور تہذیب کی آبیاری تھی۔ شریعت یعنی حق و عدل کی بنیاد پر قانون کی حکمرانی قائم کرنا تھی۔ ملت ہاشمی کی خاص ترکیب پر ملک و ملت کو استوار کرنا تھا۔ معاشرہ میں اسلامی روایات اور معاملات کو فروغ دینا تھا اور اس اسلامی، اخلاقی اور

Marfat.com

روحانی انقلاب کی تکمیل کرنا تھی جس کے لئے پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ اس لئے خواجہ ناظم الدین اور انکے ساتھی اس طرح کے کھیل کا حصہ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ امریکیوں نے بہت جتن کئے مگر صاحب نظر سیاسی قیادت نے انہیں کوئی حوصلہ افزا امید نہ دلائی۔

ادھر امریکی افق پر دوسری جنگ عظیم کا ہیرو فوجی جرنیل آئزن ہاور صدر کے روپ میں براجمان ہو چکا تھا۔ ہٹلر سے یورپ کو آزاد کرانے کا سہرا اس کے سر تھا۔ اب وہ روس کے خلاف سکندر بن جانے کا عزم لے کر آیا۔ اپنی تربیت اور سوچوں کے مطابق اس نے روس کے ارد گرد فوجی معاہدوں کے ذریعہ حصار کھڑا کرنا شروع کر دیا۔ پاکستان ایران ترکی اور عراق وغیرہ کو ایک معاہدے کے ذریعہ نیٹو کی طرز پر روس اور چین کے خلاف استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چین میں چونکہ ۱۹۴۸ء سے موزے تنگ نے سوشلسٹ انقلاب کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کر لیا تھا للذا اس وقت نظریاتی طور پر روس اور چین ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے ہوئے تھے اور دونوں ملک امریکہ اور اس کے مغربی حلیفوں کے لئے خطرہ کا نشان بن چکے تھے۔ آئزن ہاور معاہدہ بغداد کے ذریعہ پاکستان کو بھی روس اور چین کے خلاف اس کھیل میں کھینچنا چاہتا تھا۔ لیکن خواجہ ناظم الدین نے اس کھیل کا حصہ بننا پسند نہ کیا کیونکہ انہیں ایسی حرکتوں کے حسن وقبح کا پوری طرح ادراک تھا۔

ان کے مقابلہ میں جنرل ایوب خواہاں تھا کہ پاکستان بغداد پیکٹ میں شامل ہو۔ جنرل ایوب خان کے امریکی سی آئی اے کے سربراہ ڈلس سے گہرے دوستانہ تعلقات تھے جس کا دوسرا بھائی آئزن ہاور کا وزیر خارجہ تھا۔ ایوب خان ویسے بھی راولپنڈی کیس کے بعد نفسیاتی طور پر امریکی گود میں جا چکا تھا۔ ڈلس نے ایوب خان کو لالچ دیا کہ اگر پاکستان بغداد پیکٹ میں شامل ہو جائے تو وہ پاکستان کی افواج کو جدید ترین اسلحہ اور دوسرے جنگی ساز و سامان سے لیس کر دے گا۔ ایک جرنیل کے لئے اس سے بہتر کیا آفر ہو سکتی تھی۔ اس کی تو جنت کا خواب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ ویسے بھی اس وقت پاکستانی افواج کے ساز و سامان کی اتنی اچھی حالت نہ تھی۔ جنرل ایوب خان نے محسوس کیا کہ اس طرح اس کی فوج طاقتور بن جائے گی۔ اور بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ اسے ویسے بھی روس سے نفرت تھی کہ اس نے اس کے خلاف بغاوت کا اہتمام کیا تھا۔ ایک فوجی جرنیل تو اپنی ذات اور اپنے ادارے تک ہی دیکھ سکتا تھا۔ مگر سیاسی قیادت اس کے علاوہ اور بھی جہتوں پر نظر رکھتی ہے خاص طور پر وہ عظیم لوگ جنہوں نے اتنی بڑی آزادی کی جنگ لڑی ہو اور اس کے اپنے تقاضے بھی ہوں۔ جذبات اور ولولے بھی ہوں اور ان زندہ جاوید ولولوں کی قوت سے ہندوستان بھی ڈر رہا ہو اور اسی

Marfat.com

بات سے خوف زدہ اقوام متحدہ کے دروازے پر دستک دیتا ہو اور چاہتا ہو کہ پاکستان کسی طرح بھی مخاصمانہ ارادے نہ باندھے۔ مسلمانوں کی ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ سے واقف ہو' ان کے مجاہدانہ اور جہادی جذبوں سے مرعوب ہو اور جن کی بدولت مسلمانان ہند نہ صرف پاکستان بنا چکے تھے بلکہ بے تیغ و بے سہارا کشمیر کا خاصا حصہ بھی آزاد کرا چکے تھے۔ علاوہ ازیں پاکستان کی زبردست مضبوطی اور قوت کے اور بھی بہت سے پہلو تھے۔ ان سب کو دیکھ کر سیاسی قیادت پاکستان کو محض فوجی ساز و سامان کی خاطر امریکہ کا دم چھلا بنانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ فوجی ساز و سامان کی افادیت اپنی جگہ مگر قومی عزم و عزت' وقار اور غیرت جذباتی اور ایمانی طاقت کے مقابلہ میں یہ سب کچھ ہیچ تھا۔ بہت مشکل سے آزادی حاصل کی تھی اور وہی پاکستان کی قوت تھی۔ اب اگر محتاجی کو اپنانا تھا تو آہستہ آہستہ آزادی و انقلاب کے جذبے سرد پڑ جانے تھے اور سیاسی قیادت کو معلوم تھا کہ یہ گھاٹے کا سودا تھا۔

مگر محدود نگاہ جرنیل اور معاشی ماہر غلام محمد کے لئے ولولوں اور جذبات کی افادیت اور قدر و منزلت کو سمجھنا مشکل تھا۔ وہ اسے محض ایک جذباتیت' سادگی اور بے ہودہ سوچ سمجھتے تھے۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو ان جذبوں کی کامرانی کے ثبوت سامنے آئے تھے۔ انگریز اور ہندو کی متحدہ قوت اور شرارتوں' سازشوں کو ناکام کر دیا تھا۔ کشمیر میں فتح حاصل کر لی تھی۔ حب الوطنی کے جذبات نے قوم کو سادگی اور بچتوں کی راہ پر چلا کر مالی استحکام حاصل کر لیا تھا۔ ایک زندہ جاوید انقلاب برپا کر دیا تھا اور تمام طاغوتی قوتوں کو شکست دے دی تھی مگر کچھ لوگوں کے روح و دل مقفل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذہنی ساخت اور سوچ سے باہر نہیں نکل سکتے اور ایک عظیم حیثیت کو دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ انکی ترجیح جذبوں اور پاک ولولوں سے ملت سازی کی بجائے مانگے ہوئے ہتھیار ہیں کیونکہ وہ صرف ٹھوس مادی اشیاء ہی کو دیکھنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ حالانکہ خود فوجی سائنس کا فارمولا بھی اس کے خلاف ہے۔ فوجی تدبر بھی کہتا ہے کہ بندوق سے کہیں زیادہ اسکے پیچھے بندہ اہم ہے۔ بندوں اور انکے سچے جذبوں نے ہندوستان کو آگے لگا رکھا تھا۔ بھارت ڈرتا تھا جن ہتھیاروں کی بھی ضرورت تھی وہ ہمارے پاس موجود تھے اور ہمارے دشمن کے لئے کافی تھے۔ ہم اس سے اچھی طرح نپٹ سکتے تھے اور نپٹ رہے تھے۔ مگر امریکہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ اپنے دشمن سے نپٹنے کے لئے ہمیں استعمال کرنا چاہتا تھا اور ہمیں بغداد پیکٹ میں گھسیٹ رہا تھا اور ہتھیاروں کا لالچ دے رہا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ ہتھیار ہمارے دشمن کے خلاف استعمال ہوں بلکہ اس کے دشمن کے خلاف'

Marfat.com

ایوب خان ایسے ہی خوش ہو رہا تھا اور اپنے آپ کو سب دنیا سے زیادہ چتر اور چالاک سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک دم اچھے اچھے ہتھیار لو بس پھر دیکھ لیں گے مگر اس کو یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ بھی ہماری محتاجی کے سو راستے رکھیں گے اور پھر ہمیشہ کے لئے غلام بنالیں گے۔ سیاسی قیادت کو اس کا پتہ تھا اور سوجھ بوجھ تھی۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جب امریکہ ہمیں اپنے مقاصد کی خاطر لیس کر رہا ہو گا تو امریکہ کا دشمن روس ہندوستان کو لیس کرنا شروع کر دے گا اور پھر برصغیر میں ایک نہ ختم ہونے والی اسلحہ کی دوڑ شروع ہو جائے گی۔ اسلحہ کی دوڑ غالب آجائے گی اور وہ تمام جذبات اور ولولے جن کی بنا پر اور جن کی خاطر پاکستان بنایا گیا تھا ثانوی ہو کر رہ جائیں گے۔ روحانی انقلاب کے خواب بکھر کر رہ جائیں گے۔ غربت کے سامان ہوں گے۔ دوسروں کی طرف محتاجی بڑھے گی اور یہ ہتھیار بھی کسی کام نہیں آئیں گے۔ ان کو استعمال کرنے کا اختیار بھی ان آقاؤں ہی کو ہو گا جو یہ دے رہے ہوں گے اور ہم انہیں اپنے فائدے میں کبھی بھی استعمال نہیں کر سکیں گے اور پھر وقت آنے پر ایسا ہی ہوا۔ سیاسی قیادت یہ سب کچھ اپنی بالغ نگاہ سے دیکھ سکتی تھی جنرل ایوب نہیں۔ ایوب کو تب ہی پتہ چلا جب ایسا واقعتاً ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں جب ایک سنہری موقع آیا تو امریکیوں نے ایوب خاں کے ہاتھ باندھ کے رکھ دیئے اور اس کی سب چالیں اور چالاکیاں دھری کی دھری رہ گئیں اور جب ایوب خان نے نہایت بے موقع اور بے وقت مختصر سی ۱۹۶۵ء کی ستمبر جنگ میں امریکیوں سے سرتابی کرنے کی کوشش کی تو ان کے ہاتھوں وہ ذلت اٹھائی کہ خدا پناہ۔ مگر یہ قصے ذرا بعد میں۔

اس وقت بات یہ ہو رہی تھی کہ جو کچھ خواجہ ناظم الدین دیکھ کر بغداد پیکٹ میں جانے سے ہچکچا رہے تھے وہ ایوب خان کی آنکھوں سے اوجھل تھا۔ لہٰذا امریکیوں نے اپنی سی آئی اے کو اور تیز کر دیا کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ جس سے پاکستان کے اندر خلفشار پیدا ہو اور سیاسی عدم استحکام کی کیفیت ہو جائے تاکہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت دباؤ میں آکر ان کی جھولی میں آگرے۔ لہٰذا امریکن سی آئی اے کی طاقتور مشین متحرک ہو گئی اور اس نے پاکستان کے حالات کے مطابق مذہبی اور علاقائی تنازعات کو استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ خواجہ صاحب ایسے نیک اور شریف انسان کی کردار کشی کا سامان کیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان غلط فہمیاں بڑھانے اور نفرتوں کا بندوبست کیا اور تفرقہ بازی کا اہتمام کیا۔ اس طرح تین نکات پر مبنی ایک نہایت ہی خوفناک منصوبہ تیار ہوا اور نہایت Efficiency کے ساتھ اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ مرزائیت کے طے شدہ مسئلہ کو دوبارہ سے زندہ کیا گیا حالانکہ پوری امت کا متفقہ فیصلہ رہا ہے کہ وہ ہر لحاظ سے غیر مسلم ہیں۔ اسی طرح جیسے

Marfat.com

ہندو مگر کبھی ان کو اقلیت قرار دینے کا کوئی نہیں کہتا۔ مرزائی بھی ہندوؤں کی طرح غیر مسلم تھے مگر انہیں اقلیت قرار دلوانے کے لئے ایک زبردست تحریک اٹھ کھڑی ہوئی۔ پاکستان کے تمام علماء بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کا زور خاص طور پر پنجاب کے صوبہ میں تھا اور ہر روز احتجاجی علماء اور عوام کا جتھا پنجاب سے کراچی روانہ ہوتا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ایک خاص ڈھنگ سے پنجاب اور مرکزی حکومت کو لڑایا جا رہا ہے۔ علماء بھی اس دام میں آ گئے حالانکہ یہ زیادہ تر وہی علماء تھے جنہوں نے نہایت ہی دانشمندی کے ساتھ اپنے ۲۲ متفقہ نکات کے ساتھ دستور سازی کا معاملہ حل کر دیا تھا اور تمام تنازعات کا حل ڈھونڈ لیا تھا لیکن اب کے انہیں معلوم تک نہ ہو سکا کہ کون انہیں اور کن مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ وہ نہایت معصومیت کے ساتھ سی۔ آئی۔ اے کے ٹریپ میں آ گئے۔

جب معاملہ ذرا اور بڑھا تو لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ جنرل اسکندر مرزا اور جنرل ایوب خان نے جنرل اعظم خان کے ذریعہ لاہور اور اس کے گرد و نواح میں بہت سختی کروائی اور ظاہراً فوج کے ذریعہ مسئلہ کو نہایت کامیابی سے کنٹرول کر لیا۔ پنجاب حکومت کی نااہلی گردانی گئی حالانکہ میاں ممتاز دولتانہ ایسے ذہین و فطین شخص کی سربراہی میں پنجاب کی حکومت نہایت عمدہ اور جمہوری طریقہ سے چل رہی تھی۔ میاں صاحب بہت ہی پرانے اور مخلص مسلم لیگی تھے۔ ان کے آباؤ اجداد بھی خواجہ ناظم الدین کی طرح مسلم لیگی تھے لیکن امریکی گیم پلان کے تحت بنگالی اور پنجابی جھگڑے کو ظاہر کرنے کے لئے میاں ممتاز دولتانہ کی حکومت کو برخواست کرنا لازم تھا تاکہ حکومت کو دباؤ میں لایا جا سکے۔ اور اس کے بعد ان کی میڈیا مشین نے یہ تاثر عام کر دیا کہ میاں ممتاز دولتانہ اب فارغ ہو کر خواجہ ناظم الدین کی مرکزی حکومت کو گرانے میں مصروف ہو گئے ہیں حالانکہ یہ کام خود امریکن سی۔ آئی۔ اے کر رہی تھی اور پاکستان کے اندر سے مرکزی کردار ملک غلام محمد، ایوب خان اور اسکندر مرزا ادا کر رہے تھے۔ ایک طرف سیاسی بصیرت اور دوسری طرف محدود نگاہ بیوروکریسی تھی جو اپنی جہالت کے چکر میں پھنس کر اس گندے اور مذموم کھیل کا حصہ بن گئی تھی۔ یہ نہیں کہ یہ لوگ کوئی پاکستان کا برا چاہتے تھے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں تھا یہ لوگ بھی محب وطن تھے مگر محدود عقل کے مالک تھے۔ وہ سیاسی بصیرت اور نگاہ سے محروم تھے اور اپنی کوتاہ نظری کا شکار تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح پاکستان کو شاید بہت زیادہ فائدہ ہو جائے گا۔ جدید ہتھیار مل جائیں گے لیکن کس قیمت پر؟ یہ سیاسی عدم استحکام پیدا کر کے، بنگال اور پنجاب کو ایک دوسرے سے دور کر کے، شہریوں کے دلوں میں دوریاں پیدا کر کے مذہبی تنازعات اور فتنے کھڑے کر کے؟ انہیں کیا معلوم کہ ان امور سے سب کی یکجہتی اور ملی جذبات

Marfat.com

کو کتنا نقصان پہنچنے والا تھا۔ وہ کس قدر خطرناک نفاق کے بیج بو رہے تھے جنہوں نے آگے چل کر ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی تھی۔ صرف اس لئے کہ خواجہ ناظم الدین ملک کو امریکی چنگل میں پھنسانا نہیں چاہتے تھے۔ اس طرح اس جھنجھٹ میں پھنس کر دستور سازی بھی رک گئی۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس وقت تک ایک متفقہ دستور کا ڈھانچہ تیار بھی ہو چکا تھا لیکن بوجوہ یہ کام پس پشت ڈالنا پڑا۔ خواجہ صاحب کے خلاف افواہ بازی کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی کردار کشی شروع کر دی گئی۔ ان کو کمزور اور نااہل ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے اور گھٹیا سے گھٹیا بات کہنے سے گریز نہ کیا جاتا۔ کبھی کہا جاتا کہ وہ ہر وقت کھاتے ہی رہتے ہیں۔ ایک دفعہ پیٹ بھر جائے تو غسل خانہ میں جاکر قے کر آتے ہیں کہ دوبارہ کھانا شروع کر سکیں۔ اس طرح وہ ملک کا سارا اناج ہی کھا لیتے ہیں اور اسی لئے ملک میں قحط کی کیفیت ہے۔ یہ سب کچھ نہایت اہتمام اور تفصیل کے ساتھ امریکی سی۔ آئی۔ اے کے ایجنٹ کر رہے تھے تاکہ انہیں عوام کی نگاہ سے گرایا جا سکے اور پھر دباؤ میں لاکر ان سے اپنی مرضی کا کام کروایا جا سکے۔

آج کل بھی جو قیادت پسند نہ ہو اس کی اسی طرح کردار کشی کی جاتی ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں یہ بہت پرانی شیطانی چالیں ہیں جو یہ ایجنسیاں استعمال کرتی ہیں۔ خود قائد اعظم کے خلاف بھی اس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے تھے۔

لیکن خواجہ ناظم الدین کسی دباؤ میں آنے والے نہیں تھے۔ انہیں ملکی مفاد عزیز تھا۔ ان کا تو اوڑھنا بچھونا ہی پاکستان تھا۔ میاں ممتاز دولتانہ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ بھی ایسی کسی مذموم گیم کے حصہ دار نہیں تھے مگر غیر ملکی ایجنٹ اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر خوب سرگرم تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بات کسی طرح بھی نہیں بنتی تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو چلتا کیا جائے چنانچہ طے شدہ منصوبہ کے تحت گورنر جنرل ملک غلام محمد نے خوراک کی صورت حال اور اس کے ملکی سلامتی پر اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ایک اہم اجلاس طلب کیا جس میں جنرل ایوب خاں کو بطور خاص بلایا گیا تھا۔ جنرل ایوب خان نے خوراک کی قلت اور سمگلنگ کا کچھ اس انداز میں نقشہ کھینچا کہ جس طرح حکومت بالکل ناکام ہو چکی ہے اور ملک بہت سخت خطرے میں ہے۔ دوسرے ہی لمحے گورنر جنرل نے حکم صادر فرما دیا کہ حکومت کو ڈسمس کیا جاتا ہے خواجہ ناظم الدین کو بولنے تک کا موقع نہ دیا گیا۔ یہ تو اک بہانہ تھا۔ معاملات تو پہلے ہی طے تھے۔ محمد علی بوگرا جن کا تعلق بھی مشرقی پاکستان سے تھا اور اس وقت امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے کو پاکستان کا وزیر اعظم نامزد

Marfat.com

کر دیا گیا۔ پاکستان کی تقدیر سیاستدانوں اور آزادی کے دیوانوں کے ہاتھوں سے نکل کر جرنیلوں اور بیوروکریٹس کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ویسے تو بوگرا کا بیک گراونڈ سیاسی ہی تھا مگر وہ بات کہاں جو مرد حر اور مجاہد آزادی خواجہ ناظم الدین کی تھی۔ اور پاکستان بغداد پیکٹ میں شامل ہو گیا اور باقاعدہ طور پر امریکی بلاک کا معتبر حصہ بن گیا۔ اس کے بعد روس کا ردعمل ایک فطری امر تھا پاکستان کو فوجی اور معاشی امداد امریکہ سے ملنا شروع ہو گئی تو روس نے بھارت کی پیٹھ تھپکنا شروع کر دی۔ اسے اپنا جدید ترین اسلحہ دینا شروع کر دیا اور فوجی ساز و سامان کی خود ہندوستان میں پیداوار شروع کرا دی۔ سٹیل میں ہندوستان پہلے ہی خودکفیل تھا اور بہت جلد اس نے اپنا فوجی ساز و سامان بنانا شروع کر دیا۔ اسلحہ کی دوڑ شروع ہو گئی۔ اس کے بعد شکوک و شبہات کچھ زیادہ ہی بڑھنے شروع ہو گئے۔ اگرچہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اعتماد کا رشتہ کبھی بھی اتنا مضبوط نہ تھا لیکن وہم کی کہیں گنجائش نہ تھی۔ جو بھی بات تھی وہ واضح اور کھل کر ہوتی تھی اور مسلمانوں میں تو بہت ہی زیادہ خود اعتمادی تھی اور خاص طور پر پاکستان بننے کے شروع کے سالوں میں جب بہت بڑے بڑے لاینحل مسائل لازوال جذبوں اور ولولوں کی قوت سے جادوگری کی رفتار سے حل ہو گئے تھے اور ایک قسم کے انسانی تاریخ کے عظیم معجزے رقم ہو رہے تھے۔ پاکستانیوں کو ان کامیابیوں نے اور زیادہ حوصلے عطا کر دیئے تھے مگر اب ایک اور ہی دور شروع ہو گیا تھا۔ یہ دور عقیدہ اور اعتماد کی طاقت کی بجائے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے مقابلہ کا شروع ہو گیا اور ایک خاص کیفیت اور ذہنیت کی نشوونما ہونے لگی۔ اس طرح جیسے روس اور امریکہ کے درمیان سرد جنگ شروع تھی۔ ہندوستان اور پاکستان کے بہت زیادہ اختلافات تھے۔ تنازعات تھے لیکن نہایت کھل کر لیکن اب جو دور شروع ہوا وہ سیاسی اور نظریاتی سے زیادہ لائحہ عمل Tactics اور حکمت عملی Strategy کی شکل اختیار کر گیا۔ اس طرح پاکستان بھارت کے آپس کے تعلقات سیاسی سے زیادہ فوجی رنگ میں دیکھے جانے لگے جس کا اپنا خاص زاویہ ہوتا ہے اور وہ پھر اسی ایک نقطہ پر مرتکز ہو کر رہ گئے۔ آہستہ آہستہ فوجی رنگ غالب آ گیا اور سیاسی رنگ مدہم پڑتا گیا۔

خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو ظاہراً چونکہ ایک پنجابی گورنر جنرل نے ڈسمس کیا اور پراپیگنڈہ کے ذریعہ اس سازش کا ذمہ دار ایک اور پنجابی میاں ممتاز دولتانہ کو ٹھہرایا گیا۔ اس طرح پنجابی' بنگالی دوری اور نفرت کی بنیاد ڈال دی گئی۔ لاہور میں مارشل لاء لگا کر فوجیوں کو ان کی طاقت کا احساس دلایا گیا اور اقتدار کی بو سنگھائی گئی اور پاکستان کے روز افزوں روحانی انقلاب کا کانٹا ہی بدل دیا گیا بلکہ اسے Derail کر دیا گیا۔ تیز رفتار پٹڑی سے نیچے اتار دیا گیا اور اسے کریش کرنے کا اہتمام کیا

Marfat.com

گیا۔ عوام اور فوج کو ایک دوسرے سے لڑانے کا بھی بندوبست ہو گیا۔ اسلامی علمی طبقہ اور حکومت کے تصادم کا بندوبست بھی ہوا اور پاکستان کے اس خوبصورت Mosaic میں دراڑیں ڈالی گئیں۔ امریکیوں کے تو اپنے مفادات تھے مگر افسوس صد افسوس کہ ہمارے کوتاہ نظر جرنیلوں اور بیوروکریٹس نے ان کا کھیل اس بری طرح سے کھیلا۔ کیوں نہ کھیلتے؟ ان کی ذہنی پرورش اور تربیت ہی غلامی کی تھی۔ وہ کیا جانیں آزادی کیا ہے کیا ہوتی ہے اور اس کی مستی کیا ہوتی ہے؟ غلاظت کا کیڑا تو غلاظت ہی میں خوش رہتا ہے۔ اسے تازہ جھونکا بیمار کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کی غلامانہ فکر کا نتیجہ تھا ان کی حب الوطنی میں شک کی گنجائش کم ہی ہے لیکن ان کی سیاسی تدبر اور حکمت کی کمی نے ملک کو ان اندھیارے راستوں پر ڈال دیا جن سے اب تک باہر نہیں نکل سکا اور بھٹک رہا ہے۔ محتاجی کا شکار ہے تمام قسم کی طبقاتی کشمکش اور ٹوٹ پھوٹ اس کا مقدر بن چکا ہے اور جب ہم مڑ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے بہت سے خطرناک موڑ گزارے ہیں لیکن یہ ہماری تاریخ کا سب سے زیادہ بنیادی نازک اور مہیب موڑ تھا۔

Marfat.com

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ پائے میں نے شیخ و برہمن

جب ہم نے نظریہ' جذبہ' ولولہ اور آزادی و انقلاب کے تمام اساسی عناصر کو خیرباد کہہ کر مادی لالچ اور مالی وسائل کو اپنا نصب العین اور خدا بنالیا تو اس کے بعد کی کہانی بہت ہی دردناک' افسوس ناک اور بھیانک ہے۔ توپیں اور جہاز مل گئے۔ چھاؤنیاں بھی بن گئیں ریلوے کے لئے نئے ڈیزل انجن بھی مل گئے مگر ملت اسلامیہ کی ساخت و شناخت تباہ ہوگئی جس کے لئے اتنی طویل جدجہد ہوئی تھی اور جس نے اتنی بے مثال اور لازوال قربانیوں کی داستان رقم کی تھی۔ معاشی اور دفاعی مسائل سے تو قائداعظم کو بہت ڈرایا دھمکایا گیا تھا مگر پوری ملت اسلامیہ نے انکی آواز پر ملت واحدہ بن کر کہا تھا کہ یہ ہمارا مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مادیت اسی وقت مفید ہے جب کہ وہ اسلامی روحانی حقانیت کے تابع ہو وگرنہ وہی فراوانی فساد اور فتنہ بن جاتی ہے اور انسانیت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ مسلمانوں اور قائد اعظم کی منزل مراد ایک اسلامی روحانی انقلاب آشنا پاکستان تھا جس میں قانونی اور معاشی عدل' مساوات اور اخوت و محبت کے اقدار کی ترویج و تربیت ہونا تھی اور اس معاشرتی نظام کا احیاء مقصود تھا جس کی بنیاد ۱۴ سو سال پہلے رکھی جاچکی تھی اور جس کی توانائیوں اور قوتوں کی کرشمہ سازی کو دنیا نے دیکھ لیا تھا۔ قیصرو کسریٰ ہی نہیں پورا ایشیا چین' افریقہ اور یورپ سرنگوں تھا اور وہاں کے سب مادی وسائل اللہ کے بےلوث درویشوں کی ٹھوکر پر تھے۔ منزل و مقصود پاکستان کا وہی تھا اور تمام عالم کے اندازوں

Marfat.com

کے خلاف ان ہی جذبوں نے پاکستان کو ایک عظیم قوت بنا دیا تھا۔ بھارت کا ہندو کانپ رہا تھا۔ روس پاکستانی انقلاب کو اپنا رقیب سمجھ کر اس کے خلاف سازشیں کر رہا تھا اور امریکہ اس کی قوت کو اپنے بھلے کے لئے استعمال کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ صرف اس لئے کہ اسلامی فکری بنیادوں پر اٹھنے والے پاکستان کی قدر و منزلت تھی۔ طاقت تھی اور اس کا چند سالوں میں ایک بلند مرتبہ و مقام بن گیا تھا۔ وقار تھا اور عزت تھی اور پھر ان عقل کے اندھوں نے گھاٹے کا سودا کر لیا۔ لالچ میں آگئے۔ لالچ ہی منزل و مقصود بن گیا اور یہیں سے ہمارے ملی انحطاط کا ایک نہایت ہی دردناک باب شروع ہو جاتا ہے۔ اخلاق باختگی کا آغاز ہوتا ہے اور وہ بعد میں ایسے طوفان کی شکل اختیار کرتا ہے کہ سب کچھ ہی بہا کر لے جاتا ہے۔ لالچ بری بلا ہے۔ وہ تمام قانونی اور اخلاقی اقدار کو تباہ کر دیتی ہے۔ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔ جرم کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ زندگی روٹھ جاتی ہے۔ حسن ماند پڑ جاتا ہے انسانیت وحشت و درندگی کا شکار ہو جاتی ہے اور وہی مادی وسائل جو کسی وقت زندگی کا سہارا معلوم ہوتے ہیں موت کا پیغام بن جاتے ہیں۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ موت ہے کہ مسکرا رہی ہے۔ ہر طرف منڈلا رہی ہے۔

لیکن یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی جب ہم نے اپنی اساس کو چھوڑ کر آزادی کا سودا کیا اور دوسرے کے گندے کھیل میں شامل ہو گئے۔ آزادی کی جگہ محتاجی کو ترجیح دی اور آج کے عذاب کی بنیاد رکھ دی۔ خواجہ ناظم الدین اور انکے رفقاء آئندہ کی ان خرابیوں اور خطرات کو اچھی طرح سے بھانپ سکتے تھے لیکن بے شعور بیوروکریٹس کی آنکھیں یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ بس پھر کیا تھا کہ اسلامی انقلاب کی فراٹے بھرتی ہوئی ریل پٹڑی سے اتر گئی اور اب تک چونکہ بہت زیادہ وقت گزر گیا ہے اور ہم اپنے اصل سے بہت دور جا چکے ہیں تو ایک بہت بڑی اکثریت خاص طور پر وہ طبقہ جس نے ان معاملات سے بہت زیادہ فائدے اٹھائے ہیں نہایت ہی بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ بین الاقوامی بھیک کے حصول کو پاکستان یا اس کی حکومت کی بہت بڑی کامیابی تصور کرتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم کہ کامیابی کسے کہتے ہیں۔ انہیں تو بس اپنی عیش کوشی اور دولت کے ڈھیروں سے تعلق ہے۔ اس سے انہیں سکون ملتا ہے۔ عشرت کے جزیرے بنا رکھے ہیں۔ اس کے باہر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کامیابی دولت سے نہیں آتی عزم عظیم سے آتی ہے۔ معاشرہ کی خوشحالی سکون اور سلامتی کا تعلق معاشی انصاف اور مساوات سے ہے۔ ارتکاز دولت جو سرمایہ داری اور سرمایہ کاری کے یہودی نظام کی بنیاد ہے وہ ہمیشہ تباہی اور خون خرابہ پیدا کرتی ہے۔ صدیوں سے یہ تاریخ

Marfat.com

بتاتی آ رہی ہے مگر ہمارے عقل کے اندھوں اور محدود نگاہوں نے ہمیں اسی ہی میں جکڑ کر رکھ دیا۔ یہودی بینکوں اور حکومتوں سے قرضوں کے چکر میں پھنسا دیا۔ وہ سمجھ نہ سکے کہ یہ امداد اور قرض سب ان کے اپنے کاروبار چمکانے کے فریب ہیں۔ اگر وہ قرض نہ دیں تو انکا کاروبار کیسے چلے۔ وہ تو تباہ ہو کر رہ جائیں اور ملک غلام محمد اس چکر میں پاکستان کو ہمیشہ کے لئے پھنسا گیا۔ بغداد پیکٹ بھی ہو گیا۔ نیٹو معاہدہ میں بھی ہم جکڑے گئے۔ اقتدار کے بلاکوں کی عالمی سیاست کے ہم دم چھلا بن گئے۔

اندرون ملک امریکیوں کو اڈے بھی دے دیئے۔ روس کے دشمن ٹھہرے اور اسکی بھر پور سازشوں کا شکار بنے۔ جھوٹی معیشت' دفاع اور معاشرت کی بنیاد ڈالی۔ جو کچھ آج ہم بھگت رہے ہیں یہ ان ہی ہمارے بزرگوں کے بوئے ہوئے کانٹے ہیں جو ہمیں اپنی آنکھوں سے چننے پڑیں گے۔ یہ اس زمانے کی امریکی محبت کے زمزموں ہی کا نتیجہ ہے۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ لالچ بری بلا ہے۔

پاکستان کا دستور خواجہ ناظم الدین کے زمانے میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ علماء نے اسلامی دفعات کے لئے اپنی فکری اور عقلی کاوش سے تسلی بخش حل پیش کر دیا ہوا تھا۔ امریکیوں کی ریشہ دوانیوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے تحت خواجہ ناظم الدین کو دباو میں لانے کے لئے صوبائیت کے معاملات کو اپنے مہروں کے ذریعہ زیادہ ہی ہوا دلوا دی تھی۔ بیورو کریسی اور جرنیلوں نے مضبوط مرکز کا تنازعہ داخل کر دیا ہوا تھا اور صوبائی خود مختاری کو غداری کے مترادف قرار دیا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود دستور بنانے میں خاصی پیش رفت ہو چکی تھی۔ بغداد پیکٹ میں پاکستان کو پھنسانے کے لئے اگر اتنی زوردار سازشیں نہ ہوتیں تو خواجہ صاحب ہی کے دور میں دستور منظور ہو کر منظرعام پر آ جاتا۔ لیکن ان تمام بکھیڑوں نے اتنے اہم اور بنیادی کام کو طوالت کا شکار کر دیا۔

محمد علی بوگرا نے ایک کام کیا کہ جہاں بغداد پیکٹ وغیرہ کو امریکی منشا کے مطابق پایہ تکمیل کو پہنچایا وہاں اس نے دستور کو بھی مکمل کر لیا۔ مگر یہ بدستور ریاستی قوت کے اجارہ داروں' جرنیلوں اور بیوروکریٹس کے تصور سے مختلف تھا۔ مناسب صوبائی خود مختاری موجود تھی۔ گورنروں اور گورنر جنرل (دستور کے بعد صدر) کے اختیارات کو جمہوری وفاقی نظام کے مطابق ڈھال دیا گیا تھا اور جمہوریت کی اصل روح کے مطابق زیادہ تر اختیارات منتخب پارلیمنٹ' عوامی نمائندوں اور انکے منتخب وزیر اعظم اور وزراء اعلی کے لئے تجویز کئے گئے تھے تاکہ ایک ایسی ریاست اور حکومت بنے جو عوام کو ان کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ جوابدہ اور ذمہ دار ہو۔ یہ ہمارے جرنیلوں اور بیوروکریٹس کو کہاں گوارا تھی۔ وہ تو سارے اختیارات اپنے قبضہ قدرت میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے ذہن کے

Marfat.com

مطابق یہ جمہوری نمائندے تو ایک دل خوش رکھنے کے لئے تماشہ تھے جن کی ڈوریاں ان کے ہاتھ میں ہونا چاہئیں جیسا کہ غلامی کے زمانہ میں انگریز کے اور اس کی انتظامیہ کے ہاتھ میں تھیں۔ اب یہ لوگ ان آقاؤں کی روحانی اولاد تھے اور انکے گدی نشین تھے اور پھر امریکی دلچسپی نے انہیں واقعی اس وقت تک اختیار کی گدیوں پر لا بٹھایا تھا جہاں سے وہ ان تمام امور پر اثرانداز ہو سکتے تھے۔ گورنر جنرل ان کا اپنا تھا۔ دستور کی منظوری اسی نے دینی تھی اور نہ دی بلکہ دستور ساز اسمبلی ہی توڑ ڈالی۔ وہ دستور ساز اسمبلی جسے تمام ہندوستان کے مسلمانوں نے مل کر چلانا تھا۔ صرف وہی لوگ نہیں جو پاکستان کے اندر بستے تھے یا مہاجر ہو کر یہاں آئے تھے بلکہ وہ تمام مسلمان جو ان خطوں سے بھی تعلق رکھتے تھے جو اب بھارت میں رہ گئے تھے۔ اس نمائندہ اور تاریخی دستور ساز اسمبلی کو جو خالق پاکستان تھی ایک تنخواہ دار سرکاری ملازم نے گھر چلتا کیا۔

اس وقت تک بیوروکریسی نے محلاتی سازشوں کے ذریعہ سیاسی زعماء کو بے بس کر کے رکھ دیا ہوا تھا۔ یہ ایسا انہونا واقعہ تھا کہ پورا پاکستان تڑپ اٹھا اور گورنر جنرل کے اس غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام کے خلاف سراپا احتجاج بن گیا۔ صرف اپنے لامحدود اور غیر جمہوری اختیارات کو قائم دائم رکھنے کے لئے ملک غلام محمد نے اپنے ہم خیال پیشہ ور فوجی اور سویلین بیوروکریٹس کے مشورہ پر یہ مذموم حرکت کی۔ اس سے قبل بھی وہ بہت سی غلط اور غیر جمہوری خلاف قانون روایات بنا چکا تھا۔ جنرل ایوب خان کو سرونگ کمانڈر انچیف ہونے کے باوجود ایک سیاسی عہدہ پر متمکن کر دیا اور اسے وزیر دفاع کا حلف دلوا دیا۔ جنرل ایوب خان نے یہ شرط رکھی کہ وہ تبھی وزیر دفاع بنے گا اگر اسے کمانڈر انچیف بھی رہنے دیا جائے۔ شرط مان لی گئی۔ اس سے دونوں کی نیتوں کا واضح پتہ چل جاتا ہے۔ غلام محمد فوجی طاقت کے سہارے راج کرنا چاہتا تھا اور وہ لوگ جنہوں نے آزادی کی جدوجہد کی تھی' قربانیاں دیں تھیں اور پاکستان کے نفع نقصان کو سمجھتے تھے ان کا بوریا بستر گول کرنے کے مشورے اور منصوبہ بندیاں تھیں۔

جرنیلوں سے بہتر کون نہایت ہی راز داری کے ساتھ منصوبہ بندی کر سکتا ہے؟ ان کی تو تربیت ہی یہی ہوتی ہے۔ قوم ان کی تربیت ہی کے لئے اتنا سرمایہ خرچ کرتی ہے مگر یہ تربیت تو دشمن کے خلاف چالبازیوں اور فریب کاریوں کے لئے ہوتی ہے کہ دشمن کو کس طرح بے خبر رکھ کر دھوکہ دینا ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اپنے ہی ملک کے عوام کو دھوکہ دینے کی تیاری شروع کر دی جائے اور انہیں دشمن کے طور پر سمجھا جائے اور دشمن والا سلوک روا رکھنے کے عزم بنا لئے جائیں۔

Marfat.com

مگر یہاں تو یہی ہو رہا تھا اور نہایت ہی سائنسی انداز میں غلام محمد اپنے کھیل میں مصروف تھا۔ قبر میں ٹانگیں لٹکائے ہوئے بھی بدی سے باز نہیں آ رہا تھا۔ ایوب خان اپنی گیم کے مطابق کام کر رہا تھا مگر کس کے خلاف؟ اس ملک کے خلاف جس نے انہیں یہ عہدے دے کر اتنی بڑی عزت بخشی تھی اور کن لوگوں کے خلاف؟ جن کی عظیم اور بے مثل قربانیوں نے یہ ملک بنایا تھا اور کس قیادت کے خلاف؟ کہ جن کے کردار اتنے عظیم تھے کہ کوئی دشمن بھی ان کے خلاف کچھ کہنے سے ہچکچاتا تھا۔ وہ نہ صرف دیانت اور امانت کے بے مثل ماڈل تھے بلکہ ان کی ملکی محبت بھی لازوال اور بے مثال تھی۔ وہ عشق و مستی سے سرشار نہایت ہی بے خودی اور خودسپردگی کی حد تک وطن سے پیار کرتے تھے اور اس کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے محض دعوے نہیں تھے ان کے عمل پوری قوم کے سامنے تھے مگر ان حریص اور بدکردار بیوروکریٹس نے انہیں داغدار کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور اپنے مذموم مقاصد کے تحت ان کے اندر طرح طرح کے کیڑے ڈالنے شروع کر دیئے۔ صرف اس لئے کہ وہ ان کے راستوں کی رکاوٹ تھے۔ ان کے خلاف اپنی تربیت کے تمام کمالات استعمال کرتے گئے اور کسی شرافت اور شائستگی کو اپنے نزدیک نہ پھٹکنے دیا اور اپنے نہایت ہی گندے کھیل میں مصروف رہے۔

مولوی تمیزالدین ایسا نیک اور پارسا شخص اس دستور ساز اسمبلی کا صدر نشین تھا۔ ان کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا اور پورے ملک میں ان کو بہت ہی احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا انہوں نے اس غیر قانونی اور ناجائز اقدام کو سندھ چیف کورٹ میں چیلنج کر دیا اور فیصلہ ان کے حق میں ہوا۔ حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ وہاں پر جسٹس محمد منیر اس عدالت کے سربراہ تھے۔ وہ ملک غلام محمد کے ذاتی طور پر ممنون خاطر تھے کہ ان کی باری کے بغیر ہی انہیں چیف ججی کا اعزاز بخش دیا گیا تھا یہ وہی جج تھے جنہوں نے ۱۹۵۳ء کے قادیانوں کے خلاف ایجی ٹیشن اور اس کے واقعات کی انکوائری کی تھی اور علماء کے خلاف ہرزہ سرائی کی تھی اور حکومت پنجاب کی نااہلی اور نالائقی کا سرٹیفکیٹ دیا تھا کیونکہ امریکی سی آئی اے کو پنجابی بنگالی لڑائی کروانا مقصود تھی۔ سازش سی آئی اے کی تھی مگر الزام میاں ممتاز احمد دولتانہ پر تھوپنا ضروری تھا۔ اس وقت سے بے چارے میاں دولتانہ ایسے دباؤ میں آئے کہ سیاسی طور پر جانبر نہ ہو سکے اور لگاتار خاموش رہے اور تاریخ کے ان بدترین تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے سے گریز کرتے رہے۔ جسٹس منیر ان تمام سازشوں کا بہت ہی اہم حصہ تھے اور انہوں نے گورنر جنرل کا خوب ساتھ دیا ہوا تھا لہٰذا انہیں چیف جج بنا دیا گیا تھا وہ مولوی تمیزالدین کو کیا انصاف دیتے؟ ہاں جسٹس کارنیلیئس کی رگ انصاف ضرور پھڑکی مگر محمد منیر

Marfat.com

اور دو سرے ججوں نے گورنر جنرل کے غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدام کو جائز قرار دے کر ایک بہت ہی قبیح روایت قائم کی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ ایک نئی دستور ساز اسمبلی کے چناؤ کے لئے عدالت نے فیصلہ دے دیا اور اس کی وجہ صوبائی اسمبلیوں کے نئے انتخابات قرار دے دیا جو دستور ساز اسمبلی کے لئے حلقہ نیابت تھا۔ کہاں یہ اسمبلی اور کہاں وہ پورے ہندوستان سے مسلمانوں کی نمائندہ اسمبلی؟ بہر صورت سیاسی جمہوری عمل کی کچھ نہ کچھ صورت ضرور نکل آئی۔

مولوی تمیزالدین اس وقت کے قانون کے مطابق اس فیصلہ کے خلاف انگلستان کی پریوی کونسل کے سامنے اپیل کر سکتے تھے اور عیاں تھا کہ مقدمہ کا فیصلہ ان ہی کے حق میں ہوتا مگر ان کی ملی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ انگلستان جاکر غیروں کے سامنے اپیل کریں۔ وہی غیر جن کے خلاف مولوی تمیزالدین ایسے مجاہدوں نے قائداعظم کی راہنمائی میں جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا مولوی تمیزالدین اور دوسرے مسلم لیگی راہنماوں نے اس بے غیرتی سے بہتر سمجھا کہ صبر شکر کریں لیکن ان کے مخالف اس پر نازاں تھے۔ غیروں کا کھیل خوب کھیل رہے تھے اور آزاد پاکستان کو غلامی کی سنہری زنجیروں میں جکڑ رہے تھے محمد علی بوگرا سے بھی اپنی مرضی کا کام کروایا اور پھر چلتا کیا۔ مولوی تمیزالدین کے ساتھ بھی بہت ہی بے انصافی اور زیادتی کی۔

خواجہ ناظم الدین، بوگرا اور مولوی تمیزالدین سبھی کا تعلق مشرقی پاکستان سے تھا اور یکے بعد دیگرے ان کے ساتھ ملک غلام محمد جن کا تعلق پنجاب سے تھا نے زیادتی کی جس کے زخموں کی ٹیس پورے بنگال کی نفسیات نہایت صبر سے سہہ رہی تھی۔ لیکن مجال ہے کہ کوئی بات پاکستان یا اس کے سیاسی نظریہ کے خلاف وہاں سے کہی گئی ہو کیونکہ پاکستان کی تخلیق میں سب سے زیادہ حصہ ان ہی کا تھا۔ انہوں ہی نے سب سے زیادہ قربانیاں دی تھیں اور سب سے طویل جدوجہد کی تھی۔ وہیں پر سب سے زیادہ راست اقدام کا اثر ہوا تھا جس کی قیادت خود حسین شہید سہروردی نے کی تھی اور جس کی وجہ سے انگریز اور ہندوؤں کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور انہیں خانہ جنگی سے خوف آنے لگا تھا۔ بنگالی بہت ہی زیادہ محب وطن پاکستانی تھے اور انہوں نے ملک غلام محمد اور ایوب خان کے امریکی اور اپنے ذاتی مذموم مقاصد کی خاطر کھیلے جانے والے گندے کھیل کے باوجود کسی طرح کا بھی صوبائی تعصب ظاہر نہ کیا اور یہی کوشش کی کہ کسی طرح بھی پاکستان کی آن اور یکجہتی پر آنچ نہ آنے پائے۔ اور سب کچھ نہایت صبر سے برداشت کرتے رہے۔ اور ایک دفعہ پھر دستور سازی میں مصروف ہوئے۔ جو لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ پاکستان میں دستور سازی میں اتنی دیر کیوں لگی انہیں معلوم ہی نہیں کہ

Marfat.com

ہمارے اسلاف کو کن کن دشواریوں کا سامنا تھا۔ پہلے دو تین سال میں تو ہوش سنبھال لینا ہی کمال تھا کہ کچھ بھی نہ تھا اور سب کچھ اپنے جذبوں اور ولولوں کے زور پر خالی عزم سے پیدا کر دکھایا۔ کشمیر کے کافی بڑے حصہ سے بھارت کو بھگا دیا اور اس پر ایک زبردست رعب اور دبدبہ بیٹھ گیا۔ ادارے بنا لیے اور مالی و انتظامی استحکام حاصل کر لیا۔ پھر بین الاقوامی سازشوں نے کام دکھایا اور اس کے نتیجہ میں ہمارے بیوروکریٹس نے کیا کیا گل کھلائے کچھ تفاصیل اوپر آ چکی ہیں لیکن معاملات و مشکلات اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان آزادی و انقلاب کے پروانوں نے تمام مشکلات اور سازشوں کے باوجود اپنا کام جاری رکھا اور حوصلے نہ ہارے اور ایک دفعہ پھر دستور سازی میں جت گئے۔

لیکن امریکہ اور اس کے ایجنٹوں نے اس وقت تک پاکستان کے اقتدار کے سنگھاسن میں اپنے طاقتور مہرے خوب سجا دیئے تھے۔ ملک غلام محمد سے چھٹکارا ملا تو اس کی جگہ اس سے بھی بڑا خدمت گزار جنرل اسکندر مرزا گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ چوہدری محمد علی اپنی ذاتی زندگی میں ایک نہایت ہی دیانتدار اور صالح شخص تھے مگر تھے تو نوکر شاہی کے خانوادہ سے اور وہ بھی مالیاتی شعبہ کے آڈٹ اور اکاونٹس سے جن کے حضرات ضروری حساب کتاب میں پھنس کر کبھی بھی انتظامی حقیقت اور اس کے دھاروں سے آگاہی حاصل نہیں کر سکتے اور ایک خاص منفی ذہنیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ تو انتظامی امور میں بھی محدود بلکہ یک پہلو ہوتے ہیں۔ سیاسی امور اور ان کے نازک پہلوؤں کے شعور اور آگاہی کا معاملہ تو بہت زیادہ دور کی بات ہے۔ گورنر جنرل' وزیراعظم اور تمام تر صوبوں کے گورنر بھی نوکر شاہی ہی کے کل پرزے تھے اور اس طرح بیوروکریٹس اور جنرلوں نے پاکستان کے اندر اقتدار پر مکمل طور پر اپنا قبضہ کر لیا اور ان سے اپنی مرضی کے فیصلے کروانے شروع کر دیئے۔ آزادی کے متوالوں اور سیاسی شعور رکھنے والے محب وطن سیاست دانوں کو پس پشت دھکیل دیا گیا کیونکہ وہ سیاستدان جو آزادی کی جنگ تازہ تازہ لڑ کر آئے تھے وہ کسی بھی مشکل میں غلامی کا جوا پہننے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہیں آزادی کی قدر و قیمت اچھی طرح معلوم تھی امریکہ بہادر کو یہ لوگ چبھتے تھے کیوں کہ وہ اس کا کھیل کھیلنے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ انہیں جنرل اور سول سرونٹس زیادہ مفید اور موثر نظر آ رہے تھے۔ کیوں نہ ہوتا؟ خود امریکہ کا صدر ایک فوجی جرنیل تھا اور یہ لوگ اس کی سوچ اور ذہنیت کے قریب تر تھے۔ اس لیے ان کے ذریعہ اقتدار پر بالواسطہ قبضہ کر لیا اور ان سے اپنی مرضی کے فیصلے کروانے شروع کر دیئے۔ اس زمانہ میں یہ صرف پاکستان کی کہانی نہیں تھی بلکہ تمام افریقہ اور ایشیا میں یہی کچھ ہو رہا تھا۔ کہیں روس اپنی منشا کی فوجی بغاوت کروا

Marfat.com

دیتا اور کہیں امریکہ فوجی بغاوت کا اہتمام کرتا۔ روس کی تو سمجھ آتی ہے کہ اس کا نظام ہی ایسا تھا لیکن امریکہ جو ساری دنیا میں جمہوریت کا ڈنکا بجانے میں مصروف ہوتا تھا اور اس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو روسی نظام سے بہتر قرار دیتا تھا وہ فوجی بغاوتوں اور حکمرانوں کا مکمل طور پر حمایتی تھا اور اپنے فائدے کے لیے باقاعدہ اکسانے میں مصروف تھا۔ جنرل آئزن ہاور کو اپنے پرانے ہم پیشہ اور ساتھی پہلے نظر آتے تھے اور ان کے ساتھ معاملات نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ طے کئے جا سکتے تھے۔ اس لیے پاکستان میں بھی جنرل آئزن ہاور نے اپنے تمام مہرے ٹھیک ٹھیک جگہ پر متعین کروا لیے اور انہیں اپنی ذلیل مفاداتی مطلب بر آری کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ آزادی پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے والے مجاہدوں کو اتنی خوبصورتی سے منظر سے ہٹایا گیا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس طرح جیسے نہایت آرام سے مکھن میں سے بال کو نکال دیا جائے۔ عوام اور ان کے نمائندوں کو پاکستان کے کاروبار حکومت سے عملی طور پر دیس نکالا دے دیا گیا اور محلاتی سازشوں کے آسیب اقتدار پر چھا گئے۔ عوام جو کہ قائداعظم اور دوسرے بانیان پاکستان کے بتائے ہوئے راستہ اور فلسفہ پر چلتے ہوئے اسلامی اخلاقی انقلاب کی آخری منزل چھونے والے تھے یکدم ٹھٹھر کر رہ گئے اور حیران رہ گئے کہ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟

ایسی صورت حال میں ان کا بددل ہو کر یاسیت کا شکار ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ علامہ اقبال کی خودی اور خود آگاہی کے ولولے پیدا کرنے اور ملت کو مایوسی سے نکالنے کے عمل کو یکدم بریک لگ گئی بلکہ وہ مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں کی طرف چلنے لگی۔ یہ فطرت کا ایک اٹل قانون ہے کہ عمل کی جتنی رفتار ہوتی ہے اس کے آگے رکاوٹ آنے پر اس کے ردعمل کی رفتار اور قوت بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔

چونکہ پاکستان کا اسلامی روحانی انقلاب زور شور سے رواں دواں تھا اور اس کی قوت اور رفتار سے پوری دنیا خوف زدہ اور لرزاں تھی تو جب امریکہ کی منشا پر امریکی مفادات کی خاطر ہمارے غلامانہ ذہنیت کے مالک بیوروکریٹس اور جنرلوں نے اس انقلاب کا راستہ روکا تو عوامی ردعمل اور قنوطیت اسی شدت سے وقوع پذیر ہونا شروع ہو گئے۔ پہلے تو انہیں سمجھ نہ آ رہی تھی کہ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ انہوں نے کیا سوچا تھا اور ہو کیا کچھ رہا تھا۔ وہ حیرانگی اور سراسیمگی کا شکار ہو گئے۔ جنرلوں اور افسروں کے نام تو مسلمانوں کے تھے اور کام دشمنوں کی طرح کے۔ لوگ یاس اور رجائیت کے درمیان اپنی سوچ کو دوڑانے لگے۔ کوئی سوچتا کہ ٹھیک ہے اور کوئی کہتا کہ غلط ہے۔ وہی لوگ کبھی سوچتے کہ درست ہے اور کبھی سوچتے کہ غلط ہے۔ اس طرح ہمارے اپنے یقین محکم اور عمل پیہم پر کاربند لوگوں کو شک

Marfat.com

و شبہ کا شکار کر دیا شک و شبہ کے شکار گروہ کبھی بھی متحرک نہیں رہ سکتے۔ ان کا بے عمل اور منجمد ہو جانا ایک فطری اور منطقی نتیجہ ہوتا ہے اور یہی ہمارے دشمن چاہتے تھے کہ ان مسلمانوں کے جاگے ہوئے جذبوں کو کسی طرح خواب خرگوش کے مزے میں ڈالا جا سکے اور یہ سب کچھ ہمارے اپنے ہی کوتاہ نگاہ بیوروکریٹس نے کر دکھایا۔ وہ تحریک اور حدت جذبات جو قیادت نے اتنی محنت اور سعی کے بعد پیدا کر دی تھی اسے سہلا اور تھپکا کر نہایت آرام سے سہانے خوابوں کی طرف موڑ دیا۔ ان عقل کے اندھے محدود نگاہ بیوروکریٹس کو کیا معلوم کہ یہی خواب بعد میں بد ترین خوفناک بد خواب بننے والے تھے۔ اس طرح چند مالی اور دفاعی وسائل کی خاطر اصل متاع عزیز جس کی بنیاد پر قومیں تشکیل پاتی ہیں اور مضبوط بنتی ہیں ان نانجاروں نے ضائع کر دی۔ اک انقلاب عظیم تھا کہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ چند کوڑیوں کی خاطر چمنستان جذب و مستی کو خاکستر کر دیا۔ اس کے بعد کی تمام تر کہانی المیہ ہے' ایک کے بعد دوسرا المیہ اور پھر المیوں کا سلسلہ۔ اخلاقی اور روحانی بحران ہر حسین اور دلکش فکر اور عمل کو بہا کر لے گیا۔

بہر صورت بے چارے سیاستدان دستور سازی کے عمل حتی المقدور مصروف رہے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ پاکستان کو بچانے اور سنبھالنے کی وہی ایک صورت تھی جس کی بنیاد پر کوئی استحکام آسکتا تھا مگر امریکی اور ان کے حواریوں نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے لیے جو کھیل کھیلا تھا اس نے مسائل کو بہت زیادہ پیچیدہ اور گھمبیر کر دیا تھا خاص طور پر صوبائی حقوق اور اختیارات پر بہت شور شرابا تھا۔ چونکہ اس کھیل میں یکے بعد دیگرے بنگال کے زعماء ہی کو پیچھے دھکیلا گیا تھا تو وہاں پر عوام میں بہت سخت رد عمل تھا اور ان کی حساسیت بہت ہی بڑھ گئی تھی اور ہمارے بہرے مہرے ان احساسات سے بے بہرہ ان کے رد عمل کو اتنے ہی زور سے بالجبر دبانے کی کوشش کرتے جس سے بہت دوریاں پیدا ہو رہی تھیں اور اس طرح صوبائی حقوق اور اختیارات کے لیے زبردست اظہار ہونے لگا۔ اس وقت سیاسی حکومت ہوتی تو شاید یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ لیکن اگر ہوتی تو اس کا حل بھی عوامی رائے کے مد نظر تسلی بخش انداز سے ضرور نکل آتا لیکن اس وقت تو عملی طور پر بیوروکریٹس ہی کرتا دھرتا تھے لہٰذا انہوں نے اس کا علاج بھی اپنی انتظامی سوچوں کے قالب سے سیاسی کی بجائے انتظامی اور نرالا ہی نکالا۔ ان کے خیال میں دستور بنانا شاید ایک کتابی اور انتظامی سا معاملہ تھا جس میں عوامی آراء اور جذبات کی کوئی خاص وقعت نہ تھی اور اگر اسے ان کے سروں پر اوپر سے ٹھونس دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ پڑھے لکھے بیوروکریٹس اپنے ہی زعم میں اپنے آپ کو عقل کل سمجھنا شروع کر

Marfat.com

دیتے ہیں اور ان تمام معاملات میں جن کی وہ ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے ان کے بھی حل پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بحث، تمحیص کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں بلکہ اس کو فتنہ اور فساد قرار دیتے ہیں۔ سیاسی اور علمی مباحث کو جھگڑا قرار دینے میں عجلت کے عادی ہوتے ہیں کیونکہ وہ ارتکاز اختیارات کو نسخہ کیمیا سمجھتے ہیں۔ اس طرح کی سوچوں کے نتیجہ میں مضبوط مرکز ایسے کلیوں کے حامی اور آمریت کے پجاری بنتے جاتے ہیں۔ عوامی حقوق اور جذبات سے بالکل لاتعلق ہو کر ایک اپنی ہی تخیلاتی دنیا بسا لیتے ہیں اور ان کی سوچیں اتنی غیر حقیقی ہوتی جاتی ہیں کہ اگر انہیں کہا جائے کہ ایٹم بم بنانا ہے تو بھی وہ کوشش کریں گے کہ وہ دفعہ ۱۴۴ کے اختیارات کے ذریعہ ہی حاصل کر لیں اور کسی فہم و فکر کے مالک سائنسدان کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں اور اگر کر بھی لیں تو اس کی باتیں سن کر اسے نہایت ہی کج بحث فسادی سمجھ کر جیل میں بند کر دیں۔ اسی لیے تو یہ لوگ آزادی کے جذبات کی قوت کو سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

انھوں نے اپنے اختیارات کے بل بوتے پر آزادی کی لہر کو روکنے کے ہزار بندوبست کئے تھے۔ جور و ظلم کے علاوہ طفلانہ شرارتیں بھی کرتے تھے۔

اسکندر مرزا نے بحیثیت ڈپٹی کمشنر حریت کے پروانوں کے جلوس کو ناکام بنانے کے لیے جمال گھوٹا کا انتظام کیا تھا اور ان کی خرابی صحت کے باعث سمجھتا تھا کہ اس نے آزادی کی راہ روک لی اور اس شرارت پر ساری عمر فخر کرتا رہا۔ کتنے چھوٹے لوگ تھے اور کتنی چھوٹی سوچوں کے مالک تھے۔ انتظامی ماہرین اس سے زیادہ سوچ بھی کیا سکتے ہیں۔ یہی اسکندر مرزا اس وقت پاکستان کا گورنر جنرل بن کر اس کی قسمت سے کھیل رہا تھا۔ پاکستان سے زیادہ امریکہ کے مفادات کا محافظ بنا بیٹھا تھا۔ آقاؤں کا پرانا منجھا ہوا غلام تھا اور جمال گھوٹا سے آزاد منشوں کی راہ روکنے کا ماہر قرار پاتا تھا۔ اس سے کسی بڑی اور عالی ظرف سوچ کی توقع رکھنا اور خاص طور پر جس میں عوام کے جذبات کا عکس ہو عبث تھا۔ وہ شرارتوں، چالبازیوں اور فریب کاری کی گھٹیا سوچ کی سطح سے بلند ہو ہی نہ سکا۔ لہٰذا بنگالی عوام کے مطالبات کی تشفی کرنے کے لئے ایک اس طرح کے حربہ کا سوچا کہ کیوں نہ مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو یکجا کر کے ایک صوبہ بنا دیا جائے اور پھر پاکستان کے دو صوبوں کی فیڈریشن کے درمیان نمائندگی اور نیابت کو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے حالانکہ مشرقی پاکستان کی آبادی مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ملا کر بھی زیادہ تھی۔ یہ اختراع انتظامی سوچوں ہی کا نتیجہ تھا کہ اس طرح دستور سازی کے لئے ایک صاف ستھرا بندوبست Arrangement ہو جائے گا۔ اس طرح کی سوچیں فائلوں اور کاغذوں پر نہایت خوبصورت اور مربوط دکھائی دیتی ہیں لیکن زمینی حقائق اور ان کی نزاکتوں کی قطعا

Marfat.com

غمازی نہیں کرتیں۔ ون یونٹ کا تصور اس نوع کا ایک فائل ورک تھا اور ظاہرا بھلا نظر آتا تھا۔ یہ تمام تر کاوش حقائق سے آنکھ چرانے کی کوشش تھی اور اک بے صبری اور جہالت کی علامت تھی۔ جھوٹ کی بنیاد پر رکھی ہوئی اساس کبھی مضبوط عمارت نہیں بن سکتی۔ جمہوریت میں آبادی، افراد اور مختلف گروہ بنیادی حقیقتیں ہوتی ہیں اور ان سے صرف نظر کرنا اپنے آپ کو دھوکہ میں رکھنا ہے۔ بے انصافی ہوگی تو آواز اٹھنے سے نہیں رکے گی اور اگر آواز اٹھے گی تو مسائل بڑھیں گے اور فتنہ، فساد ضرور سر اٹھائے گا۔ اگر لوگ اور راہنما بوجوہ صبر بھی کر جائیں تو دشمن ضرور فائدہ اٹھائے گا۔ لہٰذا اس طرح کی غلط اور غیر حقیقی سوچیں کبھی بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتیں بلکہ بہت ہی زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں۔

بنگال کی تو اپنی بات تھی مغربی پاکستان کے صوبوں کی اپنی بہت پرانی تاریخی اور ثقافتی شناخت تھی اور لوگ اس شناخت سے جذباتی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے اپنے رسم و رواج تھے، لباس تھے وضع قطع تھی۔ لوگ ان پر فخر کرتے تھے اور ان میں سکون محسوس کرتے تھے اور اپنے اپنے مسائل کا قریب ہی حل بھی تلاش کر لیتے تھے۔ مگر عوامی سوچ سے بے بہرہ انتظامی سوچوں کے مالک ذہنوں کو ایسی خرافات سے کیا تعلق؟ ان کے لئے عوام اور ان کی سوچیں چہ معنی؟ یہ کام تو شوریدہ سر سیاستدانوں کا ہے کہ خواہ مخواہ ایسی فضول باتوں کو اہمیت دیتے ہیں۔ عوام تو بیوروکریٹس کی نگاہ میں احمق ہوتے ہیں۔ وہ اپنا نفع نقصان سوچ ہی نہیں سکتے۔ یہ کام تو ان مالکان عقل ہی کا ہے کہ وہ ان کے فائدے میں کڑوی گولی ان کے حلق سے نیچے زبردستی اتارتے رہیں۔ ان کی نگاہ میں سیاستدان بھی احمق ٹھہرے کہ وہ کیسے ان نادان عوام کی بات پر دھیان دیتے ہیں اور خواہ مخواہ فسادی بات کر رہے ہیں۔ لہٰذا اسکندر مرزا اور اس کے ساتھیوں نے سیاستدانوں کی تمام تجاویز پر سہاگہ پھیر دیا اور زور جبر سے کام لے کر مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کو ایک وحدت کی شکل دے دی۔

بنگال نے نہایت ایثار سے کام لیا اور اپنی نمائندگی کمتر ہونے کے باوجود تھوڑے بہت احتجاج کے بعد اسے قبول کر لیا۔ پنجاب نے بھی یہی کچھ کیا۔ دوسرے چھوٹے صوبوں نے بہت احتجاج کیا مگر انھیں زبردستی خاموش کر دیا گیا اور عوام کی خواہشات کے برعکس ون یونٹ کی حماقت لا کھڑی کی اور دونوں بازوؤں کی برابر نیابت اور نمائندگی کے فارمولا پر پاکستان کا دستور ترتیب دیا گیا۔ اصل میں دستور تو بہت دیر پہلے سے تیار تھا صوبائی معاملات اور گورنر جنرل کے اختیارات کی موشگافیاں تھی جو کام کو روکے رکھے ہوئے تھیں۔ اب کہ ون یونٹ بنا کر تمام معاملات کو بیوروکریٹس کی نگاہ اور

Marfat.com

انداز کے مطابق بلڈوز کر دیا گیا اور گورنر جنرل (صدر) کے لئے بادشاہت کل کے اختیار وضع کر دیئے کہ ان کی طبیعت پر کوئی بار نہ آنے پائے۔ اسلامی امور میں علماء کے متفقہ نکات کو بھی جگہ مل گئی اور اس طرح پاکستان کی جمہوریہ کا دستور تیار ہو گیا۔ اگرچہ یہ دستور بہت سے compromises کا مجموعہ تھا اور اس کے لئے کچھ زور زبردستی سے بھی کام لیا گیا تھا لیکن ملک کے اکثر سیاستدانوں نے اسے ایک اچھا نقطہ آغاز قرار دیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں حصوں میں اسے قبولیت مل گئی۔ مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کو بہت اعتراضات تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اسے قبول کر لیا۔ علماء کرام نے اسے عین اسلامی قرار دے دیا اور اس دستور کے مطابق پاکستان کا نام بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا کہ یہی نشان عزم عالیشان تھا۔ قوت اخوت عوام کی گنجائش موجود تھی کہ اس جمہوری نظام کے لئے پاک سرزمین اتنی جدوجہد اور قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی تھی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء سے یہ دستور نافذالعمل ہونا قرار پایا کہ اس وقت سے ۱۶ سال قبل اس دن منزل مراد کا تعین ہوا تھا اور لاہور کے مقام پر قرار داد پاکستان اسلامیان ہند کے نمائندہ اجلاس میں منظور کی تھی اور سمت کا واضح تعین کر دیا تھا۔ آزادی کی جنگ لڑنے والے محب وطن سیاستدانوں نے سوچا کہ اس دستور کو نقطہ آغاز سمجھ کر قدم آگے بڑھانے چاہئیں اور اگر کچھ معاملات درستگی کے طلبگار ہیں تو بھی بعد میں دیکھا جائے گا۔ دنیا کے تمام دستور حالات اور واقعات کے مطابق ترمیم کر لئے جاتے ہیں۔ پاکستان کا دستور بھی اپنی بہتری کی منزلیں طے کرتا رہے گا۔ اور بہت سے معاملات آئندہ عام انتخابات کے بعد طے کر لئے جائیں گے۔

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ اپنی قسمت بیوروکریٹس اور جرنیلوں کے ہاتھوں میں دے چکے ہیں جن کے اپنے مقاصد ہیں بلکہ جو امریکی مقاصد کی آبیاری کے لئے کھلونے بنے ہوئے ہیں۔ اختیارات کی مرکزیت تو ان ہی کے نمائندے صدر مملکت جناب میجر جنرل اسکندر مرزا کے ہاتھ میں ہے وہ تو پتلیوں کا کھیل کھیلیں گے۔ وہ اپنی ذات میں ایک نرالی شخصیت تھا۔ جرنیل بھی تھا اور پختہ کار سول سرونٹ بھی۔ ان سے بہتر شاہ گری کا گر کون جان سکتا تھا۔ وہ تو مغلیہ دور کے آخری ایام کے سید برادران کی شاہ گری کے ہنر سے دو قدم زیادہ ہی آگے تھا۔ نہایت چالاکی سے تمام اختیارات پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ سب سے پہلے تو اپنے ہی ہمرکاب مگر نہایت ہی محب وطن اور دیانتدار بیوروکریٹ چوہدری محمد علی کو چلتا کیا۔ مغربی پاکستان کی حکومت اپنے پرانے کانگریسی دوست ڈاکٹر خان صاحب کے حوالے کر دی۔ جناب قزلباش ایسے پرانے یونینسٹ کو سامنے لایا گیا۔ اسی طرح تمام ان لوگوں کو یکے بعد دیگرے اقتدار کے سنگھاسن پر لا بٹھایا گیا جنہوں نے تصور پاکستان سے لے کر

Marfat.com

تخلیق پاکستان تک کی مخالفت کی تھی۔ جرنیلوں اور بیوروکریٹس کا تو خیر پاکستان بنانے میں حصہ موجود ہی نہ تھا اور نہ ان کا اس کے تصور سے کوئی جذباتی لگاؤ تھا۔ لیکن جب انہوں نے کامیابی سے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو سیاسی میدان سے بھی ان لوگوں کو آگے لانے لگے جن کے ساتھ وہ بہتر انداز میں smoothly کام کر سکتے تھے۔ مسلم لیگی آزادی کے متوالوں سے تو ان کی پرانی رقابت تھی۔ انہوں نے تو ان ہی کے آقاؤں اور روحانی پیشواؤں کو شکست دے کر آزادی حاصل کی تھی۔ ان کے ساتھ ان کا ایک خاص کھچاؤ اور ٹینشن کا رشتہ تھا۔ ان کے اور ان کے جذبات میں بہت فرق تھا۔ اس لئے ان بیوروکریٹس نے آہستہ آہستہ اپنے پٹھوؤں اور کاسہ لیسوں کو بڑھوتی دینا شروع کر دی جن کا پاکستان سے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا حالانکہ عالی ظرف مسلم لیگی سیاستدانوں نے ان سرکاری ملازموں کو یہ سمجھ کر کہ یہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے نوزائیدہ ملک کی خدمت کریں گے ان کی شروع ہی سے بہت پذیرائی کی تھی۔ لیکن ان کی ذہنیت تو غلامی اور تحکمانہ انداز میں پختہ کار ہو چکی تھی اور وہ اپنی گندی ذہنیت کو بدلنے پر قادر نہیں تھے۔ یہی مسلم لیگ کی قیادت کی بنیادی اور فاش غلطی تھی۔

اسکندر مرزا اور ایوب خان کے نام اگر ماونٹ بیٹن اور جنرل ڈائر ہوتے تو لوگوں کو ان کی ذہنیت اور کرتوتوں کو سمجھنے میں زیادہ دیر نہ لگتی لیکن وہ ان کے ناموں سے دھوکہ کھا گئے اور ان پر اعتماد کر بیٹھے۔ کاش ان کے نام ہی مختلف ہوتے تو خرابی کی یہ صورت کبھی نہ ہوتی۔ بہر صورت سیاستدان سوچ رہے تھے کہ دستور کے مطابق نئے انتخاب ہوں گے تو بہت سے معاملات کی درستگی ہو جائے گی کیونکہ جب صورت حال بہت پیچیدہ ہو جائے تو عوام ہمیشہ بہترین فیصلہ کرتے ہیں اور لاینحل سے لاینحل مسائل کا نہایت ہی آسان حل پیش کر دیتے ہیں جن کی بڑے سے بڑے فلسفی اور حکیم کو بھی سمجھ نہیں آتی۔ سیاستدانوں کو تو جنرل الیکشن کا انتظار تھا مگر سکندر مرزا تھے کہ ایک کے بعد دوسری حکومت کو اس طرح بدل رہے تھے جس طرح لوگ سوٹ بھی کم ہی بدلتے ہیں۔ وہ یہ سارا تماشا جان بوجھ کر کر رہے تھے تاکہ لوگ جمہوری نظام' دستور اور انتخابات ہی سے بد دل ہو کر نظام کے خلاف ہو کر اور مایوس ہو جائیں کیونکہ ان کی اپنی بادشاہت قائم کرنے کے مذموم ارادے تھے اور اس کے لئے راستہ صاف کر رہے تھے۔ درمیان میں حسین شہید سہروردی ایسے عالی مرتبت اور قد آور سیاستدان کو انہیں وزیر اعظم بنانا پڑا اور یہ وہ تھوڑا سا وقت تھا جب لوگوں کے اندر جوش اور ولولہ دیکھا گیا ورنہ اس وقت تک ایک خاص قسم کی مردنی چھا چکی تھی اور لوگ مایوسی کا شکار ہو چکے تھے۔ سہروردی صاحب نے ایک دفعہ پھر قوم کو زندہ کیا۔ متحرک کیا اور خاص طور پر چین کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی

Marfat.com

داغ بیل ڈالی جو بعد میں ہمارے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئی مگر امریکہ کی نگاہ میں چین اس وقت روس سے بھی زیادہ خطرناک ملک جانا جاتا تھا۔ امریکہ سہروردی کے خلاف ہو گیا اور چاہتا تھا کہ ایسے وزیراعظم سے فورا چھٹکارا حاصل ہو سکے۔ نہر سویز پر حملہ نے یہ موقع سنہری طشتری پر رکھ کر پیش کیا۔

جب فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اسرائیل سے مل کر سویز کی نیشنلائزیشن کے موقع پر مصر پر حملہ کر دیا تو سہروردی نے ایک غیر محتاط بیان دے دیا۔ پس اندھا کیا مانگے دو آنکھیں۔ اسکندر مرزا نے اس بیان کو اپنے حواریوں کے ذریعہ سہروردی کے خلاف خوب استعمال کیا اور انہیں چلتا کیا۔ اس دوران سہروردی واحد ہردلعزیز سیاستدان تھے جن کو حکومت میں آنے کا موقع مل گیا تھا اور اسکندر مرزا اپنے اس فیصلہ پر پشیمان اور پریشان بھی بہت تھا ورنہ وہ اگلے دو سالوں میں صرف ان ہی کٹھ پتلیوں کو آگے لاتا جن کی ڈوری وہ پیچھے سے کھینچ سکتا تھا۔ اگر سہروردی تھوڑی دیر اور وزیر اعظم رہ جاتے تو ملک میں عام انتخاب ہونے والے تھے۔ سب تیاریاں مکمل تھیں اسکندر مرزا کے لئے انہیں ہٹانا بھی اتنا آسان نہ تھا لیکن پھر اسے موقع مل گیا اور عوامی جذبات اور آئندہ کے انتخابات سب کچھ ہی کو مسل ڈالا اور تاریخ کا پہیہ الٹا چل گیا۔

پوری قوم انتخابات کی تیاری میں مصروف تھی' دستور تشکیل پا چکا تھا اور تمام سیاستدان اور سیاسی جماعتیں اپنا اپنا پروگرام اور منشور لے کر عوام کے پاس جا رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ وہ کس طرح پاکستان کی خوشحالی' تعمیر نو' ملت سازی' ترقی' حفاظت اور استحکام کا اہتمام کریں گے۔ لوگوں میں ایک جوش اور ولولہ دوبارہ اٹھ رہا تھا اور امید بندھ رہی تھی ایک دفعہ پھر رکا ہوا کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جائے گا۔ جمود ٹوٹ جائے گا۔ نوکر شاہی کے بدبودار کارندوں سے چھٹکارا مل جائے گا اور اپنے اسلامی' اخلاقی اور روحانی انقلاب کو گمشدہ راہ دوبارہ مل جائے گی۔ قنوطیت اور یاس کی جگہ رجائیت لے رہی تھی۔ جلوس اور جلسے ہو رہے تھے۔ سب شہری اپنی اپنی روح و قلب کا بھرپور اظہار کر رہے تھے۔ وہ پانی جو کھڑا ہو گیا تھا تلاطم آشنا ہو رہا تھا اور اپنے جمود کی سڑاند سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا۔ نئی نئی خوشیوں کی مہک اٹھ رہی تھی کہ روح مسلم ایک دفعہ پھر بیدار ہونے کو تھی۔

یہ سب کچھ دیکھ کر اسکندر مرزا اور ایوب خان پریشان ہو گئے کیونکہ اگر عوام بیدار ہوں اور اپنے صحیح نمائندے چن لیں تو ان کا گندہ کھیل ختم ہو جاتا تھا۔ ان کے ذاتی مقاصد بھی ناکام اور ان

Marfat.com

کے آقاؤں کے کام بھی اکارت جاتے۔ اس لئے ان کی نگاہ میں اس وقت سب سے خطرناک کام اور نام عوام اور عام انتخابات کا تھا اور کسی نہ کسی طرح ان کا راستہ روکنا بہت ضروری تھا وگرنہ وہ تباہ ہو جائیں گے اور ان کے تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ اپنی تباہی کو ملک کی بدبختی سے منسلک کرنا اقتدار کی اندھی خواہش رکھنے والے انسانوں کی سب سے بڑی نفسیاتی کمزوری ہوتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ملک و ملت کو اپنی ذاتی بہتری اور اقتدار سے ہم آہنگ کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کی بہتری ہی میں ملک کی بہتری ہے۔ وہ اپنی ذاتی انا کے حصار سے باہر نہیں نکل سکتے، چھوٹی سوچ کے محدود نگاہ پستہ قد لوگ ہوتے ہیں انہیں کیا معلوم کہ قیادت کی کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں اور اس کے لئے کس نگاہ بلند کی ضرورت ہوتی ہے۔ قیادت تو ایثار مانگتی ہے اور وہی سوچ سچی ہوتی ہے جس سے قیادت کو نہیں اس کی قوم کو فائدہ ہو۔ قائداعظم کو جب گاندھی پیش کش کرتا ہے کہ وہ پورے ہندوستان کے وزیراعظم بن جائیں تو وہ بھی سوچ سکتے تھے کہ اس طرح وہ وزیراعظم بن کر مسلمانوں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں لیکن ان کی شاہین صفت نگاہ بہت بلند تھی۔ اس میں ایثار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ مسلمانوں کا اصل فائدہ کس چیز میں ہے۔ پاکستان بنانے میں نہ کہ قائداعظم کے وزیراعظم بن جانے میں۔ اس کے مقابلہ میں اسکندر مرزا اور ایوب خان کی سوچ بالکل الٹ ہے وہ اپنے اقتدار میں پاکستان کی بھلائی سمجھنے کی کوشش اور حماقت کرتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات پیاری ہے۔ پاکستان اور پاکستانی عوام ان کے لئے کھیل کا میدان ہیں۔ عوام کے جذبات ایک بھدی بے ہودگی ہے اور انتخابات عیاشی۔ نادان کو کیا معلوم کہ یہی جذبات پاکستان بنانے کا موجب بنتے ہیں اور انتخابات کی شکل میں تخلیق پاکستان کا معجزہ ہوتا ہے۔ عوام کی قوت اور اخوت ہی تو پاکستان کا دوسرا نام ہے ایوب و سکندر نہیں۔

لوگ نہایت امید اور خوش رنگ آرزوؤں کے ساتھ انتخابات کی راہ تک رہے ہیں کہ اس سے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات نے پاکستان بنایا ۱۹۵۸/۵۹ء کے انتخابات نے پاکستان سنوار دینا تھا۔ لوگوں کے دل کی آواز تھی۔ یہی دعا تھی۔ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ یہی آواز خلق تھی۔ مگر فلک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اک قیامت تھی کہ آنے والی تھی کہ ایوب خان بنفس نفیس واشنگٹن جاتے ہیں اپنے دوست سی آئی اے کے سربراہ ڈلس کو قائل کرتے ہیں کہ اگر پاکستان میں عام انتخابات ہو گئے تو ایک نئی قسم کی قیادت ابھر کر سامنے آئے گی اور پھر خدا معلوم کہ اس نے جو پروگرام ۱۹۵۲ء سے نہایت کامیابی کے ساتھ امریکی مفاد میں پاکستان کے اندر چلا رکھا ہے وہ

Marfat.com

اسی طرح جاری رہ سکے گا یا نہیں۔ اس کے خیال میں ایسا قطعاً ممکن ہی نہیں ہے۔ نئی قیادت تو لازماً پاکستانی مفادات کی ترجمان ہوگی۔ وہ تو عوام کی امنگوں کی ترجمان ہوگی اور پھر ان کے بیہودہ جذبات کو بھی مکمل کرے گی۔ پاکستان کے عوام جذباتی ہیں۔ اسلام اور ایمان کی بات کرتے ہیں ان میں ہمارے پروگرام کو دیکھنے کی پختگی ہی نہ ہے۔ بس نعرہ بازی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہی کام ان کے نمائندے کرتے ہیں۔ وہ میرا اور آپ کا پروگرام نہیں چلنے دیں گے۔ آپ کے اڈے کیسے قائم رہ سکیں گے۔ سی آئی اے والے ڈلس کا دوسرا بھائی اس وقت امریکہ کا وزیر خارجہ تھا۔ اس نے ایوب خاں کی ملاقات اپنے بھائی سے کرائی تاکہ جنرل ایوب خاں اس کو قائل کر سکے کہ پاکستان میں انتخابات کا ہونا زہر قاتل ہوگا۔ ایوب خان نے جمہوریت کے چیمپئن امریکہ کے کرتا دھرتوں کو قائل کر لیا کہ پاکستان کے اندر عام انتخابات کا منعقد ہونا ان کے لئے موت کا پیغام ہے اور ادھر پاکستان کے اندر زبردست پروپیگنڈا کروایا کہ عام انتخابات ہو گئے تو پاکستان غیر مستحکم ہو جائے گا اور تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ پاکستان تو شاید مضبوط ہو جاتا' اپنے پاوں پر کھڑا ہو جاتا مگر ایوب خان اور اسکندر مرزا کے اقتدار کا سنگھاسن ضرور ہل کر رہ جاتا اور ان کے پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے جن کا دارومدار امریکی امداد اور محتاجی پر تھا نہ کہ عوامی جذبات اور ولولوں کی قوت پر۔

ایوب خان نے امریکی اثر و رسوخ سے مختلف حیلوں بہانوں سے پاکستان کے اندر دستور کے مطابق انتخابات کے انعقاد کو بار بار ملتوی کروایا کیونکہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا اس کے لئے کچھ اور تیاری اور منصوبہ بندی کے لئے مزید وقت کی ضرورت تھی۔ امریکہ کا بااختیار اور طاقتور صدر ایک جرنیل تھا اگر پاکستان میں بھی ایک بااختیار صدر آ جائے تو کیا حرج ہے۔ دونوں کی خوب بنے گی اور دوستی بڑھ جائے گی۔ ایک دوسرے کی آواز و انداز بہتر طور پر سمجھے جائیں گے۔ اس طرح پاکستان کو بہت فائدہ ہو جائے گا۔ یہ خواب جنرل اسکندر مرزا کا بھی تھا اور جنرل ایوب خان کا بھی۔ کہ دونوں جرنیل تھے مگر اقتدار پر بلا شرکت غیرے کیسے قبضہ کریں؟ آئزن ہاور کم بخت تو الیکشن کے ذریعہ آ گیا ہمارے لئے یہ کام بہت مشکل ہے۔ یہ دستور بھی جھنجھٹ ہے۔ خواہ مخواہ ہی پارلیمنٹری طرز حکومت کا بکھیڑا کھڑا کر دیا ہے۔ یہ سوچتے کہ ہمارے سیاستدانوں کی غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ اتنی دیر انگریز کے غلام رہ کر اسی کے طرز حکومت کے رسیا ہو گئے۔ یہ ایک آزاد منش قوم کے شایان شان نہیں۔ پاکستان کے لئے بہترین طرز حکومت تو ہمارے نئے آقاؤں کا ہی ہے کہ جہاں پر صدر کو لامحدود اختیار ہوتے ہیں اور وہ پوری دنیا کا حکمران بنا بیٹھا ہے۔ آج کل تو ہمارا بھائی بند جنرل آئزن

Marfat.com

ہاور خوب مزے اڑا رہا ہے۔ ہم سے بہتر اس کے ساتھ تعلقات استوار کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر یہ الیکشن کا جھنجھٹ بہت خطرناک ہے اس سے کسی نہ کسی طرح جان چھڑانی چاہیے اور اپنی پوزیشن مستحکم کر کے پاکستان کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی وسائل حاصل کر کے اسے مستحکم اور خوشحال بنانا چاہیے۔ یہ الیکشنوں پر پیسے بھی خواہ مخواہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس عیاشی کے متحمل ہم نہیں ہو سکتے۔ ہاں امریکہ وغیرہ امیر ملک ہیں وہ ایسا کرتے رہیں ہمیں کیا؟ اس لئے الیکشن کی بدعت سے ضرور جان چھڑانی چاہیے۔ دونوں جرنیلوں نے اپنے اپنے مقاصد اور مفادات کے زیر اثر اس طرح کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے تاکہ ان کے ذاتی اقتدار کی سلطنت قائم ہو سکے۔ اس میں ان کو پاکستان کا مفاد نظر آتا تھا کہ ان ایسے قابل فاضل مجاہدوں کی موجودگی میں یہ کم عقل شوریدہ سر سیاستدان کیسے پاکستان کو سنبھال سکتے ہیں اور اس طرح دل ہی دل میں پاکستان کے خود ساختہ ہیرو بن گئے اور پاکستان کو انتخابات کی بلا سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی "نیک کاوش" میں دن رات مصروف ہو گئے۔ امریکہ کو تو پہلے ہی سے اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا یا کہئے کہ امریکہ نے ان کو اپنے ساتھ ملایا ہوا تھا۔ اس نکتہ پر بھی انہیں قائل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ تھوڑی سی کوشش سے پراپیگنڈہ کے ذریعہ سیاستدانوں کو داغدار کرنے کی ضرورت ہے۔ بس پھر میدان صاف ہے اور پھر یہ نہایت یکسوئی کے ساتھ اس کام پر لگ گئے۔ اور ملک کے تمام تر وسائل سیاستدانوں کی کردار کشی پر لگا دیئے۔ سارا وقت اور انرجی اسی کام پر خرچ ہونے لگی۔

کیا ہندوستان کی طرف سے اس وقت کوئی خطرہ نہیں تھا کہ سب کچھ بھول کر ہمارے جرنیل اس شیطانی کھیل میں مصروف ہو گئے۔ نہیں خطرہ تو تھا مگر اتنا نہیں جتنا کہ سیاستدانوں سے تھا۔ کس کو، پاکستان کو یا حکومت کو اگر حکومت کو؟ خطرہ ہو تو سمجھئے پاکستان ہی کو خطرہ ہے۔ یہ ان کی سوچ تھی اور یہی ان کا عمل۔ ان کا اصل دشمن سیاست دان اور آنے والا انتخاب تھا۔ اس کے ساتھ کیسے نپٹا جائے۔ یہی سب سے بڑا اور آخری سوال تھا کہ یہ مصیبت کہاں سے سر پر آن کھڑی ہوئی یہ تو مسئلہ تھا

To be or not to be.

Marfat.com

عشق تھا فتنہ گر و سرکش چالاک
آسماں چیر گیا نالہ بے باک میرا

امریکہ بہادر کو تو اچھی طرح سمجھا لیا تھا کہ پاکستان میں الیکشن کروانا بہت ہی نقصان دہ ہو گا مگر پاکستان کے عوام اور سیاستدان تھے کہ انہیں الیکشن کا خمار چڑھا ہوا تھا اور سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ کا علاج ہی نئے انتخابات میں ہے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات نے انہیں آزادی کیا دے دی کہ سمجھتے ہیں کہ شاید وہی اس ملک کے مالک ہیں وہ جو چاہیں کر لیں۔ حکومتیں بدل دیں، ہمیں گھر بھیج دیں اور ہمارا پچھلے ۵ سال کا سارا کھیل ہی خراب کر دیں۔ یہ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں؟ اسلام، اخلاق اور انقلاب کی باتیں کرتے ہیں یہ کیا بلا ہے؟ یہ جذبات، ولولے اور حرارت ایمان کیسی بے معنی باتیں ہیں؟ عدل، انصاف اور اخلاق یہ کیا چیزیں ہیں؟ ان کی کیا حیثیت اور ضرورت ہے؟ حقیقت اگر ہے تو صرف طاقت اور ڈنڈے کی ہے جو ہر چیز کو منوا لیتا ہے اور ہر کام نکال لیتا ہے۔ ڈنڈا تو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ سودائی تو صرف نعرہ بازی کر سکتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ پاکستان کیا بنا لیا ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ بس مینڈکی کو زکام ہو گیا ہے اور آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے۔ اصل طاقت تو امریکہ کی ہے۔ وہی اناج دے رہا ہے۔ توپ، طیارے اور گولہ بارود دے رہا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارا ایک بھائی بند وہاں الیکشن کے ذریعہ قبضہ جمائے بیٹھا ہے۔ الیکشن ہمارے بس کی بات نہیں۔ چلئے کچھ اور ہی چال چلتے ہیں۔ اپنا بھی کام بن جائے گا اور ان سودائیوں سے پاکستان بھی بچ جائے گا جو اسلامی جذبوں اور اسی طرح کی پتہ نہیں کیا کیا لایعنی باتیں کرتے ہیں۔ انہیں پاکستان

Marfat.com

کے مفادات کا پتہ ہی نہیں۔ بنالیا تو کیا ہوا۔ ہم تو ذرا انگریز کی خدمت میں مصروف تھے وگرنہ کچھ نہ کچھ تو ضرور کر لیتے۔ ہم ہی تو ہیں جو اس زمین کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ ان پاگلوں کو کیا معلوم کہ زمین کی قدر و قیمت کیا ہوتی ہے؟ انہیں آخر اس میں سے ملا ہی کیا ہے۔ یہ ننگے بھوکے بھی اس کے گیت گاتے ہیں پاگل ہیں اس زمین کی حفاظت تو ہمارا حصہ ہے۔ ہم اس پر موج میلہ بھی کرتے ہیں' عیش بھی کرتے ہیں اور پردوں کے پیچھے سے اس کے اقتدار کے مزے بھی لوٹتے ہیں۔ پردوں کے بہت سہارے لے لئے۔ اب ضرورت ہے کہ سامنے آیا جائے۔ منافقت آخر اتنی اچھی بات بھی نہیں ہے اور وہ سامنے آگئے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات کو دونوں جرنیلوں نے اپنا کام دکھادیا۔ اپنے خواب کو پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ دستور ختم کر دیا تمام اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ صدر مملکت جناب جنرل اسکندر مرزا جس نے اسی دستور کی حفاظت کی قسم اٹھارکھی تھی نے اسے توڑ دیا۔ خود بادشاہ بن گیا اور جنرل ایوب خاں کے ذریعہ ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ تمام سیاسی عمل خلاف قانون قرار دے دیا۔ سیاسی جماعتوں بشمول مسلم لیگ پر پابندی عائد کر دی گئی اور اعلان کر دیا کہ پاگلوں سے ہم نے پاکستان بچالیا اور اب اس کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کام کریں گے۔ لوگ حیران تھے پریشان تھے کہ آخر ہو کیا گیا؟ کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا تھا یا ملک کے لیے کوئی ایسی ایمرجنسی نہیں تھی کہ اس قسم کے اقدام کی ضرورت ہوتی۔ ان دونوں جرنیلوں ہی کی کٹھ پتلیاں تھیں جو اقتدار کے سٹیج پر ناچ رہی تھیں۔ بے چارے اصلی سیاستدان اور آزادی کے متوالے تو پچھلے ۵ سالوں سے ایک طرف دھکیل دیئے گئے ہوئے تھے اور اب الیکشن کی تیاری کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ نئے مینڈیٹ اور عزم کے ساتھ اس اسلامی اور روحانی انقلاب کی طرف لوٹا جائے جسکو ان جرنیلوں اور بیوروکریٹس نے امریکہ کی خوشنودی کے لئے راستہ سے ہٹادیا تھا۔ لیکن ان جرنیلوں نے سمجھا کہ نمبر۲ کا ڈرامہ بہت زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ ہمارے آقاوں کو بھی تکلیف ہوگی۔ بہتر ہے خود ہی سب کچھ سنبھال لیا جائے اور ملک کو اس طرح کے اسلامی انقلابات وغیرہ کی فضولیات اور حماقتوں سے بچالیا جائے۔

بے چارہ لفظ مارشل لاء بھی شرما گیا ہو گا کہ اس کے نام پر اتنا بڑا ظلم اور جرم کیا جارہا ہے۔ یہ تو انگریزی قانون کا ایک معروف نظریہ ہے جو صرف عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے اور وہ بھی سخت ناگہانی کسی آفت زدہ صورت حال میں زیر کار لایا جاتا ہے۔ بنیادی حقوق معطل کر دیئے جاتے ہیں اور ایمرجنسی پر قابو پانے کے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پارلیمنٹ ان تمام فوجی اقدامات

Marfat.com

کا جو کسی مارشل لاء کے حکم پر اٹھائے جاتے ہیں کا پوری طرح جائزہ لیتی ہے اور اگر کوئی انفرادی شعوری یا مفاداتی زیادتی سرزد نہ ہوئی ہو تو پھر باقاعدہ پارلیمنٹ ایک قانون پاس کر کے ان اقدامات کو صاف کر کے (indemnity) قانونی قرار دیتی ہے۔ وہاں پر مارشل اور اس کے ماتحتوں کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے اور احساس ہوتا ہے کہ آخر کار انہوں نے اپنے کیئے کرے کا پورا پورا حساب دینا ہوتا ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی اور ہوا تھا۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان نے مل کر پارلیمنٹ ہی کو رخصت کر دیا۔ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اب کون ان سے حساب لے گا۔ وہ تو راج کرنے کے ارادے سے آئے تھے۔ مارشل لاء تو صرف ایک طریقہ تھا اور بہانہ تھا تا کہ پاکستان کی نہایت ہی بہادر اور محب وطن افواج کو اپنے ناپاک اور مذموم ارادوں کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ ہزاروں لاکھوں مایہ ناز فوجی افسر اور سپاہی جنہوں نے پاکستان کے دفاع کی قسم کھا رکھی تھی اور اپنی جانیں نثار کرنے کا تہیہ کر رکھا تھا ان کی ملک و ملت سے بے پایاں محبت اور وفاداری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی طاقت کو نہایت دھوکہ اور دغا کے ساتھ ملک اور اس کے شہریوں ہی کے خلاف استعمال کیا ملک کے دستور کو روند ڈالا' قانون کی بے حرمتی کر ڈالی اور قانون شکنی کی بد ترین حرکت سرزد کی۔ جبر و جور کے بل بوتے پر ملک کے اندر سب سے بڑا اور بھیانک ترین جرم کیا۔ یہ وہ مارشل لاء نہیں تھا جو قانون کے اندر کبھی کبھی جائز ہوتا ہے یہ ناجائز مارشل لاء تھا۔ یہ معصوم فوجیوں کا ناجائز استعمال تھا۔ مگر کون کس عدالت میں جائے؟ سب کچھ ہی تو پلٹ کر رکھ دیا تھا؟ نہ دلیل نہ وکیل۔ جنرل اسکندر مرزا اور ایوب خان نے سب سے زیادہ ظلم اور زیادتی پاکستان کے علاوہ خود اپنے پیشہ اور ادارہ سے کی اور ان کی حرمت کو اپنے ذاتی مفادات کی خاطر پامال کر ڈالا۔ فوج کو ناجائز اور خلاف قانون استعمال کیا اور ان کی پیشہ وارانہ حرمت' تقدس' نظم اور تابع داری کو داغدار کر کے رکھ دیا۔ خدا نخواستہ اگر اس وقت وہ اپنے کمانڈر کے سراسر ناجائز حکم کو ماننے سے انکار کر دیتے جو حرکت بالکل قانون کے عین مطابق ہوتی تو پاکستان اور افواج پاکستان کا کیا بنتا؟ افریقہ کے بہت سے ملکوں میں جو کچھ ہوتا آیا ہے اور آج کل ہو رہا ہے وہی کچھ یہاں پر بھی ہو گزرتا۔ خانہ جنگی ہو جاتی لاکھوں انسان مارے جاتے اور پاکستان جغرافیائی طور پر بھی تحلیل ہو جاتا؟ کیا ایوب خان اور اسکندر مرزا نے یہ سب کچھ سوچا تھا۔ ہاں سوچا ضرور تھا مگر پاکستان اور اس کے عوام کے نقطہ نگاہ سے نہیں بلکہ اپنی ذاتی سلامتی کی خاطر اور اس کے خاطر خواہ انتظامات ضرور کر لئے تھے۔ انہیں پاکستان سے زیادہ اپنی ذات پیاری تھی اور ان کی اس غیر قانونی حرکت کے محرکات میں اہم ترین پہلو بھی اپنی ذات تھی۔ لیکن ان کی اس مہم جوئی نے ایک دفعہ تو

Marfat.com

پاکستان کو خانہ جنگی کے دہانہ پر لاکھڑا کیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ان کا جواء کامیاب ہو گیا اور بڑے ہی فخر سے اعلان کر دیا کہ یہ خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر نہایت ہی پر امن انقلاب ہے۔ یعنی فوجی بغاوت اور ایک بھیانک جرم کا نام انقلاب رکھ دیا۔ واہ! واہ! کیا کمال تھا دھوکہ دہی اور فریب کاری کا۔ آخر کار ان کی تربیت ہی اس نہج پر تھی سٹریجی اور Tactics کے ماہرین سے بہتر یہ کام اور کون کر سکتا تھا کہ رات کو دن اور دن کو رات ثابت کر دکھائے۔ قوم نے ان کو اس فنکاری کے لئے اس لئے تیار کیا تھا کہ وہ اس کا استعمال دشمن کے خلاف کریں اور اپنے ملک اور شہریوں کا دفاع کریں مگر یہ مشق انہوں نے اپنے ہی شہریوں پر خوب کر دکھائی۔

ادھر عوام تھے کہ اپنے صدر اور کمانڈر انچیف سے اس طرح کے شب خون اور جرم کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کی محبتوں اور دعاؤں کا محور ہی ان کی افواج تھیں۔ وہ تو ان کے راستے میں قدم قدم فرش راہ تھے کہ وہ ان کی عزتوں کے محافظ ہیں' ان کے حقوق کے نگہبان ہیں۔ ان کی لاکھوں قربانیوں سے حاصل کردہ آزادی کے محافظ ہیں۔ انہیں ہندوستان اور ہندوؤں کے ارادوں کا پورا پورا ادراک تھا۔ وہ ان کے ناپاک ارادوں سے ہزاروں سال سے شناسا تھے۔ وہ اپنی فوج کو بے داغ اور مضبوط دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس کے لئے ہر کچھ قربان کرنے کو تیار تھے کہ وہ انہیں بھارت سے بچاتے رہیں گے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس فوج نے پاکستان بنانے میں کوئی خاص حصہ تو نہیں لیا تھا' وہ تو ان کی اپنی قربانیوں کا ثمر تھا' ان کے پاک جذبوں اور ولولوں کا نتیجہ تھا مگر پاکستان بن جانے کے بعد وہ توقع رکھتے تھے کہ افواج پاکستان ان کی آزادی کی ضرور حفاظت کریں گی۔ انہیں کیا معلوم کہ ان کا اپنا ہی کمانڈر انچیف نہ صرف ان کی آزادی چھین کر انہیں اپنا ذاتی غلام بنائے گا بلکہ خود امریکہ کے مفادات کا غلام بن کر پوری قوم کو بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دے گا۔ وہ اس بلائے ناگہانی پر حیران اور پریشان ہو گئے اور سخت کنفیوژن کا شکار ہو گئے۔ وہ اپنے ہی کمانڈر انچیف کے خلاف کیسے بر سرپیکار ہونے کا سوچ سکتے تھے؟ وہ ہندوستان کی شرارتوں سے بھی خوف زدہ تھے وہ اپنے آپ کو شیطان اور سمندر کے درمیان کھڑا پا رہے تھے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی بات تھی۔ وہ اندیشہ ہائے دور دراز کا شکار ہو گئے اور پھر ان جرنیلوں کے اصل ارادہ سے بھی پوری طرح آگاہ نہ تھے۔ وہ مداری نہایت چالاکی اور شاطرانہ طریقوں سے مستقبل کے لیے جنت نظیر نقشے دکھا رہے تھے اور حب الوطنی کا مجسم پیکر بن بیٹھے تھے۔ آزادی کے مجاہدوں کی کردار کشی نہایت ہی سائنسی طریقہ سے کر رہے تھے۔ خوفزدہ حیران پریشان اور کنفیوژڈ عوام اور ان کے نمائندے دیکھو اور انتظار کرو کی

Marfat.com

تصویر بن گئے۔ وہ کوئی بھی غیر ذمہ داری کا قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے کہ جس سے ملک و ملت کو نقصان پہنچ جانے کا ذرہ بھر بھی احتمال ہو۔ وہ تو بے لوث اور ایثار کیش لوگ تھے۔ انھوں نے تو پاکستان کو بنایا تھا۔ وہ اس کی قسمت سے کیسے کھیل سکتے تھے؟ وہ تو اس پر جانیں نچھاور کرنے والوں میں سے تھے۔ وہ تو جرنیل ہی تھے جو آزادی نا آشنا ہونے کی وجہ سے اتنی غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی کا کھیل کھیل سکتے تھے۔ حرمت وطن اور حرمت دین کے متوالے اتنے فتنہ پرست نہیں ہو سکتے تھے کہ ان انجانوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔ ان کی حب الوطنی انکا راستہ روکے کھڑی تھی۔

یہ اور بات ہے کہ کچھ سالوں بعد جب ایوب خان کے ظلم و ستم اور بد اعمالیوں کی انتہا ہو گئی تو لوگوں کے ذہن صاف ہو گئے اور انھوں نے اس کے خلاف جدوجہد شروع کر دی اور آخر کار ۱۳ سال بعد اس کا نتیجہ نہایت ہی درد ناک اور خوفناک المیہ کی صورت میں بر آمد ہوا اور ملک دو لخت ہو گیا۔ ہاں جہاں تک قائدین کا تعلق ہے وہ سب کے سب پہلے دن ہی سے مارشل لاء کے خلاف تھے۔ انہیں اس قبیح قدم کی خرابیوں کا پورا پورا شعور تھا۔ انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس لیے تو ان کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ نااہل قرار دے دیا۔ ٹریبونل بٹھا دیئے۔ جیلوں میں بند کر دیا۔ خواجہ ناظم الدین' میاں ممتاز دولتانہ' حسین شہید سہروردی' مولانا مودودی' خواجہ صفدر' نوابزادہ نصراللہ خان سبھی نے شروع ہی سے مارشل لاء کو کبھی بھی تسلیم نہ کیا۔ ہاں اگر تمام ہی لوگ کھڑے ہو جاتے اور وہ بھی فوراً تو پھر ان جرنیلوں کو دم دبا کر بھاگنا پڑتا۔ اگر شروع ہی میں اس بدی کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوتے تو شاید اتنا بڑا نقصان نہ ہوتا۔ ملک بھی نہ ٹوٹتا۔ قوم بچ جاتی اور غداروں کو کما حقہ سزا بھی مل جاتی۔ اس وقت کا ہندوستان بہت ہی کمزور تھا۔ پاکستان ابھی مضبوط اور پاک صاف تھا۔ ولولے جوان تھے۔ ہندوستان کو جرات نہ ہوتی کہ پاکستان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھ بھی سکتا۔ بعد میں تو بدی نے سالہا سال کی پاکستانی روح پر قبضہ جمائے رکھا اور اخلاق باختگی نے آزادی و عزت کی تمام امنگوں اور آرزوں کا خون کر کے رکھ دیا اور قوم کی ساری توانائیوں کو اکارت کر ڈالا۔ شاید یہ بات درست ہو اور بالکل درست ہے مگر اب مڑ کر دیکھنے سے اس کا ادراک آسان ہو گیا ہے لیکن اس وقت سوائے چند ایک بالغ نگاہ دانشوروں اور سیاستدانوں کے زیادہ تر لوگوں کے لیے اس شیطانی کھیل کے مضمرات کو سمجھ لینا خاصا مشکل کام تھا اور اس حد تک کہ مزاحمت پر کمربستہ ہو جائیں ناممکن تھا۔ کاش ایسا ہو جاتا تو آج کی ذلت اور خواری کا دن نہ دیکھنا پڑتا۔

Marfat.com

پہلے دن ہی سے لوگوں کو مصروف رکھنے' ڈرانے' دھمکانے کے لیے بہت سے مارشل لاء آرڈر نکالے گئے۔ مٹھائی کی دوکانوں پر مکھیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے جالیاں لگوائی گئیں۔ گلیوں اور نالیوں کی صفائی کے اہتمام کئے گئے۔ کچھ جرائم پیشہ لوگوں کو کوڑے سرعام لگوانے کا انتظام کیا گیا تاکہ لوگوں پر خوب ہیبت طاری ہو جائے اور وہ کسی قسم کے آزادی و انقلاب یا دستوری اور قانونی قسم کے شرارت بھرے خیالات و جذبات زبان پر نہ لا سکیں۔ اخبارات کی زبان بندی کر دی گئی۔ نہ جلسہ نہ جلوس کہ یہ خرافات ہے' خواہ مخواہ کا تضیع اوقات ہے۔ اسی طرح کے اور بہت ڈرامے رچا کر پوری قوم کو اور فوج کو ادھر ادھر مصروف کر دیا اور اپنا قبضہ مستحکم کرنا شروع کر دیا۔

ہندوستان کی طرف سے تو اس وقت کوئی خطرہ تھا بھی نہیں کیونکہ وہ تو مسلمانوں کے زندہ جاوید ولولوں سے مرعوب تھا۔ کشمیر میں منہ کی کھا چکا تھا اس لیے تو فوج کو مکھیاں مارنے اور گلیاں صاف کرانے کے گھٹیا کاموں کی نگرانی پر مامور کر دیا۔ اگر ہندوستان سے خدشہ ہوتا تو فوج بارڈر پر ہوتی۔ تربیت حاصل کر رہی ہوتی مگر اقتدار کے بدمست جرنیلوں نے انہیں اندرون ملک پھنسا کر رکھ دیا۔ ہاں اگر ایسی بات ہوئی بھی تو امریکہ اپنے پٹھوؤں کی حفاظت کرے گا آخر اتنے سالوں سے ان کی نمک حلالی کر رہے تھے۔ ان کا کھیل کھیل رہے تھے۔ ان کی فوجی چالوں میں تو اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اپنے دفاع سے بے فکر ہو کر کیوں نہ اقتدار کے مزے لے لئے جائیں۔ پہلے تو انگریز کے زمانے میں یہ کام ہمارے راجے مہاراجے کرتے تھے کہ ان کی ریاستوں کا دفاع انگریز کی ذمہ داری تھی اور ان کا کام تھا عیاشی۔ اپنے اس قسم کے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دونوں جرنیلوں نے اپنا اپنا کام اپنے اپنے ڈھب سے شروع کر دیا لیکن ایک بادشاہی میں دو بادشاہ کیسے رہ سکتے ہیں؟ ایک نیام میں دو تلواریں کبھی نہیں سماتیں۔ میر جعفر سے کام لے کر انگریزوں نے اسے نکالنے کے لئے کافی وقت لیا تھا لیکن اب تو جدید دور تھا۔ ہر کام سرعت سے ہوا تھا۔ لہٰذا جنرل ایوب خان نے اسکندر مرزا کو بیس دن کے اندر اندر چلتا کیا اور کہا کہ اپنے آقاؤں کے ہاں جا کر لندن میں آرام کرو اور پھر اسکندر مرزا بادشاہ کی ساری حسرتیں دل میں لے کر لندن کی طرف اڑ گیا اور ایوب خان کے لئے میدان خالی کر گیا۔ اس لئے تو امریکہ کے مشہور رسالے ٹائم نے انگریزی کی مشہور نظم کا ایک شعر اس واقعہ پر چسپاں کیا تھا کہ وہ واحد لاشریک ہے کہ ایک ہی وقت' ایک شخص تھا کہ خود ہی صدر بن گیا اور اور خود ہی وزیراعظم خود ہی کمانڈر انچیف خود ہی اسمبلی خود ہی انتظامیہ خود ہی دستور ساز اور خود ہی قانون ساز خود ہی مدعی و مستغیث اور خود ہی عدالت۔ آزادی کے متوالوں کی قربانیوں کے حاصل کردہ ملک

Marfat.com

کے تمام اداروں کو مسلتا ہوا سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا۔ وہ ادارے جنہیں تنکا تنکا اکٹھے کر کے پیٹ پر پتھر باندھ کر ان ہی لوگوں نے ایک کمال بے خودی اور خود سپردگی کے عالم میں بے حال پرندے کی مانند اپنے گھونسلے اور پناہ گاہ کے طور پر تعمیر کیا تھا اس آشیانہ پر مکمل قبضہ کرتے ہی اپنے آقاؤں کے اشارہ پر ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی پیش کش کر دی۔ قائد اعظم گورنر جنرل کے ایک رسمی اور آئینی عہدہ کو بھی عارضی طور پر ہندوستان کے ساتھ مشترکہ رکھنا نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح پاکستان کی شناخت مجروح ہو جائے گی لیکن جنرل ایوب خان کی دیدہ دلیری دیکھی جائے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان کا دفاع مشترکہ کرنا چاہتا ہے پھر اس کے بعد اکھنڈ بھارت دوبارہ بن جانے میں کونسی رکاوٹ رہ جاتی تھی۔ کیوں نہ کرتا اسے تو دکھ تھا کہ اس کے پرانے آقا بہت ذلیل ہو کر نکلے تھے۔ وہ ہندوستان کی وحدت کا خواب پورا نہیں کر سکتے تھے۔ مشرق وسطی میں نسلی اور علاقائی تقسیم کے کامیاب تجربے کو محمد علی جناح نے ۱۹۴۷ء میں حرف غلط کی طرح مٹا کر اس کے آقاؤں کی مٹی پلید کر دی تھی۔ کیوں نہ ہو کہ موقع ملتے ہی سب حساب کتاب پورا کر لیا جاتا۔ یہ تو ایک دفعہ پھر حضرت مجدد الف ثانی کی غیرت ایمانی جھلکتی تھی کہ ان کی روح عظیم نے نہرو کو اندھا کر دیا کہ اکبری منافقانہ بد روح ایک دفعہ بھٹکتے ہوئے پھر ادھر آ نکلی تھی۔ ایوب خان کے روحانی گرو مونٹ بیٹن نے بھی یہی حرکت کرنیکی کوشش کی تھی تو حضرت مجدد احمد سرہندی نے اپنے ہم خیال محمد علی جناح کی روحانی راہنمائی کر دی تھی اور انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا تھا کہ ہمارا ماڈل تو صرف اور صرف نبی کی ذات ہے۔ وہی ہمارے دین اور وہی ہماری سیاست ہے۔ اس دفعہ انہوں نے ایوب خان سے کیا رابطہ کرنا تھا کہ ان کا مقام اور تھا اور کام اور تھا ان کی ڈیوٹی تو مسلمانوں کو بچانے کی تھی۔ کیوں نہ دشمن کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔ جیسے اللہ کی رحمت نے بدر کے میدان میں مدد فرمائی۔ اللہ تعالٰی کی ذات نے موتی لعل نہرو اور جواہر لعل نہرو کی آنکھوں پر پہلے بھی کئی دفعہ پردہ ڈال دیا تھا موتی لعل نہرو نے ۲۹-۱۹۲۸ء میں جناح کے 14 نکات نہ مان کر علامہ اقبال کے لئے آسانی پیدا کر دی تھی کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ آزاد مملکت کا تصور پیش کر سکیں۔ جواہر لعل نہرو نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد وہ بد نیتی دکھائی کہ قائد اعظم اور ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے ۱۹۳۹ء میں ان کی حکومت کے استعفے پر یوم نجات منا کر ہر مسلمان کو بیدار ہونے کا موقع دیا کہ وہ خواب خرگوش سے اٹھے اور دیکھ لے کہ ہندوؤں کے کیا ارادے ہیں۔ اور اگلے دو سال میں تمام اسلامیان ہند نے پاکستان ریزولیشن کے ذریعہ اپنی واضح سمت اور منزل مراد کا تعین کر لیا پھر بھی وہ جواہر لعل نہرو تھا جس کی آنکھوں پر گھمنڈ کی سیاہ پٹی نے کیبنٹ

Marfat.com

مشن پلان کی شرارت سے آخری وقت میں مسلمانوں کو بچالیا۔ ڈائریکٹ ایکشن کے مجاہدانہ اعلان کی اس ہی کی وجہ سے ضرورت پڑی تھی اور پاکستان بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو طرح طرح کے طریقوں سے اپنے بندوں کی مدد فرماتی ہے۔ اس کے رنگ نرالے ہیں۔ کبھی قائد کی براہ راست راہنمائی فرمادیتی ہے تو کبھی مخالف کی عقل اچک لیتی ہے۔ نہرو نے سوچا کہ پاکستان کی طرف سے مشترکہ دفاع کے پیچھے ضرور امریکہ کی کوئی شرارت ہے۔ اسے اگر معلوم ہوتا کہ اس میں امریکہ کی چالبازیوں کے علاوہ ایوب خان کی حماقت بھی شامل ہے تو ایک منٹ کے لیے بھی نہ ہچکچاتا اور یہ نہ کہتا کہ مشترکہ دفاع کس کے خلاف؟ روس کے خلاف؟ چین کے خلاف یا چین اور روس دونوں کے خلاف؟ ایوب خان اس وقت نہ صرف اکھنڈ بھارت کا اشارہ دے رہا تھا بلکہ چین کے خلاف محاذ بنانے کی تیاری کا بھی اشارہ دے رہا تھا کہ یہی کچھ اس کے آقاؤں نے اسے سکھایا تھا اور یہی کام انہوں نے ایوب خان کے ذریعہ چین کے خلاف لینا تھا۔ ایوب خان نے کوشش کی کہ حسین شہید سہروردی کے کئے کرائے پر پانی پھیردے اور چین کے خلاف ہندوستان سے مل کر کھڑا ہو جائے اس طرح امریکی گیم کھیلتے کھیلتے وہ نہ صرف اپنا نقصان کر رہا تھا بلکہ چین کا ستیاناس کرنے کی بھی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ قائداعظم کے پاکستان کی شناخت مٹانے کے درپے تھا اور ساتھ ہی اتنے عظیم دوست اور پڑوسی کو زک پہنچانے سے بھی نہیں چوک رہا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اقبال نے کہا تھا کہ اے خواہش پرست اندھو کہ اگر تم میرے (ملت کے) نہیں بن سکتے تو اپنے تو بن جاؤ۔ یہ صرف اللہ تعالے کی مدد تھی جس نے ہمیں بچالیا اور نہرو کی آنکھوں پر پٹی چڑھادی وگرنہ ہماری علیحدہ شناخت اور وجود ہی ختم ہو جاتا اور اس وقت ہمارا وہ حال ہوتا جو مقبوضہ کشمیر کے بے کس مظلوم مسلمان کا ہو رہا ہے۔ ظلم کی چکی اسے پیس رہی ہے اس کی آواز کو ہر طرف سے زبردستی دبایا جا رہا ہے۔ ان کی جانوں اور آبروؤں سے کھیلا جا رہا ہے۔ کشمیر خون خون ہے اور ہم سب بے بس' بے حس تماشائی۔ کیوں کہ بہت دیر پہلے ان جرنیلوں کی بے لگام ذاتی خواہشات نے انہیں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا دیا تھا۔ انہیں اپنے ملک و ملت کا کوئی بھی تو خیال نہ تھا۔ کسی سود وزیاں کا شعور ہی نہ تھا وگرنہ مشترکہ دفاع اور وہ بھی اپنے ازلی دشمن کے لیے۔ افسوس صد افسوس کہ چوکیدار ہی چور کے ساتھ مل رہے تھے۔ صرف اس لیے کہ امریکہ کی طاقت پر اندھا اعتماد تھا۔ اسے خدا مان کر اس کی پوجا شروع کر دی تھی اور اپنا نفع نقصان بالکل یکسر ہی بھول گئے تھے۔

Marfat.com

مگر کاسہ لیسوں اور ایجنٹوں کی کہاں عزت ہوتی ہے؟ خود آقا بھی اسے دھتکار کر ہی رکھتے ہیں۔ جو خود کو بیچ ڈالے یا خود ہی بڑھ کر اس کی غلامی قبول کر لے اس کی عزت کہاں؟ آپ صرف اس سے اندازہ کر لیں کہ ہمارے مارشل لاء کے بعد کتنی بین الاقوامی بے حرمتی ہوئی کہ ۱۹۵۷ء کے بعد کشمیر کے مسئلہ پر کبھی بھی اور کوئی بھی کار آمد قرار داد اقوام متحدہ کے کسی فورم پر بھی پاس نہیں ہوتی۔ صرف ایک رسمی قرار داد ہے اور وہ بھی پہلی قرار داد کی تائیدی درستگی میں اور وہ بھی اس لیے کہ مارشل لاء اور اس طرح کی مشترکہ دفاع کی حماقتوں ایسے اقدامات کے بعد ہندوستان کو جرات ہو گئی کہ وہ کشمیر کی اسمبلی کے لیے نام نہاد الیکشن کروا کر کہہ رہا تھا کہ اب اس اسمبلی نے ہندوستان کے ساتھ اتحاد کر لیا ہے۔ مارشل لاء کے بعد پاکستان کی اسمبلیاں ختم ہو گئی تھیں۔ پاکستانیوں میں خود بے حسی چھا گئی تھی۔ ان کی تو اپنی آزادی اور نمائندہ حیثیت ختم ہو گئی تھی وہ کس منہ سے کشمیر کاز کی بات کر سکتے تھے لہٰذا ہندوستان کو جرات ہو گئی کہ وہ استصواب رائے کی متفقہ اور مصدقہ بشمول بھارت بین الاقوامی پوزیشن میں نقب لگانے کی کوشش کرے۔ ہندوستان نے خود استصواب رائے مانا تھا یہ تجویز اسی کی پیش کی ہوئی تھی۔ جب دیکھا کہ خود پاکستان کے اندر جمہوری اداروں کی نفی ہو گئی ہے اور پاکستان کی وہ اخلاقی پوزیشن نہیں رہ گئی کہ وہ کشمیر کی بات کر سکے۔ لہٰذا اٹوٹ انگ اور جعلی اسمبلی کے ذریعہ الحاق وغیرہ کی باتیں ہمارے اس المیہ کے بعد ہی شروع ہوئیں۔ کیونکہ انہیں پتہ چل گیا کہ اب پاکستان میں ایسے لوگ بر سر اقتدار آ گئے ہیں جو مشترکہ دفاع کی بات کر رہے ہیں۔ اب پاکستان کی علیحدہ شناخت اور وجود کی سوچ ہی ختم ہو گئی ہے تو کیوں نہ کشمیر کو بھی ہضم کر لیا جائے۔ ایوب خان حکومت نے اس لیے کبھی بھی کشمیر کاز کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ جو کچھ کشمیر کے نام پر ہوتا رہا وہ صرف ڈرامہ بن کر رہ گیا اور وہ بھی صرف اپنی ذات اور اقتدار کی خاطر نہایت منافقت اور ڈھٹائی کے ساتھ۔ کشمیر کی آزادی کی تو بات صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو آزادی کے جذبوں کی توانائیوں اور پاکیزگی سے آشنا ہوں۔ غاصب اس کی قدر و منزلت کیا جانیں۔ ایسے لوگ ذہن کی بات ضرور کر سکتے ہیں دلوں کی دھڑکنوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ ہمارا کشمیر کیس اسی وقت ضعف پذیر ہو گیا جب یہاں مارشل لا لاگو ہو گیا۔ اسلامی اخلاقی روحانی انقلاب رک گیا اور نظریہ پاکستان کی ہیئت کذائی کر دی گئی۔ پہلے کئی سال تتلیوں کا کھیل کھیلا گیا۔ امریکہ کے مفادات کے آگے سب کچھ ڈھیر کر دیا یہاں تک کہ مشترکہ دفاع کی نہایت ہی شرمناک تجویز بھی پیش کر دی گئی۔ اس کے بعد نظریاتی گنجینہ میں سے کیا بچ سکا تھا جو بچانا تھا۔ سب کچھ ہی تو اپنے ہاتھوں سے مٹا لیا تھا۔

Marfat.com

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے راہ و رسم شہبازی

۱۹۵۸ء میں پاکستانیوں کی آزادی غصب ہونے کے بعد کشمیر کا معاملہ بالکل بے جان ہو گیا۔ اقوام متحدہ کے سامنے ہماری کوئی اخلاقی اور سیاسی حیثیت ہی نہ رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۷ء کے بعد کشمیر کا مقدمہ جو خود ہندوستان وہاں لے کر گیا تھا ٹھنڈا پڑتا گیا۔ ہاں سیاسی غاصب اور شعبدہ باز اس مسئلہ کا منافقانہ ذکر اذکار کر کے قوم کے جذباتی استحصال کا ضرور اہتمام کرتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں کشمیر کو آزاد کرانے کا بہترین موقع تھا جو ایوب خان نے کھو دیا۔ کیوں اور کیسے؟ اس لیے کہ اس وقت چین نے نیفا کے محاذ پر ہندوستان کے چھکے چھڑوا دیئے تھے حالانکہ اس سے پہلے کئی سال تک ہندی چینی بھائی بھائی کے نعرے لگا رہے تھے اور امریکہ ایوب خان کے ذریعہ کوشش کر رہا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان مل کر چین کے خلاف مشترکہ فوج تیار کر لیں۔ یہ تو نہرو تھا جو نہیں مانا تھا اب جب چین نے ہندوستان کا بھرکس نکالنا شروع کیا تو امریکہ ہندوستان کی امداد کے لیے آدھمکا۔ ہندوستان کو مزید فوج نیفا بارڈر پر چاہیے تھی۔ وہ صرف کشمیر سے ہی لے سکتا تھا۔ یہاں اسے پاکستان کا ڈر تھا لیکن امریکہ نے یہ ڈر ختم کر دیا اور کہا آپ فکر نہ کریں ہم پاکستان کو سنبھال لیں گے۔ ہمیں چین کو ہندوستان کے ذریعہ کمزور کر لینے دو۔ چین نے بہت چاہا کہ پاکستان بھارت کو کشمیر فرنٹ میں معمولی سا بھی مصروف کرے۔ مگر مجال ہے کہ ایوب خان امریکہ کے حکم کی سرتابی کا سوچ بھی

Marfat.com

سکے۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ زمیں جنبد نہ جنبد ایوب خان جو لوگ ایوب خان سے اس طرح کی توقع رکھتے تھے وہ محض خوش فہم ہی ہو سکتے ہیں۔ جو شخص پچھلے دس سال سے محض امریکی مفادات کی حفاظت کرتا چلا آ رہا ہو وہ اس قسم کی قومی مفاد میں بہادرانہ اور دلیرانہ پہل قدمی کیسے کر سکتا ہے؟ اس کے لیے تو آزادی سے لبریز مستانہ اور قلندرانہ ولولوں کی ضرورت ہوتی ہے جو ایسے لوگوں میں ہو ہی نہیں سکتی۔ اس نے تو مشترکہ دفاع کی پیشکش کر کے' سہروردی نے چین کے ساتھ جس دوستی کی بنیاد رکھی تھی اس کی جڑوں کو بھی ہلا دیا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں اسی ایوب خان سے اس طرح کی توقع رکھنا محض ایک دل بہلاوا تھا۔ دوسرے یہ ساری کی ساری سوچ ایک فوجی سوچ ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اسے ایک لشکری چال سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ایسے کاموں کے لیے لشکری سے زیادہ سیاسی اور قومی حکمت عملی اور ولولوں سے بھرپور نیک عمل کی ضرورت ہوتی ہے جس سے ساری قوم Inspire ہو کر متحرک ہو جاتی ہے اور پھر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

یہاں تو معاملہ اس کے بالکل الٹ ہو چکا تھا۔ پاکستانی قوم خود ہی ان غاصبوں کے چنگل میں آ کر دم توڑ رہی تھی۔ ان کے صحت مند جذبے اور ولولے ماند پڑ چکے تھے۔ وہ تو خود اپنے زخم چاٹ رہے تھے' سسک رہے تھے وہ خاک کشمیری مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑتے۔ وہ تو خود جنگ ہار چکے تھے۔ بے جان اور نڈھال تھے۔ اس لیے ایوب خان سے ایسی توقع رکھنا ہی عبث تھا۔ وہ عوام کے کوئی راہنما نہ تھے۔ ان کا اپنا کوئی نقطہ نگاہ یا نظریہ نہ تھا محض ڈنڈے کے زور سے اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا۔ ویسے بھی کوئی ایمان افروز شخصیت کے مالک نہ تھے۔ پوری زندگی میں کوئی مایہ ناز کارنامہ سرانجام نہیں دیا تھا بس انگریزوں کی خوشامند ضرور کی تھی اور اب امریکیوں کی قدم بوسی میں لگے ہوئے تھے۔ ایسی شخصیت سے قومی ایجنڈا اور تحرک کی توقع کرنا ایک معصوم خواہش تو ہو سکتی ہے لیکن حقیقت نہیں۔

کشمیر کاز کو ایسے مسخروں کی امداد کی ضرورت نہیں جن کے اپنے ہاتھ آزادی کے خون سے رنگے ہوئے ہوں۔ اسے تو نیک دل اور ایمان افروز آزادی کے متوالوں کی ضرورت ہے۔ کشمیر کاز بنفس نفیس اتنی جائز اور عظیم ہے کہ اس کے لیے کام کرنے والے گناہ گار سے گناہ گار مسلمان کے گناہ جھڑ جائیں۔ وہ خود اپنے اندر اتنی قوت اور توانائی رکھتی ہے کہ مردوں میں بھی جان ڈال دے۔ اسے ایوب خان کی نہیں مردان حر کی ضرورت ہے۔ جن کی نیتیں اور دل صاف ہوں اور وہ خدا اور اسلام کے لئے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے ڈرامہ کے لئے نہیں۔

Marfat.com

مارشل لاء نے جہاں اور بہت سے نقصانات کیے اس نے ہماری کشمیر کاز کو بہت ہی زیادہ نقصان پہنچایا۔ بین الاقوامی سطح پر ہماری قانونی اور اخلاقی حیثیت صفر کے برابر کر کے رکھ دی۔ قومی وقار اور ملی غیرت کا جنازہ نکل گیا اور وہ قوم جو اپنے اخلاقی اور روحانی انقلاب کی طرف رواں دواں تھی اور جس پر پورا عالم حیرت زدہ تھا یکدم رک گئی ٹھٹھر گئی اور پھر ڈھیر ہو گئی۔ اب اس کی آزادی میں وہ تاثیر نہ تھی جو آزاد اور زندہ قومیں رکھتی ہیں۔ جسم تھا مگر روح نہیں تھی۔ ڈھانچہ تھا مگر قوت نہ تھی۔ ولولوں، جذبوں، عزت و وقار اور ملی غیرت سے عاری بھیڑ اور گروہ کی کیا وقعت ہوتی ہے۔ پاکستان کی بے توقیر حیثیت نے کشمیر کاز کو بہت کمزور کر دیا۔ امریکہ اور بھارت نے ایوب خاں کو طفل تسلی کے لئے کہ وہ قوم کی تشفی کر سکے، مسئلہ کے حل کے لئے کچھ کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن یہ وعدہ اور بات اس لئے نہیں تھی کہ واقعی مسئلہ کو حل کرنا تھا۔ وہ تو اس لئے تھا کہ کہیں پاکستانی ایوب خان کے خلاف اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ بڑی مشکل سے تو انہیں طوفانی انقلابی خطرناک سوچوں اور جذبوں سے باہر نکالا تھا جس کا تاج محمد علی جناح اور اقبال پہنا گئے تھے۔ ان کو اس راہ سے ہٹانے کے لئے اتنے جتن کیے تھے۔ کسی کو رقم دی تو کسی کو مار مار کر نڈھال کرنا پڑا۔ اب اگر پھر اٹھ کھڑے ہوئے تو بہت بڑی مصیبت آ جائے گی۔ اس لئے سوئے ہوؤں کو سویا رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ کوئی لولی پاپ دکھایا جائے اور کشمیر پر بات کرنا اور اسکا حل تلاش کرنا وہ لولی پاپ تھا جس سے پاکستان کے مسلمانوں کو خوش رکھا جا سکے تاکہ لوگ غاصب ایوب خان کی ہڈیاں نہ نوچ ڈالیں۔

اس کام کے لیے فریب خوردہ، مکار مردود شیخ عبداللہ کو بھی پاکستان بھیجا گیا۔ وہ اپنا کھیل کھیلنا چاہتا تھا کہ شاید وادی کشمیر ایک آزاد اور خود مختار ملک بن جائے۔ نہرو اپنی چالبازیوں پر حسب معمول قائم تھا۔ اور ایوب خان اپنی چالوں کا شکار تھا کہ کوئی ایسی صورت بن جائے کہ اس کی شخصیت کو نکھار مل سکے۔ اور وہ اپنی گرفت اقتدار پر مزید مضبوط کر سکے۔ اور پاکستانیوں کی آزادی کو مکمل طور پر ختم کرنے اور اس کی مستقل بادشاہت کے لیے کوئی جذباتی سہارا مل جائے۔ سب اپنی اپنی چال پر تھے۔ اپنے اپنے مفادات کی حفاظت کر رہے تھے۔ کسی کا کوئی اصول نہیں تھا۔ کوئی عالی خیال، پختہ کار پیکر ایمان و عمل قائداعظم کی طرح نہ تھا۔ مرد مومن اقبال نہ تھا۔ سب مطلب کے بندے تھے۔ ایسے میں کسی بھلائی کی امید نہیں تھی۔ کسے کشمیری مسلمان کی پروا تھی؟ کسے اس کے پاک جذبوں کا خیال تھا؟ سب اس کی بے بسی اور غلامی پر اپنے اقتدار کا محل تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی آزادی کا پروانہ نہیں تھا کہ اس کے پاکیزہ جذبوں میں ڈوب کر رموز دو جہاں پا چکا ہو۔

Marfat.com

سب غلامی کے طوق کے علمبردار تھے۔ ایسی منافقت' ایسی شرارت' ایسا ظلم کہ خود ذات باری جوش کھا گئی کہ ان میں سے سب سے بڑے مکار نہرو کو اپنی طرف اٹھالیا کہ کشمیریوں اور ان کے سچے جذبوں کا سودا نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تھا کہ معاملات گڈمڈ ہو جائیں۔ طاغوت کے ساتھ مصالحت سے بہتر ہے کہ حقانیت کے لئے جدوجہد جاری رہے۔ یہی تو مسلمان کو ہدایت ہے۔ یہی اس کا دستور ہے۔ یہی اس کا منشور ہے۔ حسین سر کٹا کر کامیاب ہو جاتا ہے حق کی آواز بلند ہو جاتی ہے یزید دنیاوی طور پر کامیاب ہو کر بھی ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ ناکام ہو جاتا ہے۔ حق کے لئے لڑنا ہی اصل کامیابی ہے اور مردان حر لڑتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی مصلحت کا شکار نہیں ہوتے۔ نہرو کا اس وقت اٹھ جانا اسی بات کا غیبی اشارہ تھا کہ قدرت کا کرشمہ اور معجزہ تھا مردان حر کے لئے کہ وہ اپنی جائز کاز کے لئے جہاد کرتے رہیں کامیابی ایک دن ان کے قدم ضرور چومے گی۔ اور طاغوت نامراد ٹھہرے گا انشاء اللہ۔

یہی بات تھی جس کی وجہ سے آزادی کے مجاہدوں نے پاکستان کے اندر مختلف طریقوں سے مارشل لاء اور ایوب خان کی مزاحمت جاری رکھی اور جہاں جہاں اور جیسے جیسے ممکن ہوا اس غلط نظام کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ اسے نظام کہنا بھی لفظ نظام کی توہین ہے۔ یہ تو تمام تہذیب کی نفی کا دوسرا نام ہے۔ جبر اور وحشت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ نہ قانون نہ وکیل نہ دلیل۔ ایک شخص کے دل میں جو آئے کر ڈالے۔ وہ کسی بھی قانون قاعدہ کو توڑ سکتا ہے۔ وہ کسی طریقہ کا بھی پابند نہیں۔ قانون' قاعدوں اور نظریوں سے تو انسانیت گری ہوتی ہے اور تہذیب و تمدن کے زینے طے کرتی آئی ہے۔ اس کے لئے تو خود خدا کی ذات نے راہنمائی کی ہے اور ہزاروں لاکھوں نبی انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجے ہیں جو اپنے اپنے طریقہ سے اصول اور قانون سمجھاتے رہے ہیں۔ دنیا میں اسی کام کے لیے اتنے فلسفی اور حکیم گذرے ہیں جنہوں نے انسانوں کو زندگی گذارنے اور اصولوں پر چل کر عدل و انصاف قائم کر کے امن و آشتی کے طریقہ سے صدیوں آشنا کیا ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے قانون ساز اور قانون دان تو ہمارے ہادی اکبر نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جنہوں نے ہمیں قرآن اور سنت اور شریعت سے روشناس کروایا اور اتنی بڑی تہذیب تخلیق کی۔ ان کے پیروکاروں نے اسی پر عمل کرتے ہوئے اتنی کامرانیاں اور کامیابیاں حاصل کیں کہ دنیا حیران رہ گئی۔ محمد بن قاسم۔ محمود غزنوی۔ بابر بھی اسی آفتاب لاجواب سے روشنی لیتے آئے تھے حضرت داتا گنج بخش۔ حضرت معین الدین چشتی۔ بابا فرید۔ حضرت بختیار کاکی۔ حضرت نظام الدین اولیا

Marfat.com

سبھی اسی منبع رحمت و رشد کی دریوزہ گری سے مجسم اخوت و محبت اور شفقت بن کر نمودار ہوئے تھے کہ اتنے پروانے اس شمع حق پر اکٹھے ہو گئے اور مختلف مراحل سے گذر کر اونچ نیچ خوبی خرابی دیکھ کر اک مرد حر قلندر علامہ اقبال کی آواز پر منزل مراد کے لئے چل پڑے اور مرد مجاہد' قانون دان اور قانون پسند محمد علی جناح کی قیادت میں وہ منزل آخر کار پالی اور اسے متعین اصولوں پر چلانے کا تہیہ کیا اور چلاتے رہے اور اسی وجہ سے اتنی قوت حاصل کی کہ ساری دنیا حیران و پریشان ہو گئی۔ زندہ جذبوں اور تازہ ولولوں کی توانائیوں نے وہ جذبہ اور شوق پیدا کر دیا کہ طاغوت شرما کر رہ گیا اور پھر اسکندر مرزا اور ایوب خان نے امریکی منشاء اور مفاد کی خاطر شب خون مار کر جنگل کا قانون لاگو کیا اور سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا۔ امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ مستقبل خاکستر کر دیا۔ تباہی کی بجلیاں تھیں کہ ہر طرف کڑک رہی تھیں مگر وقت کے مردان مجاہد تھے کہ انہوں نے جرنیل کی ہر طرح سے مزاحمت کی کہ خدارا قائد اعظم کے عظیم کارنامے کو اس طرح تباہی سے ہمکنار نہ کر۔ خواجہ ناظم الدین حسین شہید سہروردی' ابوالاعلیٰ مودودی' میاں ممتاز دولتانہ' چوہدری محمد علی اور سینکڑوں ہزاروں فدائین آزادی نے مارشل لاء کی فوری طور پر مخالفت اور مزاحمت کی اور پاکستان اور اس کی اسلامی انقلابی روح کو بچانے کی زبردست کوشش کی۔ مگر مارشل لاء والوں نے جیلیں بھر دیں کوڑے مارے اور فوری سزا کے لئے سمری ملٹری کورٹ بنا دیں۔ اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات سلب کر لئے تاکہ لوگوں خاص کر سیاسی اور انسانی آزادی کے متوالوں کو ڈرا دھمکا کر خاموش کیا جا سکے۔ مگر وہ کہاں چپ ہونے والے تھے۔ انہیں تو آزادی کی ہوا چھو چکی تھی۔ انہیں آزادی کے ثمرات کا احساس و ادراک تھا جو اتنی قربانیوں کے بعد حاصل کی گئی تھی وہ اسے اتنی آسانی سے کیسے جانے دیتے اور اک اجتماعی ملی خودکشی کا سامان ہونے دیتے۔ وہ ملت جس کی تخلیق میں اتنے بزرگوں کے دل و جگر کا خون شامل تھا' علامہ اقبال اور قائد اعظم کا خواب کیسے منتشر ہونے دیتے۔ انہوں نے اس جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کے عفریت کے سامنے کبھی سر نہ جھکائے اور فیصلہ کیا کہ جیسے بھی بن پڑے اور جتنی دیر میں بھی ہو سکے اس دستور شکن اور قانون کش بت کی پوجا نہیں کریں گے۔ نہیں کر سکتے۔ وہ تمام تر تہذیب کی تباہی کے حصہ دار نہیں بنیں گے اور اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ دستور اور قانون ہی تو وہ بنیادی ستون ہے جس پر انسانیت کا خوبصورت سائبان بنا ہوا ہے۔ وہ ہٹ جاتا ہے تو پھر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور دھڑام سے آگرتا ہے دستور اور قانون کی بنیاد اخلاقی اقدار پر قائم ہوتی ہے اور اگر اخلاقی بنیاد ہی ہل جائے تو سب کچھ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ معاشرہ رہتا ہے نہ تہذیب اور بربریت

Marfat.com

کی پرورش شروع ہو جاتی ہے جو جوان ہو کر سب کچھ ہڑپ کر جاتی ہے اور آپ نے دیکھا کہ آپ کو اب وہ کیسے کیسے طریقوں سے ہڑپ کر رہی ہے۔ زندگی محفوظ ہے نہ عزت۔ خون انسان ارزاں ہے اور انسانیت مہنگی۔ اس قسم کی حماقتوں کا آخر کار یہی نتیجہ نکلتا ہے جن کی بنیادیں لاقانونیت اور دستور کشی کے خمیر سے اٹھتی ہیں۔

Marfat.com

زاغ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاج روزگار

مارشل لاء کی بناء انسانی و اخلاقی اقدار کی مکمل نفی اور جرم پرور پہ ہوتی ہے۔ آزادی کے دیوانے اس جرم کی عمارت کو کیسے کھڑا ہونے دیتے۔ انہوں نے ہر مہذب اور شائستہ طریقہ سے اس کی مخالفت کی مگر اس طرح کہ ملک ہی نہ ٹوٹ جائے۔ انتہائی مزاحمت اور وہ بھی اپنی ہی فوج کے کمانڈر انچیف کے خلاف ایک ایسا کام تھا جس سے نوزائیدہ مملکت کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ حب الوطنی ان کے پاؤں کی زنجیر بن رہی تھی۔ وہ معاملات کو انتہائی شکل نہیں دے سکتے تھے۔ انہوں نے تو خود قربانیاں دے کر یہ خطہ حاصل کیا تھا دشمن اندرون خانہ جھگڑے سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ ایک عجیب مخمصہ تھا۔ یہ بہت بڑا Dilemma تھا۔ اگر ایوب خان کی ناجائز اور جبر کی سلطنت کو مان لیں تو بھی ملک و ملت کی تباہی تھی اور اگر مزاحمت کرتے ہیں تب بھی خطرات تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ایسا راستہ نکالا جائے کہ جس سے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔ ایوب خان ظالم اور جابر نے تو وہ کام کیا جو ایک اجڈ پٹھان کے متعلق مشہور ہے کہ کوئی شخص گدھے پر کانچ کی چوڑیاں لاد کر جا رہا تھا۔ پٹھان نے اس کے سامان کے ایک طرف زور سے ڈنڈا مار کر پوچھا کہ اس میں کیا ہے بے چارے چوڑیوں والے نے کہا جو کچھ بھی ہے اس میں سے آدھا تو ختم ہو گیا ہے اور اگر ایک ایسا ڈنڈا اور مار دو گے تو باقی بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی پاکستان کے ساتھ ہو رہا تھا۔ پٹھان

Marfat.com

نے اپنا ڈنڈا استعمال کر دیا تھا۔ اس سے سامان بچانا محال ہی نہیں ناممکن تھا۔ صاحب بصیرت طریقے سوچتے رہے۔ آواز بلند کرتے رہے۔ حرام کو حرام کہتے رہے حرام کو حلال نہ کہہ سکے زہر کو تریاق کہنے سے انکار کرتے رہے۔

مگر جرنیل کا ڈنڈا تھا کہ تیرہ سال میں سامان کے آدھے حصہ کو چور چور کر گیا۔ محب وطن اور عقل و دانش سے بھر پور پاکستانی ایوب خان کی ذلیل حرکتوں کا رونا روتے رہے۔ مگر وہ ریزہ ریزہ کر گیا اور نظریاتی طور پر تمام ہی کو خاکستر کر گیا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے قانون نے پھر شائستگی اور تہذیب کو مٹا کر رکھ دیا۔ لاقانونیت اور قانون شکنی کے بت کھڑے کر دیئے اور حکم حاکم تھا کہ اس لاقانونیت کے بت کی اس طرح پوجا کی جائے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ کی غیر حاضری میں سونے کے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ اللہ تعالےٰ کی عبودیت کی بجائے سونے کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا یہی کام ایوب خان نے کیا۔ قائداعظم کا راستہ چھوڑ کر بے دستوری کا راستہ اپنا لیا۔ خود قانون ساز' خود ہی عدالت' خود ہی پارلیمنٹ' خود ہی انتظامیہ بن گیا اور انسانوں کو اپنے حکم سے سر نگوں کرنے لگا۔ قانون شکنی قانون ٹھہرا کہ ملک کے بنیادی قانون دستور کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔

وہ قانون جو اتنی محنت اور مشکل سے تیار ہوا تھا جو مسلمانان ہند کے فکر و دانش اور جذبات کا آئینہ دار تھا جس کے لئے سالوں نہیں صدیوں پر محیط جدوجہد کی گئی تھی اس طرح سرعام ڈھٹائی سے قانون شکنی کی روایت ڈالکر جرم سازی کی طرح ڈال دی۔ تہذیب کا تقاضا تو قانون سازی ہوتا ہے مارشل لاء کی ریت جرم سازی اور قانون شکنی ٹھہری جب ملک کے اعلیٰ ترین قانون کو توڑنے والا اس ملک کا بادشاہ بن جائے تو پھر ہر کسی کے لئے قانون شکنی ہی بہترین ترغیب بن جاتی ہے الناس علی دین ملوکھم۔ اس طرح ۱۹۵۸ء میں ہمارے ہاں جرم سازی کی فیکٹری کی بنیاد رکھی گئی جس کی پیداوار بڑھتے بڑھتے اب اتنی عام ہو چکی ہے کہ ہر کوئی اس Product سے متمتع ہو رہا ہے۔ ایک ہاتھ فائدہ اٹھاتا ہے تو دوسرا ہاتھ نقصان۔ قہقہہ لگاتا ہے تو ساتھ ہی روتا ہے لیکن کسی کو کوئی معلوم نہیں کہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ اگر آغاز سے لاعلمی ہے تو پھر انتہا کیسے معلوم ہو گی۔ رسیاں اور ڈوریں ایسی گڈمڈ ہو چکی ہیں کہ سرا ہی نہیں ملتا۔ اس لیے کہ ۱۹۵۸ء میں جس دستور شکنی اور لاقانونیت کی بنا پر جبر کی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی اور عمارت اٹھائی گئی اس نے نہ صرف جرم کیا بلکہ اپنا جرم چھپانے کے لیے اس مجرمانہ حرکت کی قصیدہ خوانی کا بھی بندوبست کیا۔ بغاوت کو انقلاب کہا اور کہلوایا۔ جسٹس منیر سے روشنی کی بجائے تاریکی نکلوائی۔ بت کو خدا کا درجہ دلوایا۔ موت کو حیات پاکستان کہا اور کہلوایا۔

Marfat.com

بے دستوری کو دستور اور لاقانونیت کو قانون پکارا اور اس طرح مجرمانہ ذہنیت کی ساخت وپرداخت اور پذیرائی کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ ریڈیو پر اس مجرمانہ ذہنیت کے گیت گائے گئے۔ اخبارات اور رسائل کو مجرم سازی کے لیے مجبور کیا گیا اور جو نہ مانے انھیں طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں۔ ان کے پریس ضبط ہو گئے۔ انہیں کنگال کر دیا گیا۔ ان کا روز گار چھین لیا گیا۔ مجرم ساز اور مجرمانہ ذہنیت والے خود خدا بن بیٹھے۔ سنسر لگا دی گئی۔ زبان بندی دستور ٹھہرا اور حمید نظامی ایسے فدائین آزادی کو وہ وہ آزار پہنچائے گئے کہ وہ موت کے منہ میں دھکیل دیئے گئے۔ اس لیے کہ مجرمانہ ذہنیت کے پرچار کے راستہ کا روڑا تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ وہ کردار سازی جسے تہذیبوں کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ اسے ختم کرنے کے لیے چند سال ہی کافی ہوتے ہیں۔ حریت کے پروانے اور اسلام کے دیوانے ایسی قبیح حرکات کے کیسے حصہ دار بن جاتے۔ انہوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر باطل تو ریاست کی طاقت پر قبضہ کر چکا تھا اور اس کے سہارے اس نے اپنا کام شروع رکھا اور یہ جنس ایسی عام کر دی کہ آج ہر شخص کسی نہ کسی طریقہ سے کوئی نہ کوئی جرم ضرور کر رہا ہے۔ جرم سے زیادہ وہ مجرمانہ ذہنیت زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہوتی ہے جو ہزاروں جرائم کو جنم دیتی ہے۔ مارشل لاء خود جرم ہے مگر اس کے کرتا دھرتا نے اس کی قبولیت کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کئے اس نے جو مجرمانہ ماحول اور فضا پیدا کی اس نے بے انتہا نقصان پہنچایا جس کا حساب ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ ہر اچھا انسان مجبور ہو گیا کہ وہ اپنی بقا کے لیے کسی نہ کسی جرم میں ضرور شامل ہو یا جرم کو چھپانے میں مصروف ہو جائے۔ جب اتنا بڑا جرم اتنی بڑی جگہ سے سرزد ہو اور اس کا انعام بادشاہت ٹھہرے تو اس مرض کا ہر کسی کو لگ جانا ایک قدرتی امر ہے اور یہ وہ لت ہے کہ جس کا نشہ ہیروئن کی لت سے بھی بڑھ کر ہے۔

اس اخلاق باختگی کا شکار سب سے پہلے تو انتظامیہ ہوئی کہ جس کی بقا ان مجرموں کی خدمت میں ٹھہری۔ انتظامیہ کا کام ہے قانون اور قاعدے کے مطابق حکومتی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانا۔ قانون قاعدہ تو بیک قلم ختم ہو گیا۔ اب انتظامیہ کا کام رہ گیا حکمرانوں کا حکم ماننا کیونکہ مارشل لاء کا دوسرا نام ہے مارشل کا حکم۔ راتوں رات انتظامیہ اور پولیس قانون کی نوکر ہونے کی بجائے ناجائز بے دستور حکمرانوں کی باندی بن گئی۔ اگر نہیں بنتی تو نوکری سے فارغ۔ ان کے بال بچے بھوکے مریں' تڑپیں' جہنم میں جائیں۔ ہاں اگر حکمرانوں کی بات مانتے ہیں تو جیسے چاہیں عیش کریں۔ مزے کریں۔ اس طرح ساری انتظامیہ اپنی اپنی سطح پر ارتکاز اختیار کی مالک بن گئی۔ اسی طرح جیسے ایوب خان کے ہاتھ میں

Marfat.com

خان کے ہاتھ میں سبھی اختیارات جمع ہو گئے تھے اسی طرح اوپر سے لے کر نیچے تک یہی صورت بن گئی۔ اس کے بہت برے نتائج بر آمد ہوئے۔ مگر سب سے برا نتیجہ یہ نکلا کہ احتساب کا خوف جاتا رہا اور سوائے ان صاحب اختیار لوگوں کے جن کو اپنی تربیت 'تعلیم' یا خاندان کی وجہ سے خوف خدا تھا' سب ہی نے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ رشوت اور بدعنوانی آہستہ آہستہ عام ہونا شروع ہو گئی۔ سارا کام اوپر سے شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری انتظامیہ اس کا شکار ہو گئی۔ سارے بند ہی ٹوٹ گئے۔ کوئی روکنے والا نہ تھا کوئی کہنے والا نہیں تھا۔ آخر کار مجرمانہ ذہنیت کی تبلیغ نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیئے اور سارے معاشرے کو اپنا شکار بنا لیا۔ انصاف نام کی کوئی شے نہ رہی۔ ہر سو چھینا جھپٹی شروع ہو گئی اور نفسانفسی کی ایک پاگلانہ دوڑ شروع ہو گئی اور اس بدی کے رقص میں سبھی شامل ہوتے گئے۔ کیونکہ بقاء ذات کا اور کوئی راستہ رہ ہی نہیں گیا تھا۔ اوپر کا مجرم اور نیچے کا مجرم آپس میں مل گئے۔ ایک وقت تھا کہ جذبہ ایمانی کی وجہ سے چور اور سعد ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے تھے اور اب اس لا قانونیت کے بعد ایک ایسا انقلاب آیا کہ جذبہ بے ایمانی کی وجہ سے تمام نمک حرام ایک ہی صف میں بد قسمتی سے آکھڑے ہوئے۔

۱۹۵۸ء سے قبل جذبوں اور ولولوں کی پذیرائی تھی۔ قوت ایمانی کی بات ہوتی تھی۔ اسلام اور پاکستان کے لیے قربانیوں کا ذکر ہوتا تھا کیونکہ اس وقت کی منڈی میں اسی سکہ کی قدر و قیمت تھی۔ ہر آدمی پاکستان کو اپنا سمجھتا تھا۔ اس نے اسے خون دے کر بنایا تھا۔ اس میں اس کا حصہ تھا وہ اسے خوبصورت اور خوشحال دیکھنا چاہتا تھا پھر کیا ہوا کہ یہ ملک ان کا نہ رہا۔ کسی غاصب نے ان سے چھین لیا۔ ان کی متاع عزیز جاتی رہی۔ ان کی محبت کا مرکز بکھر گیا۔ وہ خود بھی بکھرنے لگے۔ ایک وقت تھا کہ سکول کا مدرس سخت محنت کرتا تھا کہ اس کے ملک کا طالب علم بہترین سکالر بن جائے تاکہ اس کا وطن عظیم بن جائے۔ منتظم بہترین انتظام کرنے میں مصروف تھا کہ اس کے وطن کے امن و سلامتی کا تقاضا تھا۔ وطن کی خوشحالی ہی سے ان کی خوشحالی وابستہ تھی۔ قاعدہ قانون کے مطابق اس کی سروس سیکورٹی تھی۔ مہنگائی اس قدر نہ تھی اس کی اجرت بھی معقول تھی۔ اسے اپنے وطن سے محبت تھی۔ یہ اسکے خیالات و جذبات کا عکاس تھا ان کی شناخت اور عزت تھا۔ یہی اس کا سب کچھ تھا لیکن جیسے ہی مارشل لا کا ہتھوڑا چلا یہ سب کچھ اس کے پاؤں کے نیچے سے سرک گیا۔ وہ کٹی پتنگ کی طرح بے یقینی کی ناؤ میں بے سمت تیرنے لگا۔ نہ قانون نہ قاعدہ نہ وکیل نہ دلیل۔ بہترین سے بہترین اور قابل ترین سے قابل ترین نہایت دیانتدار اور عزت دار سول ملازمین کو محض اپنا رعب دبدبہ

Marfat.com

بٹھانے کے لیے چلتا گیا کہ کسی کو صحیح بات کرنے کی جرات ہی نہ ہو۔ جو رہ گئے ہیں وہ ڈر جائیں اور بقاء ذات کے چکر میں پڑ جائیں کہ بقاء ذات کے لیے حرام بھی حلال ٹھہر جاتا ہے۔ اس بے یقینی کی فضا نے کرپشن کی نشوونما کی کہ مصیبت کے وقت کے لیے کچھ کر لیا جائے کیونکہ اس طرح کی مصیبت کا تعلق آپ کے کسی کردار سے نہیں۔ یہ ناگہانی بلا کی طرح اسباب و علل کے بغیر کسی وقت بھی آپ کے سر آن پڑ سکتی ہے۔ ارتکاز اختیار اور بے یقینی کی فضا نے بدعنوانی اور کرپشن کی آبیاری کی۔ بے دستوری اور قانون شکنی کی قصیدہ گوئی نے ویسے ہی اخلاقی اقدار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس بدی کے لامتناہی چکر نے معاشرہ کے ہر فرد ہی کو بدی میں جکڑ کر رکھ دیا۔

انسان بنیادی طور پر بہت کمزور واقع ہوا ہے وہ بقا ذات کی جبلت کے تحت زندگی گزارتا ہے۔ صرف خاص روحانی اخلاقی اور دینی فضا میں اس کی متواتر تربیت ہی اسے اخلاقی قوانین کی طرف راغب کرتی ہے۔ اسی فضا اور ماحول میں تہذیبی ادارے پھلتے اور پھولتے ہیں اور فرد و معاشرہ کے حقوق اور فرائض کا تعین کرتے ہیں جس پر چل کر معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتا ہے مگر جب بھی منفی اور مجرمانہ طریقوں سے اس فضا کو خراب کر دیا جائے حرمت قانون اور دستور ختم کر دی جائے تو معاشرہ اور اس کے افراد فوراً اس بے یقینی کی فضا میں بقاء ذات کی مصلحت کے تحت اخلاقی اقدار سے ہٹ کر نفسانفسی اور بدی کے چکر میں جکڑے جاتے ہیں اور بھلے سے بھلے نیک پارسا لوگ بھی اس بدی کا شکار ہو کر زندہ رہنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سارا معاشرہ ہی اخلاق باختہ ہو جاتا ہے اور اس معاشرہ کا امن و سکون تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے معاشرہ میں یہ آغاز دستور شکنی اور قانون کی بے حرمتی کے ساتھ شروع ہوا۔ پہلے لوگ پریشان ہوئے مگر پھر اخلاق باختگی کی دلدل میں دھنستے ہی چلے گئے۔ اخلاقی اور روحانی اقدار بے قدر و قیمت ہوتے گئے اور مادی اسباب اور مال و دولت عزت و توقیر کے پیمانے بنتے گئے۔ جبروت و سطوت بے انصافی اور بے اعتدالی تفاخر کا مقام حاصل کرتے گئے۔ احترام آدمیت کی بجائے مال و دولت باعث عز و شرف ٹھہرنا شروع ہو گئے۔ پھر کیا تھا کہ تہذیب و انسانیت کے بند ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ انسان کی روح برباد ہو گئی اور آسیب آ کر اس میں بس گئے۔ حریت کے پاکیزہ زندہ جاوید جذبوں نے جس اسلامی روحانی انقلاب کی پذیرائی کی تھی اور انسانی عمل کو متحرک کر دیا تھا وہ تباہ ہو کر رہ گیا۔ وہ لگن جو ملک و ملت اور اس کے افراد کے لئے تھی ختم ہوتی گئی۔ اخوت اور بھائی چارہ ختم ہونا شروع ہو گیا اور سبھی پاکیزہ رشتے پراگندہ ہونا شروع ہو گئے۔ قلب و روح نے جہاں بھی اظہار کیا وہ اس بد اثر سے متاثر

Marfat.com

ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اساتذہ پرائیویٹ ٹیوشن کی سوچ کو بھی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ وہ تو اپنے شاگردوں کی ذہنی اور قلبی تربیت کرنا اپنے لئے باعث اعزاز سمجھتے تھے۔ مگر وقت کی کروٹ کے ساتھ ہی یہ سب جذبے فنا ہو گئے دولت عزت کا پیمانہ تھی تو اس منڈی میں تعلیم' استاد سب ہی بکنا شروع ہو گئے ٹیوشن تو پیچھے رہ گئی نقل عام ہو گئی۔ نقل تو معمولی بات تھی نمبر بکنے شروع ہو گئے۔ سنٹر بکنے شروع ہو گئے بدی کا ذرہ برداشت کر لیں تو وہ پھر پہاڑ خود بخود ہی بن جاتا ہے اور کچھ یہی ہمارے ساتھ ہونا شروع ہو گیا۔

۱۹۵۸ء سے قبل شاید ہی کوئی مجسٹریٹ یا سول جج رشوت خور ہوتا ہو کیونکہ انکے ایمانی جذبات ابھی زندہ تھے مگر پھر جب مادی وسیلہ ہی معیار بن گیا تو یہ خرابی ادھر بھی دھڑا دھڑ سرایت کرنا شروع کر گئی اور وقت گذرنے کے ساتھ بڑھتی ہی گئی۔ اور تو اور اس سے قبل تو تھانیدار بھی شاذ و نادر ہی کرپٹ ہوتے تھے اور بڑے عزت دار لوگ تھے۔ بے ایمان تھانیدار بھی زیادہ سے زیادہ کسی معزز زمیندار سے گندم یا گھی قبول کر لیتے وگرنہ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ مقدمہ تو خیر کبھی بکا ہی نہیں تھا اور اس کی کوئی بھی ان سے توقع نہیں کرتا تھا یہ انہونی بات تھی مگر جب حکومت ہی ایسی آ گئی جس نے خود جھوٹے اور بے بنیاد مقدمات بنوانا اپنی سٹیٹ پالیسی بنائی تو پھر سارے کا سارا نظام ہی دھڑام سے آ گرا۔ مارشل لاء والوں کی کوئی جماعت نہ تھی سارے عوام ہی اس کے لئے دشمن تھے اور انہیں جبر اور خوف کے حربوں ہی سے قابو میں رکھا جا سکتا تھا اور وہ سارے حربے خوب استعمال ہوئے اور بلا دریغ استعمال ہوئے۔ اس وقت سے جھوٹی ایف آئی آر اور اس کی بنا پر مخالفین کو جیل میں رکھنا ایک نہایت ہی قبیح روایت بن گئی۔ جب اس طرح کے کام حکومتی سطح سے شروع ہوئے تو پولیس والوں کی بھی خوب موج ہو گئی اور رشوت کا تلاطم بلا خیز آ گیا۔ پورے ملک میں ۱۹۵۸ء سے پہلے کے بہت سے لوگ موجود ہیں وہ آپ کو بتا سکتے ہیں کہ اس سے قبل پاکستان میں پولیس یا دوسرے محکموں میں کتنی رشوت تھی۔ بالکل نہ ہونے کے برابر تھی لیکن جب قانون کی بے حرمتی کی وجہ سے اخلاق باختگی نے سر اٹھایا تو کرپشن کی بھی انتہا ہو گئی۔

۱۹۵۸ء کے بعد کا ادب بے روح اور جامد ہے۔ اس میں سفلی پن غالب ہے۔ کوئی بڑی تخلیق آپ کو نظر نہیں آتی ہے۔ شاعری بے ذوق ہے۔ ہاں مزاحمتی ادب کہیں کہیں کاٹ رکھتا ہے لیکن اپنے مخصوص حالات سے نکل کر آفاقی نہیں بن سکا اس لئے کہ روح بھی مر چکی تھی۔ اس وقت کے اخبارات اور رسائل تو خیر بالکل بے کار تھے کہ ان پر سنسر کی تلوار لٹک رہی تھی۔ انسانی ذہنوں کی

Marfat.com

نشو نما بھی روک دی گئی اور روح و قلوب مقفل کر دیئے گئے۔ جذب و مستی اور آزادی کا ذوق اڑا لیا گیا۔ اظہار خیال پر سخت قدغن لگا دی گئی۔ گھٹن اور حبس نے ایسی سڑاند پیدا کی کہ اچھی ارواح بھی اس کا شکار ہو گئیں۔ اور تو اور اس زمانے کے بعد باذوق فلمیں بھی بننا بند ہو گئی کہ اچھے ذوق کا بازار ہی بند ہو گیا۔ فضول اور بدذوق ڈراموں کی بہتات ہو گئی۔ جرم اور مجرم ہیرو بننا شروع ہو گیا۔ کیوں نہ ہوتا کہ بادشاہت ہی قانون شکنوں کی آ گئی تھی۔ بالکل سود در سود کی طرح بدی کا چکر پھیلتا گیا اور پورا معاشرہ اس کی جکڑ میں آنا شروع ہو گیا مگر ریاستی مشینری تھی کہ قانون شکنوں کی تعریف اور قصیدہ گوئی میں دن رات مصروف تھی۔

قانون اور قانون کی تمام علامتوں کا سرعام اور لگاتار مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ اس لئے کہ اتنی دیدہ دلیری سے دستور اور قانون توڑنے کے بعد انہیں یہ سب کچھ تو چھیننا ہی تھا۔ اس لئے کہ ان کے ہاتھ تو توہین پاکستان اور اس کے نظریہ کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ پاکستان جس کو ایک زبردست سیاسی جمہوری عمل کے ذریعہ تمام اسلامیان ہند خاص طور پر قانون دان طبقہ نے تخلیق کیا تھا۔ قائداعظم، خود علامہ اقبال، لیاقت علی خان، سید امیر علی اور بہت سے اور قابل قدر نمایاں قائدین کا تعلق اسی پیشہ سے تھا اور ان کے تخیل کے پاکستان کو ایوب خان نے ذبح کر دیا تھا اسی لئے وہ خاص طور پر اور خاص اہتمام کے ساتھ پیشہ قانون کی خود تضحیک کرتا تھا اور پوری سٹیٹ مشینری کو اس مذموم کام پر لگا رکھا تھا۔ اسی طرح جس طرح کہ ایک عام مجرم اس طرح کی حرکات کرتا ہے۔ وکلاء کے مذاق اڑائے جاتے۔ عدالتی نظام میں ظلم و جبر اور جہالت کی ان قوتوں نے نقب لگائی اور ایسی بے معنی اور فضول ترامیم کروائیں کہ خدا پناہ۔ کہا گیا کہ جلد از جلد انصاف مہیاء ہو سکے گا مگر اصل مقصد تھا جلد از جلد بے انصافی اور اپنی منشا کا انصاف۔ یہ ان میں ترامیم اور چھیڑ خانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اب کوئی مقدمہ ختم ہونے کو ہی نہیں آتا تھا۔ ایوب خان سے پہلے دیوانی مقدمات میں کچھ تاخیر کے معاملات ضرور سنائی دیتے تھے مگر فوجداری مقدمات میں کبھی دیر ہی نہیں ہوتی تھی۔ قتل کے بڑے بڑے اور پیچیدہ مقدمات ۳ سے ۵ دن کے اندر سیشن عدالت میں ساعت ہو کر فیصلہ ہو جاتے تھے۔ اس لئے کہ زیادہ تر کام سپردگی مقدمہ کی سٹیج پر کر لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد مدعی، گواہ ملزم بھی خواہش مند ہوتے تھے کہ انکا فیصلہ جلد سے جلد ہو جائے کیونکہ انہیں بھی معلوم تھا کہ بے انصافی کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ عدالت اور تفتیش کے مراحل حصول انصاف اور سچائی کی خاطر ہی ہوتے تھے۔ دھوکہ اور دغا کے واقعات کم ہی ہوتے تھے مگر جب اعلیٰ ترین مقام پر دغا اور فریب حکومت کا موثر ترین حربہ بن

Marfat.com

گئے تو ان کا اثر نیچے ہونا ایک فطری امر تھا اور آہستہ آہستہ ہر فریق نے دغا فریب اور حیلہ سازی کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ مجرمانہ ذہنیت کی بے دستور اور بے قانون حکومت کا مطمع نظر اور [illegible] ان مجرموں کے ساتھ ہو جانا بھی ایک قدرتی اور منطقی امر تھا اور ان کی تمام حرکات اور اقدامات کا نتیجہ جھوٹ کذب اور بے انصافی کا فروغ نکلا۔ کیوں نہ ہوتا کہ سٹریجی اور لائحہ عمل کے ماہرین کی تربیت ہی دغا کی ہوتی ہے۔ جب تک نظریں بیرون ملک رہیں یہ نیک عمل دشمنوں کے خلاف تھا۔ اب چونکہ اندرون ملک اپنے ہی شہریوں کے خلاف تھا اس لئے اس نیک عمل کے شکار بھی وہی ٹھہرے تھے۔ عوام دشمن' عوام کے نمائندے دشمن' جمہوریت کفر' قانون اور دستور دشمن' قانون چلانے بنانے اور نافذ کرنے والے دشمن۔ قانون کی ساری علامتیں ہی تکلیف دہ' تو کیوں نہ ان کے ساتھ [illegible] کی جائیں۔ ان چالبازیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی نگاہ میں حکومت اور اس کے اداروں کا احترام بالکل ختم ہو گیا۔ اعتماد جاتا رہا۔

انکل ایوب کی حکومت کذب جھوٹ جہالت جبر اور بے انصافی کی علامت بن گئی۔ جھوٹے مقدمات کے خوف پر مبنی حکومت محض ایک بلیک میلر کا روپ دھار گئی اور لوگوں کی نگاہ سے تمام احترام کے جھے ختم ہو کر رہ گئے۔ قانون اور قاعدہ ہی سے چھیڑ خانی نہیں بلکہ عدالتی انتظامیہ اور اس کے نظم ونسق میں ایسی ایسی تبدیلیاں لائی گئیں کہ لوگوں کا اعتماد ہی ہلا کر رکھ دیا۔

جسٹس شبیر اور کیانی ایسے عظیم ججوں نے اس ادارے کی رہی سہی ساکھ کو بچانے کے لئے بہت کوشش کی مگر وہ اس اندھے بلڈوزر کے سامنے ایک معمولی سا روڑا ہی بن سکے۔ منیر نے جو تاریکی پھیلائی وہ وسعت ہی اختیار کرتی گئی۔ تمام قوانین اور روایات کا خون کر کے مغربی پاکستان کی ہائیکورٹ کا چیف جسٹس براہ راست ایک وکیل کو مقرر کر دیا اگرچہ وہ وکیل اپنی ذات میں بہت ہی ایماندار اور ماہر قانون تھا لیکن انصاف کے اعلیٰ ترین اداروں کی اس طرح سے دھجیاں ہی بکھر کر رہ گئیں۔ ان حرکات نے ہر ذی شعور اور مہذب شخص کو ہلا کر رکھ دیا کہ منظور قادر ایسی اصول پسند شخصیت سے ایسی توقع نہ تھی کہ وہ ملک وملت کے اس عظیم ادارے کی تباہی میں شریک ہو جائے۔

لیکن جبر و جہالت کے شکار نظام کی قوت ملاحظہ ہو کہ وہ منظور قادر پسر شیخ عبدالقادر جسے علامہ اقبال جیسی ہستی بھی چاہت کی نگاہ سے دیکھتی تھی' بھی اس کا شکار ہو گئی۔ لیکن ہر اچھے آدمی نے اس حرکت کو اتنا برا سمجھا اور ایسا خاموش احتجاج شروع ہوا کہ منظور قادر اسے برداشت ہی نہ کر سکا اور استعفی دے کر بدنامی کے دھبے دھونے میں مصروف ہو گیا۔ مگر یہ وہ دھبے تھے جنہیں شاید سات سمندر کے پانی بھی

Marfat.com

نہیں دھو سکتے۔ جبر و جہالت کی حکومت نے قانون کی حکمرانی کو جڑ سے اکھاڑنے کا ہر جتن کیا اور عدالتی نظام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ عدالتی نظام کی وحدت اور نظام کو پارہ پارہ کر دیا۔ اسے بکھیر دیا' ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مختلف ٹربیونل تشکیل دیئے۔ خصوصی عدالتوں کی طرح ڈال کر اپنے انتظامی محکموں کے زیر اثر کر دیا یہاں تک کہ ہر انتظامی محکمہ کی گود میں ان کی اپنی اور اپنی منشاء کی عدالت لا بٹھائی اور ان کی عمارتیں شہروں کے طول و عرض میں پھیلا کر ان کی وہ ناقدری کی کہ پھر عوام نے انہیں ماسے کی عدالتیں کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح ان دستور شکنی کی شکار مجرمانہ ذہنیت کی حکومت نے قانون اور عدالت کا پاکستان میں ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ بے انصافی ظلم و جبر اور زیادتی کے تمام راستے صاف کر دیئے۔

اس طرح کی حرکات سے انتہائی مایوسی اور بے اعتمادی کا پیدا ہونا ایک فطری عمل تھا اور جن کو انصاف نہ ملے تو وہ پھر قانون کو خود ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اگر بات سمجھ نہ آئے تو پھر اس باپ سے پوچھا جائے جس کے لخت جگر کو اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے اور قاتل دندناتا پھر رہا ہو تو اس کے دل پر کیا گذرتی ہے یا وہ بھائی جس کی بہن کی عصمت دری کر کے اس کی عزت تار تار کر دی جائے اور کوئی ظالم کو سزا دینے پر تیار نہ ہو تو اس کا قلب و روح کیسے بلبلاتا ہے؟ وہ کیا بیان کرے گا وہ تو پھر وہی عمل کرے گا کہ جس کی ہر تہذیب اور طریق نے اجازت دی ہے کہ ظلم و جبر کے قانون توڑ دیئے جائیں اور اپنی حفاظت خود کی جائے۔ مگر ایسے انفرادی فعل تو پھر لا متناہی کبھی بھی نہ ختم ہونے والے جھگڑوں' قتل و غارت اور فتنوں کو جنم دیتے ہیں لیکن اگر ناجائز حکمران جو خود لاقانونیت کی پیداوار ہوں وہ اپنے احساس گناہ کی مجرمانہ ذہنیت کے لاشعوری عمل سے ایسے حالات پیدا کر کے قانون کی حکمرانی کو تباہ و برباد کر دیں تو اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوتا ہے جو اس قانون شکن پودے نے بڑھ کر ایک تناور شجر کی شکل اختیار کر کے ہمارے معاشرہ کے امن و سکون کو تباہ و برباد کر دیا ہے کسی کو پتہ نہیں چل رہا کہ اس تہذیب خور اور انسانیت سوز درخت کی جڑیں کہاں ہیں اور اس کی آدم خور شاخیں کہاں تک پھیل چکی ہیں اور ہر کسی کو بقائے ذات کے مقام پر لا کھڑا کر کے بدی کے انتہائی بدچکر کا یرغمال بنا کر رکھ دیا ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

Marfat.com

قومیں مکر سے نہیں اعلیٰ فکر سے بنتی ہیں

قوم نے جب محسوس کیا کہ ایوب خان نے اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر قائداعظم کے پاکستان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مسلم قومیت کا نظریہ جس کی بنیاد پر اتنی عظیم جنگ لڑ کر اور قربانیاں دے کر یہ وطن حاصل کیا گیا تھا اس کی سمت ہی مکمل طور پر بدل دی گئی ہے۔ ذاتی اقتدار کی خاطر ہر جائز و ناجائز حربہ روا رکھا گیا ہے۔ قانون و دستور مسل دیا گیا ہے۔ قانون کی حکمرانی کا تصور ہی ختم کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ جھوٹی معیشت اور اسکے پرچار سے اخلاق باختہ فضا کی کیفیت پیدا کر کے معاشرتی تباہی اور بربادی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ملک و ملت کو بے مقصد اسراف پسند قرضوں کے بوجھ تلے دے کر صرف رشوت کمیشن اور بد عنوانی کے سامان ہوئے ہیں، جھوٹی مکر و فریب کی سیاست کے سہارے ذاتی اقتدار کے محل تعمیر کئے گئے ہیں اور انتظامیہ کے ذریعے بی ڈی ممبران کی خرید و فروخت کے ذریعے ہر کسی کو بدگمان کیا گیا ہے اور نہایت سائنسی طریقہ سے پورے معاشرہ کو اسلامی روحانی اخلاقی اقدار سے دور کیا گیا ہے اور ہر کسی کو اور ہر شعبہ کو رشوت اور بد عنوانی کے قبیح طریقوں سے رام کرنے کے عمل سے پراگندہ کیا گیا ہے اور کسی بھی فرد یا ادارہ کی حریت باقی نہیں رہ گئی یہاں تک کہ ملک کے اہم ترین ادارہ کو بھی اپنی ذاتی سیاست و حرص کے جوئے میں جھونکنے سے گریز نہیں کیا گیا تو لوگوں کی نگاہ میں ایوب خان کی قدر و منزلت اگر کچھ تھوڑی بہت تھی بھی تو بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔ اتنی زیادہ حد سے بڑھی ہوئی

Marfat.com

خود غرضی لوگوں سے برداشت نہ ہو سکی۔ رہی سہی کسر معاہدہ تاشقند نے نکال دی جہاں روسی وساطت سے ہندوستان کے ساتھ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد معاملات طے پائے۔ ایوب خان اپنے ہی پروپیگنڈا کی جھوٹی مشینری کا شکار ہو گیا جس نے یہ تاثر دیا تھا کہ پاکستان کا جنگ میں پلہ بھاری رہا تھا حالانکہ حقائق ذرا مختلف تھے اور جب تاشقند میں ایک بے مقصد سا معاہدہ طے پایا تو لوگوں نے شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ ایوب خان نے ملک خاص طور پر کشمیر پر سودے بازی کر لی ہے۔ قوم کا اعتماد تو وہ بوجوہ پہلے ہی کھو بیٹھا تھا تاشقند نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگ توقع کرتے تھے کہ اگر اس سارے کھیل کا یہی نتیجہ نکلنا تھا کہ دونوں ملکوں کی افواج اپنی پہلی پوزیشنوں پر چلی جائیں تو یہ سارا ڈرامہ رچایا ہی کیوں گیا تھا۔ یہ پنگا کیوں لیا گیا تھا؟ پوری قوم اور اس کی افواج کو کیوں داؤ پر لگا دیا گیا تھا؟ صرف اس لئے کہ مس فاطمہ جناح کے ہاتھوں ذلت آمیز سیاسی شکست سے لوگوں کی توجہ ہٹائی جا سکے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر لوگ بالکل دل شکستہ ہوئے۔

ذوالفقار علی بھٹو جو اس وقت ایوب خان کے وزیر خارجہ تھے نے تاشقند معاہدہ کے بعد استعفےٰ دے دیا اور تاثر دیا کہ ایوب خان نے تاشقند میں سب کچھ کھو دیا۔ اس امر سے لوگوں کے شبہات کو اور بھی زیادہ تقویت ملی او پوری قوم ایوب خان اور اس کے پر فریب نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ مس فاطمہ جناح کی قیادت میں تو سسٹم کے اندر رہ کر جدوجہد کا فیصلہ ہوا تھا مگر اب لوگوں نے اس جھوٹ کے پلندہ نظام کو ہی چیلنج کر دیا اور خواہش کی کہ جہاں سے گمراہ کیا گیا تھا وہیں واپس جایا جائے اور ایک دفعہ پھر توبہ کر کے اسلامی اخلاقی اور روحانی انقلاب کا راستہ ڈھونڈ کر اپنایا جائے مگر پلوں کے نیچے سے بہت زیادہ پانی بہہ چکا تھا۔ ایوب خان کو بھی تو اسی انقلاب کا راستہ روکنے کے لئے استعمال کیا گیا تھا اور اتنے جتن کئے گئے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اگر وہ ناکام ہو گیا ہے تو دوسرے فنکار کنفیوژن پیدا کرنے کے لئے میدان میں کیوں نہ کود پڑیں تاکہ اسلامی انقلاب کا راستہ روکا جا سکے۔ پاکستان اور اسلام دشمن قوتوں کے لئے تو یہ راستہ ان کی موت کا پیغام تھا۔ اس طرح نہ صرف پاکستان مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا بلکہ پوری مسلم امت ناقابل تسخیر بن جائے گی۔ پھر استعمار کی محتاجی کون قبول کرے گا۔ ان کے کاروبار کیسے چلیں گے ان سے قرضوں کے لیے کون ہاتھ پھیلائے گا۔ کون امداد مانگے گا۔ اگر یہ سب کچھ پہلے کی طرح واپس آ گیا تو ان کی نئی طرز اور سٹائل کی غلامی کون قبول کرے گا؟ ان کم بختوں نے تو ہمارے سارے اندازے ہی فیل کر دیئے تھے۔ اور ایک نہایت ہی بے سرو سامانی کی حالت میں ایک مضبوط پاکستان تعمیر کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اسلامی

Marfat.com

جوش و خروش کا ایک خوفناک طوفان کھڑا کر کے رکھ دیا تھا۔ بڑی مشکل سے اس کا رخ موڑا تھا۔ خواجہ ناظم الدین کو راستے سے ہٹایا تھا اور اپنے تمام مقاصد حاصل کر لیے تھے۔ پاکستانی معاشرہ کی اسلامی اقدار سے ہٹا کر مادی اور مالی منفعت کی چاٹ پر لگا کر اس کا ستیاناس کر دیا تھا۔ اس کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ اسے ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ نسلی اور علاقائی تعصبات کے دلدل میں پھنسا دیا تھا۔ جھوٹی سیاست سے گلی کوچے میں فساد برپا کروا دیا تھا۔ اب یہ پھر اسی خوفناک انقلاب کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح ان کا راستہ روکنا ہوگا اور کسی اور طرف لگانا ہوگا۔

حریفوں کا یہ کام خود ڈکٹیٹر نے کافی حد تک آسان کر رکھا تھا کیونکہ سالہا سال کی ذاتی حکمرانی جس کا سوائے اپنے ذاتی اقتدار کے اور کوئی فلسفہ ہی نہ تھا لوگوں میں بہت زیادہ فکری انتشار پھیلا دیا تھا اور وہ ایک چپو کے بغیر کشتی کی طرح ڈول رہے تھے کہ جو بھی چمکدار اور کرشماتی نعرہ بازی کرے اس کے پیچھے چلنے کے لیے تیار تھے۔ ۱۰/۱۲ سال کی ڈکٹیٹرشپ نے تمام نظریاتی جڑیں ہی کاٹ ڈالی تھیں۔ ہزاروں سال کی تہذیب گری اور سیرت سازی کی نفی کر دی تھی۔ حضرت داتا گنج بخش سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ تک کے تمام بزرگان دین کے محبت و شفقت اور اخوت سے بھرے سبق بھلا دیئے تھے۔ محمود غزنوی۔ التمش، بابر اور اورنگ زیب جس اسلامی تہذیب کی توانائیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ وارد ہوئے تھے انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ انگریزوں کی تہذیب نے بھی بُرے اثرات چھوڑے تھے۔ خاص طور پر قانون کی حکمرانی کا تصور وہ بھی آمریت کی نذر ہو گئے۔ اس کی جگہ بد عنوانی اور ظلم کو خوب رواج ملا تھا۔ اقبال اور قائداعظم نے جس اسلامی جمعیت اور خودی کو ابھار کر ملت سازی کی تھی اسے بکھیر کر رکھ دیا تھا۔

اسی صورت میں آمریت کی کوکھ سے مسلم قومیت کی طرف مراجعت کے بجائے جو تمام مسلمانان ہند کی ایک متفقہ متعین سمت تھی دو اور شکلیں بھی برآمد ہوئیں جو اس مسلم قومیت کے تصور کے بالکل متضاد تھیں۔ ابھر کر سامنے آئیں۔ آمریت کی وجہ سے سالہا سال کی بے انصافیوں اور اقتدار سے محروم رکھنے سے مشرقی پاکستان کے لوگوں میں اپنی زبان کی بنیاد پر بنگالی قومیت کا تصور بہت شدت سے ابھرا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ اگر فوج کے بل بوتے پر مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے کمانڈرانچیف ہی نے ان پر حکومت کرنی ہے تو آزادی کی تحریک تو بے معنی تھی انھیں اس سے کیا فائدہ۔ خاص طور پر جنگ کی حالت میں بھی اگر یہ فوج ان کا دفاع نہیں کر سکتی تو بہتر ہے کہ وہ اپنی آزادی کا دفاع خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر کریں۔ اپنا انتظام و انصرام خود کریں۔ اپنی معیشت کی

Marfat.com

دیکھ بھال خود کیوں نہ کریں۔ آمریت میں دونوں طرف کے لوگ محکوم تھے۔ مگر بنگالیوں نے بوجوہ اسے بہت ہی زیادہ محسوس کیا۔ اس طرح آمریت کی گود سے مسلم قومیت کی نفی کرتے ہوئے بنگالی قومیت کے تصور نے جنم لیا۔ دوسری طرف مغربی پاکستان میں آمریت کے دور میں اسلامی اقتصادی تصورات کی نفی نے نہایت ہی بھیانک ارتکاز دولت کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کے خلاف جذبات نہایت تیزی سے ابھر رہے تھے آمریت کے دور کی غیر ملکی خاص طور پر امریکی تصورات پر مبنی اقتصادیات نے امارت اور عشرت کے چند ایک جزیرے بنا دیئے تھے جس کی وجہ سے امیر اور غریب میں تفاوت بہت بڑھ گیا تھا۔ اس صورت حال میں غریب کے حق میں بات کرنا۔ سوشلزم کی بات کرنا۔ روٹی کپڑا اور مکان کی بات کرنا ایک خاص کشش رکھ سکتی تھی۔ لہٰذا ملک کے دونوں بازوؤں کے مخصوص حالات نے دو قسم کے تصورات کو وہاں کے عوام کے لیے پر کشش بنایا۔ مشرقی پاکستان میں بنگالی قومیت اور مغربی پاکستان میں سوشلزم یا اس کے اسلامی چہرہ والا نام اسلامی سوشلزم یا مساوات محمدی اور یہ دونوں تصورات اقبال اور قائداعظم کے مسلم قومیت کے تصور سے یکسر مختلف بلکہ متضاد تھے۔ ایک تصور کی آواز شیخ مجیب الرحمان بنے تو دوسری طرف ذوالفقار علی بھٹو مساوات محمدی کے چیمپئن بن کر ابھرے، چوہدری محمد علی، میاں ممتاز دولتانہ، خواجہ صفدر، نوابزادہ نصراللہ خان اور مولانا مودودی وغیرہ مسلم قومیت کی آواز لے کر اٹھے اور اپنی اصلی کھوئی ہوئی منزل کی طرف واپسی کو آواز دی۔ اس طرح ان تین تصورات کی ایک تثلیث بن کر ابھری اور سیاسی کشمکش شروع ہو گئی۔ بلکہ تیز ہوتی گئی۔

ان نظریاتی اختلافات کے باوجود تمام طبقات ایک بات پر متفق تھے کہ ایوب خان کی آمریت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس سے بھی لوگ مایوس تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی مہم جوئی اور ایڈونچر نے ملک و ملت کی ہیئت کذائی کر کے رکھ دی ہے۔ اس ہیئت کذائی کا علاج کیا ہے۔ اس پر تو اختلاف تھا مگر ڈکٹیٹر کو ہٹانے کے لیے سب متفق تھے کہ بہت سی بیماریوں کی جڑ وہی تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ اس کے صدارتی نظام اور بی ڈی سسٹم کے باقی سب لوگ خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ اس ظالمانہ اور کرپٹ اخلاق باختہ انتظامی ڈھکوسلے کو یکسر ختم کر کے بانیان پاکستان کے عطا کردہ اسلامی وفاقی پارلیمانی نظام کی طرف مراجعت کی جائے تاکہ اس میں ہر طبقہ اور خطہ کی خاطر خواہ نمائندگی ہو سکے۔ پارلیمنٹ کے ذریعہ تمام معاملات طے ہوں۔ حکمران پارلیمان کے سامنے جوابدہ ٹھہریں اور بے لگام ہو کر خود سری نہ کر سکیں۔ پاکستان کی تخلیق بھی اسی تصور پر ہوئی تھی اور بعد میں مختلف صوبوں

Marfat.com

مختلف صوبوں اور علاقوں کے قائدین جنھوں نے آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا اسے ہی دستور کی اساس مانا تھا تاکہ تمام گروہوں اور علاقوں کے جذبات اور خیالات کی پارلیمنٹ کے اندر نمائندگی ہو سکے۔ اور تمام امور وہیں پر طے پائیں اور کسی کو کسی سے گلہ شکوہ نہ رہے۔ ۱۹۵۶ء کے دستور کی بنیاد بھی یہی تصور تھا اور اس پر سب کا اتفاق تھا مگر وہ سب کچھ تو بیوروکریٹس اور جرنیلوں کی محدود نگاہی کا شکار ہو گیا تھا اور اس وجہ سے ملک اس حالت کو پہنچا تھا لہٰذا قائدین اور قوم نے اپنی کھوئی ہوئی منزل ایک دفعہ پھر تلاش کرنا شروع کر دی اور پوری قوم ایوب خان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ جلسے جلوس ہوئے اور پھر اک تحریک بن گئی۔ ایوب خان اور ان کی انتظامیہ نے بہت سختی کی۔ جیلیں بھر گئیں۔ لاٹھی چارج ہوتا۔ آنسو گیس چلتی اور گولیاں برسائی جاتیں۔ ہزاروں سیاسی کارکنوں نے جانیں قربان کر دیں اور لاکھوں انسان گھائل اور زخمی ہوئے۔ تمام قوم نہایت جوش و خروش سے اپنی بقا اور آزادی کی جنگ لڑتی رہی۔ انتظامیہ اور ان کی سختیاں کسی کام نہ آئیں۔ فوج بلالی گئی اس سے بھی کام نہ بنا۔ جب سب کچھ ناکام ہو چکا تو ایوب خان گفت و شنید پر رضامند ہوا۔ گول میز کانفرنس میں تمام سیاسی قائدین کو مدعو کیا گیا۔ بھٹو کے علاوہ سب لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ مذاکرات کے بعد ایوب خان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اپنے دیئے ہوئے دستور اور نظام کی ناکامی کو تسلیم کرتا۔ آخر اس طرح ذاتی مقاصد کی خاطر بنائے ہوئے بے نور دستور اور جھوٹے اور جعلی نظام کا یہی حشر ہونا تھا ایوب خان اور دوسرے قائدین نے اتفاق رائے سے فیصلہ کر لیا کہ مناسب ترامیم کے بعد پاکستان میں صدارتی کی بجائے وفاقی پارلیمانی نظام رائج کیا جائے گا تاکہ کوئی مہم جو فوجی یا سویلین خود سری اور ڈکٹیٹر شپ کے ذریعہ ملک و ملت کو تباہی کے کنارے نہ لاکھڑا کر سکے۔ اور پاکستان کے شہری آزادی کے ثمرات سے فائدہ اٹھا کر ایک آبرومند اور باوقار قوم بن کر ابھریں۔ اپنے معاملات خود اپنی پارلیمان کے ذریعہ طے کریں اور کسی ایک شخص کے رحم و کرم پر نہ رہیں جو اتنی آسانی سے ان کی آزادی اور حاکمیت اعلیٰ کا سودا کر کے ان کو محتاج و بے وقار بنا سکے۔ سب لوگ اپنے ملک کے انتظام و انصرام میں شرکت کا احساس کر کے اس پر فخر کر سکیں اور سربلند کر کے چل سکیں۔ اور اسلامی روحانی انقلاب کی کھوئی ہوئی منزل کو ایک دفعہ پھر حاصل کر سکیں تاکہ وہیں سے ایک دفعہ پھر اپنی اخلاقی روحانی ملی ترقی کا سفر شروع کر دیں جہاں سے بھٹکایا گیا تھا اور قوت اخوت عوام کے نظام سے پاک سرزمین کو کشورِ حسین بنا دیں۔

Marfat.com

مگر اے بسے آرزو۔ کاش ایسا ہو جاتا مگر اسلامی روحانی انقلاب کی تو اک دنیا مخالف تھی۔

اقبال اور قائداعظم تو اس وقت کی سپر پاور کے سینے پر مونگ دل کر اسے کامیاب بنا گئے تھے۔ یہ ان کی قوت کردار کا کرشمہ تھا۔ ان کے ایمان کی پختگی کا معجزہ تھا کہ انگریز کے نسلی اور جغرافیائی تصور قومیت کو باطل کر دیا تھا جس کی بنا پر انہوں نے اسلامی دنیا کو تقسیم کر رکھا تھا۔ بعد میں اسلام مخالف قوتوں نے ہماری انگریز زدہ بیوروکریسی اور جرنیلوں کے ذریعہ اس کا بدلہ لے لیا اور اتنے سال بھٹکائے رکھا۔ اب وہی قومیں کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ یہ قوم اس سیاسی کشمکش کے نتیجہ میں ایک دفعہ پھر اپنی اصلی منزل کی طرف لوٹ آئے۔ اس منظر سے تو ان کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں کہ اگر ان مسلمانوں نے اپنی منزل پالی تو پھر ان کی خیر نہیں ہے۔ لہٰذا اس منزل کا راستہ روکنے کے لیے ایک دفعہ پھر سازشیں شروع ہو گئیں کہ کسی نہ کسی طرح پوری قوم کے فیصلہ کو سبوتاژ کر دیا جائے اور اس کام کے لیے جرنیل یحییٰ خان کمانڈر انچیف سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا؟ نہایت چالاک اور عیار تھا بد قماش اور بدمعاش تھا۔ عورت اور شراب کا رسیا۔ بدمست اور عیش کوش۔ لنڈن جانسن صدر امریکہ کے رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر جیسے جیسے ایوب خان امریکہ سے دور ہوتا گیا یحییٰ خان قریب سے قریب تر ہوتا گیا۔ نکسن سے تو یحییٰ خان کی ذاتی دوستی تھی۔ میر جعفر کی روایت تو دیر سے موجود تھی ہی۔ خود ایوب خان نے اس کی پیروی کی تھی۔ ویسے بھی ایوب خان اپنے بہت سے پرانے گناہوں سے دل ہی دل میں خوفزدہ تھا اور سیاستدانوں پر مکمل اعتماد نہیں رکھتا تھا۔ اسے بھی یحییٰ خان پر ان کی نسبت زیادہ اعتماد تھا۔ پرانے آقا بھی اس پر مہربان تھے اور پھر پوری قوم کا فیصلہ سبوتاژ ہو گیا۔

لہٰذا ایوب خان نے جنرل یحییٰ خان کو لکھا کہ وہ بحیثیت کمانڈر انچیف اپنا دستوری کردار ادا کرے اور ملک کو بچالے اور یحییٰ خان نے دستور ختم کر کے مارشل لاء لگا دیا۔ کس وقت جب ملک میں مکمل طور پر امن قائم ہو چکا تھا۔ سیاستدانوں نے ایوب خان کے ساتھ کامیاب مذاکرات کے بعد دستور میں مناسب ترامیم اور بالغ رائے دہی کے اصول پر نئے انتخابات کی تیاری شروع کر دی تھی۔ احتجاج کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ اور مکمل امن وامان بحال ہو چکا تھا۔ ملک میں کسی قسم کا بھی فتنہ فساد نہ تھا اور مارشل لاء کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔ ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء امن بحال کرنے کے لیے نہیں لگایا گیا تھا اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ بلکہ یہ تو لگایا گیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح قوم اپنے اصلی راستہ کی طرف گامزن نہ ہو جائے جس کا فیصلہ انہوں نے متفقہ طور پر کر لیا تھا۔ یہ مارشل لاء ایک دفعہ پھر اسلامی

Marfat.com

روحانی انقلاب کا راستہ روکنے کے لیے لگایا تھا۔ ایوب خان نے ۱۹۵۶ء کا دستور ختم کیا۔ اور پھر اپنا بنایا ہوا بے نور دستور بھی یحییٰ خان کے ذریعہ ختم کیا اور ملک کی باگ ڈور اس کے حوالے کر کے آرام سے گھر بیٹھ گیا اور قائداعظم کی میراث کو مکمل تباہی کے دہانہ پر لا کھڑا کیا۔ اخلاقی 'معاشرتی اور معاشی تباہی تو پہلے ہی کر چکا تھا۔ اسلامی روحانی اخلاقی معاشرہ کا تو مقصد ہی ختم ہو چکا تھا۔ اب اس اقدام سے اس نے جغرافیائی تباہی کا بھی آخری بندوبست کر دیا۔ اسے کسی دستور ' قانون یا ضابطے نے یہ اختیار نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا خط ملک کے کمانڈر انچیف کو لکھے اور اسے دستوری کردار ادا کرنے کا کہے۔ دستور میں ایسے کسی رول کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ کمانڈر انچیف کو اس قسم کی بے دستوری کا کوئی اختیار تھا۔ یہ سب کچھ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ اس مجرمانہ ذہنیت اور بے راہ روی کا نتیجہ تھا جو اس ملک وملت کے ساتھ اتنی دیر سے روا رکھی جا رہی تھی۔ اخلاقی اور سیاسی جواز صرف اور صرف اس متفقہ معاہدہ کا تھا جو ملک کی نمائندہ جماعتوں نے مل کر کیا تھا مگر یحییٰ خان اور ان کے سرپرستوں نے عین موقع پر اسے پس پشت ڈال دیا اور ملک وملت کو ایک نئی بھیانک اور مہلک کشمکش اور چپقلش سے دوچار کر دیا۔ ایوب خان نے بھی اسی میں خیریت محسوس کی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر معاملات صحیح سمت پر چل پڑے تو شاید اس کی جوابدہی کا مرحلہ آجائے اور اسکے پاس ملک وملت کی معاشرتی اور دستوری تباہی کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔ خوف کی سلطنت قائم کرنے والا خود خوف کا شکار ہو گیا اور ایک دوسرے جرنیل کی پناہ میں چلا گیا۔

جنرل یحییٰ خان نے آتے ہی قومی اتفاق رائے سے طے پانے والے معاہدے کو نظرانداز کر دیا۔ ملک وملت کی یکجہتی کے لیے مسلم قومیت کے نظریہ کے احیاء کی بجائے نفاق کی قوتوں کی حوصلہ افزائی شروع کر دی۔ تاکہ تقسیم کرو' حکومت کرو' کے فارمولا کو بروئے کار لا کر اپنے ذاتی اقتدار کو مستحکم کر سکے۔ تقسیم در تقسیم اور نفاق کی تو پہلے ہی ایوبی آمریت میں بے پناہ آبیاری ہو چکی تھی۔ صوبائی' لسانی اور علاقائی تعصبات بدرجہ اتم جوان ہو چکے تھے۔ طبقاتی کشمکش کے سارے سامان تیار کیے جا چکے تھے یہ تو صرف ایوب خان کے خلاف تحریک اور سیاسی عمل کی وجہ سے دب گئے تھے۔ اور لوگوں کو امید ہونے لگی تھی کہ شاید ایک دفعہ پھر اپنی کھوئی ہوئی منزل دوبارہ حاصل کر لیں۔ یحییٰ خان کے لیے ان اختلافات اور تنازعات کو دوبارہ اچھالنا بالکل مشکل نہیں تھا اور اس نے یہ گندہ کھیل نہایت عیاری اور مکاری سے کھیلنا شروع کر دیا۔ پنجابی اور بنگالی کی لڑائی کروا دی۔ بدخبری اور حکمت عملی سے بنگالی مسلمانوں کے خلاف نفرت کے الاؤ جلا دیئے تاکہ اس بندر بانٹ میں وہ اپنے اقتدار کے

Marfat.com

مزے لوٹتا رہے۔ کلاس وار کے لیے حالات پیدا کر دیئے اور ملک کو ایک نہایت ہی خوفناک بحران سے دوچار کر دیا۔ ایوب خان نے تباہی کے ڈرامہ کو جہاں پر چھوڑا تھا اس نے اسے چند مہینوں ہی میں اس سے کئی گنا بڑھا دیا۔ میں ان معاملات کی زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ کیونکہ سب لوگ اس بھیانک ڈرامہ سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جنرل یحیٰی خان نے دفاع پاکستان اور اسلام کے نام پر کس قدر گھناؤنی حرکات کیں۔ ظلم و بربریت کی انتہا کر دی۔ افراد، گروہوں اور علاقوں میں بغض پیدا کیا۔ مسلم قومیت کے نظریہ کی حامی قوتوں کو کمزور کیا۔ اقبال اور قائداعظم کے تصورات جن سے قوم میں یک جہتی اور اتحاد پیدا ہو سکتا تھا کی مکمل نفی کی اور انتشار کی قوتوں کی حوصلہ افزائی کر کے قائداعظم کے پاکستان کو دولخت کر دیا اور پوری امت کو انتہائی مایوسی اور بے اعتمادی کا شکار کر دیا۔ میں خود ان بہت سے دردناک واقعات کا چشم دید گواہ ہوں، حصہ دار ہوں اور گناہ گار بھی ہوں۔ مگر کچھ بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ میں بہت ہی جونیئر تھا اور حکومتی مشینری کا ایک حقیر پرزہ۔ میں نے جو کچھ دیکھا وہ اپنی خود نوشت میں لکھ ضرور دیا ہے۔ یحیٰی خان کے زمانہ ہی کا احوال نہیں بلکہ اس کے بعد کا بھی لکھ دیا ہے۔ جو حضرات تفاصیل میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ ویسے بھی اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہاں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جنرل یحیٰی خان نے وہ کام مکمل کر دیا جو جنرل ایوب خان اور ملک غلام محمد نے ۱۹۵۲ء ہی سے اپنی کوتاہ نگاہی کی وجہ سے شروع کر دیا تھا اور قائداعظم کا پاکستان ٹوٹ گیا۔ یوں ان لوگوں نے مسلمانوں کی ہندوستان میں ہزار سال قبل آمد سے شروع ہونے والی درخشندہ داستان کا تاریک ترین باب لکھ کر پوری مسلم امہ کو شرمسار کر کے رکھ دیا۔ خواجہ ناظم الدین کی بصیرت اور دور رس نگاہ نے جو کچھ اس وقت دیکھ لیا یہ بیوروکریٹس اور جرنیل کبھی بھی نہ دیکھ سکے۔ امداد اور قرضوں کی چمک سے مرعوب ہو کر پورے ملک کو محتاج اور یرغمال بنا ڈالا۔ مال غنیمت اور بے سمت معیشت سے حرام کو حلال اور حلال کو حرام گردان کر قوم کو بے ایمان کرپٹ اور اخلاق باختہ کر ڈالا۔ دستور کشی اور قانون کی بے حرمتی سے قانون کی حکمرانی ختم کر کے لاقانونیت بدامنی اور بے سکونی کے پہاڑ کھڑے کر دئے اور مجرمانہ ذہنیت کی خوب آبیاری کر کے قوم کو جرم اور مجرم کا یرغمال بنا ڈالا اور ان تمام نظریات کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا جن کے لئے ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے اتنی محنت کی تھی۔

اس کے بعد کئی فوجی اور سویلین حکومتیں پاکستان میں برسراقتدار آئیں مگر انحطاط بڑھتا ہی گیا۔ محتاجی اور قرضے بڑھتے ہی گئے۔ ظلم و جبر کے وہ تاریک باب لکھے گئے کہ ایوب خان کا زمانہ تو

Marfat.com

جنت نظر دکھائی دینے لگا۔ ملی وقار اور جمعیت کا سودا ہوتا ہی گیا۔ بھیک کا کشکول دراز ہوتا گیا اور گاڑی جس پٹڑی سے اتری تھی کبھی واپس نہ آ سکی۔ کسی نے معیشت کو نیشنلائزیشن سے تباہ کیا تو کسی نے قوم کو کلاشنکوف اور ہیروئن کے تباہ کن تحفے دیے۔ بدی برائی اور قومی ضعف بڑھتا ہی گیا اور ایک ناسور کی شکل اختیار کر گیا۔ ہر شخص پریشان ہے کہ آخر ہو گا کیا۔ ہے کوئی اس کا علاج؟ اگر فوجی ڈکٹیٹر شپ ہی بہت قومی امراض کا سبب ہے تو کیا وجہ ہے کہ بعد میں آنے والی سویلین اور جمہوری حکومتوں کے دور میں حالات اور زیادہ تیزی سے خراب ہوتے ہیں۔ بدامنی لاقانونیت کرپشن بے انصافی مہنگائی پہلے سے بڑھ کر لوگوں کی زندگی کو مزید اجیرن کر دیتی ہے۔ لوگ بلبلا رہے ہیں اور علاج نظر نہیں آتا۔

میرے پاس بھی اس کا تسلی بخش جواب نہیں ہے بلکہ میرا ذہن بھی اسی طرح کے مشکل سوالات میں پھنسا رہتا ہے۔ اور میرے قلب و روح کو تڑپاتا رہتا ہے۔ مجھے اپنے ملک سے بے پناہ محبت ہے۔ مجھے پاکستان نے سب کچھ دیا ہے۔ شناخت دی ہے۔ آزادی دی ہے۔ فخر دیا ہے۔ آسائشیں دی ہیں۔ اعلی منصب اور عہدے دیئے ہیں۔ مجھے زندگی دی ہے مجھے ۱۹۴۷ء میں موت کا سمندر طے کر کے اس گوشہ عافیت میں پناہ ملی ہے۔ پاکستان سے میرا دینی رشتہ ہے۔ ثقافتی رشتہ ہے۔ میرا یہ مستقبل ہے۔ میری اولاد کا مستقبل ہے۔ میری قوم کا مستقبل ہے۔ یہ میرا مرکز یقین ہے۔ یہ میری ذات اور نفسیات ہے۔ یہ میری روح ہے۔ یہ میری حیات ہے سبھی کچھ ہے۔ پھر بھی مجھے ان مشکل سوالات کا جواب نہیں مل رہا۔ کچھ تو میری کج فہمی کا علاج ہو۔

کچھ لوگ تو مایوسی میں غلط انداز میں بھی سوال اٹھا لیتے ہیں۔ مگر مجھے اپنے عظیم محسنوں کی کاوشوں اور اعلی وارفع مقاصد پر مکمل یقین ہی نہیں بلکہ اندھا اعتماد ہے کہ یہ ان ہی کا احسان ہے وگرنہ ہماری داستاں بھی نہ ہوتی داستانوں میں۔ تحریک پاکستان کے عظیم قائدین۔ عظیم فکر اور آزادی کے متوالوں کی قربانیوں کے طفیل ہی یہ سب کچھ ہمیں ملا ہے وگرنہ ہمارا نشان تک نہ ہوتا۔

در حقیقت پاکستان ان ہی کے عزم عالیشان کا نشان ہے۔ ہم بیوروکریٹس نے اسے بگاڑنے میں ضروری حصہ لیا ہے۔ لیکن سیاستدان کیوں نہیں سدھار پاتے۔ آخر کار قائداعظم اور لیاقت علی خان بھی تو سیاستدان ہی تھے عظمت کے عظیم ستون تھے۔ ان سے قبل کے لوگوں سے تو ہم جائز طور پر توقع رکھتے ہیں کہ وہ کیوں ایسا کردار ادا نہیں کر پاتے کہ لوگ ناامید نہ ہوں۔

Marfat.com

جب میرا ذہن بالکل جواب دے گیا تو میں یہ مشکل سوال لے کر اپنے پرانے استاد مرحوم ڈاکٹر اجمل صاحب کے پاس گیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ نفسیات کے استاد رہے ہیں اور بہت ہی قابل فاضل استاد رہے ہیں۔ بلند نگاہ رکھتے تھے اور علم کے ہر شعبہ میں گہری نگاہ کے مالک تھے۔ ان کا مشاہدہ اور تجربہ بھی بہت ہی وسیع تھا۔ ۱۹۹۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ میں نے زندگی میں جب بھی مشکل محسوس کی ان کے پاس راہ نمائی کے لیے حاضر ہوا اور انہوں نے ہمیشہ میری مدد فرمائی۔ یہ سوال بھی میری زندگی کا مشکل ترین سوال تھا اور میں ان ہی کے پاس حاضر ہوا بلکہ کئی دفعہ حاضر ہوا اور اس موضوع پر جو کچھ انہوں نے فرمایا یہاں پر میں اس کا خلاصہ پیش کرنا چاہوں گا۔ ہو سکتا ہے میں ان کے خوبصورت اور دانشمندانہ خیالات کا اظہار پوری وضاحت سے نہ کر سکوں مگر جو کچھ میں سمجھ سکا اسے میں یہاں بیان کرنے کی حتی المقدور کوشش کروں گا۔ میں ڈاکٹر اجمل صاحب کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں کہ انہوں نے کم از کم میرا ذہن ضرور صاف کر دیا۔ مجھے ان سے مکمل اتفاق ہے۔ خدا کرے یہ آپ کے لیے بھی روشنی کا باعث بن سکے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :-

> ''سردار محمد صاحب اصل میں آپ ہر پاکستانی سیاستدان میں قائداعظم محمد علی جناح کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور جب نہیں ملتا تو آپ بہت جلد فرسٹریٹ ہو جاتے ہیں۔ کیا آپ کچھ زیادہ ہی بے صبری اور بے چینی کا مظاہرہ نہیں کر رہے؟ تسلی سے کام لیں ورنہ آپ کو السر ہو جائے گا''۔ مسکرا کر فرمانے لگے۔

''نہیں ڈاکٹر صاحب میں اکیلا نہیں ساری قوم ہی السر کی مریض ہو جائیگی۔ ۴۰ سال گزرنے کو ہیں اور معاملات خراب سے خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ صبر کی بھی حد ہوتی ہے۔ آخر کب تک۔ ہر طرف سے بری ہی خبر آتی ہے'' میں نے عرض کیا۔

ڈاکٹر صاحب بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہے اور ہوا میں گھورتے رہے اور پھر یکدم مسکرا دیئے اور کہنے لگے ''بس ۴۰ سال میں تنگ آ گئے۔ یہ عاشقی ہے عاشقی بہت صبر طلب ہوتی ہے۔ قوموں کے زیر و بم کے دورانیے بہت لمبے ہوتے ہیں۔ کمانا ذرا صبر سے بھی کام لیجئے''

اب ڈاکٹر صاحب کے سامنے مجھے مزید گستاخی کی تو جرات نہ تھی۔ اس لئے سوچا کلور نہیں تو کم از کم ڈاکٹر صاحب کے سامنے ضرور صبر کا دامن تھامے رکھوں ورنہ دل دماغ تھا کہ بھن سڑ کر آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اور نہیں تو اہل سیاست کو خوب سناؤں شاید یہ بات ڈاکٹر صاحب

Marfat.com

نے محسوس کرلی۔ آخر کار اتنے بڑے ماہر نفسیات تھے۔ اپنے شاگرد کے دل کو ضرور پڑھ رہے ہوں گے۔ فرمانے لگے

"آخر سیاستدانوں سے آپ کیا چاہتے ہیں۔انہوں نے اتنے مشکل حالات میں پاکستان بنا کر دیا اور اس سے بھی زیادہ مشکل حالات میں اسے نہایت عمدگی کے ساتھ Administer کر کے چلا کر دیا۔ کہ پوری دنیا کو حیران کر دیا۔ ہندوستان کو آگے لگا لیا۔ پھر بھی آپ کو شکایت ہے۔ خرابی کی جڑ تو آپ لوگ بیوروکریٹس ہیں جو اپنے تھوڑے سے مفاد کی خاطر اپنی ناک سے آگے دیکھ ہی نہیں سکتے۔ میرا خیال ہے آپ کی شکایت بے جا ہے۔ قائداعظم تو ہیرو تھے سب کے ہیرو تھے۔ ویسے میں آپ کو ایک تاریخی اٹل حقیقت بتاؤں۔ ہیرو روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ انکا ورود کبھی کبھی ہوتا ہے۔ ہزاروں سال نرگس اسی لئے اپنی بے نوری پہ روتی رہتی ہے۔ اور ہیرو تب ظہور پذیر ہوتا ہے جب حالات بہت ہی خراب اور مخدوش ہوں۔ قائداعظم بھی ایسے ہی حالات میں سامنے آئے جب ملت اسلامیہ کے لئے حالات بد ترین تھے۔ انہوں نے ہمیں اس کسمپرسی کی حالت سے نکالا اور فلاح کا راستہ دکھایا۔ اب یہ آپ کا اور میرا کام ہے کہ ہم معاملات کو اچھی طرح سے چلائیں اور اپنی میراث کا سنبھالا کریں۔ سردار صاحب خرابی خود کرتے ہو اور الزام سیاستدانوں پر دھرتے ہو"

میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب میرے سوال کے دائرہ سے کہیں دور جا چکے تھے اور تاریخ کی بسیط وسعتوں کا احاطہ کر رہے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ مجھے ان سیاستدانوں سے قطعاً کوئی شکایت نہیں ہے۔ وہ تو ہمارے محسن تھے اور ہیں۔ مجھے تو موجودہ سیاستدانوں کی کارکردگی سے مایوسی ہو رہی ہے۔ میں ہی نہیں ساری قوم مایوس ہو رہی ہے۔

فرماتے ہیں "یہ بھی آپ لوگوں کا قصور ہے۔ پاکستان بننے کے چند سالوں بعد ہی بیوروکریٹس اور جرنیلوں نے سازشیں شروع کر دیں اور حالات بگاڑ دیئے۔ غیروں کی مدد سے سیاسی معاملات کو انتظامی انداز میں Handle کرنا شروع کر دیا۔ اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کا کام کرنا شروع کر دیا۔ نہ تیتر نہ بٹیر سب کچھ گڈمڈ کر دیا۔ دستور توڑ دیا اور احساس گناہ کے ساتھ خود حکومت پر قبضہ کر کے سیاستدانوں کو بے دخل کر دیا۔ بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اپنے گناہ ان کے متھے لگا دیئے اور سبھی کو گناہ آلود کر دیا۔ آپ کو پتہ ہے کہ Guilt-Complex یعنی احساس گناہ کن کن صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ نہیں آپ کو معلوم ہی نہیں۔ یہ ایسی ایسی صورتیں اختیار

Marfat.com

کرتا ہے کہ آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ یہی کچھ تمہارے اور ہمارے مارشل لائی جرنیلوں کے ساتھ ہوا ہے۔ تم لوگ گناہ کرتے ہو۔ قومی جرائم کرتے ہو اور کہتے ہو کہ بہت بڑی نیکی کر رہے ہو اور تم پولیس والے تو بہت ہی زیادہ شیطان ہو۔ ہر برائی اور جھوٹ روا رکھتے ہو۔ گروہی اور سیاسی بنیادوں پر جھوٹے مقدمے بناتے ہو۔ اور سمجھتے ہو کہ کوئی اچھا کام کر رہے ہو۔ یہ آخری احساس اصل میں بدی کی سب سے بڑی شکل ہے اور اسے Complex کہتے ہیں۔ تم لوگوں کو یہ جھوٹ بھی اصل میں سٹرٹیجی اور Tactics کے ان ماہرین ہی نے سکھایا ہے۔ تمہیں تو قانون کی قوت سمجھا جاتا تھا جسکی بنیاد سماجی اور اخلاقی اقدار پر ہوتی ہے۔ یہ جھوٹ کے انداز بھی ان چالبازوں نے آپ پر تھوپے ہیں اور آپ لوگوں کو احساس تک نہیں ہے۔ دشمنوں کے خلاف چالبازیوں کی بجائے وہ اب اپنے ہی شہریوں کو آپ لوگوں کے ذریعہ پھنسانے کے نت نئے حربے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ آپ کو پتا تک نہیں ہے اور آپ گناہ کئے جا رہے ہیں۔ اسے ہی تو سردار محمد صاحب Complex کہتے ہیں اور آپ اپنے گناہ دوسروں پر لاد رہے ہیں۔ بنیادی قصور آپ لوگوں کا ہے۔ مارشل لاء لگا کر دستور اور قانون کشی کر کے گناہ سرزد کیا اور پھر ساری قوم کو اس گناہ میں آلودہ کر لیا۔ اور کہنا شروع کر دیا کہ بہت نیک کام کیا ہے۔ اسی کو Complex کہتے ہیں۔ اس طرح پوری قوم کو نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دیا۔ اسکی دوہری شخصیت بنا دی۔ جھوٹ اور سچ کی ملاوٹ کر دی۔ اور سب کو کنفیوژ کر کے رکھ دیا۔ "

ڈاکٹر صاحب نے اس نفسیاتی پہلو پر ایک اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔ کیوں نہ کرتے یہ تو انکا اپنا خاص مضمون تھا لیکن میرے صبر کا پیمانہ واقعی لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ استادی انداز میں انہوں نے مجھے خوب ڈانٹ بھی پلا لی تھی۔ میرے پیشہ کی شیطنت کا ذکر بھی کر لیا اور ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر مجھے نفسیاتی ڈھارس بھی مہیا کر دی۔ مگر پھر بھی مجھ سے رہا نہ گیا اور یک لخت کہہ اٹھا

"تو کیا ہم ہی سب گناہوں کے ذمہ دار ہیں اور سیاستدان کیا فرشتے ہیں اور نیکی کے کاموں میں مشغول ہیں۔ اور رشوت لیکر اور پھیلا کر قومی خدمت سرانجام دے رہے ہیں؟"

یہ بات کرتے کرتے مجھے محسوس ہوا کہ میرے لہجہ میں خلاف معمول ایک تلخی اور گستاخی کا رنگ تھا۔ لیکن مجال ہے کہ ڈاکٹر صاحب پر ذرہ بھر بھی اثر ہوا ہو اور نہایت تسلی کے ساتھ فرمانے لگے کہ

Marfat.com

"سوال افراد کا نہیں سسٹم کا ہے۔ آپ لوگوں نے سسٹم کو تباہ کیا ہے۔ دستوری اور قانونی ادارے تباہ کیے ہیں۔ ذاتی حکمرانی کے لئے نفاق کے بیج بوئے ہیں۔ پوری قوم کو ریزہ ریزہ کیا ہے جسکی شیرازہ بندی کے لئے سیاستدانوں نے اتنی محنت کی تھی۔ اخلاق باختہ کیا ہے۔ بدعنوانی اور رشوت کو فروغ دیا ہے۔ ۱۹۵۸ء سے قبل تو ایسی بات نہ تھی۔ یہ کس نے کیا؟ آپ لوگوں نے تاکہ ہر کسی کو دوسرے سے لڑا کر خود حکومت کرتے رہیں۔ اور جب اقتدار چھوڑنے پر مجبور کر دیئے جائیں تو آنے والوں کے لئے اور مشکلات کا سامان پیدا کیا جائے۔ بکھری ہوئی قوم کو اور بکھیرنے کا بندوبست کیا جائے اور نہایت بے دردی کے ساتھ غیر جماعتی انتخابات کا اہتمام کیا جائے تاکہ پہلے سے تقسیم شدہ قوم مزید چھوٹی چھوٹی شناختوں میں بٹ جائے۔ برادری، فرقہ "نسل، زبان اور علاقہ کی شناختوں کا سہارا لے اور مسلم قومیت کے نظریہ جسکی بناء پر یہ ملک بنا تھا بالکل نفی ہو کر رہ جائے۔ اس طرح تقسیم شدہ قوم کو مزید تقسیم کر کے سیاستدانوں کے گلے ڈال دیا جائے اور خود دور بیٹھ کر تماشا دیکھا جائے اور جب وہ ان مسائل جو آپ نے پیدا کئے ہیں ان کی دلدل میں خوب پھنس جائیں، دھنس جائیں تو ایک دفعہ پھر زور دار طنز کے ساتھ کہا جائے کہ اصلی گناہ گار تو یہی ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی پہلوان کے پہلے ہاتھ باندھ دیئے جائیں اور پھر کشتی لڑنے کے لئے اسے اکھاڑا میں چھوڑ دیا جائے۔"

مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے پھر دخل اندازی کی اور کہا کہ

"اس کا مطلب ہے کہ ان کا بالکل کوئی گناہ نہ ہے اور یہ جو چاہیں کرتے رہیں اور ملک و ملت کی قسمت سے کھیلتے رہیں" ڈاکٹر صاحب نے ذرا بے تابی سے فرمایا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو یہ کہہ ہی نہیں رہا۔ آپ میری بات کو کیوں نہیں سمجھنے کی کوشش کر رہے" آخر استاد تھے پھر جھڑک لیا اور اپنی بات جاری رکھی

"آپ کو دخل اندازی کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ اس سے بالکل پرہیز کریں۔ ایسی باتوں ہی سے تو اتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ ان کو پوچھنے کے لئے پریس موجود ہے۔ پارلیمنٹ ہوتی ہے۔ اس کام کے لئے یہ خود ہی کافی ہیں۔ ایک دوسرے پر خوب کیچڑ اچھال لیتے ہیں۔ رائی کا پہاڑ بنا لیتے ہیں۔ اظہار تو سیاست اور جمہوریت کا خاصہ ہے اور جب انہیں موقع ملتا ہے تو یہ بالکل مادر پدر آزاد ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کا احتساب کرتے رہتے ہیں آپ اس سے پریشان نہ ہوں۔ اگر یہ کام جاری رہے تو یہ خود اپنا راستہ تلاش کر کے توازن حاصل کر لیتا ہے۔ یہی تو اس سسٹم کی خوبی ہے کہ یہ خود اپنی اور بندوں کی درستگی کی گنجائش رکھتا ہے۔

Marfat.com

آپ لوگ تو بس سنسر لگا کر اظہار کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب اچھا ہے اور اندر ہی اندر وہ سڑاند پیدا ہوتی رہتی ہے کہ اللہ کی پناہ۔ یہ لوگ فرشتے نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے یہ توقع رکھتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم ان میں قائداعظم کے اوصاف ڈھونڈ رہے ہو۔ یہی تمہاری غلطی ہے۔ یہ آپ میں سے آپ جیسے لوگ ہیں۔ ان میں سے کچھ آپ کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اور کچھ آپ کے ڈسے ہوتے ہیں۔ آپ نے ان کو خراب کیا ہے۔ پورے سسٹم کو خراب کیا ہے بلکہ پورے معاشرہ کو خراب کر دیا ہے۔ آپ ذرا صبر کریں بلکہ توبہ کریں۔ سیاسی سوچ کی نشوونما مت روکیں اسی کے اندر سے اصلاح ہو جائیگی۔ پھر اچھے سیاستدان بھی آ جائیں گے۔ انہیں چلنے دیں۔ غلطیاں کرنے دیں۔ آپ نہ ٹوکیں انہیں ٹوکنے والے اور بہت سے لوگ اور ادارے موجود ہیں ان اداروں کو آپ نے تباہ کیا ہے۔ اگر وہ اب کمزور ہیں تو کچھ دیر بعد وہ ضرور توانا ہو جائیں گے۔ انہیں چلنے دیں۔ خدارا چلنے دیں۔ اس میں ہر کسی کی بہتری ہے۔"

میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب بہت تھک گئے تھے۔ آخر پیری کا عالم تھا لیکن ان کا ذہن خوب کام کر رہا تھا۔ بلکہ بولتے بولتے وہ مجھے جوان سے نظر آنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے اندر کا عظیم دانشور جھلک رہا تھا چمک رہا تھا اور انہیں یہ گفتگو کر کے راحت مل رہی تھی۔ میں بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا مگر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ سیاستدانوں کے خلاف میرے بہت سے تعصبات کم ہوتے گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ واقعی اس جنس کے خلاف ڈکٹیٹروں نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی زہر بھرا ہوا ہے اور ان کی کردار کشی بھی خوب سائنٹیفک طریقہ سے کی گئی ہے۔ اپنے گناہ واقعی ان کے متھے خوب لگائے ہیں اور یہ خود بھی ایک دوسرے کا منہ خوب کالا کرتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی فوجی رجمنٹ تو ہے نہیں کہ حکم ہوا اور چل پڑے۔ ایک ہی طرف اور قدم سے قدم ملا کر۔ یہ تو رنگا رنگ کی دنیا ہے اور اس میں اس کی خوبصورتی ہے۔ اس رنگا رنگی سے ہمیں گھبرانا نہیں چاہئے۔

میں چائے پیتے پیتے ان کی باتوں کو بھی سنتا رہا اور ان خیالات کو بھی ذہن میں گھماتا رہا۔ میں ان خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ یکدم ڈاکٹر صاحب کی آواز آئی۔

"سردار میں آپ کو ایک مزیدار بات بتاؤں۔ یہ جن لوگوں کو تم سیاست دان سمجھتے ہو یہ اصل میں کوئی خاص سیاستدان نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں آمریت اتنی دیر رہی ہے کہ کسی سیاسی اور جمہوری کلچر کو فروغ ہی نہیں ملا۔ ان میں سے کچھ تو اپنے آپ کو جرنیل ہی سمجھتے ہیں بلکہ سپر جرنیل سمجھتے ہیں اور ان ہی کے رنگ میں رنگے ان ہی جیسی حرکات کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان سے بدتر

Marfat.com

کیونکہ اصل اصل ہوتا ہے اور نقل نقل "میں یہ سن کر حیران رہ گیا اور میں نے سمجھا کہ ڈاکٹر صاحب نے موڈ میں آکر اپنا شاید پینترا بدل لیا ہے۔ "وہ کیسے؟" میں نے کہا۔

"دیکھیں جرنیل حکومت پر قبضہ فوج کی طاقت سے کرتے ہیں اور یہ لوگ قبضہ عوام کی طاقت سے چھڑاتے ہیں اور اس میں ایک جنگ کی شکل ابھرتی ہے۔ آپ نے سنا ہے نا کہ جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہوتی ہے۔ اس طرح کی جنگ میں سیاسی لوگوں نے بھی ہر طرح کے سچ جھوٹ کو جائز قرار دے لیا اور جنگی جرنیل بن گئے۔ تو پھر یہ کیسے سیاستدان ہیں۔ آپ لوگ اپنے راستے سے ہٹ گئے۔ ان کا کام آپ نے کرنا شروع کر دیا۔ دستور توڑا اور قبضہ کر لیا اب قبضہ چھڑانے میں یہ بھی گندے ہو گئے۔ اور اب آپ خود ہی ان کو گندا بھی گردان رہے ہو۔ اگر آپ لوگ سیاسی عمل میں دخل اندازی نہ کریں اور اسے چلنے دیں تو آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ معاملات میں بہتری آنا شروع ہو جائیگی۔ صرف انتخابات لڑنے سے تو آدمی سیاسی نہیں بن جاتا ہے۔ یہ تو صرف ایک مرحلہ ہے۔ اگر یہ سلسلہ چلنے دیا جائے تو آہستہ آہستہ اسکے آداب بھی آجائیں گے۔ انداز بھی آجائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مارشل لاء کے ذریعے جمہوریت نافذ کر دی جائے۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ ہم توقع کریں کہ کیکر کے درخت سے آم کا پھل آنا شروع ہو جائے۔ پاکستان سیاسی عمل سے معرض وجود میں آیا تھا۔ پوری قوم نے اس میں حصہ لیا تھا۔ یہ اسکا اساسی فلسفہ ہے۔ اس سے انحراف اسکی تباہی تو ہو سکتی ہے کبھی اس سے خیر کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ کوئی قوم اپنی جڑوں سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ پاکستانی قوم کی جڑیں اسلام اور جمہوریت ہیں۔ یہی اسکی ہیت ترکیبی ہے۔ یہی اس قوم کی نفسیات ہے اور یہی اس کی ثقافت ہے۔ یہی ہمارے بزرگوں نے ہمیں ودیعت کیا ہے۔ یہی اسکی تاریخ ہے۔ اقبال اور قائداعظم کے پاکستان کی بنیاد ہی مسلم قومیت کے نظریہ پر رکھی گئی۔ یہ پوری قوم کی امانت ہے۔ اسمیں ڈکٹیٹروں اور بیوروکریٹس نے بہت بڑی خیانت کی ہے۔ اور پورے نظام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ہمیں گمراہ کیا ہے۔ ہمیں کسی نئے نظام کی ضرورت نہیں ہمیں ڈکٹیٹروں کا بگاڑ ختم کر کے بانیان پاکستان کے نظام کی طرف واپس لوٹنا ہو گا۔ نئے نظام کی باتیں کرنے والے محض ایک نیا کنفیوژن پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس تو وہ نظام اور اسکا نقشہ موجود ہے جو اس ملک کو تشکیل دینے والے عظیم محسنوں کی طرف سے ہمیں دیا گیا تھا۔ ہاں اس میں خرابی کی جو بھی شکلیں آمروں نے اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر پیدا کی ہیں صرف انہیں درست کرنے کی ضرورت ہے۔ توبہ کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے دینی ملی اور ثقافتی تشخص کو ابھارنے کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

پاکستان کے بنیادی مقاصد کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی روحانی انقلاب کی طرف دوبارہ رجوع کرنے کی ضرورت ہے اگر سیاسی عمل جاری رہا تو یہ کام ضرور ہو گا۔ وگرنہ آپ لوگوں سے تو کوئی توقع نہیں ہے۔ آپ کیوں ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ان ہی میں سے خیر کی خبر آئے گی۔ آپ میں سے نہیں۔ آپ لوگ بیچ سے ہٹ جائیں۔ جرنیل اور بیوروکریٹس تو انقلاب پاکستان کی مخالف انقلاب قوتوں میں سے ہیں اور کسی حد تک وہ سیاستدان بھی جو تم لوگوں کی تخلیق ہیں۔ مگر سیاسی عمل کی اپنی خوبصورتی ہے۔ وہ اس عمل کے دھوبی گھاٹ سے گزر کر آہستہ آہستہ صاف ہوتے جائیں گے' ہٹتے جائیں گے۔ بس آپ لوگ دخل مت دیں یہ آپ کا کام نہیں۔"

اس وقت تک ڈاکٹر صاحب بہت تھک چکے تھے مجھے انکا حفظ مراتب بھی بہت ملحوظ خاطر تھا۔ میں نے انکا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ ملک وملت کی خدمت کے لئے کوئی اور نصیحت ہو تو ضرور فرما دیں انہوں نے مجھے بے حد محبت اور شفقت سے گلے لگایا اور فرمایا کہ اگر پاکستان کے بیوروکریٹس اور جرنیل اپنی ماضی کی ملک وملت کے خلاف کوتاہیوں اور حماقتوں سے توبہ کر کے فیصلہ کر لیں کہ آئندہ وہ ایسی حرکات نہیں کریں گے تو یہ اس ملک پر بہت بڑا احسان ہو گا۔ اور ملک سنبھل جائے گا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو اور ہمیں ہمارا کھویا ہوا راستہ مل جائے اور ہم ایک دفعہ پھر اپنے اسلامی روحانی انقلاب کی طرف رواں دواں ہو جائیں" ان الفاظ کے ساتھ میں نے ان سے رخصت طلب کی اور سوچتا رہا کہ شاید ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں۔ اور جیسا جیسا وقت گزرتا ہے مجھے ڈاکٹر صاحب کی بات میں بہت زیادہ وزن نظر آتا ہے۔ تشدد تلخی اور عدم رواداری کی غیر جمہوری اور قوم کے اندر تقسیم در تقسیم اور نفاق کی جو گندی روایات آمروں نے پیدا کی ہیں خدا کرے ہم ان سے چھٹکارا حاصل کر کے ایک متحد مضبوط مستحکم اور صحت مند قوم بن کر روحانی معراج حاصل کر سکیں۔ جسکا خواب علامہ اقبال نے دیکھا اور قائد اعظم نے تعبیر کر دکھایا تھا۔ راستہ پا کر ہم نے کھو دیا تھا۔ خدا کرے ہم اسی راستہ کو دوبارہ پالیں۔ آمین اور ہم پاک سرزمین کا نظام قوت اخوت عوام کی راہ پر چل کر آزاد منش باوقار اقوام کی طرح سربلند پھریں۔ اپنے آپ پر بھروسہ کرنا سیکھیں۔ اپنے ایمان کی قوت کو پہچانیں نہ کہ دوسروں کی امداد اور قرضوں کی محتاجی کے چکر میں پھنسیں۔ جن کوتاہ اندیشوں نے ہمیں اس میں پھنسایا اور اسے کامیابی کی راہ گردانتے رہے خدا ان کو ہدایت دے کہ وہ

Marfat.com

اور ان کے بعد آنے والے گداگری کی بجائے کشور کشائی کو شعار بنائیں اور اقبال و قائد کے افکار کو اپنا کر سرخرو ہوں۔

آخر میں میں حضرت علامہ اقبال اور مولانا روم کے دعائیہ اور رجائیہ اشعار کے ساتھ سلسلہ قلم بند کرتا ہوں۔

جوانوں کو میری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
میرا نور بصیرت عام کر دے

نہ شبنم، نہ شب پرستم
چو غلام آفتابم، کہ ہمہ آفتاب گریم

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

☆☆☆☆☆

Marfat.com

انگریز دانشور ہیوم 135
بانی کانگریس

1914 کی پہلی عالمی جنگ 146

Marfat.com

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-0969-2
9789693509694

Rs. 300.00

Marfat.com

www.sang-e-meel.com
ISBN 969-35-0969-2
9789693509694

Rs. 300.00

Marfat.com